

# فتاویٰ حکیمانیہ



دعوتِ اسلامی

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی  
و دینہ مہفتیان کرام دارالعلوم حقانیہ

بمکملی و مستم

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی  
مہتمم جامعہ حقانیہ

ترتیب

مجلد پنجم فی فضائل اللہ حقانیہ

مناسخ

چاپخانہ دارالعلوم حقانیہ لاہور



وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالْأُولَىٰ لَآتَيْنَهُمْ مِّنْهُم مَّا كَانُوا يَعْلَمُونَ (البقرة)

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کراچی کے افسانہ نویسوں کا مجموعہ



# فتاویٰ حقانیہ

جلد دوم

<p>نگرالی و اہتمام مولانا سمیع الحق مہتمم و استاذ حدیث جامعہ دارالعلوم حقانیہ</p>	<p>تفادلس شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ودگیر مفتیان کرام جامعہ دارالعلوم حقانیہ</p>
---	--

ترتیب مفتی مختار اللہ حقانی

شائع کردہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کراچی نو شہر، پاکستان



(جملہ حقوق و اشاعت و طباعت بحق ادارہ محفوظ ہیں)

نام کتاب ..... فتاویٰ حقانیہ (جلد دوم)

افادات ..... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ  
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ و دیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی و اہتمام ..... شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب ..... مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصص فی الفقہ والافتاء

ضخامت ..... ۶۳۰ صفحات

طابع ..... مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

Mob:0300-4572899

ناشر ..... جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ



# فہرست مضامین جلد دوم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات		
۳۲	مذہبِ اربعہ کی مخالفت کا حکم	۲۵	<b>کتاب الاجتہاد والتقلید</b>		
۳۳	مذہبِ اربعہ کے علاوہ مذاہب کی تقلید کرنا۔				
۳۳	اجتہاد کا دروازہ کھلا ہونے کا حکم				
۳۴	صحابہ کرامؓ کے دور میں تقلید کا مسئلہ				
۳۵	مجتہد کو غلطی پر بھی اجر ملتا ہے۔				
۳۵	مجتہدین کے اقوال پر فتویٰ دینے کا حکم				
۳۶	تقلیدِ مذاہبِ اربعہ کا احادیث سے ثبوت				
۳۷	شاہ اسماعیل شہیدؒ مقلد تھے				
۳۷	اجماع و قیاس کی شرعی حیثیت				
۳۷	مقلدین کو مشرک کہنے والے کے ایمان کا حکم				
۳۷	مذہبِ اربعہ قرآن و سنت کے موافق ہیں				
۴۱	<b>کتاب البدعۃ والرسوم</b>				
۴۱	بدعت کی تعریف			۲۸	امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں
۴۱	بدعت حسنا اور بدعت سیئہ کی تحقیق			۲۸	امام ابوحنیفہؒ کی مرویات کی تعداد
۴۲	بدعت للدين کے جواز کا حکم	۲۹	صحاح ستہ میں امام ابوحنیفہؒ کی روایات		
۴۳	قبر پر اذان کا حکم	۳۰	میزان الاعتدال کی عبارت کی تحقیق		
		۳۱	پاکستان میں دوسرے مذاہب کی تقلید کا حکم		
		۳۱	شاہ ولی اللہ مقلد تھے۔		
		۳۱	مذہبِ حنفی موافق سنت ہے۔		



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۷۱	مساجد میں تعزیہ لانے کا حکم	۳۳	میت کو غسل دینے سے پہلے تعزیت کرنے کا حکم
۷۲	ختم کی دعوت بدعت نہیں	۳۴	تین دن کے بعد تعزیت کرنا
۷۲	درود شریف کیلئے قیام کرنا	۳۴	روٹی کو چھری سے کاٹنے کی رسم کا حکم
۷۳	مصائب میں بخاری شریف کے ختم کا حکم	۳۵	تعزیت کیلئے مناسب جگہ بیٹھنا چاہئے
۷۳	بڑے لوگوں کی برسیاں منانا	۳۶	قل خوانی اور رسم چہلم کا شرعی حکم
۷۴	شادی کے موقع پر سہرا باندھنا	۳۶	صفر المنظر میں چوری کی رسم کی شرعی حیثیت
۷۴	سالگرہ کی شرعی حیثیت	۳۷	بزرگوں کے ہاتھوں کو جو منادعت نہیں
۷۵	عیسوی سال شروع ہونے پر خوشیاں منانا	۳۷	تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کا حکم
۷۵	نیا کام شروع کرنے پر قرآن خوانی کا اہتمام کرنا	۳۸	عمار کے ساتھ نماز پڑھنے پر دوام کا حکم
۷۶	جمعہ کی نماز کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم	۳۹	میت کے گھر سے پہلے تین دن کھانا کھانے کا حکم
۷۶	کھانے پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگنا	۵۰	روٹی جو منادعت نہیں
۷۷	اولیاء اللہ کی قبروں کا طواف کرنا	۵۱	بوقت ضرورت چھری کے ساتھ روٹی کا ٹٹا
۷۷	قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانا	۵۱	جنازہ اٹھاتے وقت ذکر یا بجز کرنا مکروہ ہے
۷۸	والدین کی قبروں کو بوسہ دینے کے بارے میں شرعی حکم	۵۲	میت پر قرآنی کلمات سے منقش چادر ڈالنے کا حکم
۷۹	بغیر نماز کے شبینہ کا حکم	۵۳	اپنے لئے پہلے سے قبر تیار کرنا بدعت نہیں
۷۹	تیجے (رسم قل) وغیرہ میں ختم قرآن کا حکم	۵۳	جمعہ وعیدین کی نماز کے بعد مروجہ مصافحے کا حکم
۸۰	نماز کے بعد التزائم ان اللہ و ملئکتہ الیٰ پڑھنا	۴۴	بغیر عذر کے تابوت میں دفن کرنے کا حکم
۸۰	عرفہ کے دن نجاج سے مشابہت کے لئے	۵۵	دعا بعد از جنازہ کا حکم
۸۰	شہر سے باہر نکلنا	۵۷	مروجہ قضاء عمری بدعت ہے
۸۱	چندے کی رقم سے شیری تقسیم	۶۰	حلیہ استقاط کی شرعی حیثیت
۸۱	کرنے کی شرعی حیثیت	۶۱	دعا بعد السنۃ بلیغیۃ اجتماعیہ کا حکم
۸۲	ختم القرآن کی تقریب میں مساجد کو روشن کرنا	۶۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موٹے مبارک کی شرعی حیثیت
۸۲	تعزیہ کے طور پر براق کی صورت بنانے کا حکم	۷۰	فرض نمازوں کے بعد باواز بلند کلمہ طیبہ کا ورد کرنا
۸۳	تعزیہ کے جلوس میں شرکت حرام ہے	۷۰	ایک دوسرے کو عید مبارک کہنے کا شرعی



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۲۰	{ مال حرام کو صدقہ کرنا موجب ثواب ہے یا نہیں؟ تعارض کا حل۔	۸۲	{ صفحہ مظفر کے آخری بدھ کو خوشی منانے کی شرعی حیثیت
۱۲۱	فیض الباری کی ایک عبارت پر اشکال کا ازالہ	۸۵	رمضان المبارک تیسویں رات کی مٹھائی تقسیم کرنا
۱۲۶	استغفار و رحم کیلئے عدت نہ ہونے پر اشکال کا ازالہ	۸۶	فرض نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کرنا بدعت نہیں
۱۲۶	لفظ قیل کی وضاحت	۹۱	خطبہ جمعہ و عیدین میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا
۱۲۶	متعدد شوہروں والی عورت جنت میں کس کس پاس ہوگی	۹۲	عید میلاد النبیؐ کی تاریخی اور شرعی حیثیت
۱۲۷	حضرت علیؑ کو کرم اللہ وجہہ کہنے کی وجہ	۹۵	نماز کے بعد مصافحہ کا حکم
۱۲۷	ذبیح اللہ کون تھے؟	۹۶	محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم
۱۳۱	<b>کتاب التفسیر</b>	۹۶	مسجد میں ذکر بآبجہر کا حکم
۱۳۱	قرآن مجید کا رسم الخط تو قیفی ہے	۱۰۳	خواتین کا زیارت قبور کے لیے جانا
۱۳۱	تعداد حروف قرآن کریم	۱۰۵	ایصال ثواب اور تخصیص ایام کے بارے چند سوالات
۱۳۲	تعداد آیات قرآن کریم	۱۰۹	اپریل فون منانے کا حکم
۱۳۳	مکی اور مدنی سورتوں میں فرق	۱۱۱	بسنت کا تہوار منانے کا حکم
۱۳۴	مکی اور مدنی کی پہچان	۱۱۵	<b>کتاب العلم</b>
۱۳۴	تعوذ کا حکم	۱۱۵	لاؤڈ سپیکر پر درس قرآن دینے کا حکم
۱۳۵	تعوذ کی جزئیات کا حکم	۱۱۵	قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کی حفاظت کا طریقہ
۱۳۵	تسمیہ کی جزئیات کا حکم	۱۱۶	کسب معاش کے لیے تدریس کو چھوڑنا
۱۳۶	تعداد آیات سورہ فاتحہ	۱۱۶	لڑکیوں کے لئے عصری تعلیم کا حکم
۱۳۶	فاتحہ الكتاب کا جز قرآن ہونا	۱۱۷	تعلیم و تہذیب سکھانے کیلئے کمن بچے کو سزا دینا
۱۳۷	اسمائے سورہ فاتحہ	۱۱۸	استاد کا شاگرد کو سزا دینا
۱۳۷	کسی آیت کا ترجمہ شائع کرنے کا حکم	۱۱۸	دینی علوم کے طالب علم کے نفقہ کا حکم
۱۳۸	شیطان کی ابتدائی ذمہ داریاں	۱۱۹	علماء دین کی توہین کرنا
۱۳۹	حضرت عیسیٰؑ کا قتل آدم ہونا	۲۰	ہر سال بلا وجہ مدرسہ تبدیل کرنا۔



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۵۹	ختم قرآن کے وقت سوزِ اخلاص میں مرتبہ پڑھنا	۱۳۰	قابل کی توبہ کا قبول ہونا
۱۶۰	قرأتِ سبعمہ میں قرآن کریم پڑھنا	۱۳۰	آدم کے بیٹوں میں نزاع کا سبب
۱۶۰	قرأتِ عشرہ کا ثبوت	۱۳۲	غیر ذوی العقول کیلئے ذوی العقول کے لفظ کا استعمال
۱۶۱	مقام محمود سے کیا مراد ہے	۱۳۲	مالا یخلق میں "ما" کا معنی و مراد
۱۶۲	دوان تلاوت حضور کا نام آنے پر درود پڑھنے کا حکم	۱۳۲	لفظ عباد کی تفسیر
۱۶۳	اذان کے دوان قرآن کریم کی تلاوت کرنا	۱۳۳	فرعون کی لاش کی تحقیق
۱۶۳	قرآن کریم کی تلاوت کرنا افضل ہے یا درود پڑھنا	۱۳۴	لفظ لاجرم کی تحقیق
۱۶۴	قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانا جائز نہیں	۱۳۴	حضرت یوسفؑ اور زلیخا کے نکاح کی تحقیق
۱۶۵	نیکر پہننے والوں کے سامنے قرآن کی تلاوت کرنا بے ادبی ہے	۱۳۵	حضرت یوسفؑ کے حیلے کی حقیقت
۱۶۵	بوسیدہ قرآن مجید دفنانا جائز ہے	۱۳۵	مسئلہ روح
۱۶۶	جس کمرے میں قرآن مجید ہوا کسی چھت پر چڑھنا	۱۳۸	اصحاب کھف کے کتے کا جنت میں جانا
۱۶۶	قیامت کے دن کی مقدار کے اختلاف میں تطبیق	۱۳۸	صاحب موسیٰؑ کا بشر ہونا
۱۶۷	ابیس بھی حکم سجدہ کا مکلف تھا	۱۳۹	نبوت خضر علیہ السلام
۱۶۷	معیشتہ ضنکا کی تفسیر	۱۵۰	حیات خضر کی تحقیق
۱۶۸	ازانی لایسکح الازانیہ کی تفسیر	۱۵۱	ذوالقرنین کون تھا؟
۱۶۹	اقیموا الصلوات سے مراد نماز ہے	۱۵۲	لا تبدل خلق اللہ کی تفسیر
۱۷۰	خارج نماز تلاوت قرآن سنا واجب نہیں	۱۵۳	حضرت ایوبؑ کی بیماری کی تحقیق
۱۷۰	علی الذین یطیقون فدیۃ کا حکم منسوخ ہے	۱۵۴	حضرت داؤدؑ اور اسرائیلی روایات
۱۷۱	آیات قرآنی کا صرف ترجمہ شائع کرنے کی حیثیت	۱۵۵	تعداد ازواج حضرت داؤدؑ
۱۷۲	سب سورتوں کے نام تو قیفی ہیں	۱۵۵	ام کنت من العالین کی تفسیر
۱۷۳	قصہ ہاروت و ماروت کی تحقیق	۱۵۶	لفظا عدا اللہ کی تفسیر
۱۷۴	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحہ کا گوشت کس نے کھایا تھا؟	۱۵۸	منافقین کی لکڑی سے تشبیہ
		۱۵۸	ورفعنا لک ذکرک کا عموم پر حمل کرنا
		۱۵۹	قرآن کریم کو چومنا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۹۲	ام ابو حنیفہؒ تابعی تھے	۱۷۳	آیت کریمہ قالوا المرئین ارض اللہ واسعة
۱۹۳	شیعہ سے روایت کرنے کا حکم	۱۷۴	فتہا جرو فیہا کی تحقیق و تشریح
۱۹۴	حضورؐ کا شعر سننے کا ثبوت	۱۷۵	قبل المسخ شیطان کا فرشتوں سے افضل ہونا
۱۹۵	علیکم بسنتی کا ثبوت	۱۷۶	واللہ انبتکم من الارض نباتا اور دارون کا نظریہ ارتقاء
۱۹۵	تلاوت قرآن کی فضیلت	۱۷۷	من الجنة والناس کی تفسیر اور مصداق
۱۹۶	تسبیح فاطمی کا حدیث سے ثبوت	۱۷۸	آیت کریمہ انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الہ کی تحقیق
۱۹۷	سورۃ الحشر کی فضیلت کے بارے میں روایت	۱۷۹	لعنک جملہ قسمیہ ہے
۱۹۷	فضائل سورۃ الملک	۱۸۰	تفسیر جواہر القرآن کا پڑھنا اور پڑھانا
۱۹۸	لاجعۃ ولا تشریق کی تحقیق	۱۸۰	سلیمانؑ کی انگوٹھی اور شیطان کی بادشاہت کا قصہ
۱۹۸	اختلاف امتی و رجۃ کی تحقیق	۱۸۱	پشتو زبان میں قرآن کریم کی معتبر تفاسیر
۱۹۹	حضورؐ کا خود گوگرنے کا معنی اور اسکی تحقیق	۱۸۱	حضرت یوسف علیہ السلام کی برادری میں
۲۰۰	حضرت علیؑ کی نماز اور طلوع آفتاب کا ثبوت	۱۸۱	شیرخوار بچے کا گواہی دینا
۲۰۱	ابو اشیح کے حالات زندگی	۱۸۲	سورۃ الحج کا سجدہ مانہ عند الخفیہ
۲۰۲	من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة کی تحقیق	۱۸۲	وقیل من راق کا پشتو ترجمہ
۲۰۳	حدیث لولاک لما..... کی تحقیق	۱۸۳	حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے گھوڑوں
۲۰۳	مہاجرین و انصار میں عقد موخات اور	۱۸۳	کو قتل کرنے کے واقعہ کی تحقیق
۲۰۴	انصار کا مہاجرین کو بیوی کی پیشکش کرنا	۱۸۵	ان المساجد للہ فلا تدعون مع اللہ احدا کی تفسیر
۲۰۴	اشعۃ اللغات کی ایک عبارت کی تشریح	۱۸۵	عوام الناس کیلئے تفہیم القرآن کا مطالعہ..... الخ
۲۰۵	بشر و اولاد تنفروا کی تحقیق		
۲۰۶	رسول اللہؐ پر جھوٹ باندھنے کی سزا	۱۸۹	<b>کتاب ما یتعلق بالحديث</b>
۲۰۶	مرتد عن الاستاد کی حدیث کی تحقیق	۱۸۹	کتابت اور تدوین حدیث
۲۰۷	حضرت موسیٰؑ کا قبر میں نماز پڑھنا	۱۹۰	اقسام حدیث
۲۰۷	نسبت الی الغیر پر وعیدیں اور اسکی توجیہ	۱۹۱	حدیث کی لغام یا اعتبار صفات
۲۰۸	نماز میں اشارہ ممنوعہ کی حقیقت	۱۹۲	شاذ کی تعریف



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۲۲	انبیاء کرام کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا	۲۵۹	فقیر اور عابد کے تقابلی موازنہ کی روایت
۲۲۳	لاصلواتہ لجالار المسجد کا مطلب	۲۶۰	حضرت علیؓ اور قوت حافظہ والی روایت
۲۲۵	من صلی علی عند قبری کی تحقیق	۲۶۱	انچاس کروڑ گنا ثواب کی حدیث
۲۲۵	حدیث قال لا یدیع بعضکم کی وضاحت	۲۶۲	ولد الزنا لایدخل الجنة کی تحقیق
۲۲۶	{ حدیث قال جاء رسول الله بئنا وانا صبی اور فقہی روایات میں تطبیق	۲۶۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجنبی سے غنا کی روایت
۲۲۷	احادیث وحی غیر مستلو ہیں	۲۶۴	گائے کے گوشت کی حلت و حرمت کی تحقیق
۲۲۷	کسی غیر کو باپ بنانے اور حدیث فالجنة علیہ	۲۶۵	منجیات و مہلکات کی تشریح
۲۲۸	حرام میں اسکی حرمت کی تحقیق	۲۶۶	اطلبوا العلم ولو بالصین کی تحقیق
۲۲۸	{ حدیث بعثنی بالحق لا یقبل الله صدقة میں قبول کی تحقیق	۲۶۷	امت محمدیہ کے بہتر فرقوں کا ثبوت
۲۲۹	حدیث بر بضاعۃ کی تحقیق اور احکا کا جواب	۲۶۸	تفرق کی تحقیق
۲۳۰	حدیث لا تشد والرجال کی تشریح	۲۶۹	لا تعلمون الکتابۃ کی تحقیق
۲۳۱	{ حدیث المولود حق یبلغ الخنث ما یعمل من حسنۃ اور فقہی روایت میں تطبیق	۲۷۰	امام مہدی کے بار میں روایات کی تحقیق
۲۳۲	یتبع المیت ثلاثة اہلہ کی تشریح	۲۷۱	الشرطاق ہے کی روایت کی تحقیق
۲۳۲	مقدمہ مسلم میں ضمائر خطاب کا مرجع	۲۷۲	شہرا عید لا ینقصان کی تحقیق
۲۳۳	مہربنوت میں لکھالی کی تحقیق	۲۷۳	انابنی و آدم بین الماء والطین کی تحقیق
۲۳۴	حدیث انہا تذب حتى تسجد تحت العرش کی تشریح	۲۷۴	طلب العلم فریضۃ کی تحقیق
۲۳۵	حدیث من تشبه بقوم کا مطلب	۲۷۵	انا مدینۃ العلم و علی بابہا کی تحقیق
۲۳۶	تطبیق بین الاحادیث	۲۷۶	الوجنیفۃ سراج امتی کی تحقیق
۲۳۷	ثلاث مہلکات کی تحقیق و تشریح	۲۷۷	ما تقول فی هذا الرجل کا مطلب
	-----	۲۷۸	علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل کی تحقیق
		۲۷۹	رب کاسیۃ فی الدنیاء عاریۃ فی الآخرة کی تحقیق
		۲۸۰	انا من نزلتہ والمرءون منی کی تحقیق
		۲۸۱	کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ثبوت
		۲۸۲	سبحان من زین الرجال باللہی کی تحقیق

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۵۵	کافروں میں اولیاء کا حکم	۲۴۳	کتاب السلوک
۲۵۶	اولیاء اللہ کا جمع ہونا	۲۴۳	شریعت اور طریقت کی حقیقت
۲۵۶	فوت شدہ اولیاء اللہ کی نسبت معلوم کرنا	۲۴۳	بیعت کی حقیقت
۲۵۷	ولایت کے لئے بیعت ہونے کا مسئلہ	۲۴۴	پابند شریعت شخص کی بیعت کا حکم
۲۵۷	ایک مرشد کی موجودگی میں دوسرے سے بیعت ہونا	۲۴۵	مرشد کے لئے شرائط کا تذکرہ
۲۵۸	پیر کامل بننے کی شرط	۲۴۵	عورت کے لئے بیعت کا حکم
۲۵۸	ایک پیر کے الفاظ کا حکم	۲۴۶	بدعتی پیر کی بیعت کرنے کا حکم
۲۵۹	غار روزہ کی معافی کا بے بنیاد دعویٰ	۲۴۶	بیعت توڑنے کا حکم
۲۵۹	مرشد کو کعبہ اور پیغمبر کہنا	۲۴۸	فائدہ نہ ہونے کی صورت میں بیعت توڑنا
۲۶۰	پیر کے بار میں میالغہ آمیزی سے کام لینا	۲۴۸	بدعتی پیر کی بیعت توڑنے کا حکم
۲۶۰	پیر سے پردہ کرنا	۲۴۹	مرشد کی وفات کے بعد دوسرے مرشد کی بیعت کرنا
۲۶۱	تصوف کے چار سلسلوں کا ثبوت	۲۴۹	ذکر حداری کا طریقہ اور اسکی حقیقت
۲۶۱	تصوف سے وابستہ نہ ہونے کی تشریح	۲۵۰	صلوٰۃ معکوس کا حکم
۲۶۲	سلاسل البعثہ حق پر ہیں	۲۵۰	ذکر میں دل پر ضربیں لگانا
۲۶۳	تصوف کے مراقبات اور اذکار کا حکم	۲۵۰	ذاکرین پر وجد طاری ہونے کا حکم
۲۶۳	ذکر سلطان الاذکار کا حکم	۲۵۱	ذکر میں اللہ تعالیٰ کے معالغہ کرنے کا حکم
۲۶۴	غوث و قطب کے وجود کا حکم	۲۵۲	دلائل الخیرات کے وظیفہ کا حکم
۲۶۵	متصرف کا حکم	۲۵۲	عملیات میں اجازت شیخ کا حکم
۲۶۶	اصحاب القبور کا تصرف	۲۵۳	مشائخ کا مریدین پر توجہ دینا
۲۶۶	بعد الوفا اولیاء اللہ کے تصرفات کا حکم	۲۵۳	مہمان کے لئے اوراد و وظائف چھوڑنے کا حکم
۲۶۷	کرامات اولیاء بعد الموت کا حکم	۲۵۴	مجلس ذکر میں مشائخ کی ارواح کا آنا
۲۶۸	اولیاء اللہ کا مریدین کی مدد کرنے کا حکم	۲۵۴	چالیس دن کے چلہ کا حکم
۲۶۸	کشف القبور کے علم کا حکم	۲۵۵	اولیاء اللہ کی پہچان
۲۶۹	دوزخ کے لئے فنا کا حکم		



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۸۱	پس پشت تھا تو بیان کرنا بھی غیبت ہے	۲۶۹	صفت جمالی و جلالی کا فرق
۲۸۱	ربط قلب بابشیح کی وضاحت	۲۷۰	کائنات سے اللہ تعالیٰ کی معیت کا حکم
۲۸۲	قلندر اور مجذوب کا مطلب	۲۷۰	وحدة الوجود اور وحدة الشہود کا مسئلہ
۲۸۳	الصوفی لامذہبہ کی وضاحت	۲۷۱	اصطلاح حقیقت المحمدی
۲۸۳	سیرالی وسیر فی اللہ کا مطلب	۲۷۱	استاد اور پیر کے حقوق کا حکم
۲۸۴	استغفار نایحتاج الی استغفار کثیر کا مطلب	۲۷۲	خواب میں خلاف شریعت حکم دیکھنا
۲۸۴	دل کو روشن کرنے کا طریقہ	۲۷۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں قربانی کا حکم دینا
۲۸۴	ریا کاری کے خوف سے نوافل وغیرہ کو ترک کرنا	۲۷۳	کشف پر عمل کرنے کا حکم
۲۸۵	صرف سلام کر دینے سے بلا عذر شرعی کسی سے بچھیت نہ کرنے پر وارد و وعید ختم ہو جاتی ہے	۲۷۳	تصور شیخ کا حکم
۲۸۹	کتاب السیاسة	۲۷۴	اولیاء اللہ کا اپنے مریدوں کی مدد کرنا
۲۸۹	سیاست کی حقیقت اور اس کا حکم	۲۷۴	شیخ کا مریدین کو بعض حلال چیزوں کے استعمال سے منع کرنا
۲۹۰	مروجہ سیاست میں ابھنا	۲۷۵	حلاوت ذکر کا مسئلہ
۲۹۲	امارت شرعی کے قیام کا حکم	۲۷۶	ترقی نہ ہونے کی صورت میں شیخ کی تبدیلی کا مسئلہ
۲۹۳	اسلام میں انتخاب امیر کا طریقہ کار	۲۷۶	مجاز ہونے کیلئے بیعت شیخ ضروری نہیں
۲۹۴	عورت کی حکمرانی شرعاً ناجائز ہے	۲۷۷	مسجد کی فضیلت خاتقاہ پر
۲۹۷	اولوالامر کی حقیقت	۲۷۷	کیا کسی شیخ سے بیعت ہونا ضروری ہے
۲۹۸	خلافت یا ملوکیت	۲۷۷	کسی نیک آدمی سے دعا کی درخواست کرنا
۳۰۰	منصب خلافت کے انتخاب کا معیار	۲۷۸	پیر کے نام کا وظیفہ کرنا
۳۰۱	قومی یا علاقائی امیر کی شرعی حیثیت	۲۷۸	اعمال صالحہ میں دل نہ لگنے کا علاج
۳۰۲	ووٹ کی شرعی حیثیت	۲۷۹	تصور فنا فی اللہ کی شرعی حیثیت
۳۰۳	ووٹ کا حق استعمال نہ کرنا	۲۷۹	آنکھیں بند کر کے ذکر کرنا
۳۰۳	دین کے لئے ووٹ کے استعمال میں والدین کی نافرمانی میں گناہ نہیں۔	۲۸۰	رضا بالقضار اور دعا کرنا
۳۰۳		۲۸۰	اشارت و کنایہ غیبت کرنا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۲۷	جمہوری حکومت کے خلاف آواز بلند کرنا	۳۰۶	ووٹ دیتے وقت شخصیت یا پارٹی کو ترجیح دینا
۳۲۷	غیر اسلامی نظام کے خلاف تحریک چلانا	۳۰۶	بیوی کو ووٹ ڈالنے سے منع کرنا
۳۲۸	پھانسی کی سزا کا شرعی حکم	۳۰۷	رشتہ داری کی بنیاد پر ووٹ دینے کا حکم
۳۲۹	{ سرکاری اداروں میں افسران کو سلیوٹ کرنے کی شرعی حیثیت	۳۰۸	{ دیندار امیدار کے حق میں ووٹ دینے کی قسم توڑنا
۳۳۱	{ شرعی قوانین کے عدم نفاذ کی وجہ سے مجرم کی ذمہ داری	۳۰۸	{ مسلمانوں اور مرزائیوں کی مقررہ جماعت کو ووٹ دینے کی شرعی حیثیت
۳۳۱	{ انگریزی قانون میں بیٹیوں کو وراثت سے محروم کرنے کا شرعی حکم	۳۱۰	فاسق و فاجر کے حق میں ووٹ استعمال کرنا
۳۳۲	کسی چیز پر مدت دراز تک قبضہ مفید ملک نہیں	۳۱۱	ووٹ لینے کے غرض سے لوگوں میں رقم تقسیم کرنا
۳۳۳	تعزیر بالمال کا شرعی حکم	۳۱۱	عورت کے لئے ووٹ کا حق استعمال کرنا
۳۳۴	اشیاء خورد و نوش کے نرخ مقرر کرنا	۳۱۳	مروجہ مغربی طرز پر ہونے والے انتخابات میں علماء کا حصہ لینا
۳۳۵	حکومت کی طرف سے لگائے گئے ٹیکس کی شرعی حیثیت	{	انتخابی مہم میں مخالف امیدوار پر نازیبا الفاظ استعمال کرنا
۳۳۸	{ اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی عبادت کا طریقہ کار	{	انتخابات میں خود امیدوار بننا انتخابی وعدوں کا شرعی حکم
۳۳۶	{ حکومت کو زنا با بکبر اور رضا کی تقسیم کا کوئی اختیار نہیں	۳۱۷	کیا عورت پارلیمنٹ کی رکن بن سکتی ہے
۳۳۶	{ غربت کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان عدالتی کارروائی کا حکم	۳۲۰	سیاہ و سفید رنگ کے جھنڈے کا ثبوت
۳۳۴	پاسپورٹ اور ویزہ کی شرعی حیثیت	۳۲۰	جنگ کے علاوہ جھنڈے کے استعمال کا حکم
۳۳۵	سی، آئی، ڈی کی شرعی حیثیت	۳۲۱	بے دین لوگوں کی مشابہت اختیار کرنا
۳۳۷	مخبری کرنیوالے پر رمضان کا حکم	۳۲۲	مرتد کا قتل کس کی ذمہ داری ہے
۳۳۸	{ قبائل میں سے ایک گروہ کا مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کو جہاد قرار دینا	۳۲۳	حد و اور قصاص میں حاکم وقت کا دائرہ اختیار
		۳۲۴	اصلاحی کمیٹی کا دائرہ اختیار
		۳۲۵	جمعہ و عیدین میں شرط سلطان کی وضاحت
		۳۲۵	حکومت کے غیر شرعی اقدامات کی تردید کرنا



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۹۰	تکبیر لگا کر کھانا پینا	۳۲۹	شریعت بل کا پس منظر
۳۹۰	تین انگلیوں سے کھانا	۳۵۱	اسلامی اور مغربی جمہوریت کا تقابلی جائزہ
۳۹۱	ایک سے زیادہ گلاس پانی پینے کا مستحسن طریقہ	۳۵۳	سوشلزم اور اسلام کا موازنہ
۳۹۱	سوخور کی دعوت قبول کرنا	۳۵۴	سوشلزم اور اسلام کا تقابلی جائزہ
۳۹۲	جس دعوت میں گانے بجانے اور لہو و لعب کا اہتمام ہو اس میں شرکت کا حکم	۳۵۶	بائیکاٹ اور ہڑتال کی شرعی حیثیت
۳۹۳	چونا کھانے کا حکم	۳۵۸	بھوک ہڑتال کی شرعی حیثیت
۳۹۳	افیون کھانے کا حکم	۳۵۸	عورتوں کا جلوس نکالنے کا حکم
۳۹۲	پیاز وغیرہ کھا کر مسجد میں جانا	۳۵۹	عائلی قوانین کی شرعی حیثیت
۳۹۲	بھنگ کے استعمال کا حکم	۳۶۱	حضرت حسنؓ کی خلافت خلافت راشدہ میں داخل ہے
۳۹۵	بغیر اجازت کسی کے مال سے نفع لینا	۳۶۳	عورت کا سربراہ مملکت بننا
۳۹۵	کافر کے ساتھ کھانے کا حکم	۳۶۴	امامت کبریٰ کے مستحق کا حکم
۳۹۶	خلاف شریعت دعوت میں شرکت کا حکم	۳۶۴	آئین پاکستان میں گستاخ رسول ایک میں ترمیم کا حکم
۳۹۶		۳۶۶	سیاسی جلسوں میں نعرہ بازی کا حکم
۳۹۶		۳۸۱	قومی اسمبلی اور آئین میں مسلمان کی تعریف
۳۹۶	<b>باب التداوی</b>		
۳۹۶	انسانی اعضاء کی پیوند کاری کا حکم		<b>کتاب لکراہیۃ والاباحۃ</b>
۳۹۶	انگریزی ادویات کے استعمال کا حکم		
۳۹۸	پوسٹ مارٹم کا حکم	۳۸۷	<b>باب الاکل والشرب</b>
۳۹۹	خاندانی منصوبہ بندی اور نافع حمل دویا کا حکم		
۳۹۹	انجکشن کے ذریعے مادہ جانوروں کو حاملہ کرنے کا حکم	۳۸۷	کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے میں کس کو مقدم کیا جائے
۴۰۰	بیمار کو خون دینے کا حکم	۳۸۷	کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا
۴۰۰	تعویذ کی شرعی حکم	۳۸۸	دستر خوان پر روٹی رکھ کر سالن کا انتظار کرنا
۴۰۱	مردہ عورت کے پیٹ سے بچہ نکالنے کا حکم	۳۸۹	کھڑے ہو کر کھانا پینا مکروہ ہے
۴۰۲	شعبہ کو رغب کرنے کیلئے تعویذات کا سہارا لینا	۳۸۹	کھانا کھاتے وقت خاموشی کا حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۴۱۷	سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا	۴۰۲	تعویذات میں یا بدوح لکھنا
۴۱۷	عورتوں کیلئے لوہے کی انگوٹھی کا استعمال جائز نہیں	۴۰۳	غیر شرعی الفاظ سے تعویذات لکھنا
۴۱۸	کپڑوں میں سونے کے بٹن استعمال کرنا	۴۰۳	بیماری کا علاج کرنا سنت ہے
۴۱۸	مرد کیلئے سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا	۴۰۴	{ خاندانی منصوبہ بندی کا شریعت مطہرہ
۴۱۹	چاندی کی انگوٹھی کا بلا ضرورت استعمال درست نہیں	۴۰۴	{ کی روشنی میں جائزہ
۴۱۹	سٹیل اور لوہا وغیرہ کے زیورات کا استعمال کرنا	۴۰۷	جنہ بیدستر کو ادویات میں استعمال کرنا
۴۲۰	عورتوں کا مردوں جیسے بال بنانا	۴۰۸	<b>باب اللباس</b>
۴۲۰	بڑے بڑے ناخن رکھنا	۴۰۸	سونے چاندی کی گھڑی پہننا
۴۲۱	{ غیر ضروری بالوں کی صفائی کیلئے	۴۰۸	عورتوں کے لئے سفید کپڑے پہننے کا حکم
۴۲۱	{ بال صفا پاؤڈر استعمال کرنا	۴۰۹	خواتین کا باریک لباس پہننا
۴۲۲	مصنوعی بھنویں بنانے کا حکم	۴۰۹	مردوں کیلئے تیلہ کے استعمال کا حکم
۴۲۲	عورتوں کے چہرے پر سیاہ بال نکل آنے کا حکم	۴۱۰	دانت جوڑنے کیلئے سونا، چاندی استعمال کرنا
۴۲۳	وسمہ استعمال کرنے کا حکم	۴۱۰	لوہے کی انگوٹھی پہننے کا حکم
۴۲۵	پی ٹی میں نیکر پہننے کا حکم	۴۱۱	عورت کے لئے پازیب پہننے کا حکم
۴۲۷	مردوں کیلئے زرد رنگ کے لباس کا حکم	۴۱۲	بدن پر خال یا نام لکھوانا جائز نہیں
۴۲۸	<b>باب التصاویر</b>	۴۱۲	بالوں کو سیاہ خضاب لگانا
۴۲۸	خواتین کی تصاویر کو دیکھنا اور رکھنا حرام ہے	۴۱۳	بچوں کے کانوں میں سونے کی بالیاں ڈالنا
۴۲۸	کسی جاندار کی تصویر کا حکم	۴۱۳	پگڑی کے شملے کی مقدار کا تعین
۴۲۹	بٹوم میں رکھی ہوئی تصویر کے ساتھ نماز پڑھنا	۴۱۳	مسلمانوں کے لئے ٹائی باندھنا جائز نہیں
۴۲۹	کسی پیر یا بزرگ کی تصویر تیر کا لٹکانا	۴۱۳	دانتوں کے ارد گرد چاندی کا خول لگانا
۴۳۰	آرائش کیلئے گھر میں نصف فوٹو لگانا	۴۱۵	داڑھی پر مہندی لگانا
۴۳۱	شادی کی تقریبات کی تصاویر بنانا	۴۱۵	شلوار پانچامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا
۴۳۱	خانہ کعبہ کی تصاویر میں چھوٹی چھوٹی انسانی تصاویر کا حکم	۴۱۶	ریشمی لنگی استعمال کرنے کا حکم



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۳۴	<b>باب المسائل المتفرقة</b>	۲۳۴	جدید آلات کا حکم
۲۳۴		۲۳۳	تصویر والی گھڑی کے ساتھ نماز پڑھنا
۲۳۲	والدین کو گالی دینے والے کا حکم	۲۳۳	پچھڑے کی کھال سے تصویر بنانا
۲۳۲	گالی گلوچ کرنے والے کا حکم		<b>باب الملاھی</b>
۲۳۸	{ والدین میں سے کسی ایک کے حکم سے دوسرے سے حسن سلوک نہ کرنا }	۲۳۴	خوشی کی تقریبات میں ناچ گانے کا حکم
۲۳۸	{ بلا کسی شرعی عذر کے والدین کے حکم سے بیوی کو طلاق دینا }	۲۳۴	کیرم بورڈ کھیلنا
۲۳۹	والدین کی نافرمانی بدترین جرم ہے	۲۳۵	شطرنج کھیلنا
۲۵۰	علم دین کے حصول کیلئے والدین کی اجازت کا حکم	۲۳۵	جوڈو کراٹے کھیلنا
۲۵۱	کسی مسلمان کو برے القابات سے پکارنا	۲۳۶	کھیل کود میں رانوں کو کھلا رکھنے کا حکم
۲۵۱	مسلمان کی توہین اور استہزاء کرنا	۲۳۷	ورزش کرنا
۲۵۲	استمناء بالید کا حکم	۲۳۸	تاش کھیلنے کا حکم
۲۵۳	ہاتھ پاؤں چومنے کا حکم		<b>باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر</b>
۲۵۳	کفار سے مصافحہ کرنے کا حکم	۲۳۸	تبلیغ دین فرض کفایہ ہے
۲۵۳	مرشد کے قدموں پر گرنے کا حکم	۲۳۸	ستورات کی تبلیغی جماعت کا حکم
۲۵۲	حشرات الارض کو جلانے کا حکم	۲۳۹	سالانہ حیلہ لگانے کا حکم
۲۵۲	مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا	۲۴۰	مروجہ طریقہ تبلیغ میں انچاس کروڑ کا ثواب
۲۵۵	مسجد میں سوال کرنے کا حکم	۲۴۱	تبلیغی جماعت کو فرقہ جبریہ سے تعبیر کرنا درست نہیں
۲۵۶	مسجد میں سونے کا حکم	۲۴۱	تبلیغی چلے کی حقیقت
۲۵۶	بار بار چھینک آنا	۲۴۲	تبلیغی جماعت کا طریقہ بدعت نہیں
۲۵۷	زانی کا سوشل بائیکاٹ کرنا اور نماز جنازہ پڑھنے کا حکم		-----
۲۵۸	{ کسی کو ظلم و ستم سے بچانے کے لئے جھوٹ بولنے کا حکم }		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۷۳	مساوات مرد و زن - تہذیب مغرب کا اہم فتنہ	۲۵۹	زلزلہ کے وقت گھروں سے باہر نکلنا
۲۷۵	بے حیائی کا عروج	۲۵۹	گانے، بجانے کو ذریعہ معاش بنانا
۲۷۵	وزیر اعظم بھٹو کی دعوت بے حجابی	۲۶۰	بغیر طہارت کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا
۲۷۶	اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق	۲۶۰	قاری یا سامعین کو تلاوت پر سلام کرنا
۲۷۶	ظہور اسلام سے قبل عورت کا مقام	۲۶۱	غائب کو سلام پہنچانے کا حکم
۲۷۷	عورت اور جاہل اقوام کے نظریات	۲۶۲	سنگے سر نماز پڑھنا
۲۷۸	عورت پر اسلام کے احسانات	۲۶۲	مونچھیں کاٹنے کا حکم
۲۷۸	دینی، دنیوی، انفرادی، اجتماعی	۲۶۳	عورتوں کا سر کے بال کٹوانا
۲۷۸	اور معاشرتی حقوق کا تحفظ	۲۶۳	مغربی فیشن کے مطابق سر کے بال کٹوانا
۲۷۹	عورت کی عصمت و آبرو کا احترام	۲۶۴	غیر ضروری بالوں کے صفائی کا حکم
۲۸۱	آزادی نسوان تہسرج جاہلیت کا دوسرا نام	۲۶۵	زیر ناف بالوں کی صفائی کی حد
۲۸۲	آزادی نہیں غلامی کی دعوت	۲۶۵	زیر ناف بالوں کی صفائی کا مستحب وقت
۲۸۲	اسلام کا نظام عفت و عصمت	۲۶۶	پیدائشی طور پر نختوں بچے کے ختنے کا حکم
۲۸۳	پردہ کے احکام	۲۶۶	بعد البلوغ ختنہ میں شرمگاہ پر نگاہ پڑنے کا حکم
۲۸۳	جلباب	۲۶۷	چہرے کے زائد بال دور کرنے کا حکم
۲۸۴	آیت حجاب	۲۶۷	داڑھی کی شرعی حد
۲۸۴	حامیان بے پردگی کی مغالطہ انگیزہ	۲۶۸	مصافحہ کے بعد ہاتھوں کو چومنا
۲۸۵	ستر اور حجاب میں فرق	۲۶۸	بے دین خواتین سے پردہ کرنے کا حکم
۲۸۶	بات چیت میں احتیاطی تدابیر	۲۶۹	ٹیلیوژن کے برے اثرات اور مسلمانوں کی ذمہ داری
۲۸۶	خاص حالت میں باہر نکلنے کی اجازت	۲۷۰	ٹیلیوژن اور وی، سی، آر کا شرعی حکم
۲۸۷	خروج کے شرائط اور قیودات	۲۷۲	داڑھی کی مسنون مقدار
۲۸۹	صرف عملی، علمی نہیں، بلکہ خیالی اور تصوراتی تحدید		
۲۹۰	کیا پردہ حبس ہے جاہے		
۲۹۱	مرد اور عورت کا دائرہ کار		

## رسالة

عورتوں کے حقوق آزادی اور بے حجابی کا مسئلہ



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۰۵	وضو میں ہاتھ دھونے کی ابتدا،	۲۹۱	گھر میں بیٹھنا قید نہیں راحت و نعمت ہے
۵۰۶	انگلیوں کی طرف سے کرنا سنت ہے	۲۹۲	پردہ نہیں بے پردگی خرابی صحت کا باعث ہے
۵۰۶	وضو کرنے کا افضل طریقہ	۲۹۳	نظر بازی، ذہنی انتشار اور فساد معاشرہ کا ذریعہ
۵۰۶	سردی کے موسم میں اعضاء وضو دھونے کا طریقہ	۲۹۳	تعلیم کیلئے بے پردگی
۵۰۷	وضو میں دوسرے سے مدد لینے کا حکم	۲۹۴	ماڈرن بننے کی شوقین
۵۰۷	بیماری کی وجہ سے وضو میں کلی نہ کرنے کا مسئلہ		
۵۰۸	بیسن میں وضو کرنے کا حکم		
۵۰۸	وضو کے دوران باتیں کرنے کا حکم		
۵۰۹	بواسیر کے مریض کے وضو کا حکم	۲۹۹	
۵۱۰	وضو میں واجبات نہیں		
۵۱۰	اخبارات اور دینی رسائل کو بلا وضو	۲۹۹	وضو کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم
۵۱۰	مس کرنے کا حکم	۲۹۹	برش مسواک کی سنت کا متبادل نہیں
۵۱۰	کان اور رخسار کے درمیانی حصہ کا حکم	۵۰۰	مسواک نہ ہونے کی صورت میں
۵۱۱	سرخ، پاؤڈر، کریم کی موجودگی میں وضو کا حکم	۵۰۰	کیا انگلی قائم مقام ہو سکتی ہے
۵۱۱	جماعت کے فوت ہونے کی ڈر کے	۵۰۰	مسواک چبانے کا حکم
۵۱۱	باوجود کامل وضو کرنا ضروری ہے	۵۰۱	ناخن پالش کی موجودگی میں وضو کا حکم
۵۱۲	آب زمزم سے وضو غسل کرنا	۵۰۱	وضو میں گردن کا مسح
۵۱۳	نشہ آور اشیاء کے استعمال سے وضو کا حکم	۵۰۲	سر پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ
۵۱۳	نشہ آور دوائیوں کے استعمال کی	۵۰۳	وضو کرتے وقت دائی تر کرنے کا حکم
۵۱۳	صورت میں وضو کا حکم	۵۰۳	خضاب طالی دائی پر وضو کا حکم
۵۱۴	انگلش لگانے سے وضو کا حکم	۵۰۴	وضو کے بعد آسمان کی طرف دیکھنا
۵۱۴	فلم بینی سے وضو متاثر نہیں ہوتا	۵۰۴	عبادت کیے بغیر وضو علی الوضو کا حکم
۵۱۵	گرم پانی سے وضو کرنا جائز ہے	۵۰۵	وضو میں ایک ہاتھ سے منہ دھونے کا حکم
	کشف عورت ناقض وضو نہیں	۵۰۵	گلے کے مسح کا حکم

## کتاب الطہارۃ

### باب الوضوء

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۲۷	دوران غسل سر پر مسح کرنا کافی نہیں	۵۱۵	وضو کے بعد شک غیر مؤثر ہے
۵۲۸	غسل کے لئے کشف عورت کا حکم	۵۱۶	وضو کے بعد ہاتھ پاؤں پر صابن لگانے کا حکم
۵۲۸	کشف عورت کی صورت میں تیمم کی رخصت	۵۱۶	کیا سگریٹ اور نسوار سے وضو ٹوٹ جاتا ہے
۵۲۹	شہوت کے باوجود منی بند کرنے سے غسل کا حکم	۵۱۷	جب تک اچیل سے قطرہ خارج نہ ہو وضو نہیں ٹوٹتا
۵۳۰	غسل کرتے وقت جہاں پانی	۵۱۷	بدن سے خالص پانی نکلنے پر وضو کا حکم
	{ پہنچانا مشکل ہو تو اس کا حکم	۵۱۸	خون پھیل جانے سے وضو کا حکم
۵۳۰	غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنے کا حکم	۵۱۸	پاؤں کے شگاف میں دوائی لگانے کے بعد وضو کا حکم
۵۳۱	خواب سے بیداری کے بعد محض تری	۵۱۹	انجکشن کے ذریعہ خون نکالنا ناقض وضو ہے
	{ کے احساس سے غسل کا حکم	۵۱۹	صاحب عذر کے وضو اور کپڑوں کا حکم
۵۳۲	احتلام بھول جانے کی صورت	۵۲۰	پاخانہ کے مقام سے کیڑا نکلنے پر وضو کا حکم
	{ میں پڑھی گئی نمازوں کا حکم	۵۲۱	
۵۳۲	گنڈوم کے ساتھ ایلاج موجب غسل ہے		<b>باب الغسل</b>
۵۳۳	ٹیسٹ ٹیوب بے بی سے وجوب غسل کا حکم	۵۲۱	غسل میں غرغزہ کا حکم
۵۳۳	جانور سے وحی کرنے کی صورت	۵۲۱	غسل کرتے وقت ناک دھونے کا حکم
	{ میں غسل کا حکم	۵۲۲	مصنوعی دانت کے باوجود غسل کا حکم
۵۳۳	التقاء ختائین کی صورت میں غسل کا حکم	۵۲۳	دانتوں پر سونے کے خول چڑھانے سے غسل کا حکم
۵۳۴	غسل کے بعد منی نکلنے پر غسل کا حکم	۵۲۳	دانت بھرانے سے غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا
۵۳۵	سوئمنگ پول میں غسل کرنے کا حکم	۵۲۴	{ جنابت کے غسل میں عورت کو
۵۳۶	جنابت کا غسل فوراً کرنا ضروری نہیں		{ مینڈھیٹھیاں کھونا ضروری نہیں
۵۳۶	مصنوعی بالوں کا وضو و غسل میں حکم	۵۲۵	جنابت کی حالت میں کھانے پینے کا حکم
۵۳۷	صرف تری محسوس کرنا موجب غسل نہیں	۵۲۵	حالت جنابت میں ناخن اور بال کاٹنے کا حکم
۵۳۷	متعدد بار جماع کے لئے ایک غسل کافی ہے	۵۲۵	دوران غسل باتیں کرنے کا حکم
۵۳۸	جنابت کی حالت میں بوقت	۵۲۶	غسل کرتے وقت بغیر لباس وضو کا حکم
	{ ضرورت مسجد میں جانا	۵۲۶	کھڑے ہو کر غسل کرنا افضل ہے یا بیٹھ کر؟



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۴۹	باب التیمم	۵۴۸	جنابت کی صورت میں پورے بدن کے غسل کا فلسفہ
۵۴۹	تیمم کی نیت	۵۴۰	باب البیر
۵۵۰	مسجد کی مٹی پر تیمم کا حکم	۵۴۰	مینڈک مرنے کی صورت میں پانی کا حکم
۵۵۰	تیمم میں تخلیل لحدیہ کا حکم	۵۴۰	انسان گرنے سے کنوئیں کے پانی کا حکم
۵۵۱	نماز جنازہ کے لئے حکم	۵۴۰	پانی کے کنوئیں اور بیت الخلاء کے درمیان فاصلہ
۵۵۱	تلاوت قرآن کیلئے تیمم جائز ہے	۵۴۱	کنوئیں میں گند یا چیز مثلاً
۵۵۲	صاحب عذر کیلئے خادم نہ ہونے کی صورت میں تیمم کا حکم	۵۴۲	چیل یا لکڑی گر جانے کا حکم
۵۵۲	جنابت کے تیمم پر وضو لوٹ جانے کا کوئی اثر نہیں پڑتا	۵۴۲	اس کنوئیں کا حکم جس سے مرا ہوا حیوان نکالنا مشکل ہو
۵۵۳	باب المسح علی الخفین	۵۴۳	کتا گرنے سے پانی کا حکم
۵۵۳	ٹخنوں تک موزوں پر مسح کر نیکا حکم	۵۴۳	ناپاک پانی پکھی ہوئی چیز کے کھانے اور وضو کی صورت میں اس سے ارشاد نماز کا حکم
۵۵۳	جرابوں کے ہوتے ہوئے موزوں پر مسح کرنے کا حکم	۵۴۵	باب الحوض
۵۵۲	جرابوں پر مسح کا حکم	۵۴۵	دہ دردہ سے کم تالاب کا حکم
۵۵۵	بوٹ پر مسح کرنے کا حکم	۵۴۶	گول حوض کا حکم
۵۵۵	انگلیوں میں ورم پیدا ہونے سے پاؤں پر مسح	۵۴۶	متفاوت کناروں والے حوض کا حکم
۵۵۶	باب الحیض	۵۴۷	بڑے حوض سے وضو کا حکم
۵۵۶	حالت حیض میں تسبیح پڑھنے کا حکم	۵۴۸	زیادہ پانی تغیر اوصاف کے بغیر پاک ہے نہر میں گندگی ڈالنے کی صورت میں پانی کا حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۶۸	معذور کی شرعی تعریف	۵۵۷	حالت حیض میں جماع کرنے کا حکم
۵۶۸	ایسے معذور شخص کا حکم جس کا روٹی رکھنے سے پیشاب رک جائے	۵۵۷	ناقص الخلقیت بچے کی ولادت پر نفاس کا حکم
۵۶۹	<b>باب الانجاس</b>	۵۵۸	ایام حیض میں استعمال ہونے والے کپڑوں کا حکم
۵۶۹	نیند کی حالت میں منہ سے نکلنے والے پانی کا حکم	۵۵۹	حیض کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی
۵۶۹	غسل کرتے وقت پانی کے برتن میں چھینٹے پڑنے سے پانی کا حکم	۵۵۹	دوران حیض ہرزنگ کا پانی حیض ہے
۵۷۰	پلاسٹک کے برتن پاک کرنے کا طریقہ	۵۶۰	حائضہ عورتیں اوقات نماز میں ذکر واذکار معمول بنائیں۔
۵۷۰	جنب کے پینے کا حکم	۵۶۰	حیض کی حالت میں جماع کرنا
۵۷۱	کپڑے کو منی سے پاک کرنے کا طریقہ	۵۶۱	حالت حیض میں تعلیم قرآن کا حکم
۵۷۱	منی، مندی، اور ودی سے طہارت کا حکم	۵۶۱	حائضہ عورت کے لئے دینی کتابوں کا مطالعہ جائز ہے۔
۵۷۲	دجاجہ مخلاتہ کا جھوٹا	۵۶۱	حالت حیض میں آیۃ الکرسی پڑھنا
۵۷۳	کتے کی کھال قابل دباغت ہے	۵۶۲	حائضہ عورت کے ہاتھ کے پچھے ہوئے کھانے کا حکم
۵۷۳	کتے کے جھوٹے برتن میں کھانے اور اس کے پاک کرنے کا طریقہ	۵۶۲	آپریشن سے ولادت کے بعد نکلنے والے خون کا حکم
۵۷۴	نجس کپڑا دھونے کے بعد نچوڑنے کا حکم	۵۶۳	ولادت سے قبل آنے والے خون کا حکم
۵۷۵	غیر ملکی کپڑوں سے نماز پڑھنا	۵۶۳	حائضہ عورت سے انتفاع جائز ہے
۵۷۶	موٹے کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ	۵۶۴	انجکشن سے حیض بند کرنے کا حکم
۵۷۶	ڈرائی کلینر سے کپڑے پاک ہونے کا حکم	۵۶۵	پندرہ دن طہر گزرنے سے قبل خون آنے کا حکم
۵۷۷	دودھ میں مینگنی یا گو برگر جانے پر دودھ کا حکم	۵۶۶	حالت جنابت میں کمپیوٹر سے قرآن لکھنے کا حکم
۵۷۸	ناپاک شربت کو پاک کرنے کا طریقہ	۵۶۶	حائضہ عورت پر دم کرنے کا حکم
		۵۶۷	استحاضہ کا حکم



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۸۶	تغاب دہن سے قرآن مجید { کی ورق گمردانی کرنا	۵۷۹	انقلاب حقیقت سے { حکم بدل جاتا ہے
۵۸۶	جانور کو ناپاک چیز { کھلانے کا حکم	۵۷۹	نجس چیز سے بنے ہوئے { صابن کا حکم
۵۹۷	گتے کا متہ اگر کپڑے سے { کو لگ جائے تو؟	۵۸۰	حلال جانور کے پیشاب اور { بول و براز کا حکم
۵۸۷	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم { کے فضلات کا حکم	۵۸۰	گتے کے پیشاب کا حکم
۵۸۸	گوبر کے اُپلے استعمال کرنے { اور نیچے کا حکم	۵۸۱	پاک اور ناپاک کے { اختلاط کا حکم
۵۸۸	زندہ سانپ کے { جامے کا حکم	۵۸۲	واشنگ مشین سے دھلے { ہوئے کپڑوں کا حکم
		۵۸۲	شراب کی خالی بوتل کے { استعمال کا حکم
۵۸۹	<b>باب الاستنجاء</b>	۵۸۳	شیر خوار بچے کے پیشاب کا حکم
		۵۸۳	چمکا دڑ کے پیشاب کا حکم
۵۸۹	کشف عورت کی صورت { میں استنجاء کا حکم	۵۸۳	کنوٹیں میں رہتے والے { پینڈک کے پیشاب کا حکم
۵۸۹	قدر درہم سے زیادہ { نجاست معاف نہیں	۵۸۴	نجس مٹی سے بنے ہوئے برتن { کے استعمال کا حکم
۵۹۰	ٹائیلٹ پیپر سے { استنجاء کرنے کا حکم	۵۸۵	مردار جانور کی کھالی کا حکم
۵۹۰	استنجاء کے وقت سلام کا حکم	۵۸۵	خنزیر کے بالوں سے بنائے گئے { برش کے استعمال کا حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۶۰۱	بیت الخلاء میں قرآنی آیات یا {	۵۹۵	پانی سے استنجاء کا حکم
	احادیث کے اوراق سمیت جانا	۵۹۳	دائیں ہاتھ سے استنجاء کا حکم
۶۰۲	قضا حاجت کے دوران برش یا مسوک کرنا	۵۹۳	استنجاء کیلئے پانی کی مقدار
۶۰۲	بیت الخلاء میں بغیر جوتوں کے جانے کا حکم	۵۹۳	مغربی طرز کے بیت الخلاء {
۶۰۳	استعمال شدہ ڈھیلوں کے {	۵۹۳	میں پیشاب کرنے کا حکم
	دوبارہ استعمال کا حکم {	۵۹۳	کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم
۶۰۴	<b>مسائل شتی</b>	۵۹۳	استنجاء کرتے وقت شمال کی {
۶۰۴	غسل اور وضو کے لئے پانی کی مقدار	۵۹۳	طرف منہ کرنے کا حکم {
۶۰۴	گنجدے سروالے آدمی کے چہرے کی حد کا حکم	۵۹۴	گھاس وغیرہ سے استنجاء کرنے کا حکم
۶۰۵	نیند سے بیدار ہونے کے بعد {	۵۹۵	استنجاء کر کے ہاتھ دھونے کے {
	مسواک کرنے کا حکم {	۵۹۵	باوجود بدبو محسوس ہونے کا حکم {
۶۰۶	مریض کو تیمم کرانے کے لیے نیت کا حکم	۵۹۵	عورتوں کے لیے بھی ڈھیلے {
۶۰۶	غسل کے چھینٹوں سے پانی نجس نہیں ہوتا	۵۹۶	کا استعمال ضروری ہے {
۶۰۷	نجس اشیاء کے دھوئیں کا حکم	۵۹۶	صرف ڈھیلے سے استنجاء پر اکتفا کرنا
۶۰۷	شیرخوار بچے کی قے کا حکم	۵۹۶	پیشاب کرتے وقت سورج یا چاند کی طرف منہ کرنا
۶۰۸	چھوٹے بچے کا پانی میں ہاتھ ڈالنا	۵۹۷	استنجاء سے عاجز شخص کیلئے استنجاء کا حکم
۶۰۸	وضو کرتے وقت اذان کا جواب {	۵۹۷	مرد اور عورت کے استنجاء میں فرق
	دینے کا حکم {	۵۹۸	بوجہ مجبوری دوسرے سے استنجاء کرانا
۶۰۹	تیمم کے جواز کیلئے مسافت کی تحدید	۵۹۸	کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا مسئلہ
۶۰۹	کوئلہ سے تیمم کرنا	۵۹۹	پیشاب کرتے وقت بچے کو قبلہ رخ کر کے پکڑنا
۶۰۹	راکھ پر تیمم کرنے کا حکم	۵۹۹	بیت الخلاء میں داخل ہونے کا طریقہ
۶۱۰	گدایا تکبیر پر تیمم کا حکم	۶۰۰	دوران قضا حاجت اگر چھینک {
۶۱۱	ایک ہی جگہ پر متعدد بار تیمم کرنا	۶۰۰	آجائے تو اسکا کیا حکم ہے؟ {
		۶۰۰	قضا حاجت کو ملتھنے کیلئے کس وقت کپڑا اٹھائے



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۴۲۲	چشمہ دار کنوئیں کی پاکیزگی میں { اہم محسد کا قول مفتی بہ ہے {	۴۱۲	تلاوت قرآن کے لئے کئے گئے تیمم { سے نماز پڑھنے کا حکم {
۴۲۳	فرج سے نکلی ہوئی ہونا ناقض الوضوء نہیں	۴۱۲	تنگی وقت کی وجہ سے تیمم کرنا درست نہیں
۴۲۳	عادی سے پہلے نفاس بند ہوجانے کی صورت میں جماع کا حکم	۴۱۲	جیل خانہ میں پانی نہ ملنے پر تیمم کا حکم
۴۲۲	پکی اینٹ پر تیمم کرنا	۴۱۳	زخمی تیمم کر سکتا ہے
۴۲۲	استنجاء کرنے کے بعد ہوا خارج { ہو جانے پر استنجاء کا حکم {	۴۱۳	سرد علاقوں میں تیمم کا حکم
۴۲۵	ہوا خارج ہونے کا شک ہو پر وضو کا حکم	۴۱۲	نک پر تیمم کرنے کا حکم
۴۲۵	جگالی کے دوران جانور کے منہ { سے نکلنے والا مواد ناپاک ہے {	۴۱۲	ایک ہی ڈھیلے پر بار بار تیمم کرنے کا حکم
۴۲۵	پینچ سورہ وغیرہ کے ساتھ بیت الخلاء جانا	۴۱۵	ناٹوں کی جرابوں پر مسح کرنے کا حکم
۴۲۶	نفاس والی عورت کے ہاتھوں کھانے پینے کا حکم	۴۱۷	مجلدین و منعلین جرابوں کا کیا حکم ہے
۴۲۷	پیشاب اور پاخانہ کے وقت { کن امور سے بچنا چاہیے؟ {	۴۱۷	سوتلی جراب پہننے ہوئے بوٹ پر مسح کا حکم
۴۲۷	لواسیر کی رطوبت سے وضو کا حکم	۴۱۸	عامہ یا ٹوپی وغیرہ پر مسح کرنے کا حکم
۴۲۸	معذور کا قبل از وقت وضو { کر کے اس سے نماز پڑھنا {	۴۱۸	پٹی پر مسح کرنے کا مسئلہ
۴۲۸	عورت کے رحم سے نکلنے والی { سفید رطوبت سے وضو کا حکم {	۴۱۹	زخم پر مسح کرنے کا مسئلہ
		۴۲۰	پلٹسر پر مسح کرنے کا مسئلہ
		۴۲۰	سانپ کنوئیں میں گر کر مر جائے تو اس کا حکم
		۴۲۰	کسی حیوان کا اندام اگر کنوئیں { میں گر جائے تو کیا حکم ہے {
		۴۲۱	پھپکی گرنے سے پانی کا حکم
		۴۲۱	پرنڈوں کی بیٹ گرنے سے { پانی نجس نہیں ہوتا {







بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ  
 خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ  
 وَجَعَلَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْیَوْمَ لِقَا اٰیٰتِ رَبِّهِ  
 الْعَظِیْمِ

# کتاب الاجتهاد و التقلید

## راجتہاد اور تقلید کے احکام و مسائل

**تقلید کی شرعی حیثیت** | سوال :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ تقلید کرنا شرک ہے، جو ائمہ اربعہ کی تقلید کرتا ہے وہ مشرک ہے، دریافت مسئلہ یہ ہے کہ تقلید ائمہ اربعہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا واقعی تقلید کرنے سے ایک مسلمان مشرک ہو جاتا ہے؟

**الجواب:** تقلید کسی ماہر شریعت کی راہنمائی میں شریعت مقدسہ کی اتباع کا نام ہے، قرآنی آیات، احادیث نبویٰ اور صحابہ کرام کے حالات میں بھی عامی شخص کو کسی ماہر شریعت کی پیروی کا حکم ملتا ہے، اس لیے عامی آدمی کے لیے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا واجب ہے اس سے شرک لازم نہیں آتا۔

قال العلامة ابن نجيم: ان الاجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف للاربع لانضباط مذاھبهم وانتشارها وكثرة اتباعهم۔  
 (الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۳۳۳ القاعدة الاولى: الاجتهاد لا ينفذ بالاجتهاد) لہ

**مجتہد اور مقلد کے دلائل میں فرق** | سوال :- ادلۃ المجتہد اور ادلۃ المقلد میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مجتہد کسی مسئلہ کے اثبات کے لیے ادلۃ اربعہ سے استدلال کرتا ہے اور مقلد اپنے مسئلہ کے لیے مجتہد کا قول پیش کرتا ہے، مقلد چونکہ کتاب و سنت سے ناواقف ہوتا ہے اس لیے وہ ثبوت مسئلہ کے لیے دلیل نہیں لاسکتا۔  
 لما قال العلامة صدر الشريعة: وقولنا يتوصل بها اليه الظاهر ان هذا

لہ قال العلامة عبدالعزیز الفہاری: ثم من لم يكن مجتهداً وجب عليه اتباع المجتهد۔ (نبراس شرح عقائد ص ۲۷ تقلید المجتہد)  
 وَمَثَلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۱ ص ۲۶۶ کتاب القضاء۔



يختص المجتهد فان المجتهد في هذا العلم قواعد يتوصل بها الى الفقه ليس الا المجتهد فان الفقه هو العلم بالاحكام من الادلة التي ليس دليل المقلد منها فلهاذا لم يذكر مباحث التقليد والاستفتاء في كتبنا ولا يبعد ان يقال انه يعم المجتهد والمقلد فالادلة الاربعة انما يتوصل بها المجتهد لا المقلد فاما المقلد فالدليل عندك قول المجتهد فالمقلد يقول هذا الحكم واقع عندي لانه ادى اليه رأى ابي حنيفة وكل ما ادى اليه رايه فهو واقع عندي -  
(توضيح وتلويح لك مقدمة له)

**مذاهب اربعة كوحق جانتے ہوئے قرآن و حدیث پر عمل کرنا** | سوال :- ایک شخص

جانتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ جو کچھ قرآن و حدیث میں ہے اسی پر عمل کرنا چاہیے، تو ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** ایسا شخص دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا تو مقلد ہوگا یا پھر مجتہد ہوگا، اب اگر وہ مقلد ہے تو مقلد پر تقلید واجب ہے، اور اگر مجتہد ہے تو وہ قرآن و سنت سے استدلال کر سکتا ہے، لیکن عصر حاضر میں چونکہ کسی میں بھی اجتہادِ مطلقہ کی صلاحیت موجود نہیں ہے اس لیے اس شخص کا خیال غلط ہے۔

لما قال العلامة الحسكفي: وقد ذكر وان المجتهد المطلق قد فقد -

الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۱ ص ۱۰۰ مطلب في طبقات الفقهاء ۲۰

له قال العلامة ابن عابدین: وظيفة العوام التمسك بقول الفقهاء واتباعهم في

اقوالهم وفعالهم دون التمسك بالكتاب والسنة -

والفتاوى تنقيح الحامدية ج ۲ ص ۳۶۷ مسائل وفوائد شتى من الخطر والاباحة

ومثله في البعث الراق ج ۱ ص ۵ كتاب الطهارة -

له لما قال العلامة الحسكفي: وقد ذكر وان المجتهد المطلق قد فقد - قال السيد احمد الطحاوي

رقوله فقد وهو جائز الوجود لان فضل الله تعالى لا يقيد بزمن دون زمن -

حاشية الطحاوي على الدر المختار ج ۱ ص ۱۰۰ مقدمة

**دو مذاہب پر عمل کرنے کا حکم** | سوال: ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کا متقلد دوسرے امام کے مذاہب پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب:** - خروج عن المذہب میں چونکہ اتباع ہوئی ہی ہوتی ہے اس لیے اگر کوئی شخص مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذاہب پر عمل کر رہا ہو تو وہ اول مذاہب کے ہوتے ہوئے دوسرے مذاہب پر عمل نہیں کر سکتا اس کو اصطلاح میں تلفیق کہتے ہیں اور یہ باطل ہے تاہم اشد ضرورت کے وقت اپنے مذاہب میں رہتے ہوئے دوسرے مذاہب پر اہل علم حضرات فتویٰ دے سکتے ہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: (تحت قول الحنفی: وان الحكم الملقق باطل بالاجماع ہما لہ متوضی سال من بدنہ دم ولس امرأۃ ثم صلی قال صحیحہ ہذہ الصلوۃ ملفقۃ من مذہب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصیحہ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۵۶ مطلب فی حکم التقليد والرجوع عنہ) لہ

**موضع ضرورت میں دوسرے مذاہب پر عمل کرنا** | سوال: کیا موضع ضرورت میں دوسرے مذاہب پر

عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** - موضع ضرورت میں دوسرے مذاہب پر عمل کرنا جائز ہے مگر اس ضرورت کا تعین اکابر علماء کریں گے، جیسے زوجہ منقودہ انجریں امام مالک کے مذاہب پر فتویٰ عند الضرورت دینا جائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: وقد كان بعض اصحابنا يفتون بقول مالك في هذه الحالة للضرورة - (رد المحتار ج ۳ ص ۵۹۹ مطلب في المنقود، قار بمذہب مالک) ایضاً قال لوافق مقتبش من هذه الافعال للضرورة طلباً للتيسير كان حسناً - (رد المحتار ج ۱ ص ۱۴۰ مطلب لا يجوز العمل بالضعيف الخ) لہ قال العلامة الطحاوی: متوضی سال من بدنہ دم ولس امرأۃ ثم صلی الخ - (طحاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۱۴۰)

(ومثله في خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد والتلفيق عبد الغني النابلسي ملك -

لہ لما قال العلامة عبد العزيز الفوهاري رحمه الله: اذا اشتدت الحاجة فيجوز الرجوع الى قاضي مذہب اخریفتی بحاجتہ وھذہ الفوائد مما تحفظ - (النبراس ص ۲۰۰ تقليد المجتهد)



**اہل الظاہر کے فتویٰ پر عمل کرنا** | سوال :- کیا ایک حنفی کے لیے اہل الظاہر کے فتویٰ پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** ایک حنفی کا اہل حدیث کے فتویٰ پر عمل کرنا درست نہیں، کیونکہ اہل الظاہر (اہل حدیث) اصحاب الفتویٰ میں سے نہیں ہیں۔

لما قال العلامة الکیرانوی: قال ابویکر الرازی الجصاص فی اصولہ لا یعد بخلاف من لا یعرف اصول الشریعة ولہ یرتض بطریق المقابیس ووجوہ اجہاد الرائی کداود الاصفہانی (امام اہل الظاہر) والکراہیسی اضر ابہما۔

(مقدمہ اعلام السنن ج ۲ ص ۱۸۵ الفائدۃ الثانیۃ لا یعد بخلاف الظاہر) لہ

**امام ابو حنیفہؒ تابعی ہیں** | سوال :- امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تابعی ہیں یا تبع تابعی اور آپ نے کس صحابی کو دیکھا ہے؟

**الجواب :-** امام ابو حنیفہؒ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، اس زمانہ میں کافی تعداد میں صحابہؓ حیات تھے اس لیے آپ نے کئی صحابہ کی زیارت کی ہے جن میں حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اس لیے آپ تبع تابعی ہیں، اور یہی جمہور علماء کی رائے ہے۔

لما قال الملا علی القاری: قد ثبت رؤیتہ بعض الصحابة واخلت فی روایتہ عنہم والمعتمد

ثبوتہا..... فہو من التابعین الاعلام۔ (مقدمہ اعلام السنن ج ۳ ص ۳ الفصل الاول)

**امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات کی تعداد** | سوال :- کیا یہ صحیح ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سترہ حدیثوں

لہ قال العلامة ابن عابدین: وقد استقر رأی الاصولیین علی ان المفتی هو المجتہد فاما غیر المجتہد فمن یحفظ اقوال المجتہد فلیس بمفتی والواجب علیہ اذا سئل ان یدکر قول المجتہد کالامام علی وجہہ الحکایة۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۹ مطلب رسم المفتی)

وَمِثْلُهُ فِي الطَّحطاوى على در المختار ج ۱ ص

لہ قال العلامة ابن الجوزی رحمہ اللہ: انما رأی انس بن مالک بعینہ

(العلل المتناہیة ج ۱ ص ۱۲۸ باب الکفالة برزق التفقه)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۱ ص ۶۴ مطلب فی اختلاف فیما من روایة الامام عن الصحابة۔

سے زیادہ نہیں جانتے تھے، جیسا کہ ابن خلدون نے ذکر کیا ہے؟  
الجواب :- جو کوئی بھی یہ کہتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سترہ حدیثوں سے زیادہ نہیں جانتے تھے وہ غلط کہتا ہے اور اس کا یہ کہنا مندرجہ ذیل وجوہات سے باطل ہے :-

(۱) امام ابو حنیفہؒ باتفاق اُمت مجتہد ہیں اور خود ابن خلدونؒ کا کہنا ہے کہ مجتہدین کا استنباط قرآن و سنت سے ہوتا ہے۔ تو اگر کوئی سترہ حدیثوں سے مجتہد بن سکتا تو آج ہر اہل حدیث مجتہد ہوتا۔

لما قال ابن خلدون: ولا سبيل الى هذا المتقد في كبار الاسمه ملان الشريعة  
انما تؤخذ من الكتاب والسنة۔ (مقدمہ ابن خلدون ج ۱ ص ۳۷۱)

(۲) ابن خلدون نے یہ قول یقال سے ذکر کیا ہے جو صیغہ تریض ہے پھر خود ہی اس کا رد بھی کیا ہے۔

(۳) صرف امام یوسفؒ نے ”کتاب الآثار“ میں امام ابو حنیفہؒ کی روایات کی تعداد ۱۰۶۷ ذکر کی ہے۔

(۴) امام ابو حنیفہؒ کی اپنی مسند موجود ہے جس میں ہزاروں روایات درج ہیں۔  
(۵) امام ذہبیؒ نے آپؒ کو حفاظ میں ذکر کیا ہے اور حافظ وہ ہوتا ہے جو ایک لاکھ حدیثیں جانتا ہو۔

(۶) وقال محمد بن سماعه: ان الامام ذكر في تصانيفه نيفا وسبعين الفاً  
حدیث وانتخب الآثار من البعین الف حدیث۔

(مقدمت اعلیٰ السنن ج ۱ الفصل التاسع فی تراجم ائمتنا الثلاثة ص ۱۹۲)

اس لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر اس قسم کا بے جا اعتراض کرنا بغض و حسد کی علامت ہے۔

صحاح ستہ میں امام ابو حنیفہؒ کی روایات | سوال :- صحاح ستہ خاص کہ  
بخاری و مسلم میں امام ابو حنیفہؒ

سے روایات کیوں منقول نہیں ہیں؟

الجواب :- امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کام روایات سے مسائل کا استنباط تھا، نہ کہ

محض روایات بیان کرنا۔ فقہی استنباطات میں شبانہ روز مشغولیت کی وجہ سے آپؒ

روایات کثرت موجود نہیں، نیز یہ بھی واضح ہو کہ بخاری و مسلم نے جس طرح امام ابو حنیفہؒ کی روایات کا ذکر نہیں کیا ہے تو اس طرح امام شافعیؒ کی بھی کسی روایت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور امام الحدیث احمد بن حنبلؒ کی صرف دو روایات موجود ہیں وہ بھی ایک تعلق اور دوسری نازل بواسطہ۔

لما قال العلامة الكوثري: ومما يلتفت ان شيخين لم يخرجوا في الصحيح شيئاً من حديث الامام ابى حنيفة مع انهما ادركا صغار اصحاب اصحابه واخذوا عنهم ويخرجوا ايضاً من حديث الامام الشافعي مع انهما لقيوا بعض اصحابه ولا اخرج البخاري من حديث احمد الا حديثين احدهما تعلقاً والاخر بواسطه مع انه ذكره الاثمة - (التعليق على شروط الائمة الستة ص ۸۱)

**”میزان الاعتدال“ کی عبارت کی تحقیق** | سوال :- علامہ ذہبیؒ نے اپنی مشہور کتاب

میں شمار کیا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

**الجواب :-** جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ”میزان الاعتدال“ میں امام ابو حنیفہؒ کو ضعیف کہا گیا ہے وہ غلطی پر ہیں، علماء احناف نے اس کے مندرجہ ذیل جوابات ذکر کیے ہیں :-

(۱) اول تو یہ کہ یہ عبارت علامہ ذہبیؒ کی نہیں ہے بلکہ کتاب میں بعد میں داخل کر دی گئی ہے۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثماني (بعد تحقیق) : فقد تصافت الادلة على

تمس ترجمة ابى حنيفة في الميزان انها المحقت في بعض النسخ بغير قلم

مؤلفه - (مقدمه اعلاء السنن ج ۳۵ اثبوت العدالة بالاستفاضة

وان هذه العبارة ليست لها اثر في بعض النسخ المتبوعة على ما رأيتها بعين نقل

من الامام عبد المحي الكهنوي ما تمس اليه الحاجة - (مقدمه ابن ماجه)

(۲) اور خود علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ اور امام ابو حنیفہؒ کو انکی جلالت شان کی وجہ سے

میزان الاعتدال میں ذکر نہیں کیا ہے۔ کذا ذکر فی کتابی من الائمة المتبوعین فی الفروع احداً

لجلالتهم فی الاسلام وعظمتهم فی التقوی مثل ابی حنيفة و الشافعي - (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱)

(۳) یہ جرح مبہم ہے جو کہ قبول نہیں! انما الجرح فانه لا يقبل الا مفسرا يتنا بسبب الجرح -

(اعلاء السنن ج ۱ ص ۳۰۵ تدبیر الراوی ج ۱)



پاکستان میں دوسرے مذاہب کی تقلید کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب !

کیا پاکستان میں علاوہ مذہبِ حنفی کے مذہبِ شافعی یا دوسرے مذاہب کی تقلید کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ یہاں ان پر عمل کرنے سے فتنہ و فساد کا ہر وقت خطر رہتا ہے۔ ارشاد ہی یہاں ان مذاہب کو کوئی جانتا ہے؟

الجواب :- مذاہبِ اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کی حقانیت پر پوری امت کا اجماع ہے مگر یہاں یہاں جو مذاہب رائج ہو اسی کی تقلید کی جائے گی دوسرے مذاہب کی تقلید نہیں کی جائے گی، خصوصاً اس وقت جبکہ فتنہ و فساد کا خطرہ ہو تو دوسرے مذاہب کی تقلید کرنا جائز نہیں۔

ما قال الشيخ شاه ولي الله الدهلوي: فاذا كان جاهل في بلاد الهند وبلاد ماوراءالنهر وليس هناك عالم شافعي ولا مالكي ولا حنبلي ولا كتاب من كتب هذا المذاهب وجب عليه ان يتكلم لمدى ابي حنيفة ويعتزم عليه ان يخرج من هذا لانه يبين يطلع من عنقه مراقة الشريعة ويبقى سدى مهملًا.

والانصاف منع كشاف من ہندستان میں جہاں پر تنقیدِ اہل حق واجب ہے

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مقلد تھے | سوال :- ہم نے بعض علماء سے سنا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی مقلد نہیں تھے

کیا واقعی حضرت شاہ صاحب مقلد نہیں تھے؟

الجواب :- یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت شاہ صاحب مقلد نہیں تھے، بلکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ باوجود صلاحیت اجتہاد کے مقلد تھے بلکہ آپ کو تقلید سے خروج پر: النعت کی گئی تھی، چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں :-

وانتقدت منه صلى الله عليه وسلم ثلاثة امور خلاف ما كان عتدي وما كانت طبعي تميل اليه اشد ميل فصار تهندي الاستفاد من براهين الحق تعالى علاج..... وتانيها الوصاة بالتحليل بهذه المذاهب.

(فيوض الحرمين ۶۱۲، ۶۱۳)

مذہبِ حنفی موافق السنن ہے | سوال :- آج کل غیر مقلد حضرات عوام میں یہ پراپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ مذہبِ حنفی خلاف سنت ہے، کیونکہ



**مذہبِ اربعہ کے علاوہ مذاہب کی تقلید کرنا** | سوال :- جناب مفتی صاحب !  
عصرِ حاضر میں مذاہبِ اربعہ کے علاوہ

کسی نئے مذہب کی تقلید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- علماء کرام کی تصریحات کی روشنی میں زمانہ حال میں مذاہبِ اربعہ کے علاوہ دوسرے کسی مذہب پر عمل پیرا ہونا جائز نہیں، اس لیے کہ کوئی ایسا شرعی جزئیہ نہیں ہے جس کے بارے میں ان مذاہب نے تصریح نہ کی ہو۔

لما قال العلامة الشيخ احمد الطحاوی: فعليكم يا معشر المؤمنين باتباع الفرقة الناجية المسماة بأهل السنة والجماعة فان نصرته في موافقتهم وخذلانه وسخطه ومقتته في مخالفتهم وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في المذاهب الاربعة هم الخنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون ومن كان خارجاً من هذه المذاهب الاربعة ذلك الزمان من اهل البدع والنار۔ (الطحاوی علی الدر المختار ج ۲ ص ۵۳ کتاب الذبائح) لہ

**اجتہاد کا دروازہ کھلا ہونے کا حکم** | سوال :- جناب مفتی صاحب ! کیا اس دور میں بھی اجتہاد کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں

سے سنا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے، آنجناب سے گزارش ہے کہ قرآن و سنت سے جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :- اجتہادِ مطلق کا سلسلہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو چکا ہے، آج کل کسی میں بھی اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اجتہادِ مطلق کے درجے تک پہنچ سکے، البتہ اجتہادِ فی المسائل کی اب بھی اجازت ہے مگر جو شخص نئے مسائل میں اجتہاد کرتا ہو اس میں

لہ قال العلامة ابن الہمام: وعلى هذا ما ذكر بعض المتأخرين منع التقليد غير الاربعة لانضباط مذاهبهم وتقييد مسائلهم وتخصيص عمومها ولم ير مثله في غيرهم الآن لانقراض اتباعهم وهو صحيح۔ (التحرير في اصول الفقه ص ۵۵۲ بحوالہ فتاویٰ رحیمیة ج ۱۰ ص ۸۹ کتاب العلم)

ومثله في فتاویٰ رحیمیة ج ۱۰ ص ۹۰ کتاب العلم۔



اجتہاد کی صلاحیت کا موجود ہونا ضروری ہے بدون اس کے اجتہاد کی اجازت نہیں۔  
 قال العلامة النووي: اما الاجتهاد مطلق فقالوا اختتم بالائمة الاربعة حتى  
 اوجبوا تقليد واحد من هؤلاء على امتة ونقل امام الحرمین الاجماع عليه۔  
 روضة الطالبين بحواله فتاوى رحيمية ج ۲ ص ۲۶ کتاب العلم لہ

صحابہ کرامؓ کے دور میں تقلید کا مسئلہ | سوال :- جناب مفتی صاحب! جیسا کہ آجکل  
 مذاہب اربعہ کی تقلید کی جاتی ہے اسی طرح  
 صحابہ کرامؓ کے زمانے میں بھی تقلید ہوا کرتی تھی یا یہ کہ سب صحابہؓ اپنے اپنے اجتہاد  
 سے کام لیتے تھے؟

الجواب :- صحابہ کرامؓ میں بھی دو قسم کے لوگ تھے، بعض مجتہد اور بعض مقلد،  
 تو جس طرح اس زمانہ میں اجتہاد رائج تھا اسی طرح مجتہد صحابہ کرامؓ کی تقلید بھی ہوئی  
 کرتی تھی، غیر مجتہد صحابہ کرامؓ دوسرے مجتہد صحابہؓ کی تقلید کر کے ان کے فتویٰ پر عمل کرتے تھے۔  
 عن سالم قال سئل ابن عمر عن رجل يكون له الدين على

قال العلامة قارى محمد طيب: باقى میں عرض کر چکا ہوں کہ اجتہاد کی وہ نوع جو استنباط  
 عل اور اجتہاد فی الدین سے تعلق رکھتی ہے آج اس لیے نہیں پائی جاتی کہ اس کی ضرورت  
 باقی نہیں ہے، ائمہ نے اس کو اس حد تک مکمل کر دیا ہے کہ آئندہ اس سے نفع اٹھانے  
 کی صورت تو باقی رہ جاتی ہے لیکن اس میں مزید تحقیق و تلاش کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔  
 .... ہاں اس خاص نوع کو چھوڑ کر جس نوع کے پردہ میں آج بھی جنس اجتہاد باقی ہے وہ  
 عام تحقیق و تلاش، کتاب و سنت میں تدبیر ان کے لطائف و حقائق کا استخراج ہر  
 زمانے کے تکوینی حوادث سے تشریحی مسائل کو تطبیق دے کر مناسب فتویٰ دینا، معاندین  
 اسلام کے نئے نئے شکوک و شبہات کی تردیدات، نصوص سے استنباط کرنا اصول  
 اسلام کے اثبات و تحقیق کے لیے کتاب و سنت سے مؤیدات پیدا کرنا وغیرہ وغیرہ  
 ہے، اجتہاد کی یہ نوع کل بھی تھی اور آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

{ اجتہاد اور تقلید ص ۵۹ تا ص ۶۴ }  
 { اجتہاد کی ایک نوع ختم ہو چکی ہے }

الرجل الى اجل فيصبح عنه صاحب الحق يعجله الاخر فكرة ذلك عبد الله بن عمر  
ونهي عنه - (موطا امام مالك ۲۲۷ کتاب الیسوع - باب ما جاء في الربا في الدين)

**سوال :-** اگر مجتہد کسی مسئلہ میں اجتہاد کر کے  
مجتہد کو خطا پر بھی اجر ملتا ہے اس میں خطا کر جائے تو کیا وہ عند اللہ ماخوذ ہو

گایا ما جور؟

**الجواب :-** جب کوئی مجتہد کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے اور وہ مسئلہ صواب اور  
درست ہو جائے تو اس کو دو ہر اجر ملے گا اور جب خطا کر جائے تو عند اللہ اسے ایک  
نیک ملے گی۔

لما قال النبي صلى الله عليه وسلم : اذا حكم الحاكم فاجتهد فاصاب  
تلقه اجران واذا حكم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر واحد۔

(الصحيح البخاري ج ۲ ص ۱۰۹۲ باب اجر الحاكم)

**سوال :-** جناب مفتی صاحب!  
مجتہدین کے اقوال پر فتویٰ دینے کا حکم جو عالم دین خود مجتہد نہ ہو یعنی

قرآن و سنت سے بلا واسطہ استنباط نہ کر سکتا ہو تو فتویٰ دیتے وقت اس کو  
کیا کرنا چاہیے؟

**الجواب :-** جو عالم دین مفتی تو ہو لیکن درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچا ہو تو اس  
کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے امام کی روایت اور اس کے مذہب کو نقل کر کے  
فتویٰ دے۔

قال العلامة الحصكفي: وان الخلاف خاص بالقاضي المجتهد واما المقلد

لقال الشيخ الشاه ولي الله الدهلوي: لان الناس لم يزالوا من زمن الصعابة  
الى ان ظهرت المذاهب الاربعة يقلدون من اتفق من العلماء  
من غير نكير من احد يعتبر انكاره ولو كان ذلك باطلا لا تكروه۔

(عقد الجيد مع سلك مرواريد ۲۹ آخر باب دوم)

ومثله في اجتهاد وتقليد ص ۵۴ صحايفيس بھی تقليد راجح تھی۔

فلا ینفذ قضاء وہ بخلاف مذہبہ اصلاً لما فی القنیة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۷) مطلب فی حکم التقلید والرجوع عنہ) لہ

**تقلید مذاہب اربعہ کا احادیث سے ثبوت** | سوال :- جناب مفتی صاحب!

میرا ایک دوست بسلسلہ روزگار کئی سالوں سے کراچی میں مقیم ہے، جب وہ گاؤں سے کراچی جا رہا تھا تو صحیح سنی مسلمان تھا اب کراچی میں رہتے ہوئے اس کے نظریات بدل چکے ہیں، اب وہ یہ کہتا ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید کرنا شرک ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، آپ سے گزارش یہ ہے کہ کیا واقعی مذاہب اربعہ کی تقلید شرک ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں؟

**الجواب :-** مذاہب اربعہ کی تقلید کو شرک کہنا لاعلمی اور جہل ہے، غیر مقلدین کے علاوہ کسی نے بھی اس کو شرک نہیں کہا ہے بلکہ اسی پر اٹا امت کا تعامل چلا آ رہا ہے، قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی کی کثیر تعداد تقلید کے اثبات کی تائید کرتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: **اتبعوا السواد الاعظم۔** (الحديث) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: ولما اندرست

المذاهب الحقہ الاھذہ الامر بعة کان اتباعھا اتباعاً للسواد الاعظم۔  
 (عقد الجید مع سلك مر وارید ص ۳۳ باب سوم ان چاروں مذہبوں کے اختیار کرنے کی الخ)  
 لہذا آپ کے دوست کا یہ کہنا غلط ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید شرک ہے اور یہ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

لہ قال ابو حفص قال لی ابواسحاق لما جلست فی جامع المنصور للفتیاء ذکر تھذہ المسئلة رای مسئلة حفظ اربعائے حدیث للفتیاء فقال لی رجل! فانت هوذا لا تحفظ هذا المقدار حتی تفتی للناس فقلت لہ عافاك الله ان كنت لا تحفظ هذا المقدار فانی هوذا افتی الناس بقول من کان يحفظ هذا المقدار واكثر منه هذا یرشدك الی انه اذا المرکب الرجل من اهل الفتوى والاجتهاد فعليه ان يفتی بقول المجتهد۔

رمقدمة اعلام السنن ص ۹ شرائط الافتاء، قواعد الفقہ



سوال ۱۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شاہ اسماعیل شہید غیر مقلد تھے، ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی بھی انہوں نے تقلید نہیں کی، تو کیا ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ بڑے بلند پایا عالم دین تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ صلاحیت عطا فرمائی تھی کہ وہ براہ راست قرآن و سنت سے مسئلہ حل کر سکتے تھے مگر جہاں آپ کو صریح نص نہ ملتی تھی وہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرتے تھے، جیسا کہ آپ کی تصانیف سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اس لیے ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضرت شاہ صاحب ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مقلد تھے۔

لما قال الشيخ رشيد احمد گنگوہی: بندہ نے جو کچھ سنا ہے مولانا مرحوم کا حال وہ یہ ہے کہ جب تک حدیث صحیحہ غیر منسوخ ملی اس پر عمل کرتے اگر نہ ملتی تو امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے تھے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، تالیفات رشیدیہ ص ۲۰۹ تقلید و اجتہاد کے مسائل)

سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل کے غیر مقلد حضرات اجماع امت اور قیاس کو حجت شرعی

نہیں مانتے اور ان سے ثابت شدہ مسائل مانتے ہیں۔ تو کیا واقعی اجماع امت اور قیاس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں؟

الجواب :- اسلامی احکامات کا استنباط ادلہ اربعہ سے ہوتا ہے جن میں اجماع اور قیاس بھی شامل ہے، نصوص قرآنیہ، احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے یہی ثابت ہے، ان کو دلیل شرعی نہ ماننا جہل مرکب ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، تالیفات رشیدیہ ص ۲۰۵ تقلید و اجتہاد کے مسائل)

سوال :- جناب مفتی صاحب! ہمارے مقلدین کو مشرک کہنے والے کے ایمان کا حکم

گاؤں میں جماعت المسلمین سے تعلق رکھنے والا ایک شخص ہے جو سب مقلدین کو مشرک کہتا ہے، وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جو شخص ائمہ اربعہ میں سے کسی بھی امام کا مقلد ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- مطلق تقلید قرآن و سنت سے ثابت ہے اور خیر القرون سے اس پر

تعامل چلا آ رہا ہے جو شخص تقلید کو شرک کہتا ہے اور ائمہ اربعہ کے مقلدین کو مشرک اور دائرۃ اسلام سے خارج تصور کرتا ہے خود اس کے ایمان کی سلامتی مخدوش ہے اس کو ایسے الفاظ پر تلفظ کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

مقالہ العلامة المفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ: جو شخص کہ تقلید کو شرک کہے وہ خود حامی ہے اور اگر تمام مقلدین کو مشرک بتائے تو اس کے ایمان کی سلامتی مخدوش ہے اس کے پیچھے نماز بھی نہیں ہوتی، کیونکہ مطلق تقلید کا ثبوت قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ اور تعامل سلف سے یقینی طور پر موجود ہے اور تقلید شخصی کا جواز بھی قرآن و حدیث و اقوال صحابہ و تعامل سلف سے ثابت ہے، پس اس کو شرک کہنا بہالت ہے۔

(کفایت المفتی ج ۱ ص ۳۲۵ کتاب العقائد، تقلید و اجتهاد)

**سوال :-** آجکل جو چار مذاہب مسلمانوں میں رائج ہیں، بعض لوگ حنفی، بعض شافعی اور بعض حنبلی اور بعض

مالکی ہیں، ان میں سے کون سا مذہب قرآن و سنت کے موافق ہے؟ کیونکہ غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ مذاہب اربعہ قرآن و سنت کے موافق نہیں ہیں، ان کے اس قول کی کیا حقیقت ہے؟

**الجواب :-** اصول اور مبادی دین میں سارے ائمہ اسلام متفق ہیں، اصول عقائد میں ان کا کوئی اختلاف نہیں البتہ فروعی جزئیات میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر یہ اختلاف اصل اسلام میں نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اوقات میں مختلف اعمال منقول ہوئے ہیں، ان کی مختلف مدارج کی ترتیب معلوم نہ ہونے یا تسلیم نہ کرنے یا مختلف مواقع اور مقاصد پر محمول کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور اسی طرح بعض غیر منصوص مسائل کے حل میں دماغی تناسب اور رجحانات کے اختلاف کی وجہ سے بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ یا پھر عربی لغت کے کثیر المعانی لفظ کے تعین میں اختلاف کی بناء پر ائمہ اربعہ میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہیے کہ اس قسم کے اختلافات سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا ہے حتیٰ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تراویح میں بھی اس قسم کا اختلاف تھا، صحابہ کرام میں بھی فروعی مسائل میں اختلاف تھا، اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف کے بارہ میں فرمایا ہے کہ اختلاف الامتی رحمة کہ امت کے ائمہ کا اختلاف رحمت ہے۔ لہذا مذاہب اربعہ حق پر ہیں کوئی بھی باطل پر نہیں۔







# کتاب البدعة والرسوم

## (بدعت اور رسومات کے احکام و مسائل)

**بدعت کی تعریف** | سوال :- جناب مفتی صاحب! بدعت کی جامع و مانع تعریف کیا ہے، آجکل بعض لوگ ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں؟

**الجواب :-** بدعت کا لغوی معنی ہے الاحداث یعنی نئی چیز پیدا کرنا، شریعت کی اصطلاح میں اس کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں، ان تمام تعریفات میں جامع و مانع تعریف وہ ہے جو علامہ ابن رجب اور دوسرے محققین نے بیان کی ہے کہ بدعت شرعاً وہ عمل ہے جس کی دین مقدس میں کوئی بنیاد نہ ہو، اس تعریف سے بہت سے وہ اعمال جن کو بعض حضرات بدعت کہتے ہیں خارج ہو جائیں گے۔

لما قال العلامة ابن رجب الحنبلي: والبراد بالبدعة ما احدث مما لا اصل له في الشريعة يدل عليه واما ما كان له اصل من الشرع يدل فليس ببدعة شرعاً وان كان بدعة لغة - كتاب جامع العلوم والحكم ص ۲۳۳ الحديث الثامن والعشرون

**بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کی تحقیق** | سوال :- بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ میں فرق کی وضاحت فرمائیں، بعض لوگ بدعت

کی اس تقسیمِ حسنہ و سیئہ کو نہیں مانتے، جبکہ ہم نے اکثر علماء سے بدعت کی یہی تقسیم سنی ہے۔  
**الجواب :-** بدعت اصطلاحی و شرعی ہر صورت میں قبیح و مذموم ہے، البتہ بدعت لغوی اپنی بعض اقسام کے اعتبار سے بدعت حقیقی (شرعی) نہیں رہتی بلکہ بدعتِ صورتی بن

له قال العلامة القرطبي رحمه الله: كل بدعة صدرت من مخلوق فلا يخلو ان يكون لها اصل في الشرع اولا فان كان لها اصل كانت واقعة تحت ما ندب الله اليه وحقق رسوله اليه فهي في حين المدح وان لم يكن مثاله الخ -

(احكام القرآن للقرطبي ج ۱ ص ۸۷ سورة البقرة)

وَمِثْلُهُ فِي صَفْوَةِ التَّفَاسِيرِ ج ۱ ص ۹۲ - سورة البقرة -

جاتی ہے، اور بدعت کی یہ صورت مشابہ سنت ہونے کی وجہ سے بدعت حسنہ کہلاتی ہے چنانچہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: قاعدہ کلیہ اس باب میں یہ ہے کہ جو امر کلیاً یا جزئاً دین میں نہ ہو اس کو کسی شبہ سے جزو دین علماً و عملاً بنا لینا بوجہ مزاحمت لوہاکم شرعیہ کے بدعت ہے دلیل اس کی حدیث صحیح ہے من احدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فہو سرّد۔ کلمہ من اور فی اس مدعا پر صاف صاف دلالت کر رہے ہیں اور حقیقی بدعت ہمیشہ سیئہ ہی ہوگی اور بدعت حسنہ صوری بدعت ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۱۵ کتاب البدعات)

**سوال:** بدعت فی الدین اور بدعت للدین میں کیا فرق ہے؟ نیز وہ کون سا اصول یا ضابطہ ہے کہ جس کے ذریعے ہر دو بدعت میں تفریق و تمیز ہو سکے؟

**الجواب:** اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی سب ضروری باتیں قرآن و حدیث میں بندوں کو بتادی ہیں، اب دین میں کوئی نئی بات نکالنا جو دین متین میں داخل نہیں ہے اور لوگ اس کو دین سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہوں تو ایسی نئی بات کو بدعت فی الدین اور احداث فی الدین کہا جائے اور اسی کو فقہاء نے ناجائز کہا ہے، اور اس کے برعکس وہ امر جس کی اصل دین متین میں موجود ہو تو وہ بدعت للدین کے زمرے میں آتا ہے اور اس کو فقہاء کرام نے بعض شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: بدعت کی حقیقت تو یہ ہے کہ اس کو دین سمجھ کر اختیار کرے، اگر معالجبہ سمجھ کر اختیار کرے تو بدعت کیسے ہو سکتا ہے، پس ایک احداث للدین ہے اور ایک احداث فی الدین ہے، احداث للدین معنی سنت ہے اور احداث فی الدین بدعت ہے۔ (تحفۃ العلماء ج ۲ ص ۱۲۱ فقہ حنفی کے اصول و ضوابط، ابنا السادس)

سنت کی تعریف

قال العلامة ابن حجر العسقلانی: والتحقیق انہا ان کانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشرع فی حسنہ وان کانت من ما تندرج تحت مستقبح فی الشرع فی مستقبحة والافعی من قسم المباح وقد تنقسم الی الاحکام الخمسة۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۱۹ کتاب صلوة التراويح)

وَمِثْلُهُ فِي الْمَنْهَاجِ الْوَاضِعِ بِحِوَالِهِ رَابِعُ سُنْتٍ ص ۹۸



**قبر پر اذان دینے کا حکم** | سوال :- بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ میت کو حویلی میں رکھ کر اس پر پتھر رکھنے کے بعد اور مٹی ڈالنے سے پہلے اذان دی جاتی ہے، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** قبر پر اذان دینا اذان کے مواقع میں سے نہیں جبکہ اذان کے مواقع شرعاً معین ہیں، لہذا اس کا خلاف شریعت اور بدعت ہونا ظاہر ہے، اس لیے اس سے اجتناب کیا جائے۔

قال العلامة ابن عابدین: تحت رد فن المیت ( لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره کما هو المعتاد الآن - وقد صرح ابن الحجر فی فتاویٰ یانہ بدعة وقال ومن ظن انه سنت قیاساً علیٰ ندبہا للمولود الحاقاً لخاتمة الامر -

(رد المحتار ج ۱ ص ۲۵۸ باب الاذان) لے

**میت کو غسل دینے سے پہلے تعزیت کرنے کا حکم** | سوال :- بعض علاقوں میں رواج ہے کہ میت کو غسل دینے اور تجہیز و تکفین سے پہلے کچھ لوگ میت کے پسماندگان سے تعزیت کرنا شروع کر دیتے ہیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

**الجواب :-** میت کے پسماندگان سے تعزیت کرنا اس وقت مستحسن ہے جب وہ تعزیت کے لیے بیٹھ جائیں، خواہ وہ میت کو دفن کرنے سے پہلے بیٹھ جائیں یا بعد میں، البتہ تعزیت کے لیے بیٹھنے سے قبل میت کی تدفین کا کام مکمل کیا جائے اور یہی بہتر ہے، تاہم اگر دفن کرنے سے پہلے یا بعد میں تعزیت کرنے سے میت کے پسماندگان پریشان ہوتے ہوں تو پھر تعزیت کرنا مکروہ ہے۔

وفی الہندیۃ: وہی بعد الدفن اولیٰ منها قبلہ - (الفتاویٰ الہندیۃ

ج ۱ ص ۶۷ کتاب الجنائز، یتصل بذلك المسائل)

قال العلامة ابن عابدین: وقال کثیر من متاخرین ائمتنا یکرہ الا اجتماع

اعلم ان قال العلامة اشرف علی التھانوی: بہر حال بوجہ عدم ثبوت بالدلیل شرعی کے یہ عمل بدعت ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۰۲ کتاب البدعات)

عند صاحب البيت ويكره له الجلوس في بيته حتى يأتي اليه من يعزي بل اذا افرغ  
ورجع من الدفن فليتنفقا ويشتغل الناس بما مورهم وصاحب البيت بأمره اهـ۔

(ردالمحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۶۱ کتاب الجنائز) لہ

**تین دن کے بعد تعزیت کرنا** | سوال :- عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کسی کے ہاں  
میت ہو جائے کے بعد تین دن حجرے یا مسجد میں  
تعزیت کے لیے بیٹھتے ہیں، کیا شرعاً تین دن تک تعزیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور تین  
دن کے بعد تعزیت کرنا کیسا ہے؟

**الجواب :-** مقیم لوگوں کے لیے تین دن تک میت کے پسماندگان سے تعزیت  
کرنا جائز ہے، البتہ غائب آدمی جس نے کسی قسم کی تعزیت نہ کی ہو واپسی کے وقت کر  
سکتا ہے اگرچہ کافی عرصہ کے بعد واپس آئے۔

لما في الهندية: وقتها حين يموت الى ثلاثة ايام ويكره بعدها الا ان يكون  
المعزي او المعزى اليه غائبا فلا بأس بها۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۶ کتاب  
الجنائز، فصل في التعزية) لہ

**روٹی کو چھری سے کٹنے کی رسم کا حکم** | سوال :- آجکل یہ رسم عام ہے کہ شادی بیاہ  
اور دیگر تقریبات کے موقع پر لوگ روٹی اور گوشت  
وغیرہ کو چھری سے کاٹ کر کھاتے ہیں، اس رسم کے بارے میں شرعی نقطہ نظر کیا ہے؟  
**الجواب :-** مناسب اور بہتر یہ ہے کہ حتی الامکان روٹی یا گوشت وغیرہ چاقو یا چھری

لہ قال العلامة وهبة الزحيلي: وهي بعد الدفن افضل منها قبله  
لان اهل الميت مشغولون بتجهيزه و وحشهم بعد الدفن  
لفراقه اكثر۔ (الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۲ ص ۵۴۳ المطلب

الثالث التعزية الخ)

لہ قال العلامة ابن عابدین: وفي الاحكام عن خزانه الفتاوى الجلوس في المصيبة  
ثلاثة ايام للرجال جاءت الرخصة فيه ولا تجلس النساء قطعاً۔  
(ردالمحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۶۰۴ کتاب الجنائز)

سے کاٹ کر نہ کھایا جائے، ایک مسلمان کے لیے روٹی کا ادب و احترام کرنا ضروری ہے، لیکن شادی بیاہ یا دیگر تقریبات کے مواقع پر ایسا کرنا یعنی چاقو، پھری سے روٹی وغیرہ کاٹ کر کھانا مخصوص اور جائز ہے اور جو روایت منع کے بارے میں مشہور ہے وہ شرعاً صحیح ہے۔

ما قال العلامة ابن الجوزی رحمہ اللہ؛ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقطع الخبز بالسکین وقال اکرموا فان اللہ عزوجل قد اکرمہ۔ قال ابن الجوزی قال دارقطنی تفرّد بہ نوح وهو متروک وکذا قال مسلم بن الحجاج و ابو حاتم الرازی وهو متروک۔ وقال یحییٰ نوح لا یکتب حدیثہ لیس بشیء۔ وقال ابن حبان لا یجوز الاجتماع بہ۔ (الموضوعات ج ۲ باب فصل الخبز ص ۲۹۱)

**تعزیت کیلئے مناسب جگہ بیٹھنا چاہیے** | سوال: بعض لوگ تعزیت کیلئے راستوں میں دریاں بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں اور کچھ لوگ حجروں اور مساجد کو استعمال کرتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ نیز تعزیت میں کیا الفاظ کہنے چاہئیں؟

**الجواب:** کسی مسلمان کی وفات پر اس کے پسماندگان سے تعزیت کرنا سنت ہے اس کے لیے جو جگہ مناسب ہو استعمال کی جاسکتی ہے یعنی ایسی جگہ ہو جہاں تعزیت میں بیٹھنے والوں اور آنے والوں کو تکلیف نہ ہو، البتہ راستوں اور دروازوں میں بیٹھنا بُری بات ہے اور اس کو لازم سمجھنا بدعت ہے۔

لما فی الہندیۃ: ولا بأس لاهل المصیبة ان یجلسوا فی البیت او فی مسجد ثلاثۃ ایام اولنا یا تو نهم ویعزونہم ویکرہ الجلوس علی باب الدار وما یضنع فی بلاد العجم من فرش البسط والقیام علی قوارع الطرق من اقباح القبائح، کذا فی النظریۃ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۶۴ کتاب الجنائز فصل فی التعزیت ص ۱۶۴) تعزیت میں صبر کرنے، غم بھلانے اور حوصلہ سے کام لینے کے الفاظ استعمال کرنا مناسب ہے بہتر کلمات یہ ہیں: ان اللہ ما اخذ والہ ما اعطى وكل شیء عندہ باجل مسئی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۶۴ فصل فی التعزیت ص ۱۶۴)

لہ قال العلامة و ہبۃ الزحیلی: وقال الخنقیۃ لا بأس بالجلوس للتعزیتۃ فی غیر المسجد ثلاثۃ ایام واولہا افضلہا۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۲ ص ۵۴۲ المطب الثالث فی التعزیت ص ۵۴۲)



**قل خوانی اور رسم چہلم کا شرعی حکم** | سوال :- آجکل میت کے ایصالِ ثواب کے لیے بڑے اہتمام کے ساتھ جمعرات، تیجہ، دسواں اور چہلم کی رسم ادا کی جاتی ہے اور ایسا نہ کرنے والوں پر طعن و تشنیع اور ملامت کی جاتی ہے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ان رسومات کی شریعت مقدسہ میں کیا حیثیت ہے؟ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں؟

**الجواب :-** وارثانِ میت کا ایصالِ ثواب کے لیے صدقہ کرنا ہر وقت جائز ہے مگر وقت کے تعین کی جو صورتیں عوام میں مروج ہیں، مثلاً شبِ جمعہ و جمعرات کے دن (تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہ)، اس تخصیص کی وجہ سے شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ تخصیص اور التزام کی وجہ سے کبھی کبھی مباح اور جائز افعال بھی ناجائز ہو جاتے ہیں۔

قال العلامة النووي رحمہ اللہ، والطعام فی الایام المنصوصة کالثالث والخامس والتاسع والعشیرین والاربعین والشهر السادس والسنة بدعة ممنوعة۔  
(شرح منهاج بحوالہ راہ سنت ۲۶۵) ۱۷

**صفر المنظر میں پُجوری کی رسم کی شرعی حیثیت** | سوال :- عوام میں مشہور ہے کہ صفر کے مہینے میں آسمان سے بلائیں نازل ہوتی ہیں، اور پھر اس ماہ کے آخری بدھ کو گھر وغیرہ صاف کر کے مٹھائی اور پُجوری وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے، کیا پُجوری کی یہ رسم شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** یہ سب خرافات اور جاہلیت کی باتیں ہیں، اس ماہ مبارک میں آسمان سے کوئی بلا نازل نہیں ہوتی، اور یہ مٹھائی و پُجوری وغیرہ کی تقسیم کا اہتمام و التزام کرنا بدعت ہے۔  
عن جابر بن عبد اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا عدوی ولا صفر ولا غول۔ انخرجہ مسلم۔ وما ثبت بالسنة للشیخ عبد الحق محدث دہلوی (۲۶۶)

۱۷ قال العلامة ابن البزازی رحمہ اللہ، ویکبرہ اتحاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث ویعد الاسبوع والاعیاد۔

(الفتاویٰ البزازیة علی ہامش الہندیة ج ۱)

ومثله فی رد المحتار ج ۱ ص ۶۰۳ مطلب فی کراہة الضیافت من اهل المیت۔

**بزرگوں کے ہاتھوں کو چومنا بدعت نہیں** | سوال :- علماء، مشائخ اور نیک  
 لوگوں کے ہاتھوں کو جھک کر چومنا  
 کیسا ہے؟ اور کیا اس کو بدعت کہنا صحیح ہے؟ جبکہ افغانستان اور بعض دیگر علاقوں میں  
 اس کا عمومی رواج ہے؟

**الجواب :-** مشائخ کرام، علماء اور نیک لوگوں کے ہاتھوں کو چومنا جائز ہے البتہ  
 اس موقع پر رکوع کی سی کیفیت اختیار کر کے جھک جانا ناجائز اور حرام ہے، اس لیے اگر  
 بغیر جھکے چوما جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کو بدعت کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔

لما قال العلامة ملا علی قاری رحمہ اللہ: وقيل لا يكره التقبيل لزهد وعلم وكبر سن  
 قال النووي تقبيل يد الغير ان كان لعلمه وصيانتهم ونهده وديانتهم ونحو ذلك  
 من الامور الدينية لم يكره بل يستحب وان كان لغناه او جاهه في دنياه كره.

مرقاۃ ج ۹ ص ۷۶ باب المصافحة والمعانقة - الفصل الثاني (۱۷)

**تشدید میں انگلی سے اشارہ کرنے کا حکم** | سوال :- ہمارے گاؤں میں ایک مسئلہ  
 کافی شدت اختیار کر چکا ہے کہ نماز میں

التحیات پڑھتے وقت اشہد ان لا اله الا الله کے موقع پر انگلی سے اشارہ کرنے کو  
 بعض لوگ بدعت کہتے ہیں حتیٰ کہ بعض اشخاص کی انگلیاں بھی توڑ دی گئی ہیں، تو شرعاً اس کا  
 کیا حکم ہے؟ اور اگر جائز ہے تو اس کو بدعت کہنا کیسا ہے؟

**الجواب :-** التحیات میں اشہد ان لا اله الا الله کہتے وقت انگلی سے اشارہ  
 کرنا احادیث نبویہ سے ثابت ہے جس کی مختلف ہیئتیں ہیں، مگر احناف کے نزدیک مختار  
 طریقہ وہ ہے جو وائل ابن حجر کی روایت میں مذکور ہے کہ وسطیٰ واہمام سے حلقہ بنایا جائے  
 اور خنصر و بنصر کو ہتھیلی سے ملا کر سبابہ سے اشارہ کیا جائے۔

كما فعل عليه السلام: عن وائل ابن حجر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ولا بأس بتقبيل يد الرجل | لعالم  
 والمتورع على سبيل التبرك..... الخ - رمد المختار ج ۵ ص ۲۷۱ قبل فصل  
 في البيع، كتاب الخطر والاباحه)

قال ثم جلس فافتش رجله اليسرى ووضع يده اليسرى على فخذه اليسرى ومد يده اليمنى على فخذه اليمنى وقبض ثنتين وحلق حلقة ثم رفع اصبعه فرأيت يحرکها يدعوبها۔ (مشکوٰۃ ص ۸۵ باب التشهد، الفصل الثاني)

ان جملہ طریقوں کو فقہاء کرام نے ذکر کیا ہے لہذا اس کو بدعت کہنا علم سے دوری کی دلیل ہے۔ علامہ ملا علی قاری نے ان جملہ طریقوں کو نقل کر کے مذکورہ طریقے کو راجح قرار دیا اور فرمایا ہے: والاختیر هو المختار عندنا۔ (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۲۸ باب التشهد۔ الفصل الثاني) لے

**عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے پر دوام کا حکم | سوال :- بعض حضرات عمامہ**

کہتے ہیں اور اسی پر دوام کر کے بغیر عمامہ کے نماز پڑھنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں، تو کیا عمامہ کے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- عمامہ باندھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، افضل یہ ہے کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھی جائے، یہی عمل مستحب ہے مگر اس پر اس طرح دوام کرنا کہ بغیر عمامہ کے نماز پڑھنے والے پر لعن طعن کیا جائے غلو فی الدین کے مترادف ہے، جو شرعاً ممنوع ہے لہذا بغیر عمامہ کے بھی نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے تاہم اگر کسی مستحب کو وجوب کا درجہ دیا جائے تو وہ واجب الترک ہے۔

ما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: والمستحب ان یصلی الرجل

لحدیث أخرج الامام ابوداؤد: عن وائل بن حجر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قعد فی الصلوٰۃ جعل قدمہ الیسری تحت فخذہ الیمنی وساقہ وفرش قدمہ الیمنی ووضع یدہ الیسری علی ساکتہ الیسری ووضع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی وأشار باصبعہ وارانہ عبد الواحد وأشار بالسبابة۔

رسنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۲۹ کتاب الصلوٰۃ۔ باب اللیثۃ فی التشہد

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۱ ص ۱۲۹ کتاب الصلوٰۃ باب صفة الصلوٰۃ۔



فی ثلاثة اثناب قیصی و انار و عمامة - (خلاصة الفتاوی مع مجموعة الفتاوی  
ج ۱ ص ۳۱ الفصل السادس فی ستر العورة) لہ

میّت کے گھر سے پہلے تین دن کھانا کھانے کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں  
علماء دین اس مسئلہ میں کہ

میّت والے گھر سے پہلے تین دن تک کھانا پینا جائز ہے یا نہیں ؟  
الجواب :- میّت والے گھر سے پہلے تین روز کھانا کھانے کو فقہانے مکروہ کہا ہے۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں : وقال ایضاً یکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل  
المیت لانه شرع فی السرور لانی الشرور وهی بدعة مستقبحة روی الامام  
احمد وابن ماجه باسناد صحیح عن جریر بن عبد الله قال کنا نعد الاجتماع  
الی اهل المیت ومنعم الطعام من النیاحة - (رد المحتار جلد ۱ ص ۲۰۳)

کتاب الجنائز، مطلب فی کراهة الضیافة من اهل المیت) - البتہ یہ حکم اس  
کھانے کا ہے جو میّت کے گھر میں بطور ضیافت کے تیار کیا جاتا ہے جیسا کہ بعض علاقوں  
میں اس کا رواج ہے۔ اور اگر میّت کے گھر والوں کو دوسرے لوگ کھانا کھلائیں تو اس  
میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ایک مستحب امر ہے۔ علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے : قال فی الفتح

ویستحب لجیران المیت واقربائهم الا بعد تهيئة طعام لهم یشبعهم یومهم و  
لیلتهم لقوله علیه السلام اصنعوا لآل جعفر طعاماً فقد جاءهم ما یشغلهم  
حتنه الترمذی وصححه الحاکم ولانه بز و معروف ویلم علیهم فی الاکل  
لان الحزن یمنعهم من ذلك فیضعفون - (رد المحتار ج ۱ ص ۲۰۳ باب صلوة الجنائز  
تحت مطلب فی کراهة الضیافة من اهل المیت) باقی رہی وہ صورت کہ جس میں

لہ قال العلامة ابراہیم الحلبي :- وفيه لوصلي في ثوب واحد متوشحاً به جمع بدنه كما يفعله  
القصار في المقصر في جاز من غير كراهة مع تيسر وجود الزائد ولكن  
فيه ترك الاستحباب حينئذ - (كبيري شرح منية ص ۳۲۹ فصل فی ما يكره  
فعله فی الصلوة وما لا يكره)

ومثله في الهندية ج ۱ ص ۵۹ الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل اول  
في الطهارة وستر العورة -

ورثاء (اویا میت) میت کے گھر کھانا تیار کر کے پھر دوسروں کو ایصالِ ثواب کی نیت سے کھلائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس میں کسی خاص دن اور وقت کا تعین ضروری نہیں، تخصیصِ ایام کی وجہ سے علماء نے اس کو بھی مکر وہ کہا ہے۔

قال العلامة ابن البزازی: - ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للتعظیم الخ۔ والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاکل یکره۔ اور معراج الدرایۃ میں ہے: وهذه الافعال کلها للسمعة والریاء فیتحرز عنها لاتهم لایریدون بہا وجه اللہ تعالیٰ۔ (الفتاویٰ البزازیۃ علی هامش المہندیۃ ج ۴ ص ۸۱ کتاب الجنائز) اور ایصالِ ثواب کے لیے میت کے گھر کھانا پکا کر خیرات کرنا تب جائز ہوگا جب اس میں درج ذیل شرائط پائی جائیں :-

(۱) خیرات کرنے میں رسم و رواج پورا کرنے کی نیت بالکل نہ ہو۔

(۲) ریاء اور نمود و نمائش کے لیے بھی نہ ہو۔

(۳) ترکہ کی تقسیم کے بعد ہو، اور اگر قبل از تقسیم ہو تو تمام مستحق ورثاء بالغ و عاقل ہوں اور سب کی طرف سے بطیب خاطر اس کی اجازت بھی ہو، ورنہ ناجائز ہے۔ ایسی صورت میں اگر کسی بڑے وارث نے دوسروں کی اجازت کے بغیر خرچ کر لیا تو اس کی ذمہ داری دوسرے ورثاء پر عائد نہ ہوگی بلکہ خرچ کرنے والا نمود اس کا ذمہ دار ہوگا۔

(۴) مالِ حلال سے ہو، سود وغیرہ حرام طریقوں سے حاصل کیا ہوا مال نہ ہو ورنہ پھر بھی ناجائز ہوگی۔

(۵) اسی طرح وقت کی تخصیص و تعین بھی اس میں نہ ہو ورنہ بدعت شمار ہوگی۔

سوال :- ایک آدمی سے روٹی غلطی سے گر گئی، روٹی کو چومنا بدعت نہیں دیکھنے والے آدمی نے اسے کہا کہ اس کو اٹھا کر چومو اور ادب و احترام کر دو کیونکہ ایسا نہ کرنے سے یہ بد عادت ہے، اس پر پہلے آدمی نے کہا کہ نہیں تو ہم پرستی اور بدعت ہے، تو کیا ایسا کرنا واقعی توہم پرستی اور بدعت ہے؟

الجواب :- گری ہوئی روٹی اٹھالینا اور اس کو ضائع ہونے سے بچانا واقعی

رزق کا ادب ہے اور اسراف سے بچنا ہے، تاہم گرمی ہوئی روٹی کو چومنا اور نہ چومنے والے کو گنہگار سمجھنا اور اس نہ چومنے کو بد فالی اور بدعت کہنا درست نہیں، چونکہ رزق اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور اس انعام الہی کی قدر کرتے ہوئے چوم لینا بھی مباح اور جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفی: . واما تقبیل الخبز فحترہ الشافعیۃ أنه بدعة مباحة وقیل حسنة..... الخ وقواعدنا لاتأبایہ۔ الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۴۲ کتاب الخطر والاباحۃ، باب الاستبراء وغیرہ، قبیل فصل فی البیع

**بوقت ضرورت چھری کے ساتھ روٹی کاٹنا** | سوال :- آجکل دوکاندار بیکری

ڈالنے کے لیے آسانی کی خاطر تیز چھری کے ساتھ اس کے ٹکڑے کرتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا روٹی کی بے ادبی اور ایک بڑی رسم تو نہیں؟

**الجواب :-** ضرورت کے وقت روٹی یا دوسری اشیاء خوردنی کو چھری کے ساتھ کاٹنا جائز ہے اور یہ کوئی گناہ کا عمل یا بڑی رسم نہیں ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ: وفي المجتبى لا يكره قطع الخبز واللحم بالسكين۔ الدر المختار علی الدر المختار ج ۵ ص ۲۴۲ کتاب الخطر والاباحۃ، باب الاستبراء، قبیل فصل فی البیع۔

**جنازہ اٹھاتے وقت ذکر بالجہر کرنا مکروہ ہے** | سوال :- آجکل اکثر جگہ یہ

قبرستان یا جنازہ گاہ لے جاتے ہوئے اسے کندھا دینے والا ہر نیا آدمی بلند آواز سے کہتا ہے ”کلمہ شہادت“ شریعت مقدسہ میں اس کا کیا حکم ہے؟ جبکہ کچھ لوگ اسے بدعت کہتے ہیں؟

**الجواب :-** جنازہ میں شریک لوگ اگر ذکر کرنا چاہیں تو اپنے دل میں کر الہی کریں، آواز بلند کرنے اور نعرے لگانے کو علماء نے مکروہ کہا ہے کیونکہ وہ عبرت و فکر کا مقام ہوتا ہے ایسے وقت خاموش رہنا بہتر ہے۔

قال العلامة عبدالحی الکنہوی رحمہ: یکرہ رفع الصوت بالذكر والقراءة لئلا یجذب



ومن معهم تحريماً وقيل تنزيهاً وينبغي ان يطيلوا الصمت ولو ارادوا الذكر ذكروا  
في انفسهم. كذا في فتح القدير وفي الجواهر النفيسة شرح الدرّة المتيفة: لا يرفع  
صوته بالذكري اي يكره رفع الصوت بالذكر والقراءة والتكبير خلف الجنائز.  
رساحة الفكر في الجهد بالذكر ۵۵ اباب الثاني في ذكر مواضع الجهر ۱۰

میت پر قرآنی کلمات سے منقش چادر ڈالنے کا حکم | سوال :- اکثر علاقوں میں  
غسل اور کفن کے بعد دفنانے

کے لیے لے جاتے وقت میت پر قرآنی آیات والی چادر ڈالی جاتی ہے، کچھ لوگ اس  
کو بدعت کہتے ہیں، شریعت مقدسہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ کے مطابق میت پر قرآنی کلمات سے مکتوب چادر  
ڈالنا اگرچہ فی نفسہ جائز ہے مگر توہین اور بے ادبی کے ڈر کی وجہ سے ڈالنا جائز نہیں۔  
قال العلامة الحسکفی رحمہ اللہ: بساط او غیرہ کتب علیہ الملك لله يكره بسطه  
واستعماله لا تعليقه للزينة اه ثم قال بعد اسطر قلت وظاهرة انتفاء الكراهة  
بمجرد تعظيمه وحفظه - الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۱ ص ۱۲۱

باب المياہ، کتاب الطہارۃ ( ۲ )

۱۰ قال العلامة وهبته الزحيلي: اللغط أي رفع الصوت بذكر او قراءة والصياح  
خلف الجنائز كقول استغفروا لها ونحو لما روى البيهقي ان الصحابة  
كرهوا رفع الصوت عند الجنائز وعند القتال وعند الذكر..... والصواب  
ما كان عليه السلف من السكوت في حال السير مع الجنائز والاشتغال بالتفكير  
في الموت وما يتعلق به - (الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۲ ص ۵۱۷ مکروہات الجنائزہ)

۱۱ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: اقول في فتح القدير وتكره كتابة  
القرات واسماء الله تعالى على الدراهم والمعايير والجردان وما  
يفرش اہ۔ وقال ما ذاك الا لاحترامه وخشيته وطئه ونحوه  
مما فيه اهانة - (رد المحتار ج ۱ ص ۶۰۷ قبيل باب الشہيد،

کتاب الصلوة )

اپنے لیے پہلے سے قبر تیار کرنا بدعت نہیں | سوال :- ہمارے گاؤں میں ایک

تیار کر رکھی ہے جس میں کبھی کبھی وہ سو جاتا ہے، بعض حضرات اس کو بدعت کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں بھائی یہ تو بہت بڑی دعوت ہے، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- موت کو یاد رکھنا، آخرت کے مناظر کا تصور و یقین دل میں بٹھانا اور ہر وقت سامنے رکھنا کثیر آیات قرآنیہ، احادیث اور حضرات صحابہ کرامؓ و مشائخ عظامؒ کے مسلسل واقعات سے قطعی طور پر ثابت ہے جس کی بناء پر اعمالِ صالحہ میں انہماک نہایت ہی ضروری ہے، تاہم تسی طور پر قبر کے لیے جگہ خرید کر مخصوص کرنا بھی ایک اعتبار سے موت کیلئے تیاری ہے، اور موت کو یاد رکھنے کی مذکورہ صورت اور طریقہ دعوت حضرات مبلغین کے ہاں رائج ہے لہٰذا نہ تھا، البتہ اگر کوئی انفرادی طور پر موت کو یاد رکھنے کی نیت سے پہلے سے قبر تیار کر لے تو یہ خلاف شرع نہیں بلکہ ایسا کرنے والا اجر کا مستحق ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: تمت قوله (ويحفر قبراً لنفسه) ای ولا بأس به۔ والتاريخانية لا بأس به ويؤجر عليه هكذا عمل عمر بن عبدالعزيز والربيع بن حيثم وغيرهما۔ رمد المختار ج ۱ ص ۶۶ کتاب الجنائز، قبل الصفحة الواحدة من باب الشهيد)۔

جمعہ و عیدین کی نماز کے بعد مروجہ مصافحے کا حکم | سوال :- آجکل نماز جمعہ

و عیدین کے بعد مساجد کے اندر جو مصافحہ مروج ہے اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- عیدین اور جمعہ کی نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے میں علماء کرام کا اختلاف ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور دیگر محققین علماء کرام نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے، اور بعض دیگر حضرات نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، لہٰذا اگر مصافحہ کرنے میں التزام مالا یلزم ہو تو ممنوع ہے ورنہ نہیں تاہم نہ کرنا بہتر ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: ونقل في تبیین المحارم عن الملتقط انه تكرة المصافحة بعد اداء الصلوة بكل حال لان الصحابة رضی اللہ عنہم ما صافحوا بعد اداء الصلوة ولانها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية

انه بدعة مكرهة لا اصل لها في الشرع وانه فاعلها اولاً ويعذر ثانياً ثم قال ابن الحاج من المالكية في المدخل انها من البدع وموضع المصافحة في الشرع انما هو عند لقاء المسلم لاجبه لاقى اذ بار الصلوة فيث وضعا الشرع يضعها فينهى عن ذلك ويزجر فاعله لما اتى به خلاف السنة - رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۲ وايضاً في النسخة الاخرى - رد المحتار ج ۵ ص ۲۴۴ كتاب الخطر والاحتمال

**بغير عذر کے تابوت میں دفن کرنے کا حکم** | سوال :- ہمارے ہاں بعض سجادہ نشین حضرات اپنے مردوں کو بڑے اعزاز کے

تابوتوں میں دفن کرتے ہیں، بعض لوگ اس کو بدعت اور بعض جائز کہتے ہیں، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز لوہے کا تابوت استعمال کرنا کیسا ہے؟

**الجواب :-** بغیر کسی شدید عذر کے مرد میت کو تابوت میں دفن کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر میت عورت ہو تو پھر تابوت میں دفن کرنا افضل ہے بشرطیکہ تابوت لکڑی کا ہو، لوہے کا تابوت استعمال کرنا صحیح نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین: روکایاں باتخاذ تابوت ولو من حجر او حديد له عند الحاجة كرخاوة الارض قوله لا بأس باتخاذ تابوت اى يرخص ذلك عند الحاجة والاكره قدماً آنفاً قال في المحلية نقل عن غير واحد عن الامام ابن الفضل انه يجوز في ارضيهم لوثها وقال لكن ينبغي ان يفرش فيه التراب.... والسنة ان يفرش في القبر التراب ثم لم يتعقبوا الرخصة في اتخاذ من حديد بشئ ولا شك في كراهته كما هو ظاهر الوجه - ر قوله له) ومفهومه انه لا بأس به للمرأة مطلقاً وبه صرح في شرح المنية فقال وفي المحيط واستحسن مشائختنا اتخاذ التابوت للنساء يعنى ولو لم تكن الارض الرحوة فانه اقرب الستر والتحرر عن مسها عند الوضع في القبر -

رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۹ کتاب الجنائز

له قال العلامة الحصكفي: ..... ما نقله عنه شارح المجمع من انها بعد الفجر والعصر ليس بشئ - الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۴۴ كتاب الخطر والاباحه

وَمِثْلُهُ فِي مِائَةِ مَسْأَلٍ ۶۸ - سَوَالٍ جَهْلٍ وَبِجَمِّ -



**دُعَا بَعْدَ الْجَنَازَةِ كَحَكْمٍ** | سوال: نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا مشروع ہے یا ممنوع، اگر مشروع ہو تو اس کا اذان عید سے کون سا فرق ہے کہ وہ ممنوع ہے اور یہ نہیں؟

**الجواب:** نماز جنازہ کے بعد اسی حالت میں دعا کا التزام تو بدعت ہے لیکن اگر کسر الصلوة کے بعد ہو اور بلا التزام ہو تو ممنوع نہیں البتہ دعا قبل السلام پر اکتفاء کرنا افضل اور قول منصوص ہے۔ **دلیل:** کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس دعا کے کرنے اور نہ کرنے کے متعلق کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ کما لا یغنی علی من راجع الی کتب الحدیث اور علامہ ابن اہمام وغیرہ محققین نے تصریح کی ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، ویؤیدہم ما رواہ ابوداؤد **إِنَّ مَا سَلَتْ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ**۔ لہذا دعا بعد الجنازہ جو کہ بذات خود بڑی عبادت ہے مباح اور جائز ہوگی بخلاف اذان عید کے، کیونکہ اس کے متعلق نہ کرنے کی روایت ثابت ہے۔ وهو ما رواہ ابوداؤد **إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعِيدَ بِلَا أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ** وایا بکر و عمر۔ (ابوداؤد ج ۱ باب ترک الاذان فی العید) یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے نماز عید کو بغیر اذان اور اقامت کے پڑھا، پس عدم الروایت اور روایت العدم اور عدم ذکر اور ذکر عدم میں فرق نہ کرنا عبادت یا جہالت ہے۔

**ایک سوال اور اسے کا جواب:** اگر کوئی یہ کہے کہ دعا بعد الجنازہ کے متعلق حدیث وارد ہے تو ہو ما رواہ ابوداؤد: **إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاخْلُصُوا لَهُ الدُّعَاءَ** ج ۲ باب الدعاء للمیت الجنائز۔ جب میت پر جنازہ پڑھتے ہو تو اس کے لیے دعائیں اخلاص کیا کرو۔ نیز امام کاسانی رحمہ اللہ نے بدائع الصنائع جلد ۳ میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ نماز جنازہ فوت ہوئی آپ نے دوبارہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **الصلوة علی الجنائز لا تعدّ والکف ادع للمیت واستغفر له**۔ (بدائع الصنائع ج ۳ کتاب الجنائز) یعنی نماز جنازہ دوبارہ نہ پڑھی جائے گی لیکن اس میت کے لیے دعا اور استغفار کرو۔ وروی عن ابن عباس وبن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما **فَاتَّهَمَا صَلَاةً عَلَى جَنَازَةٍ فَلَمَّا حَضَرَا مَا زَادَا عَلَى الِاسْتِغْفَارِ لَهُ**۔ وروی عن عبد اللہ بن سلام **أَنَّهَا قَاتَتْهُ الصَّلَاةُ عَلَى جَنَازَةِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَلَمَّا جَهَزَ قَالَ إِنَّ سَبَقْتُونِي بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ فَلَا تَسْبِقُونِي بِالِدُّعَاءِ لَهُ**۔ (انہی بدائع الصنائع ج ۳ فصل الكلام فی صلوة الجنائز) ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک میت پر نماز جنازہ فوت

ہو گئی تو انہوں نے حاضری کے وقت اس میت کے لیے صرف استغفار پر اکتفاء کیا، اور عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز جنازہ ادا کرنا فوت ہوا تو لوگوں سے فرمایا کہ اگر آپ مجھ پر نماز جنازہ میں سبقت لے گئے تو مجھ پر دعا کرنے میں سبقت نہیں لے سکتے، یعنی مجھ سے دعا تو فوت نہیں کر سکتے۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ حدیث مرفوعہ میں دعاء سے مراد دعا قبل السلام ہے، محدثین اور فقہاء نے یہی معنی مراد لیا ہے۔ اور جن روایات کو صاحب بدائع الصنائع نے ذکر کیا ہے تو ان میں اس شخص کے دعا کرنے کا ذکر ہے جس کے نماز جنازہ فوت ہوا ہے اور یہ محل نزاع نہیں ہے۔

سلفیہ کے دلیل کا جائزہ: اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سلف صحابین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں کی ورنہ منقول اور مروی ہوتا، اور بظاہر بھی یہی معلوم ہوتا ہے، تو اس سے اس دعا کا بدعت اور مکروہ ہونا لازم نہیں آتا ورنہ فرائض کے بعد ہیئت اجتماعی سے دعا کرنا اور قرآن مجید کا پشتو اور اردو وغیرہ میں ترجمہ کرنا بھی بدعات ہوں گے حالانکہ یہ امور بدعات نہیں ہیں، بس اسی طرح دعا بعد الجنازہ بھی بدعت اور مکروہ نہ ہوگا۔ ہمارے جن مشائخ، فقہاء اور مفسرین نے اس دعا کو مکروہ کہا ہے تو کسی نے بھی اس کو اس سلفی دلیل پر پتہ نہیں کیا ہے انہوں نے دیگر دلائل سے اس مدعی کو مبرا بنایا ہے۔ ایک توہم کا ازالہ: بعض وہ لوگ جو کہ دیوبندیت اور خفیت کے لباس میں نجدیت اور سلفیت کی اشاعت کرتے ہیں صاحب ہدایت اور ملا علی قاریؒ کی بعض مختصر عبارات سے تمسک کرتے ہیں کہ جو کام پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ کیا ہو تو وہ بدعت ہوگا، یہ ان لوگوں کی خود غرضی اور مطلب پرستی ہے، کیونکہ حدیث صرف فعل رسول کا نام نہیں ہے، حدیث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول، فعل، تقریر تینوں کو کہا جاتا ہے، آپ کی عبارات، اشارات، دلالت، اقتضاء، اعتبار کوئی بھی بدعت نہ ہو۔ مزید تفصیل کے لیے التعلیق المجدد (ص ۱۴۴) باب قنوت الفجر کو مراجعت کیا جائے۔ فقہاء کرام کے آراء: اکثر فقہاء کرام کی عبارات سے دعا بعد الجنازہ کا ممنوع ہونا معلوم ہوتا ہے البتہ امام فضلی بخاریؒ سے جو از مروی ہے۔ کافی البحر (ج ۲ ص ۱۸۳ کتاب الجنائز) وعن الفضلی لا بأس به۔ انتہی

نیز واضح رہے کہ ان مشائخ (مانعین) میں سے بعض نے دلیل کا تذکرہ نہیں کیا ہے، اور بعض نے ملا علی قاری رحمہ اللہ زیادت علی الجنائزہ کو بیٹی قرار دیا ہے، حیث فی المرقاة (ج ۳ ص ۳۲) کتاب الجنائزہ



لَا تَقْرَأُ بِهَا فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ - اور بعض نے صاحب ہدایہ نے تکرار جنازہ کے معنی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جیٹ قال لانه دعامة لانت اكثرها دعاء (البزالية على هامش الهندية ج ۴ ص ۹ کتاب الجنائز یعنی نماز جنازہ میں مقصود دعا ہوتی ہے، تو گو یا نماز جنازہ دعا سے عبارت ہے، پس دعا کرنے سے تکرار جنازہ کا تو ہم لازم ہوگا۔ اور اس عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سلام سے قبل دعا کرنے کے باوجود اگر دعا بعد السلام کی جائے تو تکرار دعا لازم ہوگا کیونکہ تکرار دعائے خود ممنوع نہیں ہے ورنہ اوقات خمسہ میں سلام سے قبل دعا کرنے کی وجہ سے دعا بعد السلام کا ممنوع ہونا لازم ہوگا۔

پس بناءً بتحقیق یہ کراہت تشبیہ پر مبنی ہوگی کہ اس دعا سے نماز جنازہ پر زیادت اور تو ہم تکرار لازم آتے ہیں، جیسا کہ فرائض کے بعد متصل اسی مکان میں سنت پڑھتا بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے۔

اور یہ تشبیہ اس وقت لازم ہوتی ہے جب صفوف میں کھڑے ہو کر دعا کی جائے اور چونکہ کسر الصفوف کے بعد یہ تشبیہ موجود نہیں رہتی لہذا کراہت بھی نہ ہوگی۔ ویشیر الیہ تعبیر ہم یلا یقوم بالدعاء مع کون التعبیر یلا یدعواً خَصَرَ۔

التزام بدعت ہے؛ چونکہ یہ دعا نہ لازم اور واجب ہے اور نہ سنت مؤکدہ یا زائد ہے لہذا اس کا واجب اور سنت ماننا یا اس کے تارک پر انکار کرنا بدعت ہوگا جیسا کہ اس کے مطلق فاعل کو مبتدع قرار دینا منکر ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں لوگ ایک خاص طریقے سے

مرجہ قضاء عمری بدعت ہے

رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں نماز باجماعت اس عقیدے کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ اس سے ساری عمر کی قضا نمازیں ادا ہو جاتی ہیں۔ عرف عام میں اس کو قضاء عمری کہا جاتا ہے اور اس کے اثبات میں لیلۃ التعریس اور خندق والی احادیث پیش کرتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب۔ قضاء عمری جو بعض علاقوں میں متعارف طریقہ سے ادا کی جاتی ہے نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ نماز پڑھی ہے اور نہ اس کی ترغیب فرمائی ہے، اسی طرح یہ نماز آنحضرت صلی اللہ



علیہ وسلم کے صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ کے قول یا فعل سے بھی ثابت نہیں، ائمہ اربعہ کے مذہب کی معتبر کتابوں میں بھی اس کا کوئی ذکر اور نام و نشان نہیں۔ اس بناء پر یہ نماز یقینی طور بدعت ہے اور اس کا فاعل از روئے شریعت مبتدع ہے۔ کتب حنفیہ کی طرف اس کے جواز و طریقہ کو منسوب کرنا کذب بیانی اور ائمہ دین پر افتراء ہے، فقہ حنفی کی کتابوں میں قضاء نمازوں کے پڑھنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے وہ اور ہے اور مروجہ قضاء عمری اور چیز ہے، اس میں تو صرف پانچ نمازوں کو رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت پڑھ کر پوری عمر یا ستر، اسی سال کی قضاء شدہ نمازوں کا قائم مقام اور ان کے لیے جبیرہ و کفارہ سمجھا جاتا ہے، اور کتب فقہ حنفی میں پوری عمر کی تمام نمازوں کو قضاء کے طور پر پڑھنے کا طریقہ مذکور ہے، یعنی اگر پوری عمر کی قضاء نمازوں کی تعداد ہزار ہو تو ہزار نمازیں پڑھی جائیں گی اور اگر لاکھ ہوں تو لاکھ، اور ان دونوں طریقوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ رہی وہ حدیث جس پر مروجہ قضاء عمری کی بناء ہے تو ائمہ جرح و تعدیل اور محدثین نے اس کو موضوع یعنی خود ساختہ قرار دیا ہے جس سے استدلال جائز نہیں۔

(۱) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: حدیث من قضی صلوة من الفرائض فی آخر جمعة من رمضان کان جابراً لكل صلوة فائتة فی عمره الی سبعین سنة باطل قطعاً لانه مناقض للاجماع علی ان شیئاً من العبادات لا یقوم مقام فائتة سنوایہ۔  
 (الموضوعات الکبیرہ ۲۲۲ رقم حدیث ۹۵۳ حرف المیم)

(۲) علامہ قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں: حدیث من صلی فی آخر جمعة من رمضان خمس صلوة من الفرائض فی الیوم واللیلة قضت عنه ما اخل به من صلوة سنتہ۔ ہذا موضوع لاشک فیہ ولم اجدک فی شیء من الکتب الی جمع مصنفاہا فیہا الاحادیث الموضوعة ولكنة اشتهر عند جماعة من المتفقهة بمدیئة صنعاد فی عصرنا ہذا و صار کثیر منهم یفعلون ذلك ولا ادری من وضعہ لهم فقہر اللہ الکذابین۔ انہی (الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعة ص ۵۲ النوع الثامن صلوة المفیدة بایام الشهور و بیالیال منها)

(۳) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: الخامس ان یکون الحدیث مخالفاً لمقتضى العقل والتقل وتکذبہ القواعد الشرعیة مثل حدیث

قضاء العمري ونحوه - انتهى (العجالة النافعة ص ۳۱ في بيان قرآن وضع الحديث) (۴) علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں: واقبح من ذلك ما اعتيد في بعض البلاد من القلوة الخمس في آخر جمعة من رمضان عقب صلواتها زاعمين انها تكفر صلوة العام او العمر المتروكة وذلك حرام بوجوه لا تخفى - انتهى

(تحقق منها ج النووي ص

کیا ان مذکورہ تصریحات سے اس حدیث کا موضوعی ہونا اظہر من الشمس ثابت نہیں ہوا؟ اب اس کے باوجود بھی جو لوگ حدیث مذکور کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر قضاء عمری کے اثبات کے لیے بطور دلیل پیش کرتے ہیں ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے کیونکہ معاند کا علاج ممکن نہیں۔

نیز یہ متعارف قضاء عمری چند مفاسد پر مشتمل ہے جن سے بچنا حد درجہ ضروری ہے وہ یہ کہ اس نماز کے متعلق عوام اور بعض کم علم خواص بھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس سے عمر بھر یا ستر سال یا کم از کم ایک سال کی فوت شدہ نمازیں قضاء ہو کر ان سے ذمہ فارغ ہو جاتا ہے جیسا کہ اس نماز کے نام سے ہی ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اس نماز کے لیے جس قدر اہتمام کرتے ہیں دوسرے فرائض و واجبات کے لیے اتنا اہتمام نہیں کرتے بلکہ ان سے نہایت بیدارگانہ طریقہ سے نافرمانی کر کے یہ خیال اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ قضاء عمری کی ایک نماز سے یہ سب کی سب ادا ہو جائیں گی، حالانکہ یہ اعتقاد بتصریح فقہاء اسلام موجب کفر ہے۔ فتاویٰ الہندیہ میں ہے: "دَجَلٌ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ لَا غَيْرَ وَيَقُولُ اِنْ خُوِدْ بَسِيْرًا اسْتَاوِيَقُوْلُ زِيَارَتِ مِيْ اَيِدِ لَانِ كَلَّ صَلُوٰةً فِي رَمَضَانَ تَعْدَلُ سَبْعِيْنَ صَلُوٰةً يَكْفُرُ - انتهى - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۶۸ باب التاسع في احكام المرتدين ومنها ما يتعلق بالصلوة والصوم والزكوة) لہ

نیز فقہاء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ قضاء نماز اس طرح پڑھنا کہ دیکھنے والے کو پوری معلوم ہو کہ یہ قضاء نماز پڑھی جا رہی ہے مکروہ تحریمی ہے خواہ مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر ہو۔ قال العلامة الحسكفي: ويكره قضاءها في المسجد لان التأخير معصية فلا



یظہرہا۔ وفي رد المحتار، ويظهر من تعليلها ان المكروه قضاءها مع الاطلاع عليها ولو في غير المسجد۔ اجم رد المحتار على الدر المختار ج ۱ قیل باب السجود، باب قضاء الفوات ( علامہ حصفیؒ مزید فرماتے ہیں: وينبغي ان لا يطلع غيره على قضاءه لا تاخير معصية۔ اور علامہ ابن عابدینؒ اس عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں: قلت والظاهر ينبغي ههنا للوجوب وان الكراهة تعزيمية لان اظهار المعصية لمعصية لحديث الصحيحين كل امتي معاني الا لجاهرين وان من الجهاد ان يعمل الرجل عملاً بالليل ثم يصبح وقد ستره الله عليه فيقول عملت البارحة كذا وكذا وقد بات يستره ربه ويصبح يكشف ستر الله عنه۔ (رد المحتار على الدر المختار ج ۱ قیل باب السجود، باب قضاء الفوات) چونکہ قضاء عمری کی اس مروجہ نماز میں بھی دوسروں کو اطلاع اور اعلان پایا جاتا ہے لہذا یہ بھی مکروہ تحریمی ہوگی۔

باقی غرہ وہ خندق اور لیلۃ التعریس کی احادیث سے بھی اس کا اثبات کرنا صحیح نہیں کیونکہ ان میں صرف یہی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض نوم یا جنگ میں مشغولیت کی وجہ سے ایک یا چند نمازیں قضاء ہوئی تھیں اور نیند سے اٹھنے اور جنگ سے فارغ ہونے کے بعد فوراً وہ تمام نمازیں پڑھ لی گئی تھیں۔ ان میں نہ تو رمضان کا ذکر ہے اور نہ آخری جمعے کا اور نہ یہ کہ وہ تمام عمر کی قضا نمازوں کے لیے کافی سمجھی گئی تھیں۔

بہر حال شریعت مقدسہ قضاء نمازوں کے متعلق اپنا قطعی فیصلہ یہ ہے کہ جتنی نمازیں قضاء ہوئی ہوں ان سب کا پورا پورا پڑھنا فرض ہے اس کے بغیر ان سے زمرہ فارغ نہیں ہوتا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من نام عن صلوة او نسيها فليصلها اذا ذكرها لا كفارة لها الا ذلك۔ صحيح بخاری ج ۱ ص ۸۲ باب من نسي صلوة فليصل اذا ذكرها لا يعيد الا تلك الصلوة (

فقہاء کرام، ائمہ جرح و تعدیل، محدثین کرام کی ان تصریحات کی روشنی میں مروجہ قضاء عمری کو ہم بدعت قبیحہ اور مداخلت فی الدین سمجھتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

**سوال :-** آجکل اکثر علاقوں میں یہ رواج ہے کہ میت جیلہ اسقاط کی شرعی حیثیت کے ساتھ قرآن مجید قبرستان لے جاتے ہیں اور قرآن مجید پر کچھ نقد رقم رکھ کر چند آدمی آپس میں اس کو پھراتے ہیں اور اس طریقے کو اسقاط کہا جاتا ہے



اور اس کے جواز میں قرآن کریم کی آیت **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** (الآیۃ) پیش کی جاتی ہے،  
ازراہ کرم اس مسئلہ کے جواز یا عدم جواز کے متعلق پوری وضاحت فرمائیں؟

**الجواب :-** واضح رہے کہ جس مکلف (عاقل، بالغ، مسلمان) سے نماز اور روزہ عمدًا یا غیر عمدًا فوت ہوئے ہوں تو اس پر فرض ہے کہ ان کی باقاعدہ قضاء کرے اور قضاء نہ کرنے کی صورت میں یہ شخص مجرم ہوگا اور زندگی سے مالیوسی کے وقت اس پر وصیت کرنا ضروری ہوگا، یعنی وہ وصیت کرے گا کہ اس کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کے ایک تہائی (۱/۳) سے ہر نماز اور روزہ کے بدلے میں دو دو سیر (انگریزی) گندم یا اس کی قیمت مساکن کو ادا کی جائے اور ایسی وصیت نہ کرنے کی صورت میں یہ شخص مجرم اور گنہگار مرے گا، البتہ اگر اس شخص کا مال نہ ہو یا مال کا ایک تہائی (۱/۳) فراغت ذمہ کے لیے ناکافی ہو یا اس نے جہل، فسق یا سستی کی وجہ سے فدیوں کے بارہ میں وصیت نہ کی ہو تو وارث وغیرہ اس میت کی طرف سے باقاعدہ جیلہ اسقاط کر سکتے ہیں۔

رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۱ باب صلوة الجنائز، مطلب فی اسقاط الصلوة عن الميت  
**جیلہ کی تشریح** | جیلہ یا مخرج اس مباح کام اور کفار کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے کسی مقصود کی طرف پوشیدہ طریقہ سے رہائی حاصل ہو۔ کافی المفردات (ص ۱۳۸) **الْجَيْلَةُ** مَا يَتَوَصَّلُ بِهِ إِلَى حَالَةٍ مَا خَفِيَتْ - انتهى۔ وفی فتح الباری (ج ۱۲ ص ۲۷۲) ہی ما يتوصل به إلى مقصودٍ طريقٍ خفيٍّ - انتهى۔

**جیلہ کی اقسام** | جیلہ کی بہت سی اقسام ہیں، ان میں سے بعض یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔  
(الف) وہ جیلہ ہے جو کہ تحلیل حرام کے لیے ہو اور ابطال شریعت کے لیے ہو، جیسا کہ اصحاب البت نے تحلیل صید کے لیے کیا تھا اور بعض یہود نے تحلیل شحم (چربی) کے لیے کیا تھا (رواہ البخاری) یہ جیلہ بلا شک و شبہ حرام اور ناجائز ہے۔

(ب) وہ جیلہ ہے جو کہ حرام سے بچنے اور فراغت ذمہ اور اسقاط واجب کے لیے ہو، جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے کیا تھا، اور جیسا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مریض غیر شادی شدہ کے لیے کیا تھا۔ رواہ ابوداؤد ص ۶۱۲۔ **قَالَ لَوْ مَا زَيْنًا بِأَحَدٍ مِنَ النَّاسِ مِنَ الْفِتْرِ مِثْلَ الَّذِي هُوَ بِهِ لَوْحَلْنَا إِلَيْكَ لَتَفْسَحَتْ عِظَامُهُ مَا هُوَ إِلَّا جِلْدٌ عَلَى عَظْمٍ فَأَمَدَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْخُذَ وَالَهُ مِائَةَ شِمْدٍ أَخْفِضُوا بِهَا ضَرْبَةً وَاحِدَةً**۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۸ کتاب الحدود باب فی إقامة الحد علی المریض)

خلاصہ یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس شخص جس سے زنا صادر ہوا تھا اور وہ غیر شادی شدہ تھا، کے متعلق بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ اس جیسا کہ تکلیف میں بتلا ہم نے کسی اور کو نہیں دیکھا ہے، اگر ہم اس کو یہاں لائیں تو اس کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی، اس کی ہڈیوں پر صرف چمڑا رہ گیا ہے۔ پس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کو خرمک کے ایک گچھا سے جس کی سوشاخیں ہوں، ایک دفعہ مارا جائے اور یہ جیلہ جائز ہے، نہ منسوخ ہے اور نہ مخصوص ہے۔ اور یہی مروی ہے عطاء اور امام شعبی، اور اس کو احناف، شوافع اور حنابلہ نے مختار کہا ہے بخلاف مالکیہ اور سلفیہ کے جن کے نزدیک یہ جیلہ مشروع نہیں ہے۔ فلیراجع الی تفسیر القرطبی ج ۱<sup>۲۱۳</sup> و شرح الاشیاء للمموی ص ۲۱۸ و فتح الباری ج ۱۲<sup>۲۴۵</sup> کتاب الجیلہ فقہاء کرام کی آراء | جیلہ اسقاط جس طرح باصلہا ثابت ہے تو اسی طرح فقہاء کرام خصوصاً وہ فقہاء جن سے اکابر دیوبند فتاویٰ نقل کرتے ہیں نے اس کی مشروعیت پر تصریح کی ہے۔ (فلیراجع الی رد المحتار ج ۱ ص ۶۸ و الطحاوی ص ۲۶۳ و الشرح الکبیر و خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۵۳ و البحر ج ۲ ص ۹۱ و الاشیاء و التظاہر ص ۱۱۸ و ہکذا فی غیر واحد من الفتاویٰ) لہذا اس جیلہ کی مشروعیت میں کوئی شبہ نہ ہوگا۔

شرائط | البتہ اس جیلہ کی مشروعیت کیلئے کچھ شرائط بھی ہیں جن کی رعایت نہایت

ضروری ہے۔

(الف) یہ کہ عدم وصیت کی صورت میں ورثاء میں غائب اور نابالغ نہ ہوں کیونکہ ان کے اموال سے تبرع ناجائز ہے۔

(ب) یہ کہ دائرہ میں صرف مسکین بیٹھے ہوں، غنی کو دینے سے فراغتِ ذمہ حاصل نہیں ہوتی ہے۔

(ج) یہ کہ مسکین کو واقعی تملیک کیا جائے نہ کہ فرضی اور لسانی، ورنہ اس جیلہ سے مقصود حاصل نہ ہوگا۔ رکمانی منۃ الجلیل ج ۱،<sup>۲۲۵</sup> و يجب الاحتراز من ان یلاحظ الوصی عند دفع

للفقیر الہزل والحیلۃ ان یدفعہا حقیقۃً لاتیلاً ملاحظاً ان الفقیر اذا ابی عن الہبۃ الی الوصی کان لہ ذلک ولا یجبر علی الہبۃ۔ انتہی۔)

خلاصہ یہ کہ وصی وغیرہ پر ضروری ہے کہ مسکین کو تملیکی وغیرہ دینے کے وقت حزل یا حیلہ کا ارادہ نہ کرے گا بلکہ اس تملیکی وغیرہ کا مسکین کو واقعی اور حقیقی تملیک کرے گا۔ حتیٰ کہ اگر یہ مال کافی



مقدار میں ہو اور جیلہ کرنے کے وقت حج کے لیے داخلہ کا اعلان ہوا ہو تو اس مسکین پر حج فرض ہو گا، دوسرے شخص کو ہبہ کرنے سے یہ فریضہ ساقط نہ ہوگا اور یہ ملحوظ رکھے گا کہ اگر مسکین نے واپس دینے سے منع کیا تو یہ اس کے لیے درست ہوگا اور اس کو مجبور نہ کیا جائے گا۔

فقہاء کرام کے جیلہ استقاط اور مروجہ استقاط میں فرق (۱) فقہاء اپنے استقاط کو جیلہ استقاط سے تعبیر کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ استقاط نہ فرض ہے نہ واجب ہے نہ سنت نہ مستحب، کیونکہ جیلہ کی شرعی حیثیت اس طرح نہیں ہوتی بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کی حیثیت اباحت کی ہو سکتی ہے، وہ بھی تب جبکہ اس میں محرمات شرعیہ کا ارتکاب نہ ہو، جبکہ مروجہ استقاط کی حیثیت عوام الناس میں فرض و واجب سے بھی بڑھ کر ہے بلکہ اس کو پورا کرنے میں قطعی فرائض چھوڑ دینے کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

ونص علیہ فی تبیین المحادم فقال لا یجب علی الولی فعل الدور وان اوصی  
 بہ المیت لانہا وصیۃ بالتبرع والواجب علی المیت ان یوصی بما ینفی بما علیہ ان لہ  
 لم یضق الثلث - الخ - (رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۲) باب الفوائت، تحت مطلب فی یطلان الوصیۃ  
 بالاحتماہ والتھا لیل)

(۲) فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ فعل دور کا یہ جیلہ استقاط صرف ان اموات کے لیے ہے جو فقیر اور غریب ہوں یعنی ان کے ترکہ میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ اس میں شرعی طریقہ سے فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ فی نماز اور فی روزہ شرعی نصف صاع گندم یا پورا صاع جو پورا ہو سکے، امراء اور اغنیاء کے لیے یہ جیلہ استقاط ایجاد نہیں کیا گیا ہے، لیکن عوام میں اس جیلہ کا استعمال صرف فقراء اور غریب اموات کے لیے نہیں بلکہ امراء، اغنیاء اور سلاطین تک کے لیے یکساں طریقہ پر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ جن اموات کے ترکہ میں سے پورا فدیہ ادا کیا جاسکتا ہو ان کے ترکہ سے فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا پورا فدیہ نہ کالنا ضروری ہے بشرطیکہ میت نے اس کی وصیت بھی کی ہو اور ثلث ترکہ میں وہ پورا ہو سکتا ہو، نہ کہ ان کے لیے بھی مروجہ جیلہ استقاط پر عملدرآمد کیا جائے۔

(۳) یہ بھی فقہاء کی کتابوں میں بصراحت مذکور ہے کہ اگر میت مالدار ہو اور اس نے وصیت بھی نہ کی ہو تو میت کے اولیاء پر یہ جیلہ استقاط لازم نہیں ہے، نہ ان میں سے ایک وارث دیگر تمام وارثاء کی اجازت کے بغیر ترکہ میں سے کچھ بھی اس طرح کے جیلوں پر خرچ کر سکتا ہے کیونکہ وہ شرعاً ایسا



کرنے کا مجاز نہیں ہے، اور اگر کسی وارث نے دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر ایسا کیا تو شرعاً دوسرے وارثوں کا یہ ضامن ہوگا، قناتوی بزازیہ میں اس کی تصریح موجود ہے، جبکہ فرجہ اسقاط میں اس کا خیال اصلاً نہیں کیا جاتا بلکہ ہر حالت میں اس کو لازم اور ضروری خیال کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اگر ورثاء میں کوئی نابالغ یا غیر حاضر ورثاء بھی موجود ہوں یا حاضر ورثاء ناراض ہوں تو اس وقت بھی ان میں سے جو بڑا وارث ہو وہ لازماً یہ اسقاط کر کے تمام ورثاء کا بے جا حق تلف کرے گا اور خرچ کیا ہوا مال تمام ورثاء کے ذمہ مشترکہ طور پر ڈالا جائے گا، حالانکہ یہ شریعت مقدسہ کے سراسر خلاف ہے۔

(۴) فقہانے مال اسقاط کا مصرف صرف فقراء اور مساکین کو قرار دیا ہے، کوئی خاص طبقہ اس کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا ہے نہ اس کے لیے کوئی خاص وقت مقرر کیا گیا ہے، مگر عوام کے اسقاط میں ایک طرف مخصوص طبقہ اس کے لیے مقرر ہے کہ اگر اس طبقہ کے علاوہ اسقاط کا مال شہر کے دوسرے فقراء و مساکین یا یتیموں اور بیواؤں وغیرہ پر تقسیم کیا جائے تو یہ اسقاط ان کے نزدیک جائز ہی نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف اس کے لیے جنازہ کا خاص وقت مقرر کیا گیا ہے جو اس سے آگے پیچھے کیا ہی نہیں جاسکتا، نہ آگے پیچھے کرنے کو وہ جائز سمجھتے ہیں، حالانکہ شریعت میں اس طرح کی کوئی قید نہیں لگائی گئی۔

(۵) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ فعل دور سے قبل میت کی فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا حساب کیا جائے گا، پھر جتنا مال برائے فدیہ یعنی اسقاط مقرر کیا گیا ہو اس کا اندازہ لگایا جائے گا کہ وہ کتنی نمازوں کے لیے فدیہ ہو سکتا ہے، تو اس حساب سے نمازوں کے لیے وہ فدیہ بن سکتا ہے فعل دور اس اندازے کے مطابق اُس وقت تک جاری رکھا جائے گا کہ پوری عمر کی فوت شدہ نمازوں کے لیے کفارہ ہو سکے یعنی فعل دور پوری نمازوں کے اندازے اور تعداد کے مطابق کیا جائے گا نہ کہ اس سے کم۔ جبکہ عوام کے اسقاط میں فعل دور صرف تین دفعہ کیا جاتا ہے اگرچہ یہ تین دفعہ کا دور پوری نمازوں کے لیے کافی نہ ہو بلکہ اس سے کم ہو، نیز میت کی نمازوں کا حساب بھی نہیں کیا جاتا اور نہ ہی فدیہ کا اندازہ معلوم کیا جاتا ہے۔

(۶) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس حلقہ میں مال اسقاط کا دور کیا جانا ہو اس میں غنی اور مالدار آدمی ہرگز نہ ہو، کیونکہ غنی اور مالدار کے لیے واجب فدیہ کا مال لینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے، لہذا دور کے حلقہ میں کوئی غنی اور مالدار ہرگز نہ ہوگا، لیکن عوام کے اسقاط میں جو لوگ دور میں شریک

ہوتے ہیں وہ اکثر مالدار اور غنی ہوتے ہیں جن کے لیے صدقات واجبہ کا مال لینا قطعی طور پر حرام ہوتا ہے، لہذا یہ مروجہ اسقاط فقہاء کا اسقاط ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۷) عوام کے اسقاط میں قرآن مجید کو جزو فدیہ بنایا جاتا ہے اور قرآن مجید کے بغیر کوئی اسقاط کیا ہی نہیں جاتا حالانکہ معتبر کتب فقہ میں جہاں اسقاط کا مسئلہ ذکر کیا گیا ہے وہاں قرآن مجید کے متعلق اس بات کا نام و نشان نہیں ملتا کہ اس کو بھی مال اسقاط کا جزو بنا کر پھرایا جائے۔ اس موقع پر بعض ائمہ مساجد قرآن کریم کے ساتھ بیع کا ایک معاملہ کرتے ہیں جو نہایت غلط بھی ہے اور پر فریب بھی۔ چنانچہ قیمت کے وارث کا اگر اپنا کوئی قرآن نہ ہو تو یہ ائمہ حضرات اس پر دوسرے شخص کا قرآن ہزار دو ہزار روپیہ پر ہنزلہ فروخت کرتے ہیں، اس میں ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جب ہزار دو ہزار روپیہ پر قرآن مجید فروخت کر کے پھر اس کو مال فدیہ کے ساتھ جزو بنا دیا جائے تو فدیہ کی تعداد زیادہ ہو جائے گی کیونکہ فدیہ کے ساتھ دو ہزار روپیہ کا قرآن بھی شامل کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ بیع اولاً تو بیع ہی نہیں کیونکہ یہ بیع ہنزلہ ہے جدا نہیں ہے، اور ثانیاً علمائے فقہ و اصول لکھتے ہیں کہ ہنزلہ بیع شرعی بیع نہیں ہے نہ اس سے بیع کسی کی ملکیت میں آتی ہے، تا وقتیکہ ہنزل سے اعراض کر کے ثانیاً بطور جدا بیع نہ کی جائے۔ ثانیاً بالفرض اگر یہ بیع منعقد ہو بھی جائے تو فدیہ کے ساتھ قرآن مجید رکھنے سے فدیہ کی تعداد ہزار دو ہزار روپیہ تک کیسے بڑھ سکتی ہے جبکہ ہزار دو ہزار اس کی قیمت نہیں بلکہ من بذمہ مشتری مقرر کیا گیا ہے، اور فدیہ میں اگر شامل ہو سکتی ہے تو صرف قرآن مجید کی اصلی قیمت اور مالیت شامل ہو سکتی ہے جو ظاہر ہے کہ ہزار دو ہزار نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ دس بارہ روپے تک پہنچ سکتی ہے۔ فقہاء کرام کے اسقاط میں اس قسم کی پُر فریب چالوں کا اصلاً ذکر نہیں ہے یہ صرف مروجہ عوامی اسقاط ہی میں پائی جاتی ہیں۔

(۸) فقہاء کرام کے نزدیک اسقاط صرف اس دور کو کہتے ہیں جو حلقہ کے اندر کیا جائے اس سے ان کے نزدیک اسقاط پورا ہو جاتا ہے، اس کے بعد مال کی تقسیم و زائد کے ذمہ پر فرض یا واجب نہیں ہے نہ اس پر کسی درجہ میں اسقاط کا توقف ہے اور اپنی مرضی سے اگر صدقہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں مگر اس میں بھی یہ ضروری نہیں کہ کل مال تصدق کریں یا انہیں لوگوں پر تصدق کریں جو میت کی چار پائی کے ارد گرد حلقہ بناٹے ہوئے بیٹھے ہوں بلکہ اگر اس میں سے تھوڑا سا بھی خرچ کر دیا جائے اور حلقہ والوں کے علاوہ دوسرے فقراء و مساکین



کو دیا جائے تب بھی ثواب ملے گا اور اسقاط میں کوئی نقص نہیں آئے گا۔ اس کے برعکس مروجہ دور اسقاط کے بعد مال کی تقسیم بھی ضروری ہے اس کے بغیر اسقاط ہو ہی نہیں سکتا، یا کم سے کم مکمل نہیں ہو سکتا اور یہ تقسیم بھی ان لوگوں پر ضروری ہے جنہوں نے محنت کر کے دور کا عمل کیا ہے ان کے علاوہ دوسرے فقراء و مساکین پر اگر یہ مال تقسیم کیا جائے تو پھر اپنے اسقاط کا تماشا دیکھ لیں کہ اس کی کیا گت بنتی ہے۔

(۹) ان تمام چیزوں کے علاوہ ننانوے فیصد لوگ اس اسقاط کو ایک رسم اور رواج سمجھ کر ریا اور نمائش کے لیے کرتے ہیں یا اس لیے کرتے ہیں کہ لوگوں میں ان کی بدنامی نہ ہو اور لوگ ان کا مذاق نہ اڑائیں، ایسے لوگوں کی نیت اصلاً ثواب کی نہیں ہوتی ہے۔ اور اگر ریا و نمود و نمائش یا بدنامی سے بچنے کے لیے خواہ لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کر دیا جائے اس کا ذرہ برابر بھی ثواب نہیں ملتا۔ لہذا ایسے اسقاطوں میں میت کو بھی کوئی ثواب یا نفع نہیں پہنچتا ہے، البتہ اسقاط کرنے والوں کی لوگوں میں نیک نامی ضرور ہوتی ہے اور ان لوگوں کو بھی ذیوی منفعت مل جاتی ہے جن کے ہاتھ اسقاط میں چند روپے آجاتے ہیں، میت بے چاری کو اس طرح کے اسقاطوں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

(۱۰) اس کے علاوہ عوام کے اسقاط میں مال کی تقسیم بھی بڑے غلط طریقہ سے کی جاتی ہے، یعنی جو لوگ عزت دار اور ذی وجاہت ہوتے ہیں اور کسی بڑی مسجد کے پیش امام ہوتے ہیں ان کو تو دو دو، تین تین بلکہ اس سے بھی زیادہ روپے دیتے ہیں اور غریب محتاج <sup>سے</sup> علم یا دیگر فقراء و مساکین جو کسی مسجد کے پیش امام نہیں ہوتے ہیں ان کو ایک یا دو آنے دیئے جاتے ہیں۔ اب انصاف سے کہیے کہ یہ تمام چیزیں عوام کے مروجہ اسقاط میں پائی جاتی ہیں یا نہیں اگر پائی جاتی ہیں اور یقیناً پائی جاتی ہیں تو براہ کرم یہ بھی بتائیے کہ مروجہ اسقاط کو فقہاء کے اسقاط کے ساتھ کوئی مناسبت ہے یا نہیں؟ پھر کس طرح یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ فقہاء نے اپنی کتابوں میں اسقاط کا ذکر کیا ہے اس لیے عوام الناس میں جو اسقاط رائج ہے یہ بھی جائز ہوگا کیونکہ اس کا نام بھی اسقاط ہے۔ حاشا وکلا۔

اس بناء پر اسقاط کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اگر کہیں یہ اسقاط فقہاء کو



کے تعلیم کردہ اسقاط کے موافق کیا جاتا ہو اور اس میں مندرجہ بالا مفاسد میں سے ایک بھی موجود نہ ہو تو وہ جائز اور کارِ ثواب ہوگا بشرطیکہ اس کو فرض یا واجب جان کر نہ کیا جائے اور اگر مندرجہ بالا مفاسد میں سے بعض مفاسد اس میں پائے جاتے ہوں تو وہ اسقاط ان مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا نہ کہ کارِ ثواب۔ ایسے حضرات کو چاہیے کہ پہلے قانونِ وراثت کی رو سے میت کے ترکہ میں سے پہلے اس کا فرض ادا کریں، اس کے بعد وراثت کے مابین شرعی قانون کے مطابق باقیماندہ ترکہ تقسیم کر کے ہر ایک وارث کو اپنا اپنا حصہ دیدیوں، اس کے بعد وراثت میں سے کوئی اپنی مرضی اور خوشی کے ساتھ میت کے ایصالِ ثواب کے لیے جتنا مال چاہے خرچ کرے، یہی صحیح اور شرعی طریقہ ہے جو کہ سلف صالحین سے منقول ہوتا چلا آیا ہے اور قرآن و حدیث کے احکامات کے ساتھ مطابقت بھی رکھتا ہے۔ (واللہ اعلم)

### دُعَا بَعْدَ السُّنَّةِ بِهَيْئَةِ اجْتِمَاعِيَةٍ كِي شَرْعِيَّةٍ حَيْثِيَّةٍ | سوال :- محترم المقام جناب مفتی صاحب

ایک مسئلہ ہمارے ہاں بڑے نزع کا باعث بنا ہوا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ دُعَا بَعْدَ السُّنَّةِ بِهَيْئَةِ اجْتِمَاعِيَةٍ عَنِ الْاِطْلَاقِ اور بعض کا کہنا ہے کہ دُعَا بَعْدَ السُّنَّةِ بِهَيْئَةِ اجْتِمَاعِيَةٍ ضرور کرنی چاہیے۔ براہِ کرم صحیح مسئلہ کی طرف رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ۔

الجواب :- دُعَا بَعْدَ السُّنَّةِ بِهَيْئَةِ اجْتِمَاعِيَةٍ ایک حرکت الاراء مسئلہ بن چکا ہے بعض لوگ اس دعا کے ترک کرنے میں انتہا کر جاتے ہیں اور اتنا غلو کر جاتے ہیں کہ اس عمل کو مطلقاً بدعت قرار دیتے ہیں اور بعض غلو سے کام لے کر بالالزام دُعَا بَعْدَ السُّنَّةِ کے مرتکب ہوتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ راہِ اعتدال سے ہٹ کر مسئلہ بیان کرتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ شریعت مقدسہ نے دعا کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا ہے۔ رسول اللہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دُعَا بَعْدَ السُّنَّةِ اجْتِمَاعِيَةٍ اور افراداً دونوں طرح ثابت ہے۔ نیز احادیث مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دُعَا بَعْدَ السُّنَّةِ اجْتِمَاعِيَةٍ کی ترتیب بھی وارد ہوئی ہے جبکہ دُعَا بَعْدَ السُّنَّةِ اجْتِمَاعِيَةٍ کے متعلق وقت پر ہوتا ہے اسی طرح مفصل وقت یعنی سنتوں کے بعد پر بھی ہوتا ہے لہذا اگر دُعَا بَعْدَ السُّنَّةِ بِهَيْئَةِ اجْتِمَاعِيَةٍ بِالْاِزْمَامِ مانگی جائے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ مگر یاد رہے کہ اس مسئلہ کو فتنہ و فساد کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

كما قال العلامة يوسف البينوري رحمه الله تعالى الدعاء للامام والماموم والمنفرد مستحب عقب كل صلاة بلا خلاف ويعول ويستحب ان يقبل على الناس فيدعوا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موٹے مبارک کی شرعی حیثیت | سوال: جناب مفتی صاحب! افغانستان اور مقبوضہ کشمیر

میں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موٹے مبارک ربال موجود ہیں، لوگ ان کی زیارت کے لیے تواب کی نیت سے جاتے ہیں اور وہاں تدراسے وغیرہ پیش کرتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی جگہ ابھی تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موٹے مبارک موجود ہیں اور ان کی زیارت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :- روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موٹے مبارک ربال موجود تھے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر احرام سے نکلنے کے لیے صلق فرمایا تو ان موٹے مبارک کو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمایا جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ کرامؓ نے اپنی جانوں سے پیارا سمجھ کر ان کی حفاظت فرمائی۔

لمارواہ الامام ابو عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ : عن انس بن مالک قال : لما رمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجمرۃ نحر نسکھ ثم ناول الحائق شقہ الایمن فحلقة فأعطاہ ایا طلحۃ ثم ناولہ شقہ الایسر فحلقة فقال : اقسامہ بیت الناس

{ الجامع الترمذی علی صدک معارف السنن ج ۲۷۵ }  
{ باب ما جاء بأی جانب الرأس یبدأ فی الحلق ، کتاب الحج }

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موٹے مبارک تھے جن کو وہ اپنے خود (حفاظتی ٹوپی) میں رکھا کرتے تھے خصوصاً جنگ کے موقع پر انہیں اپنے خود میں ضرور رکھتے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ آپ کو فتح عطا فرماتا۔

قال العلامة العینی رحمہ اللہ : وذكر غیر واحد ان خالد ابن الولید كان فی قلنسوته شعرات من شعرہ

صلى الله عليه وسلم فلذلك كان لا يقدم على وجهه الا  
فتح له ويؤيده ما ذكره الملا في السيرة ان خالد سأل  
اباطلحة حين فرق شعره صلى الله عليه وسلم بين الناس  
ان يعطيه شعرة ناصيته فاعطاه اياه فكان مقدم  
ناصيته مناسباً لفتح كل ما اقدم عليه.

{ عمدة القارى ج ۱۰ ص ۶۳ كتاب الحج }  
{ باب الحلق والتقشير عند الاحلال }

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موٹے مبارک حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور  
ان کے اہل و عیال کی وساطت سے دوسروں تک بھی پہنچے جو ان کے ہاں دنیا و ما فیہا  
سے زیادہ محبوب تھے۔ چونکہ صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے  
پردہ فرمانے کے بعد پوری دنیا میں پھیل گئے تھے، اس لیے ممکن ہے کہ آپ کے موٹے مبارک  
صحابہ کرام کے واسطے سے کشمیر اور افغانستان کے علاقوں میں کسی کے پاس ہوں۔

علامہ سید محمد یوسف بنوری نے صحیح بخاری کے حوالہ سے لکھا ہے: عن ابن سیرین  
قال: قلت لعبيدة! عندنا من شعر النبي صلى الله عليه وسلم اصبنا  
من قبل انس او من اهل اّنس فقال لأت تكون عندى شعرة منه  
احت الى من الدنيا وما فيها۔ (معارف السنن ج ۶ ص ۲۷۸، ۲۷۹ کتاب الحج)

توان روایات اور اس قسم کی دوسری روایات سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا  
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موٹے مبارک لوگوں کے ہاں محفوظ چلے آئے  
ہیں، اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ دنیا کے کسی مقام پر حضور نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم کے موٹے مبارک موجود ہوں اور لوگ ان کی زیارت کے  
لیے سفر کریں، تاہم اگر اس بارے میں کہیں شک پیدا ہو جائے تو خاموشی  
اختیار کرنے میں ہی بہتری ہے۔ خواہ مخواہ نزاع کی صورت اختیار کرنے سے  
اجتناب کیا جائے۔



فرض نمازوں کے بعد باواز بلند کلمہ طیبہ کا ورد کرنا | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام  
و مفتیان عظام اس مسئلہ کے

بارے میں کہ بعض مساجد میں فرض نمازوں کے بعد امام صاحب بمع مقتدیوں کے تین مرتبہ بلند  
آواز سے کلمہ طیبہ پڑھ کر درود شریف اور اللہم انت السلام الخ کو بھی باواز بلند پڑھتے ہیں  
حالانکہ نماز میں مسبوقین بھی موجود ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ خاص کر جب  
اس کے تارک پر لعن طن کی جاتی ہو۔

الجواب :- کلمہ طیبہ اور درود شریف کا بھر سے پڑھنا اجتماعاً و انفراداً دونوں طرح  
جائز ہے بشرطیکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، اگر ایسا کرنے سے نمازیوں کی نمازوں میں خلل  
پڑتا ہو تو پھر یہ عمل درست نہیں۔

ایک دوسرے کو "عید مبارک" کہنے کی شرعی حیثیت | سوال :- آج کل عیدین کے موقع پر  
اکثر لوگ ایک دوسرے کو "عید مبارک"

کے الفاظ کہتے ہیں جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟  
الجواب :- عیدین کے موقع پر اسلام میں کئی افعال اور اعمال سنت ہیں جو ہر مسلمان  
کے لیے خوشی کے مواقع (عیدین وغیرہ) پر جائز قرار دیئے گئے ہیں جیسا کہ احادیث و آثار سلف  
صالحین میں وارد ہے البتہ رسومات قبیحہ اور بدعات مرقومہ سے بچنا بھی نہایت ہی ضروری ہے۔  
صورتِ مشولہ کے مطابق عیدین کی خوشی پر اگر ایک مومن دوسرے مومن سے یہ کہہ دے  
کہ عید مبارک ہو، اللہ تعالیٰ آپ کے روزے، نمازیں اور تراویح قبول فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کی  
قربانی قبول فرمائے، تو یہ ایک عبادت کے کرنے پر ثنا باش و ترغیب ہے اور اعمالِ صالح کی  
عند اللہ قبولیت کے لیے دعا ہے۔ ایسا کہنے میں بظاہر کوئی حرج نہیں، البتہ اس طرح کے الفاظ  
کہنے کو لازم سمجھنا اور نہ کہنے والے سے ناراض ہونا یا اس کا اتنا اہتمام کرنا اور عید کی مبارکباد  
دینے کے لیے گلی گلی اور گھر گھر بھرنے لایقیناً ایک مکروہ عمل ہے اور ثواب کی نیت و ارادہ سے کرنا  
احداث فی الدین ہے۔

الدر المختار میں ہے: والتهنئة بتقبل الله منا ومنكم لا تنكر الخ اور در المختار  
میں ہے کہ: قوله والتهنئة وانما قال ذلك لانه لم يحفظ فيها شيء عن ابي حنيفة واصحابه  
وذكر في القنية انه لم ينقل عن اصحابنا كراهة وعن مالك انه كرهها وعن الاوزاعي

أنها بدعة وقال المحقق ابن اميرالحاج بل الأشبه انها جائزة مستحبة في الجملة  
ثم ساق آثاراً باسانيد صحيحة عن الصحابة في فعل ذلك ثم ذلك والمتعامل  
في البلاد الشامية والمصرية عيد مبارك عليك ونحوه وقال يمكن ان يلحق  
بذلك في المشروعية والاستحياب لما بيتهها من التلازم فان قبلت طاعته  
في زمان كان ذلك الزمان عليه مباركاً على انه قد ورد الدعاء بالبركة  
بها هنا ايضاً اهـ (رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۵۵۷ لـ)

**مساجد میں تعزیر لانے کا حکم** | **سوال:**۔ ہمارے محلے میں بریلوی حضرات کی ایک مسجد ہے  
محرم الحرام میں یہ لوگ تعزیر بنا کر مسجد میں لاتے ہیں اور وہاں  
حضرت امام حسینؑ کی یاد میں مرثیہ خوانی کرتے ہیں اور وعظ و نصیحت کی مجالس منعقد کرتے ہیں  
اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مسجد میں تعزیر لانا اور مرثیہ خوانی وغیرہ کی مجالس قائم کرنا شرعاً  
جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ اولاً تو اسلام میں کسی میت کا تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حرام اور  
ناجائز ہے، احادیث میں اس پر کافی وعیدیں آئی ہیں، البتہ عورت اپنے خاوند کی وفات پر  
چار ماہ دس دن تک سوگ کر سکتی ہے۔ ثانیاً اسلام میں تعزیر سازی کا کوئی وجود نہیں  
پہ جائیکہ اسے مسجد میں لایا جائے، بلکہ ایسا کرنا خلاف شرع اور بدعت ہے۔

لما قال العلامة مفتی عزیز الرحمنؒ: تعزیر داری اور مجالس مرثیہ خوانی وغیرہ ہر جگہ اور  
ہر وقت حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور بالخصوص مساجد میں یہ کام سخت ظلم اور معصیت اور موجب

لہ قال ابن الحاج في المدخل: قد اختلف علماءنا رحمة الله عليهم في قول الرجل لاخيه  
يوم العيد تقبل الله منا ومنك وغفر لنا ولك على اربعة اقوال جائز لانه قول  
حسن، مكروه لانه من فعل اليهود مندوب اليه لانه دعاء ودعاء المؤمن لاخيه مستحب  
البراع لا يبتدئ به فان قال له احدث ردي عليه مثله واذا كان اختلا فهم في هذا الدعاء الحسن مع  
تقدم حدوته فما بالك بقول القائل عيد مبارك مجرداً عن تلك الالفاظ مع انه متأخر الحدوث  
فمن باب اولي ان يكرهوه وهو مثل قولهم يوم مبارك و ليلة مباركة وصبحك الله بالخير  
ومسك بالخير۔ (المدخل لابن الحاج المالكي ج ۲ ص ۲۸۲ فصل في سلام العيد)

عتاب الہی ہے، مسلمانوں کو ایسی حرکات سے توبہ کرنا چاہیے، یہ امور حرام اور گناہ کبیرہ ہیں کفر نہیں ہیں، اصرار کرنے والا ان امور پر فاسق ہے اور تعزیر کا مستحق ہے۔

(عزیز الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۲۱ کتاب السنۃ والبدعۃ)

سوال :- بچے کے تختے کی خوشی میں لوگوں کو شرکت کی دعوت دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض حضرات اس کو

بدعت کہتے ہیں؟

الجواب :- شادی بیاہ، تختے اور دیگر خوشیوں کے مواقع پر کھانا تیار کر کے لوگوں کو شرکت کی دعوت دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، البتہ اس کو لازم اور ضروری نہ سمجھا جائے۔

قال العلامة عبد الحق الدہلوی: در مجمع البحار گفتہ کہ ضیافت برہشت نوع است ولیمہ برائے عرس و خرس بضم خای معجمہ برائے ولادت و اغدا برائے خآن و وکیرہ برائے بنا و تقیہ برائے قدم مسافر... الخ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۱۳۹ باب الولیمة) لہ

سوال :- بعض لوگ جلسوں اور وعظ و نصیحت کی مجالس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے ہی کھڑے ہو کر باواز بند صلوة و سلام پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، شرعاً ایسے قیام کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا اگرچہ موجب ثواب ہے مگر درود شریف پڑھنے کے لیے قیام کرنا سلف و خلف میں کسی سے ثابت نہیں، اس کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے لیے قیام کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر درود شریف پڑھنے کے لیے کھڑے ہونا اور پھر اس پر التزام کرنا خلاف شرع ہے۔

لہ قال العلامة قطب الدین: (عرس اونحوہ) اس سے تختہ اور عقیتہ وغیرہ کی دعوت

مراد ہے۔ (منظاہر حق جلد ۳ ص ۳۵۸ باب الولیمة)

وَمِنْهُ حَاشِيَةٌ صِيحَمِ بَخَارِي ج ۲ ص ۷۷۷ باب الولیمة حق۔



لما ورد في الحديث: عن انس بن مالك قال لم يكن شخص احب اليهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانوا اذا رأوه لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذلك - رواه الترمذی - وقال حديث حسن صحيح -

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۳ باب القیام)

**مصائب میں بخاری شریف کے ختم کا حکم** | سوال :- جناب مفتی صاحب! بعض دینی مدارس میں مصیبت کے وقت

بخاری شریف کا ختم کرایا جاتا ہے، شرعاً ایسے ختم کا کیا حکم ہے؟  
**الجواب :-** مصیبت میں بخاری شریف کا ختم کرنا قرون بالآخر میں نہیں تھا مگر متاخرین علماء نے اس کو جائز کہا ہے۔

لما قال العلامة رشید احمد گنگوہی: قرون ثلاثہ میں بخاری شریف تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، اس کا اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں۔ (تالیفات رشیدیہ ص ۱۵۲ کتاب البدعا)

**بڑے لوگوں کی برسیاں منانا** | سوال :- آج کل عوام میں یہ ایک عام رواج بن چکا ہے کہ ہر سال قوم کے مقتدا اور بڑے لوگوں

کی برسیاں منائی جاتی ہیں، جیسے کہ یوم صدیق اکبر، یوم فاروق اعظم، یوم اقبال اور یوم قائد اعظم وغیرہ، شرعاً ان برسیوں کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** اسلام ایک کامل اور مکمل دین اور ضابطہ حیات ہے جو کہ خدا پرستی کا داعی ہے

اور شخصیت پرستی سے منع کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خیر القرون میں اس قسم کے اعمال (برسی وغیرہ) کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم شخصیت کے دنیا سے جاتے کے بعد

خلقاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور بعد میں آنے والے تابعین و

تابع تابعین حتیٰ کہ کسی بھی امام یا محدث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برسی نہیں منائی اور نہ

آپ کی یاد میں کوئی چھٹی کی، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں: لا یحل

لامرأة تؤمن بالله والیوم الاخذ ان تحد علی میت فوق ثلثة ایام الاعلیٰ

زوجھا اربعة اشھر وعشراً - (الہدایۃ ص ۲۶۷ باب العدة - فصل فی الحداد)

البتہ اگر اس کو ایصالِ ثواب کے لیے منایا جاتا ہو اور اس دن اموات کے ایصالِ ثواب

کے لیے ختمات القرآن وغیرہ ہوتے ہوں تو اس تخصیصِ ایام کی وجہ سے بھی یہ خلافتِ شرع ہے اسلئے کہ شریعتِ مقدسہ نے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں کیا بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ اس کی گنجائش ہے، اپنی طرف سے کوئی خاص دن مقرر کرنا دین میں زیادتی ہے جو اسلام کے کامل اور مکمل ہونے کی صفت کے خلاف ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان خرافات اور بیہودہ رسومات سے پرہیز کریں اور یہود و ہنود کا طریقہ ترک کر دیں۔

**سوال :-** جناب مفتی صاحب! آجکل شادی بیاہ کے موقع پر دولہا کو سہرا باندھا جاتا ہے اور اس کو شادی کا لازمی حصہ تصور کیا جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** سہرا باندھنا ہندوؤں کی رسم ہے جو کہ عرصہ دراز تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں رواداری اور باہمی میل جول کی وجہ سے مسلمانوں میں سرایت کر چکی ہے، اس لیے یہ واجب الترتک ہے اور اس پر التزام و اصرار کرنا موجب گناہ ہے۔

لما قال العلامة مفتی محمد کفایت اللہ: نکاح یا کسی اور تقریب کے موقع پر بایہ وغیرہ: بجانا، سہرا باندھنا، ناچ رنگ کرنا نا جائز ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۵ ص ۱۲۱ چھٹا باب، مہر، چڑھاوا، جہیز وغیرہ)

**سوال :-** آجکل خوشی منانے کی ایک عجیب رسم کا رواج ہے وہ یہ کہ جب کسی کی پیدائش کی تاریخ یاد نہ آجائے تو عزیز و اقارب کو کھانے کی دعوت دی جاتی ہے اور پھر بڑی دھوم دھام سے موم بتیاں جلا کر مخصوص قسم کا کیک کاٹا جاتا ہے، معاشرے میں اس کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے، لوگ اس خوشی میں ایک دوسرے کو گرانقدر تحفے تحائف دیتے ہیں، اور اس سب کچھ کو سالگرہ کہا جاتا ہے۔ تو کیا شرعاً اس کا کوئی ثبوت ہے، اور اس قسم کی دعوت میں شرکت کرنا، تحفہ وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اسلام میں اس قسم کے رسم و رواج کا کوئی ثبوت نہیں ہے، خیر القرون میں کسی صحابی، تابعی، تبع تابعین یا ائمہ اربعہ میں سے کسی سے مروجہ طریقہ پر سالگرہ منانا ثابت نہیں، یہ رسم بد انگریزوں کی ایجاد کردہ ہے ان کی دیکھا دکھی کچھ مسلمانوں میں بھی یہ رسم سرایت کر چکی ہے۔ اس لیے اس رسم کو ضروری سمجھنا، ایسی دعوت میں شرکت کرنا

اور تحفے تحائف دینا فضول ہے، شریعت مقدسہ میں اس کی قطعاً اجازت نہیں۔

**سوال :- جناب مفتی صاحب!** عیسوی سال شروع ہونے پر خوشیاں منانا دنیا کے دیگر ممالک کی طرح

ملک عزیز پاکستان میں بھی یہ رواج ہے کہ جب نیا عیسوی سال شروع ہوتا ہے تو لوگ ایک دوسرے کو ریوٹس کے عنوان سے مبارکباد دیتے ہیں، ملک بھر میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ تو کیا عیسوی سال کے شروع میں اس طریقہ پر خوشیاں منانے کا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** مسلمانوں کے لیے ہجری سال مقرر ہے اور اسی سے ہمارے اسلامی تشخص کا اظہار ہوتا ہے، عیسوی سال عیسائیوں کا ہے اور وہی اس کی آمد پر خوشیاں مناتے ہیں۔ بعض مسلمان بہالت اور نا سمجھی سے یہ خوشیاں مناتے ہیں، لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھنے کے لیے ہجری سال اپنائیں اور اپنے حساب و کتاب کا سارا دار و مدار اسی کے مطابق رکھیں، اس لیے کہ اسلامی عبادات کا تعلق قمری سال سے ہے نہ کہ عیسوی سال سے۔

**سوال :- جناب مفتی صاحب!** نیا کام شروع کرنے پر قرآن خوانی کا اہتمام کرنا

یہ ایک عام رواج بن چکا ہے کہ جب کوئی نیا کام شروع کرتے ہیں یا مکان وغیرہ بناتے ہیں تو اس میں خیر و برکت کی غرض سے چند لوگوں کو بلا کر ان سے قرآن مجید کا ختم کرایا جاتا ہے اور یہاں تک اس کا اہتمام ہوتا ہے کہ اس وقت تک کوئی کام شروع ہی نہیں کرتے جب تک قرآن مجید کا ختم نہ کرالیں۔ شرعاً ایسے ختم قرآن کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** قرآن کریم کی تلاوت فی نفسہ خیر و برکت کا ذریعہ ہے، اس کے پڑھنے یا پڑھوانے سے کار و بار، گھر اور دوکان وغیرہ میں برکت ہوتی ہے مگر اس کو دین کا جز نہیں سمجھنا چاہیے، بغیر ختم قرآن کے بھی اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کی دعا مانگی جاسکتی ہے اور مانگنی چاہیے۔ البتہ ختم قرآن کو ایک رسم کی شکل دے کر ضروری سمجھنا اور اس کا خوب اہتمام کرنا دین میں زیادتی کے مترادف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔





**جمعہ کی نماز کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم** | سوال :- جناب مفتی صاحب! کچھ عرصہ سے بعض مساجد میں نماز جمعہ کے بعد اجتماعی

طور پر کھڑے ہو کر لاؤڈ سپیکر پر بآواز بلند صلوة وسلام پڑھنے کا رواج ہے اور ایسا نہ کرنے والوں پر لعن طعن کی جاتی ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوة وسلام پڑھنا اعظم القربات میں سے ہے لیکن شریعت مقدسہ نے اس کے لیے کوئی خاص دن اور وقت مقرر نہیں کیا ہے بلکہ ایک مسلمان جب بھی اور جس وقت بھی چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوة وسلام پڑھ سکتا ہے اور یہ عمل باعث خیر و برکت اور موجب اجر و ثواب ہے، مگر اس کے لیے از خود وقت اور دن متعین کرنا خلاف شرع اور بدعت ہے، بریلوی حضرات کے اس نو ایجاد عمل کا تخریر القرون میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، یہ ان حضرات کا ذاتی اور خود ساختہ عمل ہے جو کہ شرعاً واجب الترک ہے۔

**کھانے پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگنا** | سوال :- بعض علاقوں میں یہ ایک عام رواج ہے کہ وہاں خواتین کھانا اور پانی کا گلاس سامنے رکھ کر

اس پر ہاتھ رکھتی ہیں اور پھر فاتحہ پڑھتی ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** ایصالِ ثواب کے لیے کھانا وغیرہ فقراء و مساکین میں تقسیم کرنا جائز ہے مگر اس پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگنا بے اصل اور خلاف شرع ہے۔

لما قال المفتی کفایت اللہ: کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کی رسم بے اصل ہے، کھانا اللہ کے واسطے کسی مسکین کو دیدیا جائے بس یہی کافی ہے اور جو کچھ کہ ثواب پہنچانا ہے وہ بغیر کھانا سامنے پڑھ کر ثواب پہنچا دیا جائے، آدھا کھانا دریا یا ندی میں ڈالنا ناجائز ہے اور اس کو ثواب سمجھنا غلط ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۱ ص ۲۱۹ کتاب العقائد) لہ

لہ لما قال العلامة مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ: سوال: کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ، امام حسنؓ و حسینؓ، حضرات تابعینؓ، حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت غوث پاکؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے کھانے کو سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھ کر کسی کو بخشا تھا؟

**جواب:** یہ اکابر تو بمع شریعت اور پابند سنت تھے، یہ بے دلیل اور غلط طریقہ کو کیسے اختیار کر سکتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱ ص ۲۰۴، ۲۰۸ باب البدع والرسوم)

اولیاء اللہ کی قبروں کا طواف کرنا | سوال :- آجکل کچھ لوگ خصوصاً خواتین اولیاء اللہ کے مزارات کے ارد گرد خانہ کعبہ کے طواف کی

طرح چکر لگاتی ہیں اور اس کو کارِ ثواب سمجھتی ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟  
الجواب :- اولیاء اللہ کے مزارات یا دیگر قبروں کا طواف کرنا ناجائز و حرام ہے، اور اس کو کارِ خیر سمجھ کر کرنا موجب کفر ہے اس لیے اس گندے اور مشرکانہ طرزِ عمل سے اجتناب ضروری ہے۔

ما قال العلامة ملا علی قاری: ولا يطوف ائدی ورحول البقعة الشريفة لان الطواف من مختصات الكعبة المنيفة فيحرم حول قبور الانبياء والاولياء ولا اعتبار بما يفعله العامة الجهلة ولو كانوا في صورة المشائخ والاولياء۔

(ارتداد الساری ص ۳۳۲ فصل وبلغتم ایام مقامہ)

سوال :- بعض لوگ اولیاء اللہ کی قبروں پر پھول پھول وغیرہ ڈالتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- تازہ پھول اور سبز پتے یا شاخ وغیرہ اس نیت کے ساتھ قبروں پر رکھنا کہ اس سے عذابِ قبر میں تخفیف ہو اور اس کی حمد و ثناء سے میت کو نفع ہوگا اگرچہ شرعاً جائز ہے، مگر شر و فساد اور فتنوں کے اس دور میں چونکہ نیتوں میں اکثر فتور پیدا ہو چکا ہے اس لیے علماء کرام نے اولیاء اللہ کی قبروں پر پھول یا پھولوں کی چادریں ڈالنے کو خلافِ شرع قرار دیا ہے۔

ما قال العلامة اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: کیا عوام الناس کی یہ نیت ہوتی ہے، اگر یہ نیت ہوتی تو فساق و عصاة کی قبور پر پھول چڑھاتے اولیاء کی قبور پر نہ چڑھاتے، اور اگر کسی کی نیت ہو بھی تب بھی اس کا فعل عوام کے لیے موجب فساد

الحمد للعلامة شاه محمد اسحاق الدهلوی: طواف کردن قبرسہ بار یا شد یا غیرسہ بار شرعاً غیر جائز و حرام است و مرتکب حرام کہ اصرار بران و فاسق میشود و اگر جائز و مستحب دانستہ طواف نمودہ باشد موجب کفر است۔ (مائتہ مسائل ص ۵۹ سوال سی و چہارم)

وَمِثْلُهُ فِي تَالِيَفَاتِ رَشِيدِيَه ص ۱۳۵ کتاب البدعات -

ہوتا ہے اس لیے اس کے لیے بھی منہی عنہ ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۴ کتاب البدعات) لے  
**والدین کی قبروں کو بوسہ دینے کے بارے میں شرعی حکم** | سوال: جناب مفتی صاحب! ایک مولوی صاحب

سے دوران وعظ یہ بات سننے میں آئی ہے کہ والدین کی قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے جبکہ ہم علماء کرام سے یہ سنتے چلے آ رہے ہیں کہ قبروں کو بوسہ دینا حرام اور قبر پرستی ہے، تو کیا والدین کی قبریں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، اور کیا یہ قبر پرستی نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

**الجواب:** قبر پرستی والدین کی ہو یا کسی اور کی، ناجائز و حرام ہے، اسلام میں اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے، مولوی صاحب نے جو بات وعظ میں کہی ہے کسی نادر الوقوع کتاب کے مصنف نے لکھی ہے مگر یہ قابل فتویٰ فتویٰ نہیں کیونکہ نادر الوقوع کتابوں پر فتویٰ دینا قواعد افتاء کے خلاف ہے اس لیے صحیح اور قابل فتویٰ قول یہ ہے کہ والدین کی قبروں کو بھی بوسہ دینا حرام و ناجائز ہے۔

لما قال العلامة عبدالحی: بوسہ دادن قبر والدین جائز است یا نہ؟ الجواب: حرام است  
 کن اصرح علی القاری وغیرہ۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۶۷ ما یعلق بالقبور، کتاب الجنائز)

۱۔ قال العلامة محمد یوسف البتوری: فتویٰ العامة یلقون الزهو علی القبور وبالخص علی قبور الصلحاء والاولیاء والجهلة منهم ازدادوا صراخاً علی ذلك وتغالوا فیہ واوصحت ذلك منشأ فی الجهلة لعقائد فاسدة تأبها الشریعة النقیة وظنوا ذلك سبباً للشواب والاجر الجزیل فالمصلحة العامة فی الشریعة تقتضی منع ذلك بتاتاً استصلاً لشفاعة البدع وحسباً للمادة المنكرات المحدثه وبالجملة هذه ابداء مشرقية منكرة۔ (معارف السنن ج ۱ ص ۲۶۵ باب التشدید فی البول)

۲۔ قال العلامة عبدالحق الدہلوی: این تعظیم قبر در شرع آمدہ کہ بران جلوس نکنند و پا نہنند و نعل بران نہ دارند و از عاٹط و پول بران احترام سازد و تعظیم قبر بوسہ دادن و دست مالیدن و سجده و طواف و تقبیل نمودن و منعی شدن در دینجاک مالیدن درست نیست چنانچہ روایات اس امور در جوابات سابقہ گذشتہ و از ان جملہ در کتاب کشف الغطاء شیخ الاسلام مذکور است دست نہنند بر قبر و مسح کنند بوسہ نہند و منعی نشود و دینجاک نما او کہ اس ماد لغاری است و مشائخ در منع ان تشدید بسیار دارند آنچه عوام مردان کنند از بدعتہائے منکرست شرفاً و بالجملة شک نیست۔ (مائتہ مسائل ص ۶۷ سوال چہل و چہارم)



**بغیر نماز کے شبیہ کا حکم** | سوال :- بعض علاقوں میں میت کے ایصالِ ثواب یا تقربِ الہی کے لیے چند حفاظ کرام شبینہ کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کی کیفیت

یہ ہوتی ہے کہ ہر حافظ قرآن اپنی باری پر قرآن سامنے رکھ کر بغیر نماز کے لاؤڈ سپیکر پر تلاوت کرتا ہے، اسی طرح یہ سلسلہ ساری رات جاری رہتا ہے، اس سے لوگوں کی نیندیں بھی خراب ہوتی ہیں، بیماروں کو تکلیف ہوتی ہے جبکہ بعض خاص حالات میں قرآن سننا ویسے ہی بے ادبی ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس طریقہ پر قرآن مجید پڑھنے کی شریعت میں گنجائش ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** قرآن کریم کی تلاوت اگرچہ اعظم القربات (تقربِ الہی کے ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ) ہے مگر اس کے لیے وہ کیفیت و طریقہ اختیار کیا جائے جس کے آثار قرونِ ثلاثہ میں پائے جاتے ہوں، اپنی طرف سے کوئی ایسا طریقہ تلاوت قرآن کے لیے اختیار کرنا جو خیر القرون میں نہ ہو اور پھر اس نو ایجا طریقہ سے لوگوں کو تکلیف بھی ہوتی ہو باعثِ گناہ و عذاب ہے اس لیے صورتِ مسئلہ کا شبینہ درست ہی نہیں بلکہ واجب الترمک ہے۔

**تیجے رسمِ قل وغیرہ میں ختم قرآن کا حکم** | سوال :- برصغیر پاک و ہند کے اکثر علاقوں میں

امام مسجد اور حفاظ وغیرہ کو جمع کر کے میت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن مجید کا ختم کرایا جاتا ہے اور اس رسم پر بڑی سختی سے عمل کیا جاتا ہے اور ایسا نہ کرنے والوں پر انتہائی گھٹیا قسم کے الزامات لگائے جاتے ہیں، شرعاً اس طریقہ ایصالِ ثواب کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** میت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم کی تلاوت، نفل نمازیں اور دیگر نیک اعمال کرنا شرعاً مخصص ہے اور اس سے میت کو فائدہ بھی ہوتا ہے اور اس کے لیے وقت اور ایام کی تخصیص شرع میں ثابت نہیں، اس لیے مذکورہ بالا طریقہ ایصالِ ثواب کو فقہاء کرام نے بدعت شمار کیا ہے۔

مقالہ علامہ رشید احمد گنگوہی: مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص و اور اضوری انگاشتن در شریعت مجریہ ثابت نیست صاحب نصاب الاعتساب آل را مکروہ نوشتہ رسم و راہ تخصیص بگذارد ہر روز یکہ خواہند بروح میت رسانند و میت قریب مرگ خود زیادہ تر محتاج مدد میشود ہر قدر کہ ایصالِ ثواب بہر روز یکہ شود موجب خیر است۔

در تالیقات رشیدیہ ص ۱۲۲ کتاب البدعات

تہا کے بعد التزائم ان اللہ و مملکتہ الخ التزاماً پڑھنا | سوال: بعض ائمہ مساجد

یا التزاماً باواز بلند آیت کریمہ ان اللہ و مملکتہ الخ پڑھ کر درود شریف پڑھتے ہیں اور نہ پڑھنے والوں پر وہابیت اور منکر درود کا فتویٰ لگاتے ہیں، تو کیا فرض نمازوں کے بعد درود شریف بلند آواز سے پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ درود شریف بلند آواز سے ہو یا آہستہ سے، دونوں طرح بلا التزام درست اور اجر و ثواب کا باعث ہے لیکن صورتِ مسئلہ میں درج طریقہ قرون بالخیر میں اور نہ ہی ائمہ اربعہ میں کسی سے ثابت ہے، اس لیے یہ طریقہ چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی دونوں طرح خلاف شرع اور بدعت ہے۔

ما قال العلامة ابن امير الحاج المالكي: الصلوة والتسليم على النبي صلى الله عليه وسلم لا يشك مسلم انها من اكبر العبادات واجلها وان كان ذكر الله تعالى والصلوة والسلام على النبي حسناً سرّاً وعلانياً لكن ليس لنا ان نفع العبادات الا في مواضعها التي وضعها التي وضعها الشارع فيها ومضى عليه سلف الامة الاترى الى قول عبد الله بن عمر ان الله قد بعث الينا محمداً صلى الله عليه وسلم ولا نعلم شيئاً وانما تفعل كما رأينا كما يفعل..... والصلوة والتسليم على النبي صلى الله عليه وسلم احد ثوابها في اربعة مواضع لم تكن تفعل فيها في عهد من مضى والخير كله في الاتباع لهم۔ (المدخل ج ۲ ص ۲۵، ۲۶) لہ

عرفہ کے دن حجاج سے مشابہت کیلئے شہر سے باہر نکلنا | سوال: جناب مفتی صاحب

عرفہ کا دن بہت مبارک دن ہے، اس دن حاجی صاحبان عرفات کے میدان میں جمع ہو کر وہاں ظہر اور عصر کی نمازیں

لہ ما قال العلامة مفتی کفایت اللہ الدہلوی: سوال: سنتوں کے بعد ماہِ اجتماع کا فاتحہ خوانی اور درود بھیجنا کا ثواب ہے یا بدعت؟

الجواب:۔ سنتوں کے بعد اس عمل کا التزام کرنا سنت نہیں اور اس پر اصرار اور التزام کرنا بدعت ہے۔ (کفایت المفتی ج ۱ ص ۲۲۵ کتاب العقائد)

ادا کرتے ہیں، اب اگر ہم یہاں پاکستان میں گاؤں یا شہر سے باہر جا کر کسی پہاڑی وغیرہ کے دامن میں حجاج کے ساتھ مشابہت کے لیے وہاں ظہر و عصر کی نماز ادا کریں تو کیا ہمیں ثواب ملے گا یا نہیں؟

**الجواب:** عرفہ کا دن اگرچہ بہت مبارک دن ہے لیکن حجاج کے ساتھ تشبہ کے لیے میدانِ عرفات کے علاوہ اپنے اپنے علاقوں میں باہر کھلے میدان میں نکل کر ظہر و عصر کی نمازیں ادا کرنے کے بارے میں شریعتِ مقدسہ میں کوئی حکم وارد نہیں، اس لیے فقہاء کرام نے اس عمل کو بے اصل اور بدعت قرار دیا ہے اسی لیے اس عمل پر کسی قسم کے اجر و ثواب کی امید تو درکنار بلکہ العذاب کا خطرہ ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: والحاصل ان الصحيح الكراهة كما في الدرر بل في البحر ان ظاهر ما في غاية البيان انها تحريمية وفي شرح المينة انما مضايح هذه الاشياء البدع---- وما لم يكن من امرهم فهو بدعة والبدعة اذا لم يتلزم سنة فهي ضلالة۔ رد المحتار

چندے کی رقم سے شیرینی تقسیم کرنے کی شرعی حیثیت | سوال :- آج کل کچھ مساجد میں رمضان المبارک میں تراویح

کے اندر قرآن کریم کے ختم کے وقت چندہ جمع کر کے حاضرین میں شیرینی تقسیم کی جاتی ہے، جبکہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ایسا کرنا بدعت ہے۔ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی جائے کہ واقعی ایسا کرنا بدعت ہے؟

**الجواب:** ختم قرآن کے موقع پر شیرینی تقسیم کرنا شرعاً جائز و مخصص ہے اس کو بدعت کہنا درست نہیں، البتہ چندہ کی رقم سے شیرینی خرید کر تقسیم کرنا صحیح نہیں، تاہم اگر کوئی شخص انفرادی طور پر بغیر چندہ کے تقسیم کرے تو اس کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة رشيد احمد گنگوہی: چندہ کر کے اس طرح شیرینی تقسیم کرنا درست

لما قال العلامة مفتي عزالرحمن: برود عرفہ جمع ہونا لوگوں کا تشبہ بالواقفین اور نفل باجماعت

کثیرہ پڑھنا، خیال حصولِ ثواب حج لاریب بے اصل اور بدعت و مکروہ ہے۔

(عزیز الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۰۱ کتاب السنۃ والبدعت)



نہیں ہے علی الخصوص اس جگہ کہ اس شیرینی کا التزام کر لیویں اور اس کے تارک کو ملامت کرنا نادرست ہے۔ (تالیفات رشیدیہ ص ۱۲۸ کتاب البدعات) لے

**ختم القرآن کی تقریب میں مساجد کو روشن کرنا** | سوال :- آجکل رمضان المبارک مساجد کو برقی قلموں اور طرح طرح کی روشنیوں سے سجایا جاتا ہے، اسلام میں اس عمل کا حکم ہے؟  
**الجواب :-** مساجد اور دیگر مقامات میں ضرورت سے زائد روشنی کرنا اسراف کے حکم میں داخل ہے اور پھر اس کو کار خیر جان کر اصرار کر کے ضروری سمجھنا اور کرنا بدعت کے حکم میں ہے، اس لیے رمضان یا غیر رمضان میں ان چیزوں کا اہتمام کرنا موجب گناہ ہے۔  
 لیا قال العلامة رشید احمد گنگوہی: ضرورت سے زائد روشنی کرنا اور پھر اس کے ساتھ اس کو ضروری سمجھنا اسراف اور بدعت ہے اور نادرست ہے۔

(تالیفات رشیدیہ ص ۱۵۲ کتاب البدعات) لے  
**تعزیہ کے طور پر براق کی صورت بنانے کا حکم** | سوال :- ماہ محرم الحرام میں بعض لوگ براق کی صورت بنا کر بطور تعزیہ پیش کرتے ہیں اور اس کو کار خیر اور موجب ثواب سمجھتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟  
**الجواب :-** اسلام نے ہر موڑ پر بیت سازی کی نفی کی ہے اور لوگوں کو اس قبض فعل سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ چونکہ براق بھی ایک جاندار مخلوق ہے اس لیے کسی بھی عنوان سے اس کی مورتی بنانا شرعاً ممنوع ہے، اور اسی طرح تعزیہ بنانا چاہے محرم میں ہو یا دوسرے مہینوں میں حرام اور بدعت ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن سعید بن الحسن قال کنت عند ابن عباس اذ جاء رجل فقال یا ابن عباس انی رجل انما معیشتی من صنعة یدی وانی اصنع هذه

لے و لے لیا قال العلامة اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ، الم ترکیف اور تمام قرآن کا حکم ان امور میں یکساں ہے یعنی فضول روشنی کرنا اسراف ہے اور بدعت ہے اور شیرینی کو لازمی سمجھ کر بانٹنا یہ بھی بدعت ہے۔۔ الخ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۸۹ کتاب البدعات)۔

التصاوير فقال ابن عباس الا احدثك ما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم سمعته يقول من صور صورة فان الله معه به حتى ينفخ فيه الروح وليس ينفخ فيها ايديا اقر بالرجل ربوة شديدا واصفر وجهه فقال ويحك ان ابنت الا ان تصنع فعليك بهذه الشجرة وكل شئ فيه روح -

مشکوٰۃ ص ۳۸۶ باب التصاوير، الفصل الثالث

تعزیر کے جلوس میں شرکت کرنا حرام ہے | سوال :- جناب مفتی صاحب! ہر سال دس محرم الحرام کو اہل تشیع تعزیر بناتے اور

جلوس نکالتے ہیں جس میں بعض اہلسنت بھی بڑے جوش و جذبے کے ساتھ اجر و ثواب کی نیت سے شریک ہوتے ہیں۔ تو کیا اس قسم کے جلوسوں میں شرکت کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟  
الجواب: دس محرم کو تعزیر بنانا اور اس کا جلوس نکالنا سب مخترعات اور بے اصل امور ہیں، اس قسم کے اعمال خلاف شرع اور بدعت کے حکم میں ہیں، اس لیے اس قسم کے جلوس اور جلوسوں میں شرکت کرنا ناجائز و حرام ہے۔

لما قال العلامة شاه عبدالعزیز: تعزیر داری در عشرہ محرم و ساختن ضرائح و صورت قبور وغیرہ درست نہیں۔ (فتاویٰ عزیزی جلد ۶ ص ۶۸)

ایضاً قال: در انجلس بہ نیت زیارت و گریہ و زاری حاضر شدن ہم جائز نیست زیرا کہ آنجا زیارت نیست کہ برائے او حاضر شود و ایس جو بہا کہ ساختہ اوست قابل زیارت نیستند بلکہ قابل ازالہ اند۔ (فتاویٰ عزیزی جلد ۶ ص ۶۹)

لہ و عن ابی طلحة قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملکۃ بیتا فیہ کلب ولا تصاویر۔

متفق علیہ۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۸۱ باب من کره القعود علی الصور، کتاب اللباس)

ومثلہ فی امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۳۲ کتاب البدع الفصول المحرمات فی فصل المحرم۔

۲۔ لما قال المولوی احمد رضا خان: علم، تعزیر، بیک، ہندی جس طرح رائج ہے بدعت ہے اور بدعت سے

شوکت اسلام نہیں ہوتی، تعزیر کو حاجت روائی یعنی ذریعہ حاجت روائی سمجھنا جہالت پر جہالت ہے اور اس سے

منت ماننا حاجت اور نہ کرنے والوں کو باعث نقصان خیال کرنا زنا نہ وہم ہے مسلمانوں کو ایسی حرکت سے

باز آنا چاہیے۔ (رسالہ محرم و تعزیر داری ص ۵۹ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱ ص ۲۳۸ رد بدعات)

ومثلہ فی فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۱۰ تا ص ۲۲۲ رد بدعات۔

صفر المنظر کے آخری بدھ کو خوشی منانے کی شرعی حیثیت | سوال :- جناب مفتی صاحب! بعض علاقوں

میں یہ رواج ہے کہ کچھ لوگ ماہ صفر المنظر کے آخری بدھ کو خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض سے شفاء ہوئی تھی اور اسی دن بلائیں اور پھیل جاتی ہیں، اس لیے اس دن میں خوشیاں منانے ہوئے شیرینی تقسیم کرنی چاہیے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ماہ صفر میں اس عمل کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- ماہ صفر المنظر کو منحوس سمجھنا خلاف اسلام عقیدہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے، اس ماہ مبارک میں نہ تو آسمان سے بلائیں اترتی ہیں اور نہ اس کے آخری بدھ کو اوپر جاتی ہیں اور نہ ہی امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن مرض سے شفاء یا بی ہوئی تھی بلکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ۲۸ صفر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تھے۔

لما قال العلامة مفتی عبد الرحیم: مسلمانوں کے لیے آخری چہار شنبہ کے طور پر خوشی کا دن منانا جائز نہیں۔ "شمس التواریخ" وغیرہ میں ہے کہ ۲۶ صفر ۱۱ھ دو شنبہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور ۲ صفر ۱۱ھ کو اسامہ بن زید امیر لشکر مقرر کئے گئے، ۲۸ صفر چہار شنبہ کو اگرچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیمار ہو چکے تھے لیکن اپنے ہاتھ سے نشان تیار کر کے اسامہ کو دیا، ابھی لشکر کے کوچ کی نوبت نہ آئی تھی کہ آخر روز چہار شنبہ اور پنج شنبہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علالت خوفناک ہو گئی اور ایک تھلکہ سا مچ گیا، اسی دن عشاء سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا۔ (شمس التواریخ جلد ۲ ص ۱۰۸)

اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۲۸ صفر کو چہار شنبہ (بدھ) کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں زیادتی ہوئی تھی اور یہ دن ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ تھا، یہ دن مسلمانوں کے لیے خوشی کا تو ہے ہی نہیں البتہ یہود وغیرہ کے لیے شادمانی کا دن ہو سکتا ہے۔ اس روز کو تہوار کا دن ٹھہراتا، خوشیاں منانا، مدارس وغیرہ



میں تعطیل رکھنا، یہ تمام باتیں خلاف شرع اور ناجائز ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱۱۹، ص ۱۲۰)  
 کتاب العلم (۱)

سوال :- بعض علاقوں میں یہ  
 رمضان المبارک تیسویں رات کو مٹھائی تقسیم کرنا

دستور ہے کہ رمضان المبارک کی  
 تیسویں رات کو نماز تراویح کے بعد امام مسجد یا کوئی حافظ قرآن سورۃ العنکبوت اور سورۃ روم  
 کی تلاوت کر کے مٹھائی وغیرہ پر دم کرتا ہے اور وہ مٹھائی پھر حاضرین میں تقسیم کی جاتی ہے  
 اور اس کو مستحب کہتے ہیں۔ کیا واقعی یہ طریقہ مستحب ہے؟

الجواب :- رمضان المبارک کی تیسویں رات کو قرآن کریم کی بعض سورتوں (عنکبوت و  
 روم) کو متعین کر کے پڑھنا اور پھر مٹھائی یا پیسوں پر دم کر کے حاضرین میں تقسیم کرنا بے اصل  
 اور بدعت ہے، شریعت مقدسہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، لہذا اس سے اجتناب کیا جائے۔  
 اگرچہ قرآن کریم کا سننا اور سننا موجب اجر و ثواب ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصرى: لان ذكر الله اذا قصد به التخصيص بوقت  
 دون اوشئ دون شئ لم يكن مشروعاً حيث لم يرد الشرع به لانه خلاف  
 المشروع - (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۹ باب العیدین) ۲

۱۔ قال المولوی احمد رضا خان البریلوی :- الجواب :- آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں  
 نہ اس دن صحابی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض اقدس جس میں  
 وفات مبارک ہوئی اس کی ابتداء اسی دن سے بتلائی جاتی ہے۔

۲۔ احکام شریعت جلد ۲ ص ۲۵ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱ ص ۱۲ کتاب العلم  
 ومیشلہ فی کفایت المفتی جلد ۱ ص ۲۲ کتاب العقائد۔

۳۔ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: بان تخصيص الذكر بوقت لم  
 يرد به الشرع غير مشروع - ردة المختار ج ۲ ص ۱۲۰ باب العیدین،  
 مطلب يطلق المستحب على السنة وبالعكس

فرض نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کرنا بدعت نہیں | سوال :- ہمارے محلے کی مسجد کے امام صاحب سے مقتدیوں نے

کہا کہ حضرت آپ فرض نماز کے بعد جب دعا کرتے ہیں تو اول و آخر میں کچھ کلمات یا آواز بلند کہا کریں تاکہ ہمیں دعا کے شروع ہونے اور ختم ہونے کا علم ہو سکے۔ اس پر امام صاحب نے کہا کہ فرض نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کرنا بدعت ہے، اسلام نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے، اگر کوئی ثابت کر دے تو میں اس بات کے لیے تیار ہوں کہ میرے گلے میں رسی ڈال کر مجھے بازار میں گھسیٹا جائے۔ آنجناب سے گزارش ہے کہ ہمیں اس مسئلے کا حل قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ کے جواب کے لیے چند مقدمات سمجھنا ضروری ہیں جو کہ ذیل

میں تفصیل کے ساتھ نمبر وار درج کیے جاتے ہیں :-

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرض نماز کے بعد دعا کرنا قولاً و عملاً دونوں طرح ثابت ہے۔ امام ابو عیسیٰ الترمذی نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے :-

(۲) کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد ان ينصرف من صلاته استنقر ثلاث مراتٍ ثم قال وانت السلام و منك السلام تبارکت يا ذا الجلال والاكرام۔ (ترمذی علی صدر معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۱ باب ما يقول اذا سلم)

(ب) امام ابن ابی شیبہ نقل فرماتے ہیں : حدثني رجل من الانصار قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في دبر الصلوة اللهم اغفر لي وتب علي انك انت التواب الرحيم مائة مرة۔

(ج) عن أم سلمة ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول اذا صلى الصبح حين يسلم اللهم اني اسئلك علماً نافعاً و رزقاً طيباً و عملاً منقبلاً۔

(واہما مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹ رقم ۱۲، ۱۵ کتاب الدعاء)

(د) علامہ ابن السنی روایت کرتے ہیں : عن انس ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلوة يقول اللهم الهي و اله ابراهيم واسحاق و يعقوب ..... الا كان حقاً على الله ان لا يرد يديه حائبتين۔

(عمل اليوم والليلة بحوالہ معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۳ باب ما يقول اذا سلم)

ان کے علاوہ بھی بہت ساری روایات کتب حدیث میں مذکور ہیں جو دعا بعد الفرائض کو ثابت کرتی ہیں۔ اس لیے علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

الدعاء للامام والماموم والمنصرح مستحب عقب كل صلوة بلا خلاف ويقول ويستحب ان يقبل على الناس في دعوا - (معارف السنن ج ۳ ص ۲۳۳ باب ما يقول اذا سلم) (۲) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اجتماعیہ دعا کرنا صحیح روایات سے ثابت ہے۔ علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

فهذه وما شاكلها من الروايات في ابواب تكفي حجة لما اعتاده الناس في البلاد من الدعوات الاجتماعية وبالصلوة ولذا ذكره فقهاءنا ايضا كما في نور الايضاح وشرح مراقب الفلاح - (معارف السنن ج ۳ ص ۲۳۳ باب ما يقول اذا سلم)

(۳) ذکر اور دعا کرنے کے بارے میں دونوں طرح کی روایات ملتی ہیں، بعض روایات سے خفیہ طور پر ذکر اور دعا کرتا ثابت ہے، جبکہ بعض روایات سے جہر کے ساتھ باواز بلند دعا کرتا ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اتباع میں فقہاء اور صلحاء و علماء امت باواز بلند دعا کرتے آئے ہیں، چند دلائل بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں :-

(۱) علامہ بنوری رحمۃ اللہ نے کنز العمال کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے: لا يجتمع ملاء فيدعوا بعضهم ويؤمن بعضهم الا اجابهم الله - (معارف السنن ج ۳ ص ۲۳۳ باب ما يقول اذا سلم) اس روایت سے باواز بلند دعا کرتا صاف ظاہر ہوتا ہے، اس لیے کہ دعا پر آمین تب کہی جاتی ہے جب دعا کرنے والا بلند آواز سے دعا کرے اور دوسرا شخص اس کو سنے۔

(۲) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت نقل کی ہے: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سلم من صلواته يقول بصوته الا على لا اله الا الله وحده لا شريك له الخ - (فتح الملهم ج ۲ ص ۱۷۱ باب الذكر بعد الصلوة) (ج ۱) صحیح مسلم میں ہے: ان ابن عباس اخبره ان رفع الصوت بالذکر حين ليصرف الناس من المكتوبة كان علي عهد النبي صلى الله عليه وسلم وانه قال قال ابن عباس كنت اعلم اذا انصرفوا بذلك اذا سمعته -

(صحیح مسلم علی صدر فتح الملهم ج ۲ ص ۱۷۱ باب الذكر بعد الصلوة)



یہ دونوں روایات بھی بلند آواز سے ذکر اور دعا کرنے کو ثابت کرتی ہیں اس لیے کہ ابن عباسؓ اس وقت حدیث السن تھے انہوں نے نماز سے فراغت کے بعد یہ ذکر یا تو آنحضرتؐ میں سنا ہو گا یا مسجد سے باہر۔

اس لیے علامہ عثمانیؒ اس روایت کے تحت لکھتے ہیں، واستدل بحديث الياب بعض السلف على استحباب رفع الصوت بالتكبير والذكر - (فتح الملهم ج ۲۷ باب الذكر بعد الصلوة) اسی طرح علامہ نوویؒ نے بھی اس حدیث کے تحت لکھا ہے: لهذا الحديث دليل لما قاله بعض السلف انه يستحب رفع الصوت بالذكر عقيب المكتوبة -

(مجموعہ رسائل الکنزوی جلد ۳ صفحہ ۲۹، سبحة الفکر فی الجہر بالذکر ص ۳۲ ابنا لاول فی حکم الجہر) (۴) اسی طرح علامہ مکھنویؒ نے عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے: قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذكر والله ذكرا حتى يقول المنافقون انكم مراؤون - (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۴۶، سبحة الفکر ص ۲۹ ابنا لاول فی حکم الجہر)

بلند آواز سے ذکر کرنے پر اس روایت اور دوسری روایات سے استدلال کرتے ہوئے علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے: وجه الاستدلال بهذين الحديثين انه انما يقال لك عند الجهر لا عند السر - (الحاوی الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۹ نتیجۃ الفکر فی الجہر فی الذکر)

(۵) علامہ جلال الدین سیوطیؒ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اخرج البخاري عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول انا عند ظن عبدي وانا معه اذا ذكرني فان ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي وان ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ سخيومنه والذكر في الملأ لا يكون الا من الجهر - (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۹ نتیجۃ الفکر فی الجہر فی الذکر)

(۶) عن جابر ان رجلا صان يرفع صوته بالذكر فقال رجل لوان هذا خفيض من صوته فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتركه انه اواه -

رسائل عبدالحی الکنزوی ج ۳ ص ۲۸، سبحة الفکر فی الجہر بالذکر ص ۳۱ ابنا لاول) (۷) عن شداد بن اوس رضي الله تعالى عنه قال كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال ارفعوا ايديكم فقولوا لا اله الا الله فقلنا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم انك بعثتني بهذه الكلم وامرتني بها و وعدتني عليها انك لا تخلف الميعاد - (مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۵۰ کتاب الدعاء، باب رفع الايدي عند الا اله الا الله)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مذکورہ روایات سے خوب ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد باواز بلند ذکر بھی کیا ہے اور دعا بھی فرمائی ہے اور ساتھ صحابہ کرامؓ کو اس کی ترغیب بھی دی ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ نے آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نماز کے بعد باواز بلند ذکر اور دعا فرمایا کرتے تھے۔ چند آثار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:-

(۱) کان عمر رضی اللہ عنہ اذا انصرف من صلواتہ قال اللہم استغفرک لذنبی واستهد بک لأرشد امری واتوب الیک فتاب علی اللہم انت ربی فاجعل رغبتی الیک واجعل غنائی فی صدري وبارک لی فیما رزقتنی وتقبل منی انک انت ربی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۹ رقم ۷ کتاب الدعاء)

(۲) عن صلیبہ بن زفر قال سمعت ابن عمر یقول فی ذبیر الصلوۃ اللہم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۸ کتاب الدعاء)

(۳) عن ابی بکر بن ابی موسیٰ عن ابی موسیٰ انه کان یقول اذا فرغ من صلواتہ اللہم اغفر لی ذنبی ویسر لی امری وبارک فی رزقی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۷ ص ۳۸ کتاب الدعاء)

مصنف ابن ابی شیبہ، سباحتہ الفکر اور الحاوی للفتاویٰ وغیرہ کتب احادیث میں صحابہ کرامؓ کے آثار موجود ہیں جو ذکر بعد الصلوٰۃ اور دعا بعد الصلوٰۃ بلند آواز سے ادا کرنا ثابت کرتے ہیں۔

ان تینوں مقدمات سے خوب واضح ہوا کہ فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے دعا کرنا یا ذکر و اذکار میں مشغول ہونا جائز ہے، علماء امت میں سے کسی نے بھی اس کو بدعت اصطلاحی میں شمار نہیں کیا، البتہ محققین علماء نے ریا کے خوف سے جہر کو خلاف اولیٰ قرار دیا ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ دعا انشاء کے ساتھ کی جائے۔

چنانچہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: والدعا بخصوصہ الافضل فیہ الاسرار لانہ اقرب الی الاجابة۔ (الخاص للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۹۲ نتیجۃ الفکر فی الجہر فی الذکر)

اور علامہ عثمانیؒ نے لکھا ہے: وقال ابن بطال اصحاب المذاهب المتبعة وغيرهم متفقون علی عدم استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر عقب المکتوبة۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۱۷۱ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)



چنانچہ مفتی عبدالرحیم صاحب سے جب اسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: (الجواب) سری دعا افضل ہے، نمازیوں کا حرج نہ ہوتا ہو تو کبھی کبھی ذرا آواز سے دعا کرنا جائز ہے ہمیشہ جہری دعا کی عادت بنانا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۸۳ متفرق مسائل) علامہ ابوبکر الجصاص الرازی نے لکھا ہے: وما ذکر من الآثار دلیل علی ان اخفاء الدعاء افضل من اظهاره لان الخفية هي السنن - (احکام القرآن ج ۴ ص ۲۰۸ سورة الاعراف) مگر یہ کراہت بھی تب ہے کہ مساجد یا دیگر مقامات میں با آواز بلند دعا کرنے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو، ان کی نیند اور دیگر امور میں خلل واقع ہوتا ہو، ورنہ بغیر اس کے بلند آواز سے دعا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ اگرچہ علامہ شعرائی نے بعض مواقع پر بلند آواز سے ذکر و دعا کو مستحب قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عن الامام الشعرائی اجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جہرہم علی نائم او مصلى او قارئ۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۲۱۱ باب الذکر بعد الصلوة) اور جہاں تک اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً۔ (الایم) کا تعلق ہے تو یہ آیت مطلق دعا کو جہراً کرنے سے منع پر دال نہیں، اس منع سے مراد بے جا بلند آواز سے دعا کرنے پر محمول ہے، علماء اہل سنت نے اسی پر اس کو محمول کیا ہے۔

چنانچہ علامہ عبدالحی الکنہوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ان هذه الآية تدل علی اثبات الجهر القير المضطرب لا علی منعه بناء علی ما فسره الامام الرازی فی تفسیره من ان قوله: اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً وسراً ومعنی قوله: دُونَ الْجَهْرِ الْمَضْرُوبِ والمراد منه ان يقع الذکر بحيث يكون بين المخافة والجهر ما قال الله تعالى: وَلَا تَجْهَرُوا بِصَلَاتِكُمْ وَلَا تَخَافُوا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا۔ وعلی هذا تدل الآية علی جواز السر والجهر كليهما وفضلية السر للتضرع والخيفة۔ (رباعية الفكر ص ۱۱۱ الباب الاول في حكم الجهر بالذکر) اور حدیث لا تدمون اصم الخ بھی جہر مضطرب پر محمول ہے۔

علامہ عثمانی نے لکھا ہے: واما حدیث انکم لا تدعون اصم ولا غائباً فمحمول عندی علی الاقرب فی رفع الصوت۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۲۱۱ باب الذکر بعد الصلوة)



اس تمام تفصیل سے واضح ہوا کہ بعد القرائن بلند آواز سے دعا کرنا جائز ہے اگرچہ پست آواز سے کرنا افضل و بہتر ہے اس کو بدعت کہنا لاعلمی اور کتب حدیث و فقہ سے عدم ممارست کھم دلیل ہے، بلا وجہ کسی ثابت شدہ چیز کو بدعت کہنا شرعاً گناہ عظیم ہے جس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ صورت مسئلہ میں اگر تو مقتدیوں کا یہ مطالبہ ہو کہ امام صاحب بلا التزام دعا کے اور آخر میں چند الفاظ باواز کہیں تاکہ مقتدیوں کو دعا شروع ہونے اور ختم ہونے کا علم ہو سکے، اس کو سنت اور ضروری نہ سمجھتے ہوں تو ایسا کرنا بلا کر بہت جائز ہے۔

چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الانخفاء افضل عند خوف الريا او كان في الجهر تشويش على نحو مصلی او نائم او قاری او مشغل يعلم شرعی ویتقدیم الجهر علی الانخفاء فيما اذا خلا عن ذلك وكان فيه قصد تعليم الجاهل او نحو ازالة وحشة عن متوحش او طرد نحو نعاس او كسل على الداعي نفسه او ادخال سرور على قلب مؤمن الخ۔ (روح المعانی ج ۸ ص ۸۰۰ سورة الاعراف)

مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے مولانا عبدالحی الکنہویؒ کا رسالہ سباحة الفكر، علامہ سیوطیؒ کی الحاوی للفتاویٰ، علامہ جصاص الرازیؒ کی احکام القرآن، معارف القرآن، السعایة فی حل شرح الوقایة کا مطالعہ کریں۔ (ہذا ما ظہر لی واللہ اعلم)

**خطبہ جمعہ و عیدین میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا** | سوال: اگر خطیب جمعہ یا عیدین کے خطبہ ثانی میں دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور مقتدی بھی

ہاتھ اٹھا کر آمین کہیں تو شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** عیدین و جمعہ کے خطبوں میں جو دعا کی جاتی ہے اس میں امام کا ہاتھ اٹھانا اور مقتدیوں کا آمین کہنا کہیں ثابت نہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بریلوی حضرات کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

لما قال العلامة مفتی عبدالرحیم، سوال: عیدین و جمعہ کے خطبہ ثانی میں بعض خطیب دعا کرتے ہیں اس وقت حاضرین ہاتھ اٹھا کر آمین کہتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** اس وقت ہاتھ اٹھانا، آمین کہنا منع ہے، اس میں دیوبندی، رضائاتی کا اختلاف نہیں مولوی احمد رضا خان کی مصدقہ کتاب میں ہے کہ خطیب نے مسلمانوں کیلئے دعا کی تو سامعین کو ہاتھ اٹھانا یا آمین کہنا منع ہے، ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ خطبہ میں درود شریف پڑھتے وقت خطیب کا داہنے بائیں منہ کرنا بدعت ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد ۲ ص ۳۰۲ باب رد بدعات)

## عید میلاد النبیؐ کی تاریخی اور شرعی حیثیت | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اور

مفتیان مذہب حنفیہ اس مسئلہ میں کہ آجکل میلاد شریف کے نام سے مجالس و عظ منعقد ہوتی ہیں اور ان میں علماء کرام کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ترغیب و ترہیب کے مسائل پیش کرتے ہیں اور نعت خوان اور شعر اُحضرا اپنے اپنے منظوم کلام میں توحید رسالت، ختم نبوت، حب علی الطاعت اور دیگر کئی قسم کے بہترین مضامین سناتے ہیں کیا اس قسم کی تقریبات میں علماء کرام اور عوام الناس کی شرکت بدعت ہے یا نہیں؟

(۲) زید اس بات کا قائل ہے کہ ایسی مجالس و اجتماعات کا انعقاد بدعت و ضلالت ہے ان میں شریک ہونا زنا، بھابھی، شراب نوشی اور قتل و غارت سے بھی بڑھ کر گناہ ہے، کیونکہ خیر القرون میں اس قسم کے اجتماعات منعقد نہیں ہوتے تھے۔ تو زید کا یہ عقیدہ درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو اس کے لیے تعزیر شرعی تفصیلاً تحریر فرما کر اجر و این حاصل کریں؟

الجواب: ہمارے نزدیک محققین علماء کی تصریحات کے پیش نظر عید میلاد کے نام سے جو مجلس منعقد ہوتی ہیں اور جن کو آجکل کے علماء اور جہلاد سب سے بہترین عبادت اور کار خیر جانتے ہیں، بدترین قسم کی بدعت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت عین ایمان ہے، آپ کی ولادت باسعادت سے لے کر وفات تک کے حالات زندگی صحیح طریقہ سے ذکر کرنا عبادت اور کار خیر ہے۔ سال کے ہر مہینہ اور مہینہ کے ہر ہفتہ اور ہفتہ کے ہر دن اور دن کے ہر گھنٹہ اور گھنٹہ کے ہر منٹ اور منٹ کے ہر سیکنڈ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر جاتا ہے اس میں کسی بھی مسلمان کو نہ تو اختلاف کی گنجائش ہے اور نہ ہی اس سے انکار کی مجال ہے، مگر نزاع اور موضوع بحث وہ مجلسیں ہیں جن کو ثواب کی نیت سے خاص مہینوں (مثلاً ربیع الاول) میں منعقد کر کے میلاد منایا جاتا ہے، یہ اور چیز ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ذکر اور شے ہے، اول بدعت ہے ثانی منسوب اور مستحب ہے۔ صحابہ کرامؓ سے زیادہ حضور اکرم کا عاشق کوئی بھی نہ تھا، نہ آن سے بڑھ کر حضور صلعم کا احترام اور تعظیم کوئی کر سکتا ہے، حضور کی محبت ان میں کامل تھی، تیس سال تک حضور اکرم صحابہ میں نبوت کے ساتھ خود زندہ رہے، اور پھر تیس سال تک خلافت راشدہ کی حکومت رہی، تقریباً ۱۱۰ھ تک صحابہ کرامؓ کا دور رہا، کم و بیش دو سو بیس برس تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ رہا لیکن قیامت تک کوئی اس بات کا ثبوت صحیح سند سے پیش کر سکے گا کہ



اتنے ممتاز زمانے اور طویل عرصے میں عشاقِ رسولؐ میں سے کسی عاشقِ صادق نے ایسی محفل کا انعقاد کیا ہے یا انعقاد کے لیے کسی سے صراحتاً یا اشارتاً کہا ہے، یا خود حضور اکرمؐ کے مبارک زمانے میں آپؐ کی اجازت سے ایسی مجالس منعقد ہوئی ہوں۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ کارِ ثواب اور مبارک تقریب کا ان ہی زمانوں میں انعقاد کیوں نہ ہوا؟ اور اگر نہیں ہوا ہے تو بعد میں ہونے پر اس کو بدعت کیوں نہ کہیں گے؟ آپ اس کے متعلق ظاہری شکل و صورت کو دیکھ کر ترغیب و ترہیب کی بنا پر مستحب قرار دینا چاہتے ہیں مگر ذرا یہ تو سوچئے کہ وہ کون سی شرعی بدعت ہے جس کی ظاہری شکل و صورت عبادت کی نہ ہو؟ خاص کر جب اس کے متعلق اکابرین دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کے صریح فتاویٰ بھی حرمت اور ممانعت کے بارے میں موجود ہیں، تو دیوبندی ہو کہ آپ کیوں اس کی طرف راغب معلوم ہوتے ہیں، میں نے خود اپنے شیخ حضرت علامہ مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی نور اللہ مرقدہ سے زبانی دورہ حدیث پڑھتے وقت سنا تھا کہ ”ایسی مجلسوں کا انعقاد بدعت ہے“ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو ممنوع قرار دیا ہے، فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱۱ ص ۱۱۱ میں آپ فرماتے ہیں: ”نفس ذکر ولادت باسعاد خردو عالم صلعم کا مندوب ہے مگر سبب انضمام ان قیود کے یہ مجلس ممنوع ہو گئی“

**مجالس عید میلاد النبیؐ کا تاریخی پس منظر** | اس رسم و بدعت کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ اسلامی تاریخ کی ابتدائی چھ صدیوں میں اس بدعت کا کہیں بھی مسلمانوں میں رواج نہیں تھا، یہ نہ تو کسی صحابی کو سوجھی نہ کسی تابعی کو، نہ کسی محدثِ اہل سنت و جماعت اور ولی اللہ کو، یہ بدعت اگر سوجھی تو ایک مسرف بادشاہ اور اس کے رفیق دنیا پرست مولوی کو۔ یہ بدعت ۶۰۲ھ میں موصل کے شہر میں مظفر الدین کوکری کے حکم سے ایجاد ہوئی جو ایک مسرف بادشاہ اور دین سے بے پرواہ شخص تھا۔ (ابن خلکان) اس کے متعلق امام احمد بن محمد بصری مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:-

كان ملكاً مسرفاً یا مرفاً علماء زمانہ ان يعملوا باستنابہم واجتہادہم وان لا يتبعوا مذہب غیرہم حتی مات اليہ جماعة من العلماء وطائفة من الفضلاء ويختفل مولد النبی صلعم فی الربیع الاول وهو اول من احدث من الملوك هذا العمل (القول المعتمد فی عمل المولد)

(ترجمہ) وہ ایک مسرف بادشاہ تھا، علمائے زمانہ سے کہا کرتا تھا کہ وہ اپنے استناب اور اجتہاد پر عمل کر کے غیروں کے مذہب پر عمل نہ کریں حتیٰ کہ دنیا پرست علماء اور فضلاء کی ایک جماعت اسی طرف



مائل ہو گئی اور وہ ربیع الاول میں محفل میلاد منعقد کیا کرتا تھا، بادشاہوں میں یہ پہلا شخص ہے جس نے یہ بدعت گھڑی ہے؛

اس محفل میلاد پر وہ کیا خرچ کرتا تھا؛ اس کے متعلق علامہ ذہبی نقل فرماتے ہیں :-

كان ينفق كل سنة على مولد النبي صلعم نحو ثلاث مائة الف .

(دول الاسلام ج ۲ ص ۱۰۳)

(ترجمہ) ”وہ ہر سال میلاد النبی پر تقریباً تین لاکھ روپے خرچ کیا کرتا تھا۔“

جس دنیا پرست مولوی نے اس کے جواز کے لیے مواد جمع کیا تھا اس کا نام عمر بن داعیہ

ابو الخطاب تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کے متعلق لکھتے ہیں :-

كان كثير الوقيعة في الأئمة وفي السلف من العلماء بحيث اللسان احمق شديد

الكبر قليل النظر في أمور الدين متهاوناً - (لسان الميزان ج ۲ ص ۱۹۶)

(ترجمہ) ”وہ ائمہ دین اور سلف کی شان میں بہت بڑا گستاخ تھا، گندی زبان کا مالک تھا،

بڑا احمق اور بڑا متکبر تھا، دین کے کاموں میں بڑا بے پرواہ اور مست تھا۔“

ان دونوں مبتدعین نے مل کر یہ بدعت ایجاد کی، اور اس کے بعد علماء حق میں سے

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ ج ۱ ص ۳۱ میں امام نصیر الدین شافعی نے

ارشاد الاختیار ص ۱ میں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات ج ۵ ص ۲۱ میں اور علامہ

ابن امیر الحاج مالکی نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ اس کی تردید کی ہے۔ چنانچہ علامہ

موصوف ”مدخل ابن الحاج ج ۱ ص ۸۵“ میں لکھتے ہیں :-

ومن جملة ما حدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذلك من اكبر العبادات واظهار

الشعائر ما يفعلونه في شهر الربيع الاول من المولد وقد ذلك على بدع ومحرمات

الى ان قال وهذه المفاصد مترتبة على فعل المولد اذا عمل بالسمع فان علامته وعمل

طعاماً فقط ونوى به المولد ودعى اليه الاخوان وسلم من كل ما تقدم ذكره فهو بدعة

بنفس نيته فقط لان ذلك زيادة في الدين وليس من عمل السلف الماضيين و

اتباع السلف اولى - ام (مدخل ابن الحاج مطبوعة مصر ج ۱ ص ۸۵)

(ترجمہ) ”لوگوں کو ان بدعتوں میں سے جن کو وہ بڑی عبادت سمجھتے ہیں اور جن کے کرنے کو وہ

شعائر اسلامیہ کا اظہار سمجھتے ہیں وہ مجلس میلاد ہے جس کو وہ ماہ ربیع الاول میں کیا کرتے ہیں، یہ مجلس

بہت سی بدعات اور محرمات پر مشتمل ہوتی ہے۔ (آخر میں فرماتے ہیں) اور اس مجلس میلاد پر یہ مفاسد اس صورت میں مرتب ہوتے ہیں جبکہ اس میں سماع ہو، پس اگر وہ سماع سے پاک ہو اور بہتیت مولود کرنا تیار کر لیا ہو اور بھائیوں اور دوستوں کو اس کے لیے بلایا گیا ہو اور تمام مذکورہ بالا مفاسد سے محفوظ ہو تب بھی وہ بہتیت انعقاد مجلس میلاد کی وجہ سے بدعت ہے کہ یہ دین میں ایک جدید امر کا اضافہ ہے جو سلف نے اس پر عمل نہیں کیا ہے اور سلف کی پیروی زیادہ بہتر ہے۔“

علامہ عبدالرحمن اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:-

ان عمل المولد بدعة لم يقل به ولم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء والملائكة۔

(ترجمہ) ”مجلس میلاد کا انعقاد بدعت ہے اس کو حضور اکرمؐ، خلفاء راشدینؓ یا ائمہ اربعہؓ میں سے کسی نے نہ خود کیا ہے نہ اس کی اجازت دی ہے۔“

علامہ احمد بن محمد مصری مالکی لکھتے ہیں:-

اتفق علماء المذاهب الاربعة بدم هذا العمل۔

(ترجمہ) ”چاروں مذاہب کے علماء میلاد کی مذمت پر متفق ہیں۔“

**نماز کے بعد مصافحہ کا حکم** | سوال:- بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ نماز باجماعت پڑھنے کے بعد ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں اور اس کو سنت کا درجہ دیتے ہیں، کیا شرعاً اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب:- سنون طریقہ یہ ہے کہ دو مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ پہلی بار میں دلاقات کریں تو مصافحہ کریں، حدیث شریف میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ما من مسلمین يلتقيان فيتصافحان الا غفر لهما قبل ان يتفرقا۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۷) مگر نماز کے بعد مصافحہ کرنا کسی صحیح حدیث یا سلف صالحین کے اقوال میں مذکور نہیں، اس لیے اس کو سنت سمجھ کر کرنا خلاف شرع اور بدعت ہے۔

لما قال العلامة ملا علی قاری: فان محل المصافحة المشروعة اقل الملاقاة وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام ومذكرة العلم وغيره مدة مديدة ثم اذا صلوا يتصافحون فاین هذا من السنة المشروعة ولهذا صرح بعض علمائنا بانها مكروهة جندیٰ وانها من البدع المذمومة۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۵۷۵)

**محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم** | سوال :- بعض لوگ محرم الحرام میں شادی بیاہ کرنے کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اس ماہ کو غم اور مصائب کا

مہینہ کہتے ہیں، تو کیا محرم الحرام میں شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** محرم الحرام بھی سال کے دوسرے مہینوں کی طرح ایک مہینہ ہے جس طرح سال کے دوسرے مہینوں میں شادی بیاہ کرنا جائز ہے اسی طرح محرم میں بھی جائز ہے، کسی بھی دلیل شرعی سے حرمت و ممانعت ثابت نہیں۔ روافض اور شیعوں نے اس قبیح اور بے بنیاد مسئلہ کو لوگوں میں رائج کر رکھا ہے مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اس بدعت کو ترک کر دیں۔

**مسجد میں ذکر بالجہر کا حکم** | سوال :- ایک صاحب جو اپنے آپ کو چشتیہ خاندان کے بزرگوں سے منسوب کرتے ہیں وہ عشاء کی نماز کے

بعد مسجد ہی میں حلقہ باندھ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ذکر بالجہر بھی کرتے ہیں اور بلند آواز سے کچھ اشعار بھی مجمع میں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں جن سے ان کے رفقاء پر شدید وجد طاری ہو کر گر پڑتے ہیں اور غشی کی سی حالت ان پر طاری ہو جاتی ہے، اس حالت میں وہ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں بھی مارتے ہیں اور چیخ و پکار کرتے اور مسجد میں اٹے سیدھے ہوتے رہتے ہیں۔ جب انہیں اس قسم کی حرکات سے منع کیا جاتا ہے تو نہیں رکتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہیں، شرعاً اس کوئی ممانعت نہیں ہے، اس بارے میں جب انہیں علمائے شریعت سے فیصلہ کرانے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں علمائے شریعت ظاہرہ سے فیصلہ کرانے کی بجائے باطنی علماء سے فیصلہ کرانا چاہتا ہوں۔ تو کیا اس شخص کی مندرجہ بالا حرکات اور طرز عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب سے مطلع فرمائیں۔

**الجواب :-** مسجد میں ذکر بالجہر کے بارے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، ایک جماعت کے نزدیک حرام ہے، دوسری ایک جماعت ہے جو اسے جائز قرار دیتی ہے دونوں کے لیے کتاب و سنت سے دلائل پیش کرنے کی گنجائش بھی ہے اور دلائل پیش کیے بھی گئے ہیں۔ فقہاء کی ایک تیسری جماعت ہے جس نے پہلے دو قولوں کے درمیان تطبیق کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کا خیال یہ ہے کہ ذکر بالجہر اگر نمازی آدمی یا سوئے ہوئے آدمی یا قاری کے لیے



موجب اذیت نہ ہو، اس طرح اس میں ریا کاری کا بھی خوف نہ ہو تو جائز ہے ورنہ حرام ہے۔ علامہ حصکفی رفع الصوت بالذکر کو محرمات میں شمار کرتے ہوئے کہتے ہیں: ویحرم رفع الصوت بالذکر فی المسجد ۱ھ۔ بزازیہ میں ہے: الجہر بالذکر حرام۔ (۱ھ جموی) لیکن شامی نقل کرتے ہیں: اضطرب کلام البزازیۃ فی ذلك فتاوة قال انه حرام وتارة قال انه جائز ۱ھ فتاویٰ خیر یہ سے بھی شامی نے بواز نقل کیا ہے۔ اخیر میں جموی سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: وفي حاشیة الحموی عن الامام الشعرائی اجمع العلماء سلفاء و خلفاء علی استیجاب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرها۔ الا ان یشوش جہرہم علی نائم او مصلی او قاری الخ یہی تطبیق فتاویٰ خیر یہ میں بھی کی گئی ہے، چنانچہ علامہ خیر الدین الرملی لکھتے ہیں: ولا یعارض ذلك حدیث خیر الذکر الخفی لانه حدیث خیف الریاء او تاذی المصلین او النیام فان خلا عن ذلك فقال البعض الجہر افضل۔ ۱ھ۔

**حاصل التطبيق** فقہاء کی عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ ممانعت اور قول بالجواز دونوں میں مخالفت نہیں ہے، ممانعت اس وقت ہوگی جب صرف اس سے کسی قسم کی اذیت پہنچنے کا خطرہ ہو، اور جب اس خطرے سے جہر بالذکر خالی ہو تو جائز ہوگا، یہ ہے حاصل تطبیق۔ لیکن ہمارے نزدیک چند وجوہ کی بناء پر یہ تطبیق قابل قبول نہیں ہے۔

(۱) اول یہ کہ یہ تطبیق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے اس فتوے کے صریح طور پر مخالف ہے جو آپ نے ایک ایسی جماعت کے بارے میں دیا تھا جو خاص وقت میں ہیئت مخصوصہ کے ساتھ ذکر بالجہر میں مشغول تھی، یہ واقعہ فقہ اور حدیث دونوں کی کتابوں میں مذکور ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں :-

عن ابن مسعود انه سمع قوماً اجتمعوا فی مسجد یہللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جہراً فراح الیہم وقال ما عهدوا ذلك علی عهدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وما اراکم الامبتدعین فما ذال ینذکر ذلك حتی اخرجہم من المسجد۔ ۱ھ (جموی۔ بزازیہ، بحر شامی)

اس واقعہ میں قوم کے جس عمل پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے بدعت کا فتویٰ دے کر ممنوع قرار دیا تھا وہ ان کا یہ ہیئت اجتماعی خاص مسجد میں جہر سے ذکر

سونا اور روپڑھنا تھا، اور اس کو اس بنا پر ممنوع نہیں کہا تھا کہ وہاں کسی ناٹم (سوتے والے) یا نمازی یا تلاوت کرنے والے آدمی کو اذیت پہنچنے کا خطرہ تھا یا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ان کے دلوں کی صفتِ ریاء کا علم ہو گیا تھا بلکہ ممانعت کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس طرح ذکر کرنا معہود نہ تھا، تو بدعت فی الدین ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اسی بنا پر فرما دیا گیا کہ ما اداکم الا مبتدعین۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس فتوے سے قائلین حرمت الجہر بالذکر نے حرمت پر استدلال کیا ہے چنانچہ انہوں نے پہلے بصورتِ دعویٰ یہ ذکر کیا ہے: فی فتاویٰ قاضیخان الجہر بالذکر حرام۔ اھ۔ اس کے بعد دلیل کے طور پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ انہوں نے ذکر کیا ہے جس سے صاف واضح ہے کہ مسجد میں ذکر بالجہر جن فقہاء کے نزدیک حرام ہے وہ خطرہ اذیت کی بنا پر نہیں بلکہ ابتداء اور احداث فی الدین کی وجہ سے حرام ہے۔ تو خطرہ اذیت ان کے قول بالحرمت کے لیے محل بنانا جیسا کہ مذکورہ تطبیق میں اختیار کیا گیا ہے توجیہ الکلام بما لا یرضی بہ قائلہ اگر نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

**تطبیق کے قابل قبول نہ ہونے کی دوسری وجہ** | (۲) دوم یہ کہ کتاب و سنت تاویلات نہ کی جائیں، ممانعت جہر ظاہر ہے مطلقاً ادعوا ربکم تضرعاً و خفیةً اِنَّہُ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِلِینَ ہ سے ظاہراً یہ مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے کہ اخفاء ضروری اور جہر حد اعتدال میں داخل ہے۔ البتہ دیگر نصوص کے پیش نظر جہاں جہر کی اجازت خود شارع علیہ السلام سے ثابت ہو وہاں جہر جائز ہوگا۔ اور جہاں جہر کی اجازت کا ثبوت نہ ملے وہاں اس آیت کریمہ کے عموم سے ممانعت ہی کا حکم دیا جائے گا نہ کہ جواز کا۔ اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: اربعوا علی انفسکم انکم کلات عون اصم ولا غائب۔ (الحدیث) اس سے بھی ظاہراً یہ سمجھا جاتا ہے کہ شارع علیہ السلام کے نزدیک اخفاء محبوب ہے نہ کہ جہر بلکہ یہ مکروہ ہے۔

**الحاصل** | دلائل سے جو کچھ ظاہراً ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جہر سوائے ان مواضع کے جہاں خود شارع علیہ السلام سے اس کی اجازت منقول ہو مثلاً اذان تکبیرات تشریح یا تلبیۃ فی الحج وغیرہ۔ مگر وہ ہوگا مطلقاً، اور اخفاء مندوب ہوگا مطلقاً۔



اس میں اذیت وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے، یعنی ممانعت اذیت کی صورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

**ترجیح یا صحیح تطبیق** | فقہاء کرام کی مذکورہ تطبیق جب مندرجہ بالا دو وجوہ کی بنا پر صحیح ثابت نہ ہوئی تو اس کے بعد دو صورتیں رہ جاتی ہیں: اول یہ کہ

ہم فقہاء کرام کے دو قولوں کے درمیان کسی صحیح طریقہ سے تطبیق دیں یا ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دیں۔ پہلی صورت اگر ہم اختیار کریں گے تو صحیح طریقہ سے تطبیق یوں ہوگی کہ جہر لہذا کہ اس وقت جائز ہوگا جبکہ اس میں نہ تو اذیت الی الغیر پائی جائے اور نہ اس میں بدعت کا شائبہ تک موجود ہو، مجمل قول بالجواز کے لیے یہ ہی ہے، اور جب بھی اس میں اذیت الی الغیر پائی جائے یا وہ بدعت کی صورت اختیار کرے تو ممنوع اور ناجائز قرار پائے گا۔ پہلی صورت میں اس لیے کہ اس میں ضرر پایا گیا ہے جو شرعاً کلاً ضرر فی اکلاً سلام کی وجہ سے ممنوع اور ناجائز ہے۔ اور دوسری صورت میں ممانعت اس بنا پر ہوگی کہ وہ بدعت میں داخل ہو گیا ہو کہ مردود فعل ہے، اور یہی مجمل ہے فقہاء کرام کے اس قول کے لیے کہ الجہر بالذکر حرام۔

**ترجیح** | لیکن اگر ہم ترجیح کا مسلک اختیار کریں گے تو پھر اصول ترجیح کے پیش نظر قول بالحرمت کو قول بالجواز پر ترجیح ہوگی۔ اس کے لیے ہم دو وجوہ پیش کریں گے۔

اول یہ کہ فقہاء ہی نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ کسی مسئلہ میں جب دو روایتیں ائمہ مذہب سے مروی ہوں جو آپس میں مختلف ہوں تو ان میں ترجیح اس روایت کو ہوگی جس کو علامہ قاضی خان رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہو، کیونکہ وہ اہل الترجیح میں سے ہیں۔ اس کی تشریح علامہ شامی نے رد المحتار ج ۴ ص ۴۰۰ میں "بیع الوقف" کی بحث میں کی ہے، اس مسئلہ میں بھی جیسا کہ حموی اور بنیازیہ نے تشریح کی ہے۔ چونکہ علامہ قاضی خان حرمت جہر کا قائل ہے اس بنا پر حرمت ہی کو جواز پر ترجیح دینی پڑے گی۔

دوم یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ما اجتمع الحلال والحرام الا وقد غلب الحرام علی الحلال۔ فقہاء کرام نے اس ارشاد سے ترجیح کے لیے یہ اصول مستنبط کیا ہے کہ جب بھی محرم اور مباح میں تعارض واقع ہو تو ترجیح محرم کو ہوگی نہ کہ مباح کو۔ اس بنا پر یہاں بھی حرمت و اباحت میں چونکہ فقہاء کے اقوال متعارض ہیں اس لیے قائلہ مذکورہ



کی رو سے حرمت کو اباحت پر ترجیح دینی پڑے گی۔

بہر حال تحقیق مذکورہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ذکر بالجہر اگر ذریعہ اذیت الی الغیر ہو یا وہ کسی ایسے طریقہ سے ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو جس کی وجہ سے وہ بدعت کی حد میں داخل ہو جاتا ہو تو ممنوع اور ناجائز ہو گا۔ چونکہ واقعہ مسؤل عنہا میں مجھے ذکر بالجہر غیر ثابت شدہ طریقہ سے ہے اس لیے لامحالہ بدعت کی حد میں داخل ہو کر ممنوع ہو گا۔ اس عمل کی حالت اُس قوم کے عمل کی حالت سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے جس پر ابن مسعود نے بتدیین کا حکم لگایا تھا، اس بنا پر یہ بھی اس کی طرح بدعت ہو کر ممنوع قرار پائے گا۔

وقت اور ہیئت کی تخصیص | سنن نبویہ اور علمائے شریعت کی تصریحات سے یہ چیز پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ جس عبادت کو شریعت

نے مطلق رکھا ہو اُس کے لیے اپنی طرف سے مخصوص وقت یا کسی خاص ہیئت اور کیفیت کو اگر معین کر لیا جائے تو اس کی وجہ سے وہ عبادت بدعت ہو جاتی ہے۔ امام شاطبی لکھتے ہیں:-

ومنها التزام کیفیات والھیئات المعینۃ كالذکر بهیئۃ الاجتماع علی صوت واحد..... ومنها التزام العبادات المعینۃ فی اوقات معینۃ لم یوجد لها ذلک التعمین فی الشریعۃ اه (اعتصام ج ۱ ص ۳۲)

(ترجمہ) اور انہی بدعات میں سے کیفیات مخصوصہ اور ہیئات معینہ کا التزام ہے جیسا کہ ہیئت اجتماعی سے ایک آواز پر ذکر کرنا، اسی طرح خاص اوقات کے اندر ایسی عبادات معینہ کا التزام بھی بدعات میں سے ہے جن کے لیے شریعت مطہرہ نے وہ اوقات مقرر نہیں کیے ہیں۔ صاحب "مجالس الابرار" ایک خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ مسجد میں اجتماعی طور پر ذکر کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود کی سابقہ روایت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

وهكذا يقال لكل من اتى فی العبادات البدنیۃ المعینۃ بصفة لم تکن فی زمن الصحابة - اه (مجالس الابرار ص ۱۳۳)

(ترجمہ) ایسا ہی اُس شخص کے متعلق کہا جائے گا کہ وہ بدعتی ہے، جو خالص بدنی عبادات میں کوئی صفت اور ہیئت ایسی پیدا کرے جو صحابہ کرامؓ کے زمانے میں نہ تھی۔ حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ کہتے ہیں:-

ان ہذہ الخصوصیات بالوقت اوبالحال والہیئۃ والفعال المنصوص یحتاج  
الی دلیل خاص یقتضی استجابہ بخصوصہ وھذا اقرب ۱۰

(ترجمہ) ”وقت اور حال یا ہیئت کے ساتھ یہ خصوصیات اور فعل مخصوص‘ دونوں خاص دلیل کے  
محتاج ہیں جو علی الخصوص ان کے استجاب پر دلالت کرے اور یہی اقرب الی الصواب ہے۔“  
یہ بھی علمائے اصول مسلمہ کے طور پر مان لیا ہے کہ مطلق عبادت کے مشروع اور مرغوب  
ہونے سے یہ لازم نہیں کہ قیودات اور تخصیصات کے ساتھ وہ عبادت مفید اور مخصوص ہو کر بھی  
مشروع اور مرغوب ہوگی، بلکہ بسا اوقات تقیدات اور تخصیصات سے وہ بدعت اور قابل نفرت  
قرار پا جاتی ہے۔ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

فاذا ندب الشرع مثلاً الی ذکر اللہ فاللتزم قوم الاجتماع علی لسان واحد و  
لصوت واحد اوفی وقت معلوم مخصوص عن سائر الاوقات لم یکن فی ندب الشرع  
ما یدل علی ہذا التخصیص الملتزم بل فیہ ما یدل علی خلافہ ۱۱ (اعتقاد ج ۱ ص ۳۳۵)  
(ترجمہ) ”شریعت نے جب کسی چیز کی ترغیب دے دی مثلاً ذکر اللہ، پس ایک قوم نے  
اجتماع کا التزام کر کے ایک آواز سے ایک زبان ہو کر ذکر کرنا شروع کر دیا، یا تمام اوقات  
میں سے کسی معین اور مخصوص وقت کو منتخب کر کے اس میں ذکر کرنے کا التزام کر دیا تو شریعت  
کی یہ مطلق ترغیب، تخصیص اور التزام کی دلیل نہیں بن سکتی بلکہ اسکے خلاف پر وہ دلیل بن جائے گی۔“  
اس مسلمہ اصول کے پیش نظر جب ہم واقعہ مشول عنہا پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے  
کہ اس میں اپنی طرف سے بہت سی تخصیصات ایجاد کر کے ملائی گئی ہیں۔ ایک وقت کی تخصیص  
دوسری ہیئت اور تیسری کیفیت کی تخصیص۔ ان تمام تخصیصات کی وجہ سے یہ اجتماع اور ذکر علماء  
کے پیش کردہ قانون کے بموجب دونوں بدعت قرار پائیں گے۔

(۴) مسجد میں اُلٹے سیدھے ہو کر چیخ و پکار کرنا | صحیح احادیث نبویہ میں مساجد کے  
جو احکام اور آداب بیان ہوئے

ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مساجد میں چیخنے چلانے سے گلی پر ہیر اور مکمل اجتناب کیا جانا  
ضروری ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ایاکم وہیئات الاسواق  
فی المساجد۔ اوکما قال علیہ السلام (ترجمہ) ”مسجدوں میں شور وغل اور چیخ و پکار سے جو  
عام طور پر بازاروں میں ہو رہا ہے پرہیز کرتے رہنا۔“



احادیث میں قرب قیامت کے جو علامات بیان ہوئی ہیں اور بلائے عام کے نزول کے جو اسباب متعین کیے گئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مسجدوں میں بلند آواز سے چیخ و پکار شروع ہو جائے گی، وارتفاع الاصوات فی المساجد۔ (الحديث) ان ارشادات نبویہ سے صراحتاً معلوم ہوا کہ مسجدوں میں چیخ و پکار کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ سوال مذکور میں اس کی تصریح موجود ہے کہ واقعہ مسئول عنہا میں یہ لوگ مسجد میں وجد کی حالت میں چیخ و پکار کرتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہے۔

(۵) **وجد یا تواجد** | یہ بھی اس واقعہ میں ذکر ہے کہ وہ لوگ اس مجلس میں اشعار وغیرہ پڑھنے اور سنتے سے وجد یا تواجد میں آکر مسجد میں اُلٹے سیدھے

بھی ہوتے رہتے ہیں۔ وجد یا تواجد کا مسئلہ صوفیاء اور مشائخ کے مابین بھی اختلافی ہے، اور فقہاء اور علمائے شریعت کے درمیان بھی سخت اختلافی ہے۔ محققین صوفیاء اور فقہاء دونوں نے اس بارے میں جو اپنا فیصلہ پیش کیا ہے اور جس کو شامی وغیرہ فقہاء نے نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس سالک کی انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی زندگی اتباع سنت کا مکمل نمونہ ہو اور اس پر خوف و خشیت خداوندی غالب ہو اور جلال خداوندی کے آثار نمایاں ہوں، اس سے اگر ذکر کرنے کی حالت میں وجد یا تواجد کی حرکات سرزد ہوں تو اس کی عام زندگی کی حالت کے پیش نظر ایسی حرکات غیر اختیاری سمجھ کر قابل ملامت اور لائق سرزنش قرار نہیں دی جائیں گی، لیکن اگر وہ اپنی عام زندگی میں سنت نبویہ کا پابند نہیں ہے اور اس کے عام اعمال بھی شریعت مطہرہ کے خلاف ہیں تو ایسی حرکات کو اختیاری اور ایک قسم کا تصنع و بناوٹ قرار دے کر ان سے اس کو منع کر دیا جائے گا اور ایسی حرکات کو قابل ملامت اور لائق سرزنش قرار دیا جائے گا۔ فی زمانہ چونکہ خلاف شرع حرکات اور بدعات ترقی پذیر ہیں اور سنت نبویہ کا اتباع حد سے حد درجہ کم ہے، خصوصاً عصر حاضر کے صوفیوں میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی لہجہ کردہ سنتوں (بدعات) کے تو بڑی شدت سے پابند ہوتے ہیں لیکن اگر ان میں سے کسی سنت کی پابندی نہیں تو صرف سنت نبویہ کی نہیں، گویا ان سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت کے دعاوی بلند بانگ ہوتے ہیں، اس بنا پر ایسے لوگوں کے حق میں ہماری رائے یہ ہے کہ ان کو اس قسم کی حرکات سے ضرور منع کر دیا جائے۔

**اصل الجواب** | (۱) مذکورہ بالا پانچ امور کے پیش اس اجتماع کے متعلق جو ان



خلافِ شرع امور پر مشتمل ہے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ یہ ایک بدعت اور ناجائز فعل ہے، اس میں شمولیت اعانت علی البدعہ اور توقیر مبتدع ہے جو شرعاً مذموم اور ممنوع ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ومن وقد صاحب بدعة اعان علی هدم الاسلام (المحدث) مسلمانوں کو چاہیے کہ اس سے پرہیز کریں اور علماء کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو حکمت کے طریقہ سے سمجھائیں۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمتہ (الآیۃ) جھگڑوں اور فسادات سے مجتنب رہیں۔ نیز اس شخص کا یہ کہنا کہ یہ تمام امور جائز ہیں سخت غلط ہے اور سابقہ دلائل سے اس کی غلطی واضح ہو چکی ہے۔

(۲) شرعی فیصلہ کے مطالبہ کے جواب میں جو وہ یہ کہتے ہیں کہ شریعت ظاہری کے علماء پر فیصلہ نہیں کرتا ہوں باطنی علماء شریعت پر فیصلہ کرتا ہوں، اگر تو اس کا یہ جواب اس خیال پر مبنی ہو کہ علماء چونکہ ظاہری شریعت پر فیصلہ کریں گے اور ظاہری شریعت کو یہ مقام حاصل نہیں ہے کہ اس پر فیصلہ کیا جائے تو یہ انکارِ شریعت ہے اور انکارِ شریعت صریح کفر ہے اور اگر وہ شریعت ظاہری کو فیصلہ کن قانون کی حیثیت سے تو مانتا ہے مگر فیصلہ ماننے سے گریز کرتا ہے تو یہ منافقوں کی روش ہے، قرآن کریم اس کو منافقوں کی نشانی قرار دیتا ہے: واذ اقبل لهم تعالوا ائی ما انزل اللہ والی الرسول ذایت المنافقین یصدون عنک صدوداً - (الآیۃ) اور اگر وہ یہ گریز اس خیال سے کر رہا ہے کہ علماء شریعت فیصلہ حق کے مطابق تمہیں کریں گے تو یہ وہ بے جا سوچن ہے جس سے قرآن عزیز اجتناب کا حکم دیتا ہے: یا ایہا الذین امنوا اجتنبوا کثیراً من النظر ان بعض النظر اثم۔ (الآیۃ) فقط واللہ اعلم

**سوال:** محترم مفتی صاحب! چہ می فرماید خواتین کا زیارتِ قبور کے لیے جانا علماء دین دریں مسئلہ کہ رفتن مستورات براۓ زیارتِ قبور جائز است یا ممنوع است؟ اس مسئلہ کی مکمل تشریح بمعہ حوالہ جات درکار ہے؟

**الجواب:** عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کا حکم مذہبِ مفتی بہ کے مطابق عدمِ جواز کا ہے۔ دراصل اس مسئلہ میں دو حدیثیں ہمارے سامنے ہیں، ایک وہ روایت ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات

القبور۔ (الحديث) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہیں۔ دوسری حدیث وہ ہے جو سنن ابوداؤد وغیرہ کتب حدیث میں مذکور ہے جس سے عام رخصت ثابت ہوتی ہے، اور وہ حدیث یہ ہے: کنت نہیت عن زیارة القبور الا فزوروا لانها تذکرة الاخرة۔ (الحديث)۔ مجوزین حضرات فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عباسؓ سے جو لعن ثابت ہوتا ہے وہ اس وقت کا حکم ہے جبکہ زیارت القبور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں فرمائی تھی اور جب یہی منسوخ ہو گئی تو خواتین کو رخصت مل گئی، جیسی کہ مردوں کو حاصل تھی۔ اور مانعین حضرات فرماتے ہیں کہ خواتین کے حق میں نہیں اب تک باقی ہے بوجہ ان سے قلت صبر اور کثرت جزع کے، اور یہی وجہ ہے کہ خاص کر حدیث میں ان کا ذکر ہوا۔ چنانچہ فتح ابوداؤد عاشریہ ابوداؤد میں ہے: قيل كان ذلك حين النهي ثم اذن لهن حين نسيهن النهي وقيل لبقين تحت النهي لقلته صبرهن وكثرة جزعهن وهو الاقرب الى تخصيصهن بالذكر۔ اور ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں: فی الشرح السنۃ قيل هذا قبل الترخيص فلما رخص دخل فی الترخيص الرجال والنساء وقيل بل نهى النساء باق لقلته صبرهن وكثرة جزعهن۔ لیکن ظاہر حدیث کا مؤید اسی قول کا ہے کہ یہی ان کے حق میں باقی ہے۔ مگر اس عموم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت جمہور علماء کے نزدیک مستثنیٰ ہے یعنی آنحضرت کی قبر کی زیارت سب کو جائز ہے، خواہ مرد ہو خواہ عورت۔ حضرت مولانا شاہ اسحاق رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ عورتوں کو زیارت قبور ساتھ قول صحیح ترکے مکروہ تحریمی ہے، چنانچہ کتاب ”مستملی“ میں لکھا ہے کہ: ”مستحب ہے زیارت القبور مردوں کو اور مکروہ ہے عورتوں کو اور کتاب مجالس واعظیہ سے: ”مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ میں نقل کیا گیا ہے کہ عورتوں کو حلال نہیں کہ نکلیں طرف مقابر کے، کیونکہ روایت کی گئی ہے ابوہریرہ سے: انه عليه الصلوة والسلام لعن زوارات القبور۔ اور ”نصاب الاحتساب“ میں آیا ہے کہ قاضی عیاضؒ سے پوچھا گیا نکلنے عورتوں کے طرف مقابر کے اور اس کی خرابی و قباحت کے متعلق، پس کہا انہوں نے کہ اے سائل مت پوچھ اس کے جواز و فساد سے بلکہ اس گناہ کی مقدار سے پوچھ جو اس کو لاحق ہوتی ہے لعنت سے اور سمجھ لے کہ جب عورت ارادہ کرتی ہے نکلنے کا طرف مقابر کے تو ہوتی ہے بیچ لعنت کے اللہ تعالیٰ اور



ملائکہ کے اور ہر طرف اس کے شیاطین لگ جاتے ہیں اور جب آتی ہے قبر پر لعنت کرتی ہے اس پر روح میت کی، اور جب پھرتی ہوتی ہے بیچ لعنت اللہ تعالیٰ کے یہاں تک کہ واپس پہنچ جاتی ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ جو عورت گھر میں بیٹھے مردوں کے حق میں دعا کرتی ہے تو اسے حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ حضرت سلمانؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد سے نکلے اور اگر گھر کے دروازے پر کھڑے ہوئے اتنے میں سید فاطمہ الزہراءؓ تشریف لے آئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی! کہاں سے آرہی ہو؟ عرض کیا فلاں عورت فوت ہو گئی تھی اُن کے گھر گئی تھی، فرمایا حضورؐ نے کیا اس کی قبر پر بھی گئی تھی؟ حضرت فاطمہ الزہراءؓ نے کہا کہ معاذ اللہ! جبکہ ایک چیز کی ممانعت میں نے آپ سے سُنی پھر وہ کام کیسے کر سکتی ہوں؟ پس حضور اکرمؐ نے فرمایا اگر تو اس کی قبر پر جاتی تو نہ پاتی خوشبو جنت کی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ مالا بدمنہ میں لکھتے ہیں کہ زیارت قبور مردوں کو جائز ہے نہ عورتوں کو۔ انتہی

علماء کی ان تحقیقات اور روایات مشتمل بروعیادت کے پیش نظر آجکل کے پرفتن دور میں جہاں ہر طرف سے مستورات کی عصمت دری کے لیے شیطانی دروازے کھلے ہیں، اس بنا پر فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کے لیے زیارت قبور کے واسطے جانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔  
ہذا ما عندی واللہ اعلم۔

**ایصالِ ثواب اور تخصیصِ ایام کے بارے میں چند سوالات** | سوال :- جناب مفتی صاحب!

میں مندرجہ ذیل سوالات کا جواب شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں عنایت فرمائیں، مہربانی ہوگی:

(۱) میت اور زندہ کے لیے قرآن شریف ختم کرنے میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اور اس میں کھانے وغیرہ پکھانے کو ضروری سمجھنے کا کیا حکم ہے؟

(۲) صدقہ اور نذر پر ختم قرآن شریف کر کے لوگوں کو کھلانے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز بعض علماء نے قرآن پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے اور اس کو وہ اجرت کے مسئلہ پر محمول کرتے ہیں، اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(۳) بارہ وفات ۱۲ ذی الحجہ (اول) کے دن اکثر لوگ ایک جگہ جمع ہو کر تسلیغ وغیرہ کرتے ہیں اور



اکثر لوگ ان دنوں میں صدقہ و خیرات کو ضروری اور بہتر سمجھ کر خاص کر بارہویں تاریخ کو نکال دیتے ہیں اور جہاں تبلیغ وغیرہ ہوسکتی ہوتی ہے اس میں بڑے بڑے علماء اور خواص و عام، غنی اور فقیر سب موجود ہوتے ہیں ان میں صدقہ و خیرات کی وہ چیزیں تقسیم کر دیتے ہیں شریعت مطہرہ میں ان افعال کی کیا حیثیت ہے؟

(۲) ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ میں جو پوری روزہ اور خیرات وغیرہ کرنے کا لوگ خصوصی استہام کرتے ہیں اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:-** مذکورہ بالا سوالات کے جوابات ترتیب وار حاضر ہیں۔

(۲۰۱) میت اور زندہ کے لیے قرآن مجید کا ختم کرنے میں فرق ضرور ہے اور اس پر اجرت لینے میں بھی تفصیل ہے، چاہے فقہی کی صورت میں ہو یا کھانا وغیرہ کھانے کی صورت میں ہو کتب فقہ کی تصریحات سے واضح ہے، فقہاء کرام نے صاف لکھا ہے کہ قرآن مجید پڑھانے اور تعلیم کی اجرت جائز ہے۔ قدماء حنفیہ منع کرتے تھے مگر متاخرین نے جواز کا فتویٰ دیا ہے بسبب اندیشہ تلف علم کے، علوم دین اور قرآن کی تعلیم پر اجرت لینا اہل حدیث سے نکلتا ہے، اس میں تو بحث کی کوئی ضرورت نہیں، جبکہ میت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن مجید پڑھنے پر اجرت لینا حرام ہے، کیونکہ یہ اجرت علی الطاعت ہے، تعلیم کی اجرت تو ضرورہ جائز کی گئی ہے، ایصالِ ثواب میں نہ ضرورت ہے نہ کوئی حرج دین و دنیا کا مقصود ہے لہذا قرآن پڑھ کر ثواب پہنچانے کی اجرت کسی کے نزدیک بھی حلال نہیں، اگر سانپ یا بچھو کے کاٹے پر پڑھ کر یا کسی دوسرے مریض پر پھونکا جائے، جس کو رقیہ کہتے ہیں تو یہ علاج ہے نہ کہ عبادت اور ایصالِ ثواب طاعت ہے مزید تفصیل شامی وغیرہ سے معلوم ہوسکتی ہے، نیز فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ رمضان شریف میں جو قرآن شریف تراویح اور نوافل میں سنایا جاتا ہے اس کی اجرت یعنی دینی دونوں حرام ہیں۔ اور فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت گنگوہیؒ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر حافظ کے دل میں لینے کا خیال نہ تھا اور پھر کسی کچھ دیا تو درست ہے اور جو حسب رواج و عرف دیتے ہیں، حافظ بھی لینے کے خیال سے پڑھتا ہے اگرچہ بان سے کچھ نہیں کہتا تو درست نہیں۔

(۳) اس میں شک و شبہ کی ادنیٰ بھی گنجائش نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت اور عقیدت عین ایمان ہے اور آپ کی ولادت باسعادت سے لے کر وفات تک زندگی

کے ہر شعبے کے صحیح حالات اور واقعات اور آپ کے اقوال و افعال کو پیش کرنا باعثِ نزول رحمتِ خداوندی ہے، اور ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ آپ کی حیاتِ طیبہ کے حالات و واقعات معلوم کرے اور ان کو مشعلِ راہ بنا لے۔ سال کے ہر مہینہ میں اور مہینہ کے ہر ہفتے میں اور ہفتے کے ہر دن میں اور دن کے ہر گھنٹہ اور ہر منٹ میں کوئی وقت ایسا نہیں کہ جس میں آپ کی زندگی کے حالات بیان کرنے اور سننے ممنوع ہوں، یہ بات محلِ نزاع نہیں ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا ذبیح الاول کی بارہویں تاریخ کو متعین کر کے اس میں میلاد منانا، محافل و مجالس منعقد کرنا، جلوس نکالنا یا اس دن کو مخصوص کر کے فقراء اور مساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ اور اہل خیر القرون سے ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو کسی کو اس میں پس و پیش کرنے کا ہرگز حق حاصل نہیں۔ کیونکہ جو کچھ انہوں نے فعلاً یا قولاً کیا وہی دین ہے اور اس کی مخالفت بے دینی ہے۔ تیس سال آپ بعد از نبوت قوم میں زندہ رہے، اور پھر تیس سال خلافت راشدہ کے گزرے ہیں، اور پھر اسی سال تک صحابہ کرامؓ کا دور رہا ہے، کم و بیش دو سو بیس برس تک اتباع تابعین کا دور اور زمانہ تھا، عشق رسولؐ ان میں کامل تھا، محبت ان میں زیادہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اور تعظیم ان سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے؟ اگر کوئی ہمت کر کے ان سے مذکورہ بالا افعال کا کرنا ثابت کر دے تو چشمِ مارو شن دلِ ماشاد کسی مسلمان کو اس سے سرِ مو اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی خیر القرون سے اس کا ثبوت پیش نہ کر سکے اور تاقیامت نہ کر سکے گا۔ تو سوال یہ ہے کہ باوجود محرک اور سبب کے یہ مبارک اور کارِ ثواب عمل اس وقت کیوں نہ ہوا اور آج یہ کیسے مبارک اور کارِ ثواب ہوا؟ وہ تمام فوائد و برکات اور منافع اس وقت بھی تھے جن کو آج لوگ بیان کرتے ہیں۔

بمصطفیٰ رساں خویش را کہ ہمہ اوست اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست  
 محفل میلاد، مجلس میلاد اور چیز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس ذکر و ولادت باسعادت اور چیز ہے، اول بدعت ہے اور ثانی مستحب اور مندوب ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی تحریر فرماتے ہیں: "نفس ذکر و ولادت مندوب ہے اس میں کراہت قیود کے سبب سے آتی ہے" (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱)۔ حضرت گنگوہیؒ مزید لکھتے ہیں: "نفس ذکر و ولادت فخر و عمام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مندوب ہے مگر سبب انضمام ان قیود کے یہ محلیں ممنوع ہوگی" (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱)۔ اسی طرح علامہ ابن امیر الحاج مالکیؒ نے مدخل میں پوری صراحت اور وضاحت سے اس کی



تردید کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ومن جملة ما احدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذلك من اكبر العبادات و اظهار الشعائر ما يفعلونه في الشهر الربيع الاقل من المولد وقد احتوى ذلك على بدع ومحرمات الى ان قال وهذه المفاسد مرتبة على فعل المولد اذا عمل بالسمع فان خلا منه وعمل طعماً فقط ونوى به المولد ودعا اليه الاخوان وسلم من كل ما تقدم ذكره فهو بدعة بنفس نيته فقط، لان ذلك زيادة في الدين وليس من عمل السلف الماضيين واتباع السلف اولى.

اور امام جلال الدين سيوطي رحمہ اللہ "حسن المقصد في عمل المولد" میں لکھتے ہیں  
ليس فيه نص ولكن فيه قياس -

اسی طرح علامہ عبدالرحمن مغربی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: ان عمل المولد بدعة طريقل به ولم يفعله رسول الله صلعم والمخلقا والائمة -

یہ مختصر طور پر مروجہ میلاد کی حقیقت ہے جو آپ پر ظلم کر دی گئی۔

(۴) آخری چہار شنبہ (ماہِ صفر) کی پوری اور خیرات کرنے کا جو لوگ خاص خیال رکھتے ہیں اس کا بھی کچھ ثبوت نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "صفر کے آخری چہار شنبہ کو اکثر عوام خوشی و سرور اور اطعام الطعام کرتے ہیں، شرعاً اس باب میں کچھ ثبوت نہیں ہے، جہلاً و کی باتیں ہیں" (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ "امداد المفتین" میں لکھتے ہیں: "یہ بات بالکل بے اصل ہے اور غلط ہے بلکہ حدیث میں ماہِ صفر کا کوئی خاص اہتمام کرنے کی مخالفت وارد ہے: قال عليه السلام لا هامة ولا صفر (الحديث) مسلمان کا بڑا کام اور سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اور اتباع کرنے میں اس کو اچھی طرح علماء سے تحقیق کرنی چاہیے کہ یہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں، سنی سنائی باتوں سے اتباع کرنا گناہ ہے۔ (امداد المفتین ص ۱)

اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "فتاویٰ عزیز" میں لکھا ہے کہ: "اس کا کچھ ثبوت نہیں ہے اور یہ بدعت ہے"

فقط والله اعلم



**اپریل فول منانے کا حکم | سوال :-** جناب مفتی صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک !

کئی دنوں سے اپریل فول کے حوالے سے ایک سوال ذہن میں ابھر رہا ہے کہ ملک عزیز پاکستان میں ہر سال یکم اپریل کو لوگ بلاوجہ ایک دوسرے کے گھروں اور دوکانوں وغیرہ پر بھوٹی حادثاتی خبریں پہنچاتے ہیں جنہیں سُنکر بعض کمزور دل والوں کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے، اور بعض لوگوں کا مالی نقصان بھی ہوتا ہے، کئی لوگ بیمار بھی پڑ جاتے ہیں، اس فعل کو لوگ اپریل فول کہتے ہیں (یعنی لوگوں کو بلاوجہ مصیبت میں مبتلا کر کے خود خوش ہونا) اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعت میں اس مذموم فعل (اپریل فول) کی کیا حیثیت ہے؟ کیا اس کو بنیاد بنا کر لوگوں کا جانی و مالی نقصان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اسلامی نظام ایک ایسا نظام ہے جس میں دھوکا، فریب اور دوسرے لوگوں کا بلاوجہ نقصان کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے اور نہ اسلامی تعلیمات میں کسی کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کا اپریل فول وغیرہ جیسی فضول رسم کا سہارا لیکر جانی و مالی نقصان کر کے خوش ہوتا پھرے جبکہ اسلامی نظام نے تو ہر ایک (مسلم اور غیر مسلم ذمی) کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا درس دیا ہے اور کسی کو بلاوجہ دکھ اور تکلیف دینا حرام قرار دیا ہے، کا ضرر دلا ضرر فی الاسلام۔ (الحديث)

اسلام نے دوسروں سے جھوٹ بولنے کو بھی حرام قرار دیا ہے بلکہ جھوٹ کو منافق کی نشانیوں میں سے شمار کیا ہے۔ اية المتافق ثلاثة اذا حدث كذب اذا تمن خان واذا وعد اختلف (الحديث) اور غیر کے جان و مال کے تحفظ کے لیے واضح قانون جاری فرمایا: من قال لا اله الا الله عصم مني دماؤه وامواله الابحقة (الحديث)

خلاصہ یہ کہ لوگوں کے نفوس (جانوں) اور اموال کا جتنا تحفظ اسلامی قانون میں ہے دنیا کے کسی اور قانون میں نہیں۔ آج کل بلکہ زمانہ قدیم سے ہر سال یکم اپریل کو جو فول منایا جاتا ہے اس میں مذکورہ بالا تمام خرابیاں موجود ہیں جس کی وجہ سے شرعاً اس (فول) کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان خرابیوں کے علاوہ اپریل فول میں صنم پرستی کا توہم بھی موجود ہے اور یہودیوں کے ساتھ توہین رسالت میں مشابہت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمسخر جیسے قبیح امور بھی شامل ہیں۔ اس لیے کہ تاریخ میں اس فول کی وجہ تسمیہ کے بارے میں تین قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ فرانس میں سترہویں صدی عیسوی سے پہلے سال کا آغاز

یکم جنوری کے بجائے یکم اپریل سے ہوا کرتا تھا، اس چینیہ کو روحی لوگ اپنی دیوی وینس کی  
 کی طرف منسوب کر کے مقدس سمجھا کرتے تھے جس کا ترجمہ یونانی زبان میں APHRO DITE  
 کیا جاتا تھا اور شاید اسی یونانی نام سے مشتق کر کے چینیہ کا نام اپریل رکھ دیا گیا ہے۔

(برٹانیکا، پندرہواں ایڈیشن جلد ۸ ص ۲۹۲ بحوالہ ذکر و فکر ص ۶۷)

اس لحاظ سے صنم پرستی کا توہم اس (اپریل فول) میں پایا جاتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو  
 ان توہمات سے بھی دور رہنے کی اشد ضرورت ہے۔

بعض نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ۲۱ مارچ سے موسم میں تبدیلیاں آتی شروع ہو جاتی  
 ہیں، ان تبدیلیوں کو بعض لوگوں نے اس طرح تعبیر کیا کہ (معاذ اللہ) قدرت ہمارے ساتھ  
 مذاق کر کے ہمیں بیوقوف بنا رہی ہے، لہذا لوگوں نے بھی اس زمانے میں ایک دوسرے  
 کو بیوقوف بنانا شروع کر دیا۔ (برٹانیکا ج ۱ ص ۲۹۶ بحوالہ ذکر و فکر ص ۶۷)

تاریخ کے اس حوالہ سے (نعوذ باللہ) قدرت سے انتقام لینا مستفاد ہوتا ہے جو  
 صریح کفر ہے۔

ایک وجہ یہ بھی لکھی گئی ہے کہ یکم اپریل وہ تاریخ ہے جس میں یہودیوں اور رومیوں  
 کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسخر اور استہزا کا نشانہ بنایا گیا، موجودہ نام نہاد  
 اور محرف انجیلوں میں بھی اس واقعہ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، لوقا کی انجیل کے الفاظ  
 یہ ہیں کہ:-

”اور جو آدمی اُسے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) گرفتار کئے ہوئے تھے اس کو ٹھٹھے  
 میں اڑاتے اور ماتے تھے اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس کے منہ پر ٹھانچے مارتے تھے  
 اور اس سے یہ کہہ کر پوچھتے تھے کہ نبوت (الہام) سے بتا کہ کس نے تجھ کو مارا؟ اور طعنے مارا کہ  
 بہت سی اور باتیں اس کے خلاف کہیں“۔ (لوقا ۲۲: ۶۳-۶۵)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی اس شرمناک اور توہین رسالت پر مبنی واقعہ کی یاد میں  
 اپریل فول مناتے ہیں۔ اور بعض محققین کا کہنا ہے کہ اس دن سپین سے اسلامی خلافت کا مکمل طور  
 پر خاتمہ ہوا تھا جس کی خوشی میں عیسائی یہ دن مناتے ہیں اور اس دن ان کو مکمل آزادی ہوتی ہے۔  
 اس لیے مسلمانوں کو اس قسم کے یہود اور اسلامی تعلیمات کے مخالف تہوار نہیں منانا چاہئیں اگر کسی نے  
 اس قسم کا تہوار بنا کر دوسروں کو جانی یا مالی نقصان کیا تو وہ عند اللہ اور عند اناس مجرم ہے اور اسلامی حکومت  
 کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے شخص کو سخت سزا دے۔ (واللہ اعلم)



**بسنت کا تہوار منانا جائز نہیں** | سوال: جناب مفتی صاحب دارالعلوم حقانیہ بلک عزیز

موسم بہار کی آمد کے موقع پر ایک موسمی تہوار بسنت کے نام سے بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں، اس سال تو سرکاری سطح پر اس تہوار کو منانے کا انتظام ہو رہا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کے تہوار منانا شریعت مقدسہ کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ خوشی کا کوئی بھی تہوار جس میں کسی غیر شرعی قباحت کا ارتکاب نہ ہو رہا ہو اور نہ کسی غیر اسلامی مذہب کا جزم ہو تو صرف اظہار مسرت کی حد تک منانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں خود اسلام میں عیدین (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کو تہوار کے طور پر منانے کا حکم موجود ہے مگر جس تہوار کا کسی غیر اسلامی مذہب سے تعلق ہو مسلمانوں کو ان تہواروں سے من تشبہ بقوم فہو منہم (الحديث) کی بناء پر منع کیا گیا ہے۔ بسنت کا تہوار منانے میں دیگر خرمات کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ یہ علت بھی موجود ہے کہ ہندوؤں کا مذہبی تہوار ہے۔ مشہور محقق اور مسلم سائنسدان علامہ ابوریحان البیرونی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”کتاب الہند“ میں بسنت کے بارے میں لکھا ہے کہ: ”اسی مہینہ میں استوار یعنی ہوتا ہے جس کا نام بسنت ہے، اس کے حساب سے اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید عید کرتے ہیں اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں، دیوتاؤں کی نذر چڑھاتے ہیں۔“

(کتاب الہند باب ۷۶ ص ۳۶۷)

اس دن کو تہوار منانے کی حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کے سبزے کی دیوی کو کسی اغواء کیا تھا اور اغوا کار اس کو زیر زمین لے گیا تھا، اس دیوی کا عاشق اُسے تلاش کرتا رہا اور تین ماہ کی مسلسل کوشش کے بعد دیوی کو رہا کرنے میں کامیاب ہو گیا، دیوی کے رہا ہونے کے بعد دوبارہ ہریالی شروع ہو گئی، اس لیے ہندو اس کی رہائی اور ہریالی دوبارہ شروع ہونے کی خوشی میں اس دن کو بسنت کے نام سے مناتے ہیں۔

اس کے برعکس پاکستان کے اکثر شہروں خصوصاً لاہور میں اس دن (بسنت) کو زیادہ زور و شور کے ساتھ منانے میں ایک اور علت بھی شامل ہے جس کی وجہ سے بھارت میں بسنت کی کہانی ہر سکول میں پڑھاٹی جاتی ہے، وہ کہانی کچھ یوں ہے کہ مغل دور حکومت میں لاہور میں ”حقیقت رائے“ نامی ایک ہندو طالب علم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے



شانِ اقدس میں دشنام طرازی کی، قاضی وقت نے اس کو پھانسی کی سزا سنائی، چنانچہ لاہور ہی کے علاقہ گھوڑے شاہ میں واقع سکھ نیشنل کالج کی گراؤ میں "حقیقت رائے" کو پھانسی دیدی گئی۔ ہندوؤں نے اس کو ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت دے کر خوشی کے طور پر بسنت کے نام سے منانا شروع کر دیا کہ ان کے ایک نوجوان نے اپنے مذہب کے لیے اتنی قربانی دی کہ پھانسی کی سزا سے بچنے کے لیے اسلام قبول کرنے کی تجویز کو مسترد کرتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

لہذا ان حقائق اور واقعات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بسنت کو فیسے موسمی تہوار نہیں بلکہ یہ ہندوؤں کا مذہبی تہوار ہے، مسلمانوں کے لیے اس تہوار کو منانا اور اس میں شرکت کرنا جائز اور صحیح نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ حکومت اس تہوار کو سرکاری طور پر منانے کا جو ارادہ رکھتی ہے شرعاً صحیح نہیں کر رہی ایہ نہ صرف غیرتِ ایمانی کا تقاضا ہے بلکہ <sup>حکومت</sup> اسلامی کی ذمہ داری ہے کہ وہ بسنت سمیت دیگر تمام غیر اسلامی تہواروں پر فوراً پابندی لگا دے تاکہ اس سے غیر مسلموں کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔





وَاللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ  
 وَمِنْ مَنِّكَ الْبَرَّاءُ وَالْعَمَلُ بِرَحْمَتِكَ



## کتاب العلم (علم کے احکام و مسائل)

لاؤڈ سپیکر پر درس قرآن دینے کا حکم | سوال :- لائڈ سپیکر پر تلاوت قرآن، نعت خوانی یا قرآن مجید کا درس دینا بعض اوقات مخلوق خدا کی ایذا رسانی کا باعث بن جاتا ہے، کیا اس طرح لائڈ سپیکر کا استعمال شرعاً جائز ہے؟

**الجواب :-** قرآن مجید کا درس دینا، تلاوت کرنا اور نعت خوانی وغیرہ خواہ لائڈ سپیکر سے ہو یا اس کے بغیر، کارِ خیر اور موجبِ اجر و ثواب ہے تاہم اگر اس سے خلقِ خدا کو ایذا پہنچتی ہو اور قرآن کی بے حرمتی ہوتی ہو تو ایسا کرنا مکروہ اور گناہ کا سبب ہے۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: وعلى هذا الوقراء على السطح في الليل جهراً والناس ينامون یا ثم ای فالانتم على القاری۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳۱ فصل فی القراءۃ)۔  
قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کی حفاظت کا طریقہ | سوال :- قرآن کریم اور دیگر اسلامی کتابوں کے بوسیدہ اوراق کو جلانا جائز

ہے یا نہیں؟ اگر جلانا جائز نہیں تو ایسے اوراق کی حفاظت کا صحیح طریقہ کیا ہے؟  
**الجواب :-** قرآن کریم اور دیگر دینی کتابوں کا ادب و احترام بہر مسلمان کی دینی ذمہ داری ہے، چونکہ ان کے بوسیدہ اوراق جلانے میں سوء ادب ہے اس لیے قرآن کریم اور دیگر دینی کتب کے بوسیدہ اوراق کو کسی محفوظ مقام پر دفن کر دیا جائے یا پھر دریا برد کر دیا جائے تو بہتر ہے، جلانا شرعاً مناسب نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: المصحف اذا صار خلقاً وتعذر القراءة منه لا

لما قال العلامة ابن الہمام: وعلى هذا الوقراء على السطح في الليل جهراً والناس ينامون یا ثم۔ (فتح القدير ج ۱ ص ۲۹۸ کتاب الصلوٰۃ فصل فی صفة الصلوٰۃ) ومثله في البحر الرائق ج ۱ ص ۳۲۳ کتاب الصلوٰۃ۔ فصل فی صفة الصلوٰۃ۔

يعرق بالنار، اليه اشار محمد وبه ناخذ ولا يكره دفنه وينبغي ان تلف بخرقة طاهرة ويلحد له - (رد المحتار ج ۶ ص ۲۲۲ كتاب المحظر والاباحة - فصل في البيع) له

**کسب معاش کے لیے تدریس کو چھوڑنا | سوال :-** اگر کسی شخص کا گزارہ تدریس کی تنخواہ پر مشکل ہو تو کیا ایک عالم دین تدریس

کو چھوڑ کر دنیوی کاروبار شروع کر سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** تنخواہ پر گزارہ نہ ہونا ایک مبہم حقیقت ہے، ایسی صورت میں اپنی ضروریات پر نظر ثانی کر کے اخراجات کو محدود کرنا چاہیے اور غیر ضروری اخراجات سے اجتناب کرنا بہتر ہے تاکہ تدریس جیسی مقدس عبادت سے تعلق منقطع نہ ہو، تاہم اگر اہل و عیال کا نان و نفقہ تدریس کی تنخواہ سے پورا ہونا مشکل ہو اور جزوی اوقات میں متبادل ذرائع آمدن کا اختیار کرنا ممکن نہ ہو تو پھر نفقہ کی تلاش میں تدریس کو چھوڑ دینا ناجائز نہیں ہے اس لیے کہ تدریس فرض کفایہ ہے اور اہل و عیال کے نفقہ کا بندوبست کرنا فرض عین ہے۔

لما قال الله تعالى: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا تَفَرُّتُمْ كُلَّ  
فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم إذا  
رجعوا إليهم لعلمهم يحذرون (سورة التوبة آیت ۱۲۲) ۲

**لڑکیوں کے لیے عصری تعلیم کا حکم | سوال :-** عصر حاضر میں لڑکیوں کے لیے سکول، کالج میں تعلیم حاصل کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** مستورات کی تعلیم و تعلم کے بارے میں شریعت مقدسہ کی رائے مثبت

لما في الهندية: والمصحف اذا صار خلقاً لا يقرأ منه ويتعاف ان يضع يجعل في خرقة ويدفن  
ودفته أولى من وضعه موضعاً يخاف ان يقع عليه النجاسة او نحو ذلك ويلحد له -

والفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۲ الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف

لما قال العلامة جلال الدين السيوطي: قوله تعالى (وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا  
كَافَّةً - الآية) فيها ان الجهاد فرض كفاية وان الفقة في الدين وتعليم الجهال  
كذلك - (الكليل في استنباط التنزيل ص ۱۲۳ سورة التوبة)

ہے بشرطیکہ حدود اللہ کی رعایت ہو۔ تاہم عصر حاضر میں پردہ وغیرہ کے فقدان کی بناء پر خواتین کا سکول و کالج میں تعلیم حاصل کرنے کا ذریعہ ہموار کرنے کا ذریعہ ہے، البتہ اگر بچیوں کو مستقل طور پر مستورات ہی کے ذریعہ تعلیم دی جائے اور مفاسد کا انسداد ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ما قال الشيخ المحدث علي بن سلطان محمد القاري: تحت قول النبي صلى الله عليه وسلم لا تعلمن النساء الكتاب غير مكروه قلت يحتمل ان يكون جائزاً للسلف دليل على ان تعلم النساء الكتاب غير مكروه قلت يحتمل ان يكون جائزاً للسلف دون الخلف لفساد النسوان في هذا الزمان - رمرقاة شرح مشكوة ج ۸ باب الرقية  
تعلیم و تہذیب سکھانے کے لیے کمسن بچے کو سزا دینا | سوال :- ایک بچے کی عمر دو سال ہے لیکن تعلیم و تہذیب سکھانے میں اس کا جی نہیں لگتا، وقت ضائع کرنے کا عادی ہے، کیا ایسے بچے کو مارنا زبردستی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت مقدسہ نے اپنی اور اہل و عیال کو تعلیم و تہذیب سکھانے کی ترغیب دلائی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! تم خود بھی جہنم کی آگ سے بچو اور اپنے اہل و عیال کو بھی بچاؤ، اور یہ تب ہو گا جب بچوں کو تعلیم و تہذیب اور ادب سکھایا جائے اور ظاہر ہے کہ تعلیم و تعلیم کے لیے بعض اوقات بچوں پر سختی بھی کرنی پڑتی ہے۔ لہذا صورتِ مسئلہ کے مطابق اگر اس بچے کا تعلیم میں جی نہیں لگتا اور وقت ضائع کرتا ہے تو زبردستی اس کو سزا دینا مرخص ہے بلکہ اس میں ثواب کی بھی امید ہے، تاہم سزا میں اتنا مبالغہ نہ ہو کہ جسمانی نقصان یا دل شکنی کا ذریعہ بن جائے۔

لہ رواہ اکامام محمد بن اسعیل البخاری: عن ابی سعید الخدری قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبنا علیک الرجل فاجعل لنا یوماً من نفسک فوعدهن یوماً لقیہن فیہ فوعظہن وامرہن الخ۔ (الصیغ البخاری ج ۱ ص ۱۸۶ باب یجعل للنساء یوماً علیحدۃ فی العلم) ومثله فی سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۸۶ باب فی الرقی -



لما قال الله تبارك وتعالى - يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا -

ریاۃ ۲۸ سورۃ التحریم آیت ۶ لہ

استاد کا شاگرد کو سزا دینا | سوال :- کیا استاد کے لیے تعلیم و ادب کے واسطے

اپنے شاگرد کو مارنا (سزا دینا) جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- استاد کا اپنے شاگرد کو مارنے (سزا دینے) کا حق حاصل ہے کیونکہ اہل خانہ نے تعلیم و تادیب کے واسطے بچے کو استاد کے حوالہ کیا ہوتا ہے، لیکن استاد کو سزا دینے میں اتنا مبالغہ نہیں کرنا چاہیے کہ شاگرد کو جسمانی نقصان پہنچے یا استاد کی سختی کی وجہ سے بچہ تعلیمی میدان ہی چھوڑ دے بلکہ شاگرد کی اصلاح کے لیے استاد اسے معمولی سزا دے سکتا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین : ولو امر غیرہ بضرب عبدہ حل للمامور

ضربه بخلاف المحرقال فہذا تنصیح علی عدم جواز ضرب الولد یا امرہ بخلاف المعلم لان المامور یضربه نیابة عن الاب لمصلحة۔ (رد المحتار ج ۳ باب التعزیر ص ۱۹۳)

دینی علوم کے طالب علم کے نفقہ کا حکم | سوال :- ایک طالب علم دینی مدرسہ میں

دینی علم حاصل کر رہا ہے اور اس کا باپ غنی ہے، ضعیف بھی نہیں، تو کیا والد پر اس بچے کی ضروریات پورا کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب :- دین کا سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت کی ذمہ داری ہے تاکہ وہ اپنی ضروریات دین سے واقف ہو کر صحیح طریقے سے اپنی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکے، جو انسان دینی علم کے حاصل کرنے کے لیے نکلا ہو اور صحیح معنوں میں علم حاصل کر رہا ہو اور

لہ قال العلامة الحسکفی : وفا القنیة لہ اکرہ طفله علی تعلیم قرآن و ادب و علم لفریضة علی الوالدین۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۴ ص ۶۱۰ باب التعزیر)

و مثله فی الاحکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین ج ۱ مطلب لیس للمعلم ان یضرب لہ قال العلامة محمد بن عمود الاستروشنی : بلغ الصبی عشر سنین یضرب لاجل الصلوة (بحذف یسیر) و کذا المعلم لیس لہ ان یجوز الثلاث۔

(احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین ج ۱ مطلب لیس للمعلم ان یضرب)

وقت ضائع نہیں کرتا، ہو تو ایسے طالب علم کے والد پر اس کی جملہ ضروریات پوری کرنا ضروری ہے۔  
 لما قال العلامة ابن عابدین: وكذا طلبية العلم اذا كانوا عاجزين عن الكسب  
 لايهدون اليه لا تسقط نفقاتهم من آباءهم اذا كانوا مشتغلين بالعلوم الشرعية۔  
 (تنقيح الفتاوى حامدية ج ۱ ص ۷۲) لہ

**علماء دین کی توہین کرنا** | سوال:۔ ایک شخص جو کہ بڑا بد زبان اور بد اخلاق ہے، بغیر  
 کسی سبب و جرم کے علماء دین کی توہین کرتا ہے اور ان کو  
 حقارت کی نگاہ سے دیکھتا اور گالیاں بھی دیتا ہے، تو اس شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟  
 الجواب:۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں علماء دین کا بہت بڑا مقام ہے، ارشاد باری تعالیٰ  
 ہے: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (سورة الزمر آیت ۹) یعنی عالم  
 اور جاہل دونوں برابر نہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کرام کو انبیاء علیہم السلام کا  
 وارث قرار دیا ہے۔ قرآن اور حدیث سے عالم کا مقام نمایاں ہے اور ایک عالم دین  
 سے بلا وجہ بغض و حسد رکھنا یقیناً بہت بڑا جرم ہے۔ اگر کوئی بلا کسی دنیوی و آخروی  
 سبب کے کسی عالم کی توہین کرتا ہو اور اسے گالیاں دیتا ہو تو ملا علی قاری اور دیگر علماء  
 کے نزدیک اس کی یہ حرکت موجب کفر ہے، اور اگر کسی دنیوی وجوہات سے توہین کرتا  
 ہو تو گنہگار اور فاسق ہے۔

قال العلامة ملا علی القاری: من ابغض عالماً من غیر سبب ظاہر خیف علیہ لکفر قلت  
 الظاہر انہ یکفر لانه اذا ابغض عالماً من غیر سبب دنیوی و آخروی فیکون بغضه لعلم الشریعہ ولا  
 شک فی کفر من انکره فضلاً عن ابغضه۔ (شرح الفقه الاکبر ص ۱۷۳) لہ

لہ لما فی الہندیۃ: وكذا طلبية العلم اذا كانوا عاجزين عن الكسب لايهدون  
 اليه لا تسقط نفقاتهم عن آباءهم اذا كانوا مشتغلين بالعلوم الشرعية۔  
 (الفتاوى الہندیۃ ج ۱ ص ۵۶۳ الفصل الرابع فی نفقة الاولاد۔  
 کتاب الطلاق)

۲۔ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: من ابغض عالماً من غیر سبب ظاہر خیف  
 علیہ الکفر۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۳۸۸ کتاب الفاظ الکفر)



**ہر سال بلا وجہ مدرسہ تبدیل کرنا** | سوال :- دینی مدارس کے بعض طالب علموں کی یہ عادت بدلتے ہیں جبکہ پہلے والے مدرسے میں ان کو ہر قسم کا آرام و راحت ملتا ہے، آب و ہوا وغیرہ بھی موافق ہوتی ہے، اسباق بھی بہت اچھے ہوتے ہیں، اساتذہ بھی بڑے شفیق اور مہربان ہوتے ہیں، اس سب کچھ کے باوجود مدارس کی تبدیلی کا سلسلہ جاری رہتا ہے جس کی وجہ سے مدارس پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور ان کی ساکھ بھی متاثر ہوتی ہے، شریعتِ مطہرہ کا اس بارہ میں کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** تمام تر سہولیات کے باوجود مدرسہ تبدیل کرنا نعمتِ خداوندی کی ناشکری ہے جو شرعاً جائز نہیں اس لیے بلا عذر شرعی اس سے اجتناب کیا جائے، جن طلباء کی یہ عادت ہوتی ہے اور ان کی وجہ سے مدارس دینیہ متاثر ہوتے ہوں وہ عند اللہ مسؤل ہوں گے۔

لِقَوْلِهِ تَعَالَى: لَنْ نَسْكَرُ تَعْرَافًا زَيْدٌ نَكْرٌ وَلَنْ نَكْفُرَ تَحْرِيفًا عَدَايَةُ  
تَشْدِيدٌ - (سورة ابراہیم آیت ۷۷)

**سوال :-** جناب مفتی صاحب! بعض کتابوں کے مطالعہ سے ایک اشکال ذہن میں آیا ہے کہ حرام مال کو صدقہ کرنا بھی حرام ہے اور ظاہر ہے کہ معصیت کے کاموں پر کوئی اجر و ثواب نہیں ہوتا جبکہ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حرام مال کو صدقہ کرنا موجبِ اجر و ثواب ہے۔ تو اب اس تعارض کا کیا حل ہوگا؟

**الجواب :-** حرام مال کو ثواب کی نیت سے صدقہ کرنا معصیت اور گناہ ہے جبکہ بلا نیتِ ثواب صدقہ کرنا امرِ شائع علیہ السلام کی تعمیل ہے جو موجبِ اجر و ثواب ہے، لہذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں، جن کتابوں میں معصیت لکھا ہے تو تصدقِ مالِ حرام بِنیتِ ثواب مراد ہے اور جن میں اجر و ثواب کا قول پایا جاتا ہے اس سے مراد بلا نیتِ اجر و ثواب حرام مال کو صدقہ کرنا ہے۔

لما قال العلامة النور شاہ الکشمیری :- اقول في دفع التعارض ان ههنا شيان احدهما اتيار امر الشارع والثواب عليه والثاني التصديق بحديث والرجاء من نفس المال يدون لحاظ رجاء الثواب من امتثال الشارع فالثواب انما يكون على اتيار الشارع واما رجاء الثواب من نفس المال فحرام -  
(عروة الشاذلي على الجامع الترمذي ج ۱ ص ۱۷۱ باب ما جاء في فضل الطهور)



فیض الباری کی ایک عبارت پر اشکال کا ازالہ | سوال: بخدمت محترم القام حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جناب والا فیض الباری جلد ۳ ص ۳۹۵ کی اس عبارت کا مطلب آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں، امید ہے آپ ضرور راہنمائی فرمائیں گے۔

واعلم ان فی التحریف ثلاثة مذاهب ذهب جماعة ان التحریف فی الکتب السماویة قد وقع بكل نحو فی اللفظ والمعنی جمیعاً وهو الذی مال الیہ ابن خزمٌ وذهب جماعة الی ان التحریف قلیل ولعل الحافظ ابن تیمیة جنح الیہ وذهب جماعة الی انکار التحریف اللفظی رأساً فالتحریف عندهم کله معنوی قلت یلزم علی هذا المذهب ان یکون القرآن ایضاً محرفاً فان التحریف المعنوی غیر قلیل فیہ ایضاً والذی تحقق عندی ان التحریف لفظی ایضاً اما انه عن عمد منهم او لمغلطة قاله تعالی اعلم۔

مخطوطہ (خط کشیدہ) عبارت پڑھ کر سرچکرا گیا۔ ایک طرف معنویت قرآن کریم کی بنیادی اور قطعی یا ضروری عقیدہ و انا لہ الحافظون کے ماتحت قدیماً و حدیثاً مفسرین کا ایک ایک حرف بلکہ زیر و زبر تک کی حفاظت کی تصریح۔ امام ابن حزمؒ کی الملل والنحل جلد ۲ ص ۸۸ کا یہ ارشاد۔ ثم مات ابو بکر و ولى عمر۔۔۔ ان لم یکن عند المسلمین اذ مات عمر مائة الف مصحف من مصر الی العراق الی الشام الی الیمن فما بین ذلك فلم یکن اقل ثم ولى عثمان فزادت الفتوح فلورام احد احصاء مصاحف اهل الاسلام ما قدر۔۔۔ واعلموا انه لو رام احد ان ینید فی شعر النابغة او شعر زهر کلمة او ینقص اخرى ما قدر لانه صان یفتتح الوقت و تخالفه النسخ المبتوتة فکیف القرآن فی المصاحف وهی من آخر الأندلس و بلاد البربر و بلاد السودان الی آخر السن و کابل و تحراسان و الترك و الصقلیة و بلاد الهند فما بین ذلك فظهر حق الراقصة و مجاهراتها بالکذب الخ و قبل ذلك فی صک و اما قولهم فی دعوی الروافضیة ینید القرات فان الروافضیة لیسوا من المسلمین۔

اور علامہ خفاجیؒ اور خود قاضی عیاضؒ کی "شفادہ" اور "نسیم الریاض" کے اس فرمان (ج ۳ ص ۵۵۳) نسیم الریاض، وکذلک کما کفونا هذا انکفر من انکر القرآن کله او انکر حرفاً منه او کلمة او غیر شیئاً منه یا بدال او زیادة او نقص فیہ کلاماً لیس منه اور اس سے قبل و المتأخر

في ذلك المعلوم من الدين بالقسورة والمنكر بعد البحث وصحة المسلمين كافر  
بالاتفاق ولا يعذر بقوله لا ادري الخ

بہر حال یہ اور اس جیسی بیسیوں بلکہ اس سے بھی زیادہ تصریحات کے باوجود جو ہم سب  
طالب علموں کو معلوم ہیں، حضرت شاہ صاحب کے الفاظ بالامحظطہ کا مقصد کیا ہے؟ خدا  
کے یہ میری نا سمجھی کا کٹھنہ ہو، اور آپ کوئی ایسی تسلی بخش توجیہہ سے سرفراز فرمائیے کہ اطمینان  
قلبی کی دولت حاصل ہو جائے۔ نہ جانے میری فہم و عقل کو کیا ہو گیا کہ اس سے سخت پریشان  
ہوں اور بار بار تَبَّنَا لَا تَدْرُغُ قُلُوبَنَا کی دعا کر رہا ہوں۔ دو چار شخصیتیں جن سے ان کے  
روحانی اثرات کی اُمید بندھی ہوئی ہے، سے اپنا دکھ عرض کر رہا ہوں جن میں آنجناب سے  
خصوصی طور پر اُمید ہوں، اس وقت صرف آپ ہی کو عریفہ بھیج رہا ہوں اُمید ہے جلد تردتِ شکر  
فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ مجھے خود حاضر ہو کر تشفی حاصل کر لینی چاہیے تھی مگر دوں ہمتی مانع  
ہے۔ اگر ان الفاظ کے یہی ظاہری معنی مراد ہیں جو میں سمجھ رہا ہوں کہ قرآن پاک میں لفظی تحریف  
موجود ہے (العیاذ باللہ) کیونکہ نہ توفیہ کا مرجع کتب سماویہ سابقہ بن سکتی ہیں اور اسے قہا  
کر کے کاتب کے سر ڈال جائے، تو اما انہ عن محمد منهم اولمغلطہ۔ اس سے مانع ہے کیونکہ  
ان کفار کی تحریف تو یقیناً عن محمد تھی۔ لقوله تعالى: تَلِيْسُونَ الْحَقُّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْمُونَ  
الْحَقُّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (سورة البقرة آیت ۷۸)

تو بہر حال کیا کسی مسلمان نے تحریف کا ارتکاب کیا ہے؟ (والعیاذ باللہ) اگر ایسا ہے تو بقول شفاء  
ان هذا المنكر اذا جود على جميع الامة الوهم والغلط منا نقلوه۔۔۔ دخل الامة انه في  
جميع الشريعة اذ هم الناقلون لبا وللقرآن وانحلت عربى الدين۔ (نیم الریاض ص)  
اور اگر معاذ اللہ بات یہی ہے جو ظاہر الفاظ سے سمجھی جا رہی ہے تو حاسدین اور اعداؤ دیوبندیوں  
نے آج تک ان اکابر کے خلاف ان الفاظ کو اچھا لایا کیوں نہیں؟

اللهم فلا تكلنا الى انفسنا طرفة عين ولا الى احد من خلقك ولا اقل من ذلك  
واصلح لنا شاننا كله بجاه نبيك المصطفى وجيبك المرتضى عليه وعلى  
اله واصحابه من الصلوة اكملها ومن التسليمات افضلها۔

ناکارہ: عبد الکریم غفرلہ والوالدیہ از نجم المدارس کلاچی

۲۰ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ / ۲۸ دسمبر ۱۹۹۱ء



دریں کتاب پریشان چوبینی از ترتیب

عجب مدار کہ چوں حال من پریشان است

حضرت شاہ صاحب کا تفرود اسے نہیں کہا جاسکتا کیونکہ قطعیات یا ضروریات میں تفرود کے کیا معنی؟ اگر ان الفاظ کو کہا جائے تو اس کے خلاف حضرت کی کوئی صریح عبارت موجود ہو تو اس کی نشاندہی فرمادیں تاکہ تسلی ہو جائے؟

جواب از حضرت العلامة مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ

محترم المقام جناب قاضی صاحب دامت برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اما بعد! پس جب آپ نے مجھ جیسے کم علم اور کم عمر پر اعتماد کیا ہے تو اس بنا پر اس اشکال کے ازالہ کے متعلق عرض ہے کہ میں نے حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ تحریر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن صاحب کالمپوری سے سنا ہے کہ "فیض الباری" ہمارے شیخ کی امالی ہے اور باوجود سعی بلیغ کے اس میں بہت سی تین غلطیاں ہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قبل ارفع سماوات کے متعلق اور قرض میں حوالہ کی عدم صحت کے متعلق وغیرہ۔ تو ان امالی کے تفرودات میں غور سے کام لینا ضروری ہے۔

اس تحریف والی عبارت کے متعلق سال کے ابتداء میں ایک سوال آیا تھا، اس کا جواب یہ لکھا گیا تھا کہ شاہ صاحب نے کتب سماویہ (سابقہ) کے متعلق دو مذہب ذکر کیے ہیں۔ اول یہ کہ ان میں تحریف لفظی اور معنوی دونوں قسم متحقق ہوتے ہیں۔ دوم یہ کہ ان میں تحریف لفظی واقع نہیں ہوئی ہے ان میں صرف تحریف معنوی متحقق ہوئی ہے۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحب اس دوسرے مذہب پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ قرآن مجید بھی محرف ہے کیونکہ اس میں بھی تحریف معنوی واقع ہوئی ہے حالانکہ قرآن مجید محفوظ ہے۔ اور اس کے بعد حضرت شاہ صاحب مذہب اول کو ترجیح دیتے ہیں کہ کتب سماویہ میں تحریف لفظی بھی واقع ہوئی ہے، صرف مترجم نے مؤنث کی جگہ مذکر کی ضمیر لایا ہے وحق العبارة: "والذی تحقق عندی ان التعریف فیہا لفظی ایضاً" الخ هو الموفق (محمد فرید عنہ)

جواب از حضرت مولانا مفتی سیف اللہ حقانی صاحب مدظلہ العالی

آپ نے فیض الباری کی جس عبارت کی نشاندہی فرمائی ہے اس کے علاوہ بھی بعض دیگر عبارتیں مورد اعتراض ہیں، مثلاً۔



(۱) واما رفعه فكان على ثمانين سنة - وصححه الحافظ في الاصابة وهو الذي رجع اليه  
السيوطي في مرقاة الصعود - ربيع الباري ج ۳ ص ۲۶۳ كتاب البيوع . با بقتل الخنزير  
ببكر ثور الاصابة في تميز الصعابة كى عبارت ملاحظه كيجي ؛ واختلف في عمره  
منذ ولد الى ان رفع فقيل ثلاث وثمانون سنة وهذا شهر وقيل اربع و  
ثلاثون وفي مرسل سعيد بن المسيب انه عاش ثمانين ذكره من رواية علي بن زيد  
عنه وهو ضعيف وفي مستدرک الحاكم عن فاطمة رضى الله تعالى عنها ان النبي  
صلى الله عليه وسلم اخبرها ان عيسى عاش مائة وعشرين سنة في حديث  
ذكره - ر الاصابة في تميز الصعابة ج ۳ ص ۵۲ حرف العين ۶۱۲۹

العلامة الشيخ سليمان الجمل فرماتے ہیں : ففي زاد المعاد ما يذكر ان عيسى رفع  
وهو ابن ثلاث وثلثين سنة لا يعرف به اثر متصل يجب المصير اليه  
قال الشامي وهو كما قال فان ذلك انما يروى عن النصارى والمصرح في  
الاحاديث النبوية انه انما رفع وهو ابن مائة وعشرين سنة ثم قال اي الترقاني  
مهمة - وقع للحافظ جلال الدين السيوطي في تكملة تفسير المحلى وشرح النقاية  
وغيرها من كتبه الجزم بان عيسى رفع وهو ابن ثلاث وثلثين سنة ويمكث  
بعد نزوله سبع سنين وما زالت التعجب منه مع مرید حفظه واتفاقه  
وجعه المعقول والمنقول حتى رايته في مرقاة الصعود رجع عن ذلك -  
الفتوحات الالهية ج ۱ ص ۲۸ سورة البقرة .

(۲) ربيع الباري ج ۳ ص ۲۸ كتاب الكفالة میں ہے : وكذا الاتصم الكفالة في  
القرض لانه من باب الاعتماد الخ - حالانکہ فقہاء کرام کفالتہ فی القرض کو صحیح بتاریخ  
ہیں - شہرح التتویر میں ہے : قلت ومن حیل تا جیل القرض کفالتہ مؤجلاً فیتاخر  
عن الاصيل لان الدین واحد - وفي رد المحتار ر قوله لان الدین واحد ای  
فاذا تاخر عن الكفيل لزم تاخيره عن الاصيل ايضاً اذ ثبت ضمناً ما يمتنع قصداً  
كبيع الشرب والطريق كما في البحر عن تلخيص الجامع لكن في النهر عن السراج  
قال ابو يوسف اذا اقرض رجل رجلاً ما لا فقل به رجل عنه الى وقت كان  
على الكفيل الى وقته وعلى المستقرض حالاً الى قوله وحاصله ان الجمهور على انه

یتاجل علی الکفیل دون الاصل و به افقی العلامة قاری الهدایة وغیره (رج ۲ ص ۱۹)  
 وفی رد المحتار ایضاً ونقل عبارتها ویستثنی ایضاً مالوکفل بالقرض مؤجلاً الی  
 سنة مثلاً فهو علی الکفیل الی الاجل و علی الاصل حال الخ (رج ۲ ص ۳۰۵) وفی  
 شرح التتویر لوکفل الحال مؤجلاً - تاخر عن الاصل ولو قرضاً لان الذین  
 واحد - الخ (رج ۲ ص ۳۱۴)

تو بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ قابل گرفت عبارتیں جامع کے توہم پر مبنی ہیں، اس لئے  
 اب یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جس عبارت کی نشاندہی آپ نے فرمائی ہے یہ بھی جامع کے توہم  
 پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ اس عبارت کی توجیہ بھی ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ حضرت الشیخ الانور  
 کی یہ عبارت والذی تحقق عندی ان التحریف فیہ لفظی ایضاً اما انه عن عمد  
 منهم او لمغلطة فالله تعالی اعلم بہ۔ قرآن پاک کے بارے میں نہیں ہے بلکہ کتب  
 سماویہ کے بارے میں ہے۔ الشیخ الانور رحمہ اللہ تعالیٰ اس عبارت سے یہ مضمون ادا فرما  
 رہے ہیں کہ میرے نزدیک متحقق یہ ہے کہ کتب سماویہ سابقہ میں صرف تحریف معنوی نہیں  
 ہوتی ہے بلکہ تحریف معنوی کے ساتھ ان میں لفظی تحریف بھی موجود ہے۔ اور والذی تحقق  
 عندی ان التحریف فیہ میں فیہ کا ضمیر مجرور بتاویل مذکور کتب سماویہ کو راجع کیا  
 جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ جامع نے مونث کی جگہ مذکر کی ضمیر لائی ہے۔ وحق العباد  
 والذی تحقق عندی ان التحریف فیہا لفظی ایضاً الخ۔ مگر اس توجیہ سے جملہ  
 اما انه عن عمد منهم الخ مساعداً اور موافقت نہیں کر رہا ہے۔ اللهم ان یقال  
 قیل ما قیل باعتبار بعض المحرفین الذین ما علم قصدہم وعدمہ  
 مگر وفیہ ما فیہ۔ فلا سبیل ولا فخلص لا ان یتثبت بالتوہم  
 واللہ اعلم۔

استبراء و رحم کے لیے عدت نہ ہونے پر اشکال کا ازالہ | سوال :- جناب منفتی صاحب! کئی دنوں سے ایک اشکال ذہن میں آ رہا

ہے کہ اسلام نے مطلقہ اور بیوہ کے لیے تو عدت مقرر کی ہے مگر استبراء و رحم کے لیے کوئی میعاد مقرر نہیں کی، شرعاً اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ برائے مہربانی میرے اس اشکال کو شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں رفع فرمائیں؟

الجواب :- اسلام میں طلاق اور وفات کی عدت اس لیے مقرر ہے کہ مطلقہ یا بیوہ کسی دوسرے شخص کی کھیتی رہ چکی ہوتی ہے اور ایک شخص کی کھیتی کو دوسرا شخص پانی نہیں پلا سکتا بخلاف استبراء و رحم کے کہ وہاں صرف حمل کا احتمال ہے اور وہ واطی بالشبہ یا مولیٰ کی کھیتی نہیں اس لیے وہاں صرف استبراء کو لازم قرار دیا۔

لما قال عليه السلام: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يستقين ماء  
ذرع غيره - (الجامع الترمذی ج ۱ ص ۲۱۳ باب الرجل يشترى الجارية وهي حامل كتاب النكاح)

سوال :- جناب محترم منفتی صاحب! ہم جب فقہ یا شروح لفظ قیل کی وضاحت | حدیث و تفسیر یا دیگر دینی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان میں بعض اقوال لفظ قیل کے ساتھ ذکر ہوتے ہیں، ایسے اقوال کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :- جس دینی کتاب میں کوئی قول قیل کے ساتھ مذکور ہو تو وہاں یہ دیکھا جائے گا کہ سارے اقوال قیل کے ساتھ ذکر ہیں یا کہ ایک قول قال یعنی صیغہ معروف کے ساتھ ذکر ہے، اگر ایک قول صیغہ معروف کے ساتھ مذکور ہو تو صاحب کتاب کے نزدیک وہ قول راجح ہے اور دیگر اقوال کے ضعف کی طرف ان کا قیل یعنی صیغہ مجہول کے ساتھ اشارہ مقصود ہوتا ہے اور اگر سارے اقوال قیل کے ساتھ ذکر ہوں تو اس صورت میں کسی قول کو ترجیح مقصود نہیں ہوتی۔

متعدد شوہروں والی عورت جنت میں کس کے پاس ہوگی | سوال :- اگر کسی عورت نے یکے بعد دیگرے

دو تین شادیاں کی ہوں تو وہ عورت جنت میں کس شوہر کو ملے گی؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟



**الجواب :-** جس عورت نے دنیا میں دو تین شادیاں کی ہوں وہ قیامت کے دن جنت میں کس شوہر کو ملے گی؟ تو اس بارے میں دو اقوال ہیں۔ (۱) پہلا قول یہ ہے کہ وہ جس شوہر کے پاس رہنا چاہے اس کو اختیار ہوگا۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ عورت آخری شوہر کو ملے گی۔

**حضرت علیؑ کو کرم اللہ وجہہ کہنے کی وجہ | سوال :-** جناب محترم مفتی صاحب! جب

ہم کسی صحابی رسولؐ کا مبارک نام سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو ان کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور جب حضرت علیؑ کا نام سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں، اکثر علماء کرام سے بھی اسی طرح سنتے ہیں آیا ہے، شرعاً اس کی کیا وجہ ہے؟

**الجواب :-** حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے عموماً رضی کے بجائے صبیحہ تکریم یا تو اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ آپ نے کبھی بتوں کے سامنے اپنے سر کو نہیں جھکایا تھا کیونکہ آپ نے بلوغت سے قبل ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ یا پھر اس لیے کہ جنگ صفین میں بعض لوگوں نے آپ کے بارے میں سو د اللہ وجہہ کے الفاظ استعمال کیے تو ان کی تردید کے لیے علماء امت نے آپ کے نام کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کے الفاظ استعمال کرنا شروع کئے۔

**ذبح اللہ کون تھے؟ حضرت اسحق یا حضرت اسمعیل علیہم السلام؟ | سوال :-** حضرت

اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنے کس بیٹے کو ذبح کیا تھا؟ بعض حضرت اسحاق علیہ السلام بتاتے ہیں جبکہ ہم ابھی تک یہی سنتے آرہے ہیں کہ آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیا تھا، مہربانی فرما کر رہنمائی فرمائیں کہ ذبح اللہ کون تھے؟

**الجواب :-** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے جس بیٹے کو ذبح کیا تھا اس کے تعین میں اختلاف ہے، بعض علماء نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح اللہ قرار دیا ہے جبکہ جمہور علماء نے حضرت اسمعیل علیہ السلام کو ذبح اللہ قرار دیا ہے اور یہی رائج اور مشہور ہے۔

**سوال :-** جناب مفتی صاحب! مولانا شاہ عبدالقادر صاحب

قد انرا دھار ہے، کا مطلب | نے اللہ الصمد کا معنی "خدا نرا دھار ہے" لکھا ہے۔ مہربانی فرما کر شریعت مطہرہ کی روشنی میں لفظ "نرا دھار" کی تشریح فرمائی جائے؟

الجواب: "زادھا" سنسکرت تہران کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے "وہ ذات جو کسی کی محتاج نہ ہو اور دوسروں کا بغیر اس کے کام نہ چلتا ہو" دوسرے سب اس کے محتاج ہوں۔" اس سے معلوم ہوا کہ اللہ الصمد کا معنی اللہ بے نیاز ہے والا ترجمہ اگرچہ درست ہے مگر آدھا ترجمہ ہے اس لیے کہ بے نیاز اس ذات کو کہا جاتا ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو۔

لما قال المفتی محمود حسن گنگوہی، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے فرمایا کہ میں نے جیل میں ترجمہ کلام اللہ کا مطالعہ کیا جو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کا تھا۔ اس میں انہوں نے اللہ الصمد کا ترجمہ یہ کیا کہ خدا نرادھا ہے۔" میں اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ ایک پرانا سا ہوتا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ نرادھا کا کیا معنی ہے؟ اس نے کہا کہ آپ نے یہ لفظ کہاں سے سنا؟ یہ تو سنسکرت کا لفظ ہے، مذہب کے اونچے لوگ اس کو جانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ سنا ہوگا کہیں سے، تم اس کے معنی بتلاؤ، کیا اس کے معنی بے نیاز کے ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں، اس کے معنی ہیں جو کسی کی محتاج نہ ہو اور دوسروں کا بغیر اس کے کام نہ چلتا ہو، دوسرے سب اس کے محتاج ہوں، بے نیاز میں اس کے معنی آدھے آئے ہیں۔

(ملفوظات فقیہ الامت ج ۲ قسط ۱ ص ۵۴)







وَمِنَّا كَرِيمٌ بَارِكٌ أَنْزَلَهُ

أَفَانُزِلَهُ مِنْكَ وَرَفَعَهُ

# کتاب تفسیر القرآن

(قرآن مجید کی تفسیر کا بیان)

قرآن مجید کا رسم الخط توقیفی ہے | سوال :- قرآن کریم میں لفظ باؤ۔ فاؤ۔ جاؤ۔

تہیں لکھا گیا؟

الجواب :- قرآن کریم کے رسم الخط میں مصحف عثمانی کا اتباع کیا گیا ہے جو کہ اصل اور بنیاد ہے جس کو کبار صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ایک خاص طریقے پر خلاف القیاس مرتب کیا گیا تھا اور یہ رسم الخط توقیفی ہے، اس لیے کسی قیاسی قانون کی وجہ سے اس میں تبدیلی جائز نہیں ہے، لہذا ان کلمات میں بھی مصحف عثمانی کا اتباع کیا گیا ہے نہ کہ قوانین عربیہ کا۔

لما قال احمد مصطفیٰ المراغی: اما كتابة المصحف فهي تابعة للطريق التي كتبت بها في عهد عثمان رضي الله عنه الخليفة الثالث على يد جماعة من كبار الصحابة وتسمى الرسم العثماني وقد اتبع فيها نهج خاص يخالف ما اتبع فيما بعد في كثير من المواضع ومن ثم قيل خطان لا يقاس عليهما خط العروض وخط المصحف العثماني۔

(تفسیر مراغی ج ۱ ص ۱۰۱ مقدمہ، طریق کتابت القرآن الکریم) لے

تعداد حروف قرآن کریم | سوال :- قرآن کریم کے حروف کی صحیح تعداد کیا ہے؟

الجواب :- جس طرح قرآن کریم کی آیات میں اختلاف ہے اسی طرح حروف کی تعداد میں بھی علماء کی آراء مختلف ہیں، چند مشہور اقوال تحریر کیے جاتے ہیں :-

(۱) امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی مشہور تفسیر احکام القرآن میں سلام ابو محمد الحمّانی سے نقل کرتے ہیں کہ حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانے میں اس کے حکم سے قرآن کریم کے حروف کو

لے وقال عبد العظيم النوذی: في مسألة رسم خط القرآن ثلاثة اقوال، الاول: انه توقفي لا يجوز مخالفة

ذلك مذهب الجمهور الخ (مناهل العرفان ج ۳ ص ۳۷۰) هل رسم المصحف توقفي؟

شمار کیا گیا تو کل تعداد ۴۰،۴۰۳ ہوئی۔ (احکام القرآن للمقرب ج ۱ ص ۶۲ باب

ما جاء في ترتيب سورة القرآن و آياته و شكله )

(۲) عطاء بن یسار سے منقول ہے کہ قرآن کریم کے حروف کی تعداد ۳۲۳۰۱۵ ہے۔

(البرهان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۲۲۹ فصل فی عدد سور القرآن و آیاتہ و کلماتہ و حروفہ)

(۳) علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ نے ابن الجوزیؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود

رضی اللہ عنہ کے حساب کے مطابق قرآن مجید کے تمام حروف ۶۷۱ ۳۲۲ ہیں۔

(علوم القرآن ص ۱۷۱ تعداد حروف)

**تعداد آیات قرآن کریم | سوال :- قرآن کریم کی آیات کریمہ کی تعداد کتنی ہے ؟**  
**الجواب :- قرآن کریم کی آیات کریمہ کی ابتداء اور انتہاء میں**

اختلاف کی وجہ سے ان کی تعداد کے بارے میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے تاہم اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم کی آیات چھ ہزار سے زائد ہیں۔ یہاں چند مشہور علماء کرام کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں :-

(۱) علامہ شمس الحق افغانیؒ نے ابن جوزیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بشمار ام المؤمنین

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آیات قرآن کریم کی کل تعداد ۶۶۶۶

ہے۔ (علوم القرآن ص ۱۷۱ تعداد آیات)

(۲) اہل مدینہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں، پہلے قول کے مطابق کل آیات مبارکہ

۶۲۱۷ ہیں جو حضرت نافعؓ کی طرف منسوب ہے، اور دوسرے قول کے مطابق

۶۲۱۴ ہیں۔

(۳) اہل مکہ کی رائے کے مطابق کل آیات ۶۲۲۰ ہیں جو کہ حضرت عبداللہ ابن عباس

رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔

(۴) اہل کوفہ کے نزدیک کل آیات ۶۲۳۳ ہیں۔

(۵) اہل بصرہ سے دو قول منقول ہیں جن کے مطابق کل آیات ۶۲۰۵ یا ۶۲۱۹ ہیں۔

(۶) اہل شام سے ۶۲۲۵ اور ۶۲۲۶ کی روایات بھی مروی ہیں۔

{ البرهان فی علوم القرآن لبدالدین زکشی ج ۱ ص ۲۲۹ فصل فی عدد سور القرآن و آیاتہ و کلماتہ و حروفہ }  
{ مناہل العرفان از محمد عبدالعظیم ذرقانی ج ۱ ص ۳۶ تحت قولہ عدد آیات القرآن }



**سوال :-** قرآن کریم کی بعض سورتوں کو مکی اور بعض مکی اور مدنی سورتوں میں فرق

کو مدنی کہا جاتا ہے، ان میں کیا فرق ہے؟

**الجواب :-** قرآن کریم کی سورتیں دو قسم کی ہیں، مکی اور مدنی، لیکن ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ارشاد منقول نہیں، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے زمانہ اقدس میں صحابہ کرامؓ وحی کے زمان و مکان وغیرہ کا مشاہدہ کرتے تھے لہذا ان کو مکی اور مدنی کی پہچان کی ضرورت نہیں پڑی، لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا اور صحابہ کرامؓ کو نسخ و منسوخ کی معرفت کی ضرورت پڑی تو اس کے بعد صحابہ کرامؓ کو مکی اور مدنی سورتوں کا جاننا ضروری ہوا تاکہ نسخ و منسوخ کی معرفت میں آسانی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان کے بارے میں صرف صحابہ کرامؓ اور تابعین کے اقوال دستیاب ہو سکتے ہیں۔

شیخ محمد عبدالعظیم زرقانیؒ فرماتے ہیں: لا سبیل الی معرفۃ المکی والمدنی الا بما ورد عن الصحابة والتابعین فی ذلك لانه لیرد عن النبی بیان المکی والمدنی و ذلك لان المسلمین فی زمانہ لم یرکونوا فی حاجۃ الی هذا البیان کیف وہم یشاہدون الوحی والتنزیل و یشہدون مکانہ و زمانہ و اسباب النزول عیاناً۔ الخ

(مناہل العرفان ج ۱ ص ۱۸۹ الطریق الموصلة الی معرفۃ المکی والمدنی)

تاہم بعد ازاں مفسرین نے مضامین اور حالات و واقعات کی روشنی میں مکی اور مدنی سورتوں کی تقسیم کی ہے جس میں ہر ایک سورۃ کی مختلف خصوصیات شمار کی گئی ہیں، بعض کے نزدیک جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہیں انہیں مکی کہا جاتا ہے اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں انہیں مدنی کہا جاتا ہے اس میں مکان کا اعتبار نہیں ہے چاہے جہاں بھی نازل ہوئی ہوں، یہ اصطلاح سب سے زیادہ مشہور ہے۔

اصطلاح ۱: جو سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں مکی کہلاتی ہیں نزول چاہے ہجرت سے پہلے ہو یا بعد میں، اور جو سورتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں اس صورت میں مکی اور مدنی سورتوں کے درمیان واسطہ ثابت ہوتا ہے اور وہ مکہ و مدینہ سے باہر والی سورتیں ہیں۔

اصطلاح ۲: جن سورتوں میں خطاب اہل مکہ کے ساتھ ہوا ہو وہ مکی ہیں اور جن میں خطاب

مدینہ والوں سے ہو وہ مدنی ہیں۔ (البرہان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۱۸۷ تا ۱۹۰ النوع التاسع معرفۃ المکی والمدنی)

سوال :- مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان اور ان کی علامات کیا ہیں؟

الجواب :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی روایت مروی نہیں تاہم بعد میں مفسرین حضرات نے اپنی اپنی علمی استطاعت کے مطابق علامات بتائی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں :-

\_\_\_\_\_ مکی سورتوں کے علامات \_\_\_\_\_

- (۱) جن سورتوں میں لفظ کَلَّا کا ذکر ہو وہ مکی ہوں گی۔
- (۲) جس سورۃ میں آیت سجدہ ہو وہ مکی ہوگی۔
- (۳) جس سورۃ میں انبیاء کرام، اُمم سابقہ کے قصے اور واقعات کا ذکر ہو وہ مکی ہوگی سوائے سورۃ البقرہ کے۔

(۴) جس سورۃ میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے واقعہ کا ذکر ہو وہ مکی ہوگی سوائے سورۃ بقرہ کے۔

(۵) جس سورۃ میں يَا أَيُّهَا النَّاسُ کے ساتھ خطاب ہو مکی ہوگی۔

(۶) جس سورۃ کی ابتداء حروف تہجی سے ہو مکی ہوگی سوائے سورۃ بقرہ و آل عمران کے۔

\_\_\_\_\_ مدنی سورتوں کے علامات \_\_\_\_\_

- (۱) جس سورۃ میں حدود اور فرائض کا بیان ہو وہ مدنی کہلاتی ہے۔
- (۲) جس سورۃ میں جہاد اور احکام جہاد کا ذکر ہو وہ مدنی کہلاتی ہے۔
- (۳) جس سورۃ میں منافقین کا ذکر ہو وہ مدنی ہوگی سوائے سورۃ العنکبوت کے۔
- (۴) جس سورۃ میں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کے ساتھ خطاب ہو وہ مدنی کہلاتی ہے۔

[ البرہان فی علوم القرآن (بدرالدین زکشی) ج ۱ ص ۱۸۸ تا ۱۹۱ النوع التاسع معرفة المکی والمدنی ]  
[ مناہل العرفان (محمد عبد العظیم الزرقانی) ج ۱ ص ۱۹ طریق المصطفیٰ علی معرفة المکی والمدنی ]

سوال :- ابتدائے قرأت و تلاوت قرآن میں عوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنا فرض ہے یا سنت یا واجب؟

الجواب :- سورۃ نحل کی مندرجہ ذیل آیت فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ میں تعوذ کے حکم کی وجہ سے جب بھی کوئی مسلمان تلاوت کرے تو اس کو عوذ باللہ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھنا چاہیے، تاہم اس آیت کریمہ میں امر اکثر مفسرین کے نزدیک

وجوب کے لیے نہیں صرف ندب کے لیے ہے۔

لما قال القاضی ثناء الله رحمه الله : قد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم انه كان يصلي اى يتعوذ قبل القراءة وعليه انعقد الاجماع من السلف والخلف لكنه سنة عند الجمهور والعلماء۔  
(تفسیر مظہری ج ۵ ص ۳۷۳ سورۃ النحل، تحت تفسیر الآیۃ ۹۸) لہ

**تعوذ کی جزئیت کا حکم** | سوال :- اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ قرآن کریم کا جزء ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ان مخصوص الفاظ کے ساتھ قرآن کریم کا جزء نہیں ہے تاہم ایک دوسرے مقام پر تعوذ کا حکم ان الفاظ کے ساتھ ہوا ہے : فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۔

لما قال القرطبي : أجمع العلماء على ان التعوذ ليس من القرآن ولا آية منه وهو قول القارى اعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔ (احكام القرآن ج ۱، القول فى الاستعاذة) لہ  
**تسمیہ کی جزئیت کا حکم** | سوال :- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قرآن کریم کا جزء ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سورۃ النمل میں ہے اس پر تو سب علماء کا اتفاق ہے کہ یہ قرآن کریم کا جزء ہے، اس کے علاوہ باقی سورتوں کی ابتدا میں جو تسمیہ لکھی گئی ہے اس کی جزئیت میں اختلاف ہے، فقہاء اخاف، قراد مدینہ، بصرہ اور شام کے نزدیک کسی بھی سورۃ کا جزء نہیں ہے۔

لما قال القرطبي : قد اختلفت العلماء على هذا المعنى على ثلاثة اقوال، الاول ليست بآية من الفاتحة ولا من غيرها وهو قول مالك..... الصحيح من هذه الاقوال قول مالك

لہ وقال محمد بن احمد القرطبي : هذا الامر على التدب في قول الجمهور ما في كل قراءة في غير الصلوة ۔

(احكام القرآن ج ۱ ص ۸۶ القول فى الاستعاذة)

وَمِثْلُهُ فِي مَخْتَصِر تَفْسِيرِ ابْنِ كَثِيرٍ ج ۲ ص ۳۲۶۔ سورۃ النحل آیت ۹۸۔

لہ قال الشيخ عبد الرحمن بن محمد الثعالبي : اجمع العلماء على ان قول لقارى اعوذ بالله من الشيطان الرجيم ليس باية من كتاب الله۔ (تفسیر الثعالبي ج ۱ ص ۱۹ سورۃ الفاتحة)



لان القرآن لا يثبت باخبار الاحاد وانما بطرقة التواتر القطعي - الخ

(احكام القرآن للقرطبي ج ۱ ص ۹۳ الكلام على البسملة) له

**تعداد آیات سورہ فاتحہ** | سوال :- سورہ فاتحہ کی آیات کی تعداد کتنی ہے ؟  
الجواب :- سورہ فاتحہ کے بارے میں علماء کا اتفاق صرف اس

بات پر ہے کہ اس کی آیات کی تعداد سات ہے جس کی وجہ سے اس کو سبع من المثانی کہا گیا ہے، تاہم فقہاء کرام کے نزدیک آیات کے تعین میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ صراط الذین انعمت علیہم مستقل آیت نہ ہونے کی وجہ سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آیت شمار ہے، جبکہ احناف کے نزدیک صراط الذین انعمت علیہم مستقل آیت ہو کر بِسْمِ اللّٰهِ کو جزو الفاتحہ شمار کرنے کی ضرورت نہیں۔

قال العلامة ابوبکر الرازی الجصاص: قال سعيد بن جبیر سألت ابن عباس عن سبع المثانی

فقال السبع المثانی هو ام القرآن وانما اراد بالسبع انها سبع آیات -

(احكام القرآن ج ۱ ص ۲۸ قبل احكام سورة البقرة) له

**فاتحہ الكتاب کا جزو قرآن ہونا** | سوال :- سورہ فاتحہ جس طرح قرآن کریم کا جزو ہے اسی طرح  
تیس پاروں میں کسی پارے میں داخل ہے یا قرآن کریم کا  
مستقل حصہ ہے ؟

الجواب :- قرآن مجید کے پاروں کی تقسیم حجاج بن یوسف کے دور میں ہوئی ہے،

له وقال عبد الله النسفي: قراء المدينة والبصرة والشام وفقهاءها على ان التسمية ليست بآية من الفاتحة ولا من غيرها من السور وانما كتبت للفصل والتبرك للابتداء بها وهو مذهب ابي حنيفة (رحمه الله) ومن تابعه الخ

(مدارك التنزيل ج ۱ ص ۱۸ فاتحہ الكتاب)

ومثله في تفسير روح المعاني ج ۳۹ مباحث في البسملة -

له قال الامام ابن جرير الطبري: واما تاويل اسمها انها سبع آیات فانها سبع آیات لاختلاف بين الجميع من القراء والعلماء وذلك - (تفسير طبري ج ۱ ص ۱۸ القول في تاويل اسماء فاتحة الكتاب)

صحابہ کرامؓ کے دور میں قرآن کریم یوں تیس پاروں میں تقسیم نہیں تھا تاہم صحابہ کرامؓ آپس میں اپنی اپنی سہولت کے لیے قرآن کریم کئی حصوں میں تقسیم کیے ہوئے تھے جن میں منزل وغیرہ کا ثبوت بڑی دلیل ہے، چونکہ پاروں کا تعین صحابہؓ کے دور میں نہیں تھا اس لیے سورۃ فاتحہ کو کسی پارے کا جُزء قرار دینے کے لیے کسی روایت کا سہارا لینا بے سود ہے، تاہم قرآن کے تیس پاروں کے حساب سے پہلا پارہ آلہ کے مشہور ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ کسی ایک پارہ کا جُزء قرار دینے کی بجائے پورے قرآن کا اجمالی خاکہ ہے۔

قال ابن جریر الطبری: صحیح الخیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ہی أم القرآن، ہی فاتحة الكتاب وهي السبع المتانی۔ فہذا اسماء فاتحة الكتاب وسمیت فاتحة الكتاب لانہا یفتتح بکتابتھا المصاحف۔ فی فواتح ما یتلوھا من سور القرآن فی الکتابۃ والقراءة۔ (تفسیر الطبری ج ۱۔ القول فی تاویل اسماء فاتحہ کتاب)

**سماۓ سورۃ فاتحہ** | سوال :- سورۃ فاتحہ کو کتنے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے؟  
**الجواب :-** سورۃ فاتحہ کے متعدد اسماء ہیں جن کو مفسرین حقرات نے ذکر کیا ہے، ان میں سے چند نام درج ذیل ہیں :-

(۱) فاتحۃ الكتاب (۲) فاتحۃ القرآن (۳) أم الكتاب (۴) أم القرآن (۵) الكنز

(۶) الوافیہ (۷) الکافیہ (۸) الاساس (۹) سورۃ الرقیۃ (۱۰) سورۃ الشفاء (۱۱) سورۃ

الشافیہ (۱۲) سورۃ الحمد (۱۳) سورۃ الشکر (۱۴) سورۃ الدعاء (۱۵) سورۃ تعلیم المسلم

(۱۶) سورۃ السؤل (۱۷) سورۃ المناجات (۱۸) سورۃ الصلوٰۃ (۱۹) سورۃ النور (۲۰)

القرآن العظیم (۲۱) السبع المتانی۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۳۳ تا ۳۸) ۲

**کسی آیت کا ترجمہ شائع کرنے کا حکم** | سوال :- اگر قرآن کریم کی کسی آیت کا ترجمہ کسی بھی زبان میں اس طریقے سے شائع کیا جائے کہ عربی

لہ قال العلامة ابو عبد اللہ القرطبی رحمہ اللہ : اجمعت الامۃ ایضاً علی انہا من القرأت -

(تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۱۱۲ سورۃ الفاتحہ)

۲ لہ و ذکر القوطی اکثرھا۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۱۳ المسئلۃ الرابعۃ و فی اسماءھا وہی

اشاء عشر اسماء و ذکر بعضہا ابن کثیر۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱ سورۃ الفاتحہ)

کے الفاظ نہ لکھے گئے ہوں بلکہ آخر میں صرف آیت نمبر اور سورۃ کے نام پر اکتفا کیا گیا ہو، کیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ پورے قرآن مجید یا کسی ایک سورۃ کا صرف ترجمہ شائع کرنا اگرچہ ناجائز ہے تاہم ایک یا دو آیات کا ترجمہ شائع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لما قال علاؤ الدین الحصفی: وتجاوز كتابة آية أو آيتين بالفارسية لا أكثر. قال ابن عابدین: والظاهران الفارسية غير قيد الخ. (الدر المختار علی رد المحتار ج ۱ ص ۳۲۶) لہ

**شیطان کی ابتدائی ذمہ داریاں** | **سوال:** شیطان مردود اور مسخ ہونے سے پہلے فرشتوں کے ساتھ کن کن امور و مشاغل پر مامور تھا؟

**الجواب:**۔ شیطان کے بارے میں مفسرین نے مختلف معمولات کا ذکر کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلے سے تھا جن کو جن کہا جاتا ہے اور ان کو ناری سموم سے پیدا کیا گیا تھا جبکہ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے تھے، سریانی زبان میں شیطان کا نام عزریل تھا اور عربی میں حارث، اور یہ جنت کے خزانچیوں میں سے تھا، آسمان دنیا کا رئیس تھا، آسمان دنیا اور زمین پر اس کی حکمرانی تھی، فرشتوں میں سب سے زیادہ اجتہاد و علم والا تھا جس کی وجہ سے اس میں تکبر پیدا ہو گیا اور کفر کر کے مردود ہوا۔

لما قال القرطبی: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان ابلیس کان من حی من احياء الملائكة يقال لهم الجن خلقوا من نار السموم وخلقتم الملائكة من نور وكان اسمه بالسريانية عزریل وبالغزارة الحارث وكان من خزان الجنة وكان رئيس ملكة سماء الدنيا وكاله سلطانها و سلطان الارض وكان من اشد الملائكة اجتهاداً و اكثرهم علماً وكان يسوس ما بين السماء والارض الخ (احكام القرآن ج ۱ ص ۲۹۵) تحت قوله تعالى: الا ابليس بل يقره لہ

قال ابن الهمام: اور اذ ان يكتب مصحفاً بها يمنع وان فعل في آية أو آيتين لا الخ (فتح القدير ج ۱ ص ۲۴۸)

لہ اسی طرح حافظ ابن کثیر نے بھی مختلف روایات نقل کی ہیں جن میں مندرجہ ذیل الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے: مثلاً کان من اشد الملائكة اجتهاداً و اكثرهم علماً۔ کان من اشرف الملائكة و اكثرهم قبيلةً و كان خازناً علی الجنان، كان له سلطان سماء الدنيا و كان له سلطان الارض و كان يسوس ما بين السماء و الارض قعصى فمسخه الله تعالى شيطاناً رجيماً۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۷) سورة البقرة تحت قوله: واعلم ما تكتمون



حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مثل آدم ہونا | سوال: سورۃ آل عمران آیت ۵۹ میں ارشاد  
 كَمْثِلِ اٰدَمَ، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کا مثل اور مشبہ بتایا  
 گیا ہے لیکن آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے تھے، تو  
 پھر یہ تشبیہ کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟

**الجواب:** چونکہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عادتِ مستمرہ کے خلاف ہوئی تھی  
 جو بغیر باپ کے تھی، اور یہ ایک عجیب واقعہ تھا لیکن اس سے زیادہ عجیب تر سیدنا حضرت آدم  
 علیہ السلام کی پیدائش تھی جو ماں باپ دونوں کے بغیر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوئی تھی۔ تو یہاں  
 عجیب واقعہ کی عجیب تر واقعہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور تشبیہ و تمثیل میں مشبہ کا مشبہ بہ  
 کے ساتھ تمام وجوہات میں متحد اور یکساں ہونا لازم نہیں ہے بلکہ مشبہ بہ کی بعض صفات کا مشبہ  
 میں پایا جاتا تشبیہ اور تمثیل کے لیے کافی ہوتا ہے جیسے کسی انسان کی بہادری کی تشبیہ شیر کے  
 ساتھ دی جاتی ہے اگرچہ من کل الوجوہ یکساں نہیں ہوتے۔

لما قال الشيخ علاؤ الدین: علی تحت قوله تعالى: اِنَّ مِثْلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللّٰهِ كَمِثْلِ اٰدَمَ۔ قلت  
 هو مثله في احد الطرفين فلا يمنع اختصاصه دونه بالطرف الاخر من تشبيهه لان المماثلة  
 مشاركة في بعض الاوصاف ولا نه شبه به في ان له وجوداً خارجاً عن العادة المستمرة  
 وهما في ذلك نظيران لان الوجود من غير ايت و ايم اغرب في العادة من الوجود من  
 غير ايت فشبته الغريب بالاغرب ليكون اقطع للمختم واحتم لمارة شبهته ؟  
 (تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۱۰ سورۃ البقرہ ص ۱۰)

۱۔ وقال القرطبي رحمه الله: فيه دليل على صحة القياس والتشبيهه واقع على ان عيسى خلق من  
 غير ايت كآدم لاعلى انه خلق من تراب والشئ قد يشبه بالشئ وان كان بينهما فرق  
 كبير بعد ان يجتمعا في وصف واحد فان ادم خلق من تراب ولم يخلق عيسى من تراب  
 فكان بينهما فرق من هذه الجهة ولكن شبه ما بينهما انهما خلقا من غير  
 ايت۔ (احكام القرآن ج ۱ ص ۱۰۲ تحت ان مثل عيسى عند الله الخ، سورۃ البقرہ)  
 وَمِثْلُهُ فِي تَفْسِيرِهِ الشَّهِيرِ بِالصَّوَابِ ج ۱ ص ۱۵۹ سورۃ البقرہ۔

سوال :- سورہ نساء کی آیت ۹۳ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا  
**قاتل کی توبہ کا قبول ہونا** فَجَزَاءُ لَهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا سِوَا مَا كَانَ يُعْمَلُ

ارتکاب کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا، جبکہ حدیث شفاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں  
 ہمیشہ نہیں رہے گا، اس میں کس پر عمل کیا جائے؟ اور عمدًا قتل کا ارتکاب کرنے والا ہمیشہ کے  
 لیے جہنم میں رہے گا یا نہیں؟

الجواب :- عمدًا قتل کرنے والے کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کی توبہ قبول ہوتی  
 ہے یا نہیں، اور یہ شخص ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا یا نہیں، تاہم جمہور اہل سنت والجماعت  
 کے نزدیک یہ شخص اگر مومن ہو تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے  
 جہنم میں گناہوں کی سزا پانے کے بعد جنت میں جائے گا اور ایمان کی وجہ سے ہمیشہ کیلئے  
 جہنم میں نہیں رہے گا، لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب قاتل نے قتل کو حلال سمجھ کر یہ اقدام  
 نہ کیا ہو ورنہ استحلال حرام کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اسی وجہ سے جمہور علماء اس  
 آیت میں خَالِدًا کا ترجمہ مکث طویل سے کرتے ہیں۔

لما قال الشيخ ابن كثير: - والذی علیہ الجمہور من سلف الامۃ وخلفها ان القاتل لہ توبۃ  
 فیما بینہ و بین اللہ عزوجل فان تاب و اتاب ونشع و خضع و عمل عملاً صالحاً بدل اللہ سینا تہ  
 حسنات و عوض المقتول من طلاقتہ و ارضاء عن طلابۃ..... ومعنی ہذا الصیغۃ ان ہذا  
 جزاءہ ان جو تری علیہ۔ و بتقدیر دخول القاتل فی النار..... فلیس یخلد فیہا ابداً  
 بل الخلود المکث الطویل و تواترت الاحادیث عن رسول اللہ انہ یتخرج من النار  
 من کان فی قلبہ ادنی مثقال ذرۃ من ایمان الخ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۳۴ تحت من یقتل مؤمناً متعمداً)

سوال :- حضرت آدم علیہ السلام کے  
**آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں نزاع کا سبب** بیٹوں کے درمیان جھگڑے کا سبب

کیا تھا اور ان میں بہن بھائی کا امتیاز کیا تھا؟

لہ وقال النسفی: فجزأئہ ای ان جازاہ قال علیہ السلام ہی جزأئہ ان جازاہ والخلود  
 قد یراد بہ طول القیام۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۲۲۲ تحت قولہ تعالیٰ: فجزأئہ جہنم خالداً فیہا)  
 ومثله فی جامع البیان للطبری ج ۱ ص ۲۲۱ تحت قوله تعالیٰ: من یقتل مؤمناً متعمداً۔



**الجواب:** اس نزاع اور جھگڑے کے سبب کے بارے میں کثر مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں جب بھی بچہ پیدا ہوتا تو ایک لڑکے اور ایک لڑکی کا جوڑا ہوتا، چونکہ آدم علیہ السلام دنیا میں پہلے انسان تھے اور اللہ تعالیٰ کو ان کی نسل باقی رکھنا منظور تھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے ضابطہ یہ مقرر کیا تھا کہ ہر جوڑے کا آپس میں نکاح ناجائز ہوتا اور دوسرے جوڑے کے ساتھ جائز ہوتا تھا اور ان کیلئے ضرورت کی بناء پر افتراق بطون بمنزلہ افتراق نسب تھا۔ تو اسی طرح حضرت آدم کے ایک بیٹے قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام اقلیم تھا اور وہ حسین بھی تھی اور ان کے بعد دوسرے بطن سے جو بیٹا پیدا ہوا اس کا نام ہابیل اور اس کی بہن کا نام لیوود تھا۔ اب اصول کے مطابق جب نکاح کا وقت آیا اور اقلیم کا نکاح ہابیل سے ہونے لگا تو قابیل نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ چونکہ یہ میرے ساتھ پیدا ہوا ہے میرا حق ہے اور یہ لیوود سے حسین بھی ہے اس پر حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو سمجھایا مگر وہ نہ مانا تو پھر آدم علیہ السلام نے قابیل اور ہابیل دونوں کو نذر کا حکم دیا کہ جسکی نذر قبول ہوگی فیصلہ اس کے حق میں ہوگا، اب ہابیل کی نذر قبول ہوگئی جس پر قابیل کا غصہ مزید بڑھا اور آخر کار اس نے ہابیل کو قتل کر دیا۔

لما نقل الطبري عن ابن عباس وعن مرة وعن ابن مسعود وناس من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يولد لآدم مولود الا ولد مع جاريتة فكان يزوج غلام هذا البطن جاريتة هذا البطن الاخر ويزوج جاريتة هذا البطن غلام هذا البطن الاخر حتى ولد له ابنا يقال لها قابيل وهابيل وكان قابيل حنا زرع وكان هابيل حنا زرع وكان قابيل اكبرهما وكان له اخت احسن من اخت هابيل وان هابيل طلب ان ينكح اخت قابيل فابي عليه قال هي اختي ولدت معي وهي احسن من اختك وانا احق ان تزوجها فامر ابوہ ان يزوجه هابيل فابي وانهما قربا قربانا الى الله ايهما احق بالجارية الخ - (طبري ج ۲ ص ۱۸۸ سورة المائدة) ۱۸۸

۱۸۸ وقال ابن كثير قال السيد فيما ذكر عن ابن عباس وابن مسعود وناس من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم انه كان لا يولد لآدم مولود الا ولد مع جاريتة فكان يزوج غلام هذا البطن جاريتة هذا البطن الاخر ويزوج جاريتة هذا البطن غلام هذا البطن الاخر حتى ولد له ابنا يقال لها هابيل وقابيل وكان قابيل حنا زرع وكان هابيل حنا زرع وكان قابيل اكبرهما وكان له اخت احسن من اخت هابيل وان هابيل طلب ان ينكح اخت قابيل فابي عليه وقال هي اختي ولدت معي وهي احسن من اختك وانا احق ان تزوج بها فامر ابوہ ان يزوجه هابيل فابي وانهما قربا قربانا الى الله عز وجل ايهما احق بالجارية الخ - (تفسير ابن كثير ج ۲ ص ۱۸۸ سورة المائدة تحت الآية: واول عليهم نيا ابني آدم.....) — ومثله في التفسير المظهرى للقاصي ثنا الله پانی پتی ج ۲ ص ۱۸۸ سورة المائدة۔



غیر ذوی العقول کے لیے ذوی العقول کے لفظ کا استعمال | سوال :- سورة اعراف آیت ۱۹۱ وَهُمْ يَخْلُقُونَ اور

آیت ۱۹۳ پر وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ مِنْهُمْ ضَمِيرٌ كَامِرَجٌ كَمَا هِيَ اور اُرْبَتٌ مراد ہیں تو ذوی العقول کی ضمیر غیر ذوی العقول میں کیسے استعمال ہوئی ہے؟

الجواب :- ان دونوں آیتوں میں ضمیر کی ضمیر مبتدئوں کی طرف راجع ہے جو پہلے آیت ۱۹۱ میں لفظ مَا کے ضمن میں مذکور ہے اور ضمیر اگرچہ ذوی العقول کے لیے استعمال کی جاتی ہے لیکن چونکہ مشرکین نے بتوں کو اپنا الہ بنا یا تھا اور ان کو عقلمند سمجھتے تھے، اس لیے قرآن کریم کا اسلوب بھی بطور زجر و توبیخ ان کے عقائد کے مطابق چلا۔

لما قال الشيخ محمود الآلوسی: وإيراد ضمير العقلاء مع ان الاضمار مما لا يعقل انما هو بحسب اعتقادهم قیها واجرائهم لها مجرى العقلاء وتسميتهم لها الالهة - (روح المعانی ج ۹ ص ۱۰۷)

سوال :- سورة اعراف آیت ۱۹۱ میں ارشاد ربانی ہے: اَلِشْرَكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يَخْلُقُوْنَ

یہاں لفظ مَا سے مراد کون ہیں؟ اور لفظ ما ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے یا غیر ذوی العقول کے لیے؟

الجواب :- اس آیت کریمہ میں لفظ مَا سے مراد ابلیس اور بت ہیں اور لفظ مَا اکثر غیر ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے تاہم بعض اوقات ذوی العقول کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

لما قال ابغوی: اَلِشْرَكُوْنَ مَا - ای ابلیس والاصنام - (معالم التنزیل ج ۲ سورة الاعراف ص ۲۲۲)

سوال :- سورة الاعراف آیت ۱۹۲ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ لَفْظِ عِبَادٍ كِتَابِیْرِ دُونَ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَلُكُمْ مِنْ عِبَادٍ سِوَاكَ كَمَا مَرَدٌ هِیْ؟

۱۔ وقال القاسمی ثناء الله پانی پی: هم ضمیر الاصنام حیثی بلو بناء علی ان تسمیتهم الالهة -

(تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۲۲ تحت آیت: اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ - الاعراف)

۲۔ وقال البیضاوی: ما ای الاصنام - (تفسیر بیضاوی ج ۳ ص ۳۸ - سورة الاعراف)

وَمِثْلُهُ فِي تَفْسِيرِ الْمِظْهَرِيِّ ج ۳ ص ۲۲۲ تَحْتَ الْآيَةِ: اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ - (الاعراف)

الجواب :- لفظ عبادٌ عبد کی جمع ہے جو معنی املوک ہے، اور مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا رد کرتے ہوئے مشرکین مکہ کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو اور تم نے اپنے لیے جو معبود بنا رکھے ہیں ان میں اور تم میں کوئی فرق نہیں، جیسے تمہارا مالک اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح ان کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور معبود ایسا ہونا چاہیے جو عابد سے درجے میں برتر ہو۔

ما قال القاضی پانی پتی؟ عبادٌ امثالکم ای مخلوق مملوكةٌ مذللةٌ مسخرةٌ لما ارید منهم۔

التفسیر المظہری ج ۳ ص ۲۲۲ سورة الاعراف پارہ ۱ ص ۱۷

سوال :- مصر کے عجائب گھر میں فراعنہ کے دور کی ایک لاش ہے فرعون کی لاش کی تحقیق جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اُس فرعون کی لاش ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے مقابلہ ہوا تھا، بعض لوگ اس کے ثبوت کے لیے سورة یونس کی آیت کریمہ فَايَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ کا سہا را لیتے ہیں، کیا اس آیت کا مقصد واقعی یہ ہے کہ فرعون کی لاش محفوظ رہے گی اور وہ آج تک مصری عجائب گھر میں محفوظ ہے؟

الجواب :- مصریوں کو ۱۹۲۶ء میں کچھ لاشیں ملیں جن کو دیکھ کر آثارِ قدیمہ کے بعض ماہرین نے یہ رائے ظاہر کی کہ یہ فرعون کی لاش ہے لیکن یہ بات ابھی تک پایہ ثبوت تک نہیں پہنچی کہ واقعی اسی فرعون کی لاش ہے جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہوا تھا اس لیے کہ اُس زمانے میں مصر کا ہر بادشاہ فرعون کے نام سے پکارا جاتا تھا، جہاں تک سورة یونس کی آیت کریمہ سے اس کے لیے سہا را لینے کی کوشش ہے تو یہ ایک بے سود کوشش ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کا یہ مطلب نہیں کہ فرعون کی لاش قیامت تک محفوظ رہے گی ورنہ آج اس کی لاش ناقابل دید ہے اس صورت میں پھر قرآن کی تکذیب لازم آئے گی۔ حضرت مخائون نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: 'سو بجلے نجات مطلوبہ کے آج ہم تیری لاش کو پانی میں تہ نشن ہونے سے نجات دیں گے تاکہ ان کے لیے موجب عبرت ہو جو تیرے بعد موجود ہیں کہ تیری جالی اور تباہی دیکھ کر حکم الہی کی مخالفت سے ڈریں' (دیباچہ قرآن ج ۲ ص ۲۵)

لہ وقال البيضاوي: امثالكم من حيث انها مملوكةٌ مسخرةٌ - (تفسیر بیضاوی ج ۳ ص ۲۹ سورة الاعراف آیت ۱۹۲)

وَمَثَلُهُ فِي مَعَالِمِ التَّنْزِيلِ لِلْبَغْوِيِّ ج ۲ ص ۲۲۲ سورة الاعراف۔

۲۷ مفسرین کے ہاں ننجیك کا معنی ای نلقیک بنجوة من الامراض الخ "یعنی تیری لاش کو کسی اونچی جگہ میں ڈال دیں گے" (ملک التنزیل ج ۲ ص ۱۷۵) وقال البيضاوي: نلقیک علی نجوة من الارض لیواک بنوا سرائیل الخ (تفسیر بیضاوی ج ۳ ص ۲۱)

وهكذا اقال الزمخشري في تفسيره الشهير بالکشاف ج ۲ ص ۳۶۸ سورة الاعراف۔



**لفظ لاجرم کی تحقیق** | سوال :- قرآن کریم میں متعدد مقامات پر لفظ لاجرم کا استعمال ہوا ہے، مثلاً سورۃ النحل، سورۃ مومن وغیرہ، اس کا لفظی معنی کیا ہے اور صرفی و نحوی قوانین کے مطابق اس کی ترکیب کیا ہے؟ اگر لاجرم میں لام کے ساتھ الف کو کھڑا کر کے نہ پڑھا جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** لاجرم کو الف کے بغیر پڑھنے سے چونکہ معنی متغیر ہو جاتا ہے اس لیے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہ احناف کے مشہور اقوال میں سے ہے۔ اس لفظ کی ترکیب صرفی و نحوی میں علماء نے متعدد توجیہات کی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) امام سیبویہ خلیل اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ لاجرم خمسۃ عشر کی طرح مرکب بنائی ہے اور مجموعہ فعل ماضی کے معنی میں ہے یعنی حق، اور اس کے بعد والا کلام کا مصدر بآن ہے جو کہ لاجرم کا فاعل ہوتا ہے۔

(۲) بعض دوسرے علماء کے نزدیک جرم فعل ماضی بمعنی ثبت و وجیب ہے اور بعد والا جملہ اس کا فاعل ہے اور لا اس میں نافیہ ہے جو ما قبل کے مضمون کی نفی کرتا ہے۔

(۳) زجاج کا کہنا ہے کہ جرم بمعنی کسب ہے اور اس میں ضمیر مستتر ہے اس کا فاعل ہے جو کلام سابق کے مناسب مضمون کی طرف راجح ہے اور ما بعد والا کلام جرم کا مفعول ہوگا اور لانا فیہ ہے۔

(۴) زجاج سے یہ بھی منقول ہے کہ لاجرم اصل میں لَا يَدْخُلُكُمْ فِي الْجَرَمِ کے معنی میں ہے پھر کثرت استعمال کی وجہ سے لا بد کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(۵) کسائی سے منقول ہے کہ جرم میں لانا فیہ ہے اور جرم اس کا اسم ہے یعنی بر فحہ جیسے لَا رَجُلَ اور معنی اس کا لاصد ولا منع ہے۔

(تفسیر روح المعانی ج ۲ ص ۳۲ - تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۲)

**حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے نکاح کی تحقیق** | حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے درمیان عقد نکاح ہوا تھا یا نہیں؟

**الجواب :-** حضرت یوسف علیہ السلام جب شاہ مصر کے ہاں گئے تو عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ کی صفائی کے بعد شاہ مصر نے آپ کو اپنے خواص میں نمایاں جگہ دی اور پھر عزیز مصر کے انتقال کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے منصب پر فائز کیا



اور اس کی بیوی جس کا نام بعض مفسرین نے زلیخا بتایا ہے) کا نکاح حضرت یوسفؑ کے ساتھ کر دیا۔ چونکہ عزیز مصر نامزد تھا اس لیے زلیخا اس وقت تک باکرہ ہی رہی۔ پھر زلیخا سے حضرت یوسف علیہ السلام کے تین بچے پیدا ہوئے جن کے نام افزائش، یثنا اور رحمت ہیں۔

قال البغوی: عن ابن اسحق قالوا ثم ان قطفیرای عزیز مصر هلك في تلك الليالي فزوج الملك ليوسف را عییل امرأة قطفیر فلتمادخل علیها قال ایس هذ اخیراً ما کنت تریدین متی قالت ان العزیز کان لایأتی النساء۔۔۔۔۔ فقرب منها یوسف فوجدها عذراء۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۳۳) لہ

**حضرت یوسف علیہ السلام کے حیلے کی حقیقت** | سوال :- سورة یوسف آیت ۲۳ میں ہے کہ تَمَّ اِذْ نَ مَوَدَّنَ اٰیَّتِهَا الْعِیْرَ اَتَكُم

لَسَارِقُونَ۔ اس میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو چور ٹھہرایا گیا ہے جو دراصل بے گناہ تھے، اور سورة نساء آیت ۱۱ میں ارشادِ ربانی ہے: وَهَنْ یَکِیْبُ خَطِیْئَةً اَوْ اٰثِمًا تَمَّ یَدْرَ اِبْنُ بَرِیْئًا فَقَدْ اُحْتَمَلَ بِهٖتَا نَا وَاِثِمًا مِّبِیْنًا۔ اس آیت سے بے گناہ پر الزام لگانا گناہ معلوم ہو رہا ہے، لہذا یوسف علیہ السلام نے کیوں ایسا کام کیا؟

**الجواب:** حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھنے کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ وحی الہی کے تابع تھا جس کی بعد میں اللہ تعالیٰ نے کَذٰلِکَ کِدْنَا لِیُوسُفَ کے ساتھ تعبیر کر کے بحین بھی فرمائی، لہذا اس میں حضرت یوسف علیہ السلام پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔

لما قال احمد الصاوی: کَذٰلِکَ کِدْنَا لِیُوسُفَ علمناه الاحتیال۔ ای فما وقع من یوسف فی تلك الواقعة بوحی من الله تعالیٰ وجینید فلا یقال کیف نادی علی اخوتہ بالسرقۃ واتهمهم بہا مع انہم بریئون۔ (تفسیر صاوی ج ۲ ص ۲۵۲ سورة یوسف) لہ

لما قال القوطی: ثم مات قطفیرای عزیز مصر فزوجہ الولید بزوجة قطفیر را عییل فدخل بہا یوسف فوجدھا عذراء وولدت له والدين الخ۔ (احکام القرآن ج ۵ ص ۲۱۸ سورة یوسف)

وَمِثْلُهٗ فِی تَفْسِیْرِ ابْنِ کَثِیْرٍ ج ۲ ص ۲۸۲ سورة یوسف۔

۲ وقال الحافظ ابن کثیر وھذا من الکید المحبوب المراد الذی یحبہ الله ویرضاه لما فیہ من الحکمة والمصلحة المطلوبۃ الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۵ سورة یوسف)

وَمِثْلُهٗ فِی تَفْسِیْرِ جَامِعِ الْبِیَّانِ لِطَبْرِی ج ۸ ص ۲۲ سورة یوسف۔

**مسئلہ رُوح** | سوال :- جناب مفتی صاحب! رُوح کی حقیقت کیا ہے؟ اس مسئلہ کو وضاحت سے بیان فرمایا جائے؟

**الجواب :-** جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رُوح کے بارے میں سوال ہوا تو وحی الہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے صرف اس پر اکتفا کیا: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي یعنی رُوح بھی میرے رب کے امر کُن ہے اور اس کی مخلوق ہے۔

اس کے بعد ہر زمانے کے فلاسفہ عقلا اور سائنسدان، غرض ہر مذہب کے پیروکاروں نے اور انہوں نے اپنی علمی بساط کے مطابق رُوح کے بارے میں اظہارِ خیال کیا حتیٰ کہ رُوح ایک مستقل موضوع بن گیا جس پر کئی کتابیں اور رسائل لکھے گئے۔

اسی طرح مفسرین حضرات میں بھی دو جماعتیں بن گئیں، بعض نے اس میں تفصیل اور گہرائی میں جانے سے گریز کیا ہے اور انہوں نے اسی اجمال کو ترجیح دی ہے جسے کلام اللہ میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رُوح کے بارے میں لوگوں نے جو اختلاف کیا ہے اس کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں اور انہوں نے جو تحقیقات و تفصیلات کی ہیں ان کو طبت اور فلسفہ سے اخذ کیا گیا ہے جس سے سلف نے قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي کے پیش نظر سکوت کیا ہے۔ اس لیے کہ سلف صالحین نے جب یہ دیکھا کہ مشرکین نے سوال کیا اور اس وقت وحی نازل ہو رہی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موجود محض پھر بھی مشرکین کو تفصیلی جواب نہیں ملا تو اس مسئلے میں سکوت کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔

لما قال وقد اختلف الناس في ماهية الروح ثم اختلفوا هل الروح النفس ام هاشيئان فلا يحتاج الى ذكر اختلافهم لانه لا برهان على شئ من ذلك وانما هوشئ اخذوه عن الطيب والفسفة فاعمال السلف فاتهم سكتوا عن ذلك لقوله تعالى: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي قَلَّمَارًا وَأَنَّ الْقَوْمَ سَأَلُوا عَنِ الرُّوحِ فَلَمْ يُجَابُوا وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ وَالرَّسُولُ حَتَّى عَلِمُوا أَنَّ سَكُوتَ عَمَّا لَمْ يَحْفَظْ بِحَقِيقَةِ عِلْمِهِ أَوْلَى - (زاد المسير ج ۵ ص ۸۶ سورة الاسراء)

اسی طرح امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی اسی ابہام کو ترجیح دی ہے جسے قرآن میں اختیار کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي کی وجہ سے بہتر اس میں ابہام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل بیان نہ کر کے مبہم اس لیے چھوڑا ہے تاکہ انسان اپنے وجود پر علم رکھنے کے باوجود اپنی حقیقت سے جاہل ہو کر اپنے عجز کا اعتراف کرے۔ اور جب انسان کی اپنے نفس



کے بارے میں یہ حالت ہو تو اشریح مجرہ کی حقیقت کے جاننے کے بارے میں ضرور عاجز ہوگا۔  
 لما قال الصحيح الابهام لقوله تعالى: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي - ای ہوا امر عظیم و شات  
 کبیر من امر الله تعالى مبہماً و تارکاً تفصیله لیعرف الانسان علی القطع عجزه عن علم حقیقة  
 نفسه مع العلم بوجودها و اذا کان الانسان فی معرفة نفسه هکذا کان بعجزه عن ادراک  
 حقیقة الحق اولی۔ الخ (احکام القرآن للقرطبی ج ۱۰ ص ۳۲۳)

ان کے مقابلے میں بعض مفسرین حضرات ایسے ہیں جو روح کے بارے میں تفصیل کرتے  
 ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ آیت کریمہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي میں اجمال کو اس لیے اختیار نہیں  
 کیا گیا کہ اُمتِ مرحومہ اس کی حقیقت کو نہیں بھانپ سکتی بلکہ یہ اجمال اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ  
 اکثریت اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتی اگرچہ بعض افراد پر یہ حقیقت کھل سکتی ہے، اور یہ  
 ضروری نہیں کہ جس چیز سے شریعت نے سکوت کیا ہو اس کی معرفت ناممکن ہو بلکہ اکثر ایسے ہوتا  
 ہے کہ کسی مصلحت کے پیش نظر سکوت کیا جاتا ہے جسے اکثر نہیں سمجھ سکتے۔

لما قال الامام ولی الله الدهلوی: وليست الآية نهما في انه لا يعلم احد من الامة الروح  
 حقیقة الروح كما یظن وليس كل ما سکت عنه الشرع لا یمكن معرفته البتة بل كثيراً  
 ما یسکت عنه لاجل انه معرفة دقيقة لا یصلح لتعاطيها جمهور الامة وان  
 امکن لبعضهم۔ الخ (حجة الله البالغة ج ۱ ص ۱۸ باب حقیقة الروح)

اس کے بعد روح کے بارے میں تفصیل بیان کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:-  
 جاننا چاہیے کہ روح کے متعلق اولاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیوان میں زندگی کا باعث ہوا کرتی ہے جب  
 حیوان میں روح ڈال دی جاتی ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے اور جب نکال لی جاتی ہے تو وہ مر جاتا ہے  
 اس کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں ایک لطیف بھاپ ہے جو اخلاط کے خلاصہ  
 سے پیدا ہوتا ہے۔۔۔ پھر جب زیادہ غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روح حقیقی  
 کا مرکب ہے اور روح حقیقی کے بدن سے متعلق ہونے کا مادہ ہے۔۔۔ اور روح حقیقی  
 ایک جداگانہ چیز ہے، وہ ایک نورانی نقطہ ہے، ان تمام متغیرات سے جن میں سے بعض جوہر ہیں  
 اور بعض عرض، اس کا رنگ ڈھنگ نرالا ہے۔

لما فی الحجۃ اللہ البالغہ: واعلم ان الروح اول ما یدرک من حقیقتہا انہا مبداء الحیاة  
 فی الحيوان وانه یكون حیاً ینفخ الروح فیہ ویکون میتاً بمفارقةا منها ثم اذا امعن



فی التامل ینجلی ان فی البدن بخاراً لطیفاً متولداً فی القلب من خلاصۃ الاخلاط .....  
 ثم اذا امعن فی النظر ایضاً انجلی ان هذا الروح مطیة للروح الحقیقة ومادة لتعلقها .....  
 بل الروح فی الحقیقة حقیقة فردانية ونقطة نورانية یجمل طورها عن طور هذا الاطوار  
 المتغیرة المتغائرة التي بعضها جواهر وبعضها اعراض - (حجة الله البالغة ج ۱۸ باب حقیقة الروح)

**اصحاب کہف کے کتے کا جنت میں جانا** | سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے  
 میں کہ اصحاب کہف کا کتا جنت میں جائے گا یا نہیں؟

**الجواب :-** قرآن کریم اس مسئلے میں ساکت ہے اور ذخیرة احادیث میں بھی اس کا ذکر نہیں  
 ملتا، تاہم مفسرین حضرات نے چند حیوانات ایسے بتلائے ہیں جو جنت میں جائیں گے اور اصحاب کہف  
 کے کتے کو بھی ان کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

لما قال العلامة اسمعیل بن البرسوی: وروی انه یدخل الجنة مع المؤمنین علی ما قال  
 مقاتل عشرة من الحيوانات تدخل الجنة ناقة صالح وعجل ابراهيم وكبش اسمعیل وبقرة  
 موسى وحوت يونس وحمار عزير ونملة سليمان وهدد بلیس وکلب اصحاب الکہف  
 وناقة محمد صلی الله علیه وسلم فكلهم یصیرون علی صورت كبش و یدخلون  
 الجنة - (روح البیان ج ۵ ص ۲۲۶ سورة الکہف) ۲

**صاحب موسیٰ کا بشر ہونا** | سوال :- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس شخص کے پاس جا کر  
 استفادہ کرنے کا حکم ہوا تھا وہ انسان تھا یا کوئی

له وقال احمد مصطفیٰ المواقف: ان الروح جسم نورانی حی متحرك من العالم العلوی مخالفت  
 بطبعه لهذا الجسم المحسوس ساریفه سریان الماء فی الورد والدهن فی الزيتون والناد  
 فی الفحم لا یقبل التبدل والتفرق والتمزق یفید الجسم المحسوس الحیاة وتوابعها  
 مادام صالحاً لقبول فیض وعدم حدوث ما یمنع السریان والاحداث الموت - واختار  
 الرازی وابن القیم - (تفسیر مراغی ج ۱۵ ص ۱۹ آراء العلماء فی الروح)

له وقال العلامة محمود الالوسی رحمه الله: وجاء فی شأن کلبهم انه یدخل الجنة  
 یوم القيامة فعن خالد بن معدان لیس فی الجنة من الدواب الاکلب اصحاب کہف  
 وحمار بلعم - (روح المعانی ج ۱۵ ص ۲۲۶ تحت وَكَلْبُهُمْ بِاسْطِذْرَاعِهِ - الکہف)  
 ومثله فی تفسیر جمیل ج ۳ ص ۱۱ سورة الکہف -

فرشتہ تھا؟

الجواب :- اس بارے میں ایک ضعیف قول یہ ہے کہ یہ شخص فرشتہ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے استفادہ کرنے کا حکم ہوا تھا، لیکن یہ قول بہت ہی کمزور اور غیر معتد بہ ہے اور جمہور علماء کے نزدیک یہ حضرت خضرؑ تھے جو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور فرشتہ نہ تھے بلکہ انسان تھے۔

لما قال الشيخ آلوسی رحمہ اللہ: قوله تعالى: عِبَادًا مِّنْ عِبَادِنَا۔ الجمہور علی انه الخضر لفتح الحاء۔ وقيل ايباس وقيل ملك من الملائكة وهو قول غريب باطل كما في شرح مسلم والحق الذي تشهد له الاخبار الصحيحة هو الاول الخ (روح المعاني ج ۵ ص ۳۱۹) لہ

نبوت خضر علیہ السلام | سوال :- خضر علیہ السلام نبی تھے یا ویسے اللہ تعالیٰ کے کوئی نیک بندے تھے؟

الجواب :- حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور ولایت میں اختلاف ہے، بعض علماء کے نزدیک وہ اللہ تعالیٰ کے ولی اور نیک بندے تھے، اور بعض دیگر حضرات کا قول یہ ہے کہ وہ نبی تھے جس پر وہ مختلف شواہد اور دلائل پیش کرتے ہیں۔

لما قال الحافظ ابن کثیر: تحت قوله تعالى: وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي۔ وفيه دلالة من قال بنبوته الخضر عليه السلام وقال آخرون كان رسولاً وقيل بل كان ملكاً وذهب كثيرون الى انه لم يكن نبياً بل كان ولياً. فالله اعلم۔ (تفسير ابن کثیر ج ۳ ص ۹۹ سورة الكهف آیت ۸۲)

وقال الرازي رحمه الله: قال الاكثرون ان ذلك العبد كان نبياً واحتجوا عليه بوجوه الخ۔ (تفسير کبیر ج ۲ ص ۱۲۸ سورة الكهف آیت ۶۵) لہ

لہ وقال القرطبي رحمه الله: هو الخضر عليه السلام في قول الجمهور..... وقيل كان ملكاً امر الله موسى ان يأخذ عنه مما حمله من علم الباطن والاول الصحيح۔ (تفسير قرطبي ج ۶ ص ۱۶ سورة الكهف آیت ۸۳)

لہ وقال القوطي رحمه الله: والخضر نبی عند الجمہور وقيل هو عبد صالح غير نبی والآية تشهد بنبوته لان بواطن افعاله لا تكون الا بوحی۔ (تفسير حکم القرآن للقرطبي ج ۱۱ ص ۱۱۴ سورة الكهف آیت ۶۵)

وقال ابو حيان الأندلسي رحمه الله: والجمہور علی ان الخضر نبی وكان علمه معرفته بواطن قد اوجبت اليه الخ۔ (تفسير البحر المحيط ج ۶ ص ۱۲۴ سورة الكهف آیت ۶۵)

**حیاتِ نضر علیہ السلام کی تحقیق** | سوال :- حضرت نضر علیہ السلام اب بھی زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں ؟

**الجواب :-** حضرت نضر علیہ السلام کی حیات کے بارے میں علماءِ دُور و کُروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ بعض محدثین کا قول یہ ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں، اور وہ اس پر مختلف دلائل پیش کرتے ہیں لیکن آٹھ کے مقابلے میں جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ حضرت نضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں، اور یہی صوفیائے کرام کا قول ہے۔

لما قال العلامة آلوسی: وذهب جمہور العلماء الی انہ حیٌّ موجود بین اظہرنا وذلک متفقٌ علیہ عند الصوفیة۔

قال التووی: وقال ابن صلاح ہوجی الیوم عند جماہیر العلماء والعامۃ معہم فی ذلک وانما ذهب الی انکارہ بعض المحدثین۔ الخ (روح المعانی ج ۵ ص ۲۹۵ سورۃ کہف آیت ۶۵)

وقال الثعالبی:۔ والحضر شرب من ماء الحیاة فہوجی الی ان یمخرج الدجال وانہ الوجل الذی یقتلہ الدجال۔ (تفسیر ثعالبی ج ۲ ص ۲۸۸ سورۃ الکہف آیت ۶۰)

وقال القرطبی: الصحیح انہ حیٌّ علیٰ ما نذکرہ من الدلائل۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۱ سورۃ الکہف آیت ۸۲)

تاہم چونکہ مسئلہ اختلافی ہے اور دونوں طرف محققین علماء موجود ہیں، اور اس سے کسی عقیدے کا تعلق بھی نہیں، اس لیے اس کے بارے میں وہی راستہ اختیار کرنا چاہیے جس کو قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے نقل کر کے فریقین کے اشکالات کو رفع کیا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے عالم کشف میں خود نضر علیہ السلام سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں اور ایسا س علیہم السلام ہم دونوں زندہ نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ قدرت بخشی ہے کہ ہم زندہ آدمیوں کی شکل میں متشکل ہو کر لوگوں کی امداد و مختلف صورتوں میں کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا عمل ہے کہ اس سے جانبین کے استدلال اور شواہد کی رعایت ہو جاتی ہے۔

ولا یمکن حل ہذا الاشکال الا بکلام المجدد للاف الثانی فانہ حیٌّ عن حیاة المنصر ووفاتہ توجہ الی اللہ سبحانہ متعلماً من جنابہ عن ہذا الامر فرئی المنصر حاضر عندہ فسئلہ عن حالہ فقال انا والیاس لسا من الاحیاء لکن اللہ سبحانہ اعطیٰ رواحنا قوۃ نتجسد بہا ونفعل بہا افعال الاحیاء من ارشاد النصال واعاثة الملمہوف اذا شاء اللہ وتعلیم اللدنی واعطاء النسبۃ لمن



شاء اللہ تعالیٰ۔ (تفسیر مظہری ج ۶ ص ۶۱۶ سورۃ الکہف آیت ۸۲)

**ذوالقرنین کون تھا؟** | سوال: قرآن کریم میں ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے، یہ شخص کون تھا؟  
**الجواب:** ذوالقرنین کے متعلق قرآن کریم میں جو وضاحت ہے وہ صرف اتنی ہے کہ وہ ایک نیک اور عادل بادشاہ تھا جس نے مشرق و مغرب میں پہنچ کر ان ممالک کو فتح کیا اور ان میں عدل و انصاف کی حکومت قائم کی، اس ہم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قسم کا سامان اور ضروریات اس کو عطا کئے گئے تھے، اس نے فتوحات کرتے ہوئے مختلف اطراف کے اسفار کیے، جن میں مشرق اقصیٰ، مغرب اقصیٰ اور شمالی کوہستان کے ممالک شامل ہیں، اس سفر کے دوران اُس نے دو پہاڑوں کے درمیانی درے کو آہنی دیوار سے بند کر دیا جہاں سے یا جوج نا جوج نکل کر وہاں کے باشندوں کو تکالیف پہنچاتے اور ہر سال کرتے تھے۔ چونکہ قرآن کریم کا نزول ضروریات کے مطابق ہوتا تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس وقت جو سوال ہوا تھا اُس کے سائیس کی تشفی مذکورہ جواب سے ہو گئی تھی، اس لیے قرآن مجید میں ذوالقرنین کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی ذخیرہ احادیث میں اس کے بارے میں کوئی خاص ذکر ملتا ہے، البتہ اس بارے میں تاریخی اور اسرائیلی روایات ملتی ہیں، لیکن چونکہ ذوالقرنین کی تعیین کے بارے میں تاریخی روایات مختلف ہیں اس لیے چند اقوال ملاحظہ ہوں :-

(۱) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد اسکندر مقدونی یونانی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے گذرا ہے، اور اسی کو علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے۔

لما قال: والاقرب عندی لالزام اهل الملل والنحل..... اختیاراً انہ الاسکندر بن فیلفوس

غالب دار الخ۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۱۶۳ سورۃ کہف آیت ۸۲)

(۲) اسی طرح امام رازی نے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے اسی قول کو ذکر کر کے اس پر دلائل پیش کیے ہیں، اور اخیر میں کہتے ہیں، والقول الاول اظہر لما ذکرنا۔ الخ

(تفسیر کبیر ج ۲۱ ص ۱۶۵ سورۃ کہف آیت ۸۲)

لیکن حافظ ابن کثیر نے اس قول کی بڑی سختی سے تردید کی ہے کہ اسکندر مقدونی کافر و مشرک تھا اور حکیم ارسطو اس کا استاد تھا اور جس شخص کا ذکر قرآن کریم میں آیا وہ اتفاقاً مومن تھا، بلکہ بعض کے نزدیک تو نبی تھا، لہذا اس کو اسکندر مقدونی کہنا غلط ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ

ہو: البدایة والنهاية ج ۲ ص ۹۷ خیر ذوالقرنین)

(۳) بعض مؤرخین اور مفسرین کے نزدیک ذوالقرنین سے مراد ابو کرب شمتر بن عبید جمیری تھا، اور وہ اس پر بنو جمیر کے شعراء کے قصائد سے استدلال کرتے ہیں جن میں ذوالقرنین کی تعریف کی گئی ہے، اسی قول کو ابو بکر بن بیرونی نے ترجیح دی ہے۔ (تفسیر کبیر، روح المعانی)

(۴) اور اکثر متقدمین کے نزدیک ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا، حج کے موسم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کی ملاقات ہوئی اور حضرت علیہ السلام اس کے وزیر یا مشیر تھے۔

(۵) جدید دور کے محققین اور تاریخ القرآن کے ماہرین مثلاً مولانا حفیظ الرحمن، مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کا موقف یہ ہے کہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین سے مراد فارس کا وہ بادشاہ ہے جسے یہود نخورس، یونانی سائرس، فارسی گورکس، اور عرب کینسر کہتے ہیں۔ اس پر وہ قرآن کریم سے اور تاریخی شواہد اور اسرائیلی روایات سے دلائل قائم کرتے ہیں۔

(قصص القرآن ج ۳ ص ۱۸۹ ذوالقرنین)

**لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ كِتَابِ** | سوال: شیخ سعدی نے فرمایا ہے کہ

سب صحابہ کہتے ہیں کہ انسان بننا معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے ذہن میں کچھ خدشات پیدا ہوتے ہیں کہ صحابہ کہتے ہیں کہ انسان بننا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ، تو پھر اس کلمے میں کیسے تبدیلی آئی کہ وہ انسان بن گیا؟

**الجواب:** قرآن کریم اور ذخیرہ احادیث میں یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ صحابہ کہتے ہیں کہ انسان بن گیا ہو، اور نہ ہی شیخ سعدی کی یہ مراد ہے بلکہ شیخ سعدی نیک بندوں کے صحبت کے اچھے اثرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب گتے نے (جو کہ جس حیوان ہے) نے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی صحبت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمایا۔ جب گتے کو نیکیوں کی صحبت سے اتنا بلند رتبہ ملتا ہے تو مومن مؤحد جب ایسا کرے گا تو وہ ضرور اس رتبے کا مستحق بنے گا۔

لما قال محمد بن احمد: قلت اذا كان بعض الكلاب قد نال هذه الدرجة العليا بصحبته وفعالته الصالحة والاولياء حتى اخبر الله تعالى بذلك في كتابه بل وعلا قاطنك بالمؤمنين الخ۔ (قرطبی ج ۱۰ ص ۳۷۱ سورة الكهف آیت ۱۸)







## حضرت داؤد علیہ السلام اور اسرائیلی روایات | سوال :- قرآن کریم کی سورۃ ص میں

حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کے متعلق تفسیر جلالین میں بمعجۃ تلك المرأة کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے۔ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے توقف کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح تفسیر روح البیان میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کے بیان کرنے والے کے لیے حد مقرر کی تھی۔ اس واقعہ میں کہاں تک صداقت ہے؟

الجواب :- جلالین اگرچہ ایک بہترین تفسیر ہے لیکن بعض مقامات پر اس کی تفسیر قابل مواخذہ ہے جن میں سے ایک مذکورہ جگہ بھی ہے، انبیاء علیہم السلام کی طرف ایسی نسبت موجب تنقیص ہے جس سے انبیاء کرام محفوظ ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ محققین مفسرین نے اس واقعہ سے انکار کیا ہے، چنانچہ حافظ اسماعیل بن کثیر رحمۃ اللہ اپنی تفسیر لکھتے ہیں :-

قد ذکر المفسرون ہنا قصۃ اکثرها ماخوذ من الاسرائیلیات ولو ثبت فیہا عن المعصوم حدیث یجب اتباعہ..... فالاولی ان یقتصر علی مجرد تلاوة هذه الآیة وان یرد علمها الی اللہ عز وجل۔ الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۵۷ سورہ ص) اور علامہ احمد مصطفیٰ رحمہ اللہ اس بارے میں لکھتے ہیں :-

اتما جاء من القصص عن ذکوا السبب فی محیی الملکین فایجل بمنصب النبوة وفیہ نسبة الکبائر الی الانبیاء فیجب علینا ان نطرحہ اذ یبطل الوثوق بالشرائع۔ الخ (تفسیر مراغی ج ۲۳ ص ۱۱۱ سورہ ص)

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حد مقرر کرنے کی جو بات ہے یہ کسی روایت سے ثابت نہیں اور بصورت ثبوت ان کے اجتہاد پر محمول ہے جس کی اتباع کرنا ضروری نہیں۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ اس موقع پر تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

قال علیؑ علی ما فی بعض الكتب من حدث یحدیث داؤد علیہ السلام علی ما یرویہ القصاص جلدتہ مائتہ وستین وذلك حد القریة علی الانبیاء۔ وهذا اجتہاد منه کرم اللہ وجہہ الا ان الزین العراقی ذکر ان الخیر نفسه لم یصح عن الامیر رضی اللہ عنہ۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۳ ص ۱۵۸ سورہ ص)

لہذا اس آیت کی وہ تفسیر قابل قبول ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر سے

معلوم ہوتی ہے۔

عن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما قال ما اصاب داود ما اصابه بعد الفتر من الامن عجب به من نفسه وذلك انه قال يارب ما من ساعة من الليل ولا نهار الا وعابد من ال داود يعبدك يصلي لك ويسبح او يكبر وذكرا شياء فكرة الله وقال يا داود ان ذلك لو يكن الا بي فلولا عوني ما قويت عليه وجلالي لا كلفك الى نفسك يوماً قال يارب فاخبرني به فاصابت الفتنة ذلك اليوم۔ (رواه الحاكم في المستدرک ج ۲ ص ۲۳۳)

جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض امور مثلاً حسن انتظام اور ہر وقت عبادت میں مشغول سے ایک نوع اعجاب کی وجہ سے بطور عتاب یہ واقعہ پیش آیا۔

**تعداد ازواج حضرت داؤد علیہ السلام** | سوال :- حضرت داؤد علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد کتنی تھی؟

**الجواب:** حضرت داؤد علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد مؤرخین اور مفسرین نے ایک سو بتائی ہے، لیکن یہ کوئی انوکھی بات نہیں، اس لیے کہ ان کی شریعت میں تعداد ازواج کے بارے میں کوئی خاص حد مقرر نہیں تھی کہ جس کی پابندی کی جاتی۔

لما قال الحافظ ابن كثير رحمه الله: وكانت لداود مائة امرأة منهم امرأة ورثها سليمان التي تزوجها بعد الفتنة وقد ذكرنا لكلي نحو هذا۔ (البدایة والنہایة ج ۲ ص ۱۵۲)

**سوال :-** سورہ صٰ کی آیت ۷۵ **اُمُّ كُنْتِ مِنَ الْعَالِيْنَ** کی تفسیر

پنج تن پاک مراد لیتے ہیں اور ان لوگوں کے نزدیک پنج تن پاک سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ ہیں اور ان کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ

له وقال القرطبي: وفي التفسير له تسع وتسعون امرأة۔ قال ابن العربي: ان كان جميعهن احراراً فذلك شرعه وان كن اماءً فذلك شرعنا والظاهر ان شرع من تقدم قبلنا لم يكن محصوراً بعدد وانما الحصر في شريعة محمد صلى الله عليه وسلم لضعف الابدان وقلة الاعمار۔ (احكام القرآن للقرطبي ج ۱ ص ۱۶۱ سورة ص)

ومثله في تفسير جلالين ج ۲ ص ۳۸۱ سورة ص۔



کرنے سے مُتَشَنِّیٰ کیا گیا تھا، کیا واقعہ کوئی ایسی جماعت تھی جسے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے مُتَشَنِّیٰ کیا گیا ہو؟

**الجواب:** حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا جس میں فرشتوں کے علاوہ کوئی اور داخل نہیں تھا، جبکہ پنج تن پاک کی جماعت اُس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ کسی تفسیر قرآن یا حدیث میں یہ بات نہیں ملتی کہ یہاں عَلَیْنِ سے مراد پنج تن پاک ہوں جبکہ اس آیت کی یہ تفسیر ہے وہ یوں ہے کہ جب ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکم سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس! تو نے میری اس خاص مخلوق کو سجدہ کیوں نہ کیا جبکہ یہ میرا حکم تھا، تو نے اب تکبر کیا یا تو پہلے سے متکبر تھا۔

لما قال العلامة محمود الا لوسی، استکبرت من غیر استحقاق اُم کنت من العالین۔  
او کنت مستحقاً للعلو فائق نیه۔ وقیل المعنی احدث لك الاستکبار ام لم تنزل منذ  
کنت من المستکبرین الخ۔ (روح المعانی ج ۲۳ ص ۲۲۶ سورہ ص)

**سوال:** کیا سورہ نحم السجدہ کی مندرجہ ذیل آیات  
**لَقَدْ اَعْدَا لِلّٰهِ كِتَابًا** کی تفسیر  
وَيَوْمَ يَحْشُرُ اَعْدَاءَ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْرَعُونَ،  
حَتّٰى اِذَا مَا جَاءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ  
(آیت ۲۰-۱۹) سے یہود و نصاریٰ، مشرکین، دہریہ وغیرہ ہی مراد ہیں یا جو لوگ کلمہ پڑھ کر اللہ  
سے تجاوز کرتے ہیں اور خدا و رسول کی نافرمانی کرتے ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں؟

**الجواب:** کسی آیت کے مفہوم کے بارے میں قطعی طور پر یہ فیصلہ کرنا کہ اس سے یہی مراد ہے  
کوئی اور نہیں، یہ تب ہو سکتا ہے جب الفاظ کی دلالت کا اس پر قطعی یقین ہو و دوسرا احتمال نہ ہو یا اس  
کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تصریح موجود، ان دونوں صورتوں کے علاوہ قطعی  
فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ تاہم آیت کا سیاق و سباق، موقع و محل کی مناسبت اور قرآن کی دوسری  
شہادتیں ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے عقل سلیم والا شخص کسی آیت کے مفہوم کے بارے میں بطور یقین غالب

۱۔ وقال ابن الجوزی: استکبرت بنفسك حين ایت السجود اُم کنت من العالین۔ ای من قوم یتکبرون  
فتکبرت علی السجود لکونک من قوم یتکبرون۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۱۵ سورہ ص)  
وَمِثْلُهُ قَالَ الصّابونی فی صفوة التفاسیر ج ۳ ص ۶۵ سورہ ص۔



یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہاں یہی مراد ہے۔

اب زیرِ غور آیتِ کریمہ کے بارے میں مذکورہ بالا امور کو مدِ نظر رکھ کر جب سوچا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اعداءِ اللہ سے مراد کفار و مشرکین ہیں، مؤمنین عاصین مراد نہیں ہیں۔ (۱) سیاق و سباق، سورۃ کی ابتداء سے ہی کفار و مشرکین عرب کے ساتھ تین باتوں پر گفتگو چل رہی ہے۔ قرآنِ کریم کا منزل من اللہ ہونا، اثباتِ توحید، اثباتِ رسالت، اور مختلف دلائل و براہین سے ان مسائل کو ثابت کیا گیا ہے اور اس کے بعد وَیَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰهِ کے ساتھ ان ہی کفار کے عقوبات کا ذکر ہو رہا ہے۔

(۲) مقامی قرائن یہاں پر یہ ہیں کہ یہاں پر اعداءِ اللہ کی تین نشانیاں بتلائی گئی ہیں جو کہ کفار کے ساتھ خاص ہیں، ایک یہ کہ وَ لٰکِنْ ظَنَنْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَعْلَمُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ دوسری اعضاء کی شہادت اور تیسری فَالْتَارَ مَثْوٰی تَہْمًا۔

(۳) یہ کہ لفظ اعداءِ اللہ کا اطلاق قرآنِ کریم میں کفار ہی پر ہوتا ہے، چند مقامات ملاحظہ ہوں: ۱۔ ذلک جزاء اعداء اللہ التار (حجۃ السجدہ آیت ۲۸) ۲۔ فَان اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّکَافِرِیْنَ (البقرہ ۹۸) ۳۔ لَا تَتَّخِذْ وَاَعْدُوِّیْ وَعَدُوٌّ وَّ کُمْ اَوْلِیَاءَ (المتحنہ ۴) ۴۔ وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ سِیِّئٍ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ (الفرقان ۳) ۵۔ عَدُوٌّ وَّ شَیْطٰنِ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ۔ (الانعام ۱۱۲)

اس کے برعکس قرآنِ کریم میں جب اللہ تعالیٰ مؤمنین سے مخاطب ہوتے ہیں تو اولیاءِ اولی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، مثلاً ۱۔ اللّٰهُ وِلٰیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (البقرہ ۲۵۴) ۲۔ اللّٰهُ وِلٰیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (آل عمران ۶۸) ۳۔ اِنَّمَا وِلٰیُّکُمْ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ (المائدہ ۵۵) ۴۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَ اَخُوٌّ عَلَیْهِمْ وَ لَا اَہْمٌ یَّحْزَنُوْنَ۔ (یونس ۶۲)

ان تمام شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اعداءِ اللہ سے مراد کفار ہیں نہ کہ مؤمنین فاسقین۔

اب مفسرین کے اقوال ملاحظہ ہوں:-

علامہ حافظ الدین نسفی فرماتے ہیں: (و یوم یحشر اعداء اللہ) ای الکفار من الاولین

والاخرین۔ (تفسیر مدارک ج ۲ ص ۹۲ سورۃ حم السجدہ آیت ۱۹) ۱۔

۱۔ علامہ ابوجیان اندلسی فرماتے ہیں: واعداء اللہ هم الکفار من الاولین والاخرین۔

(البحر المحیط ج ۱ ص ۲۹۱ حم السجدہ ۱۹)

وَمِثْلُهُ فِی اَحْکَامِ الْقُرْآنِ ج ۱ ص ۱۵۵ سورۃ حم السجدہ آیت ۱۹۔

**منافقین کی لکڑی سے تشبیہ** | سوال: سورہ منافقون کی آیت ۴ کا تھم خشب کا معنی اور مطلب کیلئے ہے؟

**الجواب:** اس سے پہلے منافقین کی بحث چل رہی ہے، اس آیت میں اللہ کریم نے منافقین کے بے عقل اور بے ایمان ہونے کی لکڑی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کتنی ہی موٹی کیوں نہ ہو لیکن بے جان ہوتی ہے یہی حالت منافقین کی ہے کہ اگرچہ ظاہری طور پر پرہیزگار و حکیم و عاقل نظر آتے ہیں لیکن اندر سے خالی ہوتے ہیں۔  
 لما قال الامام فخرالدين الرازى: والخشب لا تعقل ولا تفهم فكذلك اهل النفاق كانوا في ترك التعمق والاستبصار بمنزلة الخشب۔ (تفسیر کبیر ج ۳۵ ص ۱۵۰ سورہ منافقون آیت ۴) لہ

**وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ كَا عَمُومٍ بِرَجْمَلٍ كَرْنَا** | سوال: اگر کوئی شخص سورہ الم نشرح کی آیت ۱۰ سے مراد صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو زندگی کے تشکیلی دور میں محنت سے کام لے کر بلند مرتبہ حاصل کرے وہ بھی اس بلندی اور رفعت میں داخل ہے، کیا اس آیت سے یہ مفہوم مراد لیتا درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** چونکہ ورفعنالك ذكرك میں کاف واحد مخاطب کی ضمیر ہے اسلئے اس آیت میں خطاب خصوصی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے لہذا اس کو عام کرنا اور ہر شخص کو اس میں داخل کرنا صحیح نہیں۔ یہاں رفعت ذکر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی اذان، کلمہ شہد وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ذکر کرنا ہے جو کسی اور کے لیے حاصل نہیں ہو سکتا۔

لما قال محمد بن احمد: تحت هذه الآية روى عن الضعفاء عن ابن عباس رضي الله عنه قال يقول ليه لاذكرت الاذكرت في الاذان والاقامة والشهد ويوالجمعة على المنابر الخ۔ (حكا القرآن للقرطبي ج ۲ ص ۲۰ سورہ الم نشرح ص ۱۰)

۱۔ وقال القاضي البيضاوي رحمه الله: اي مشبهين باخشاب منصوبة مسندة الى الحائط في كونهم اشباحا خالية عن العلم والتصور۔ (تفسیر بیضاوی ج ۵ ص ۳۳ سورہ منافقون آیت ۴) ومثله في تفسير معالم التنزيل للبعوي ج ۲ ص ۳۲۸ سورہ منافقون آیت ۴۔  
 ۲۔ وقال المحلى رحمه الله: بان تذكر مع ذكرى في الاذان والاقامة والشهد المخطبة وغيرها۔ (تفسیر جلالین ج ۲ ص ۵۰۲ سورہ الم نشرح آیت ۴) ومثله في تفسير روح المعاني ج ۳ ص ۶۹ سورہ الم نشرح آیت ۴۔



**سوال**۔ اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم اٹھاتے اور رکھتے رہتے۔  
**قرآن کریم کو چومنا** اسے چومتے ہیں، کیا قرآن کریم کو چومنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ سلف صالحین اور صحابہ کرامؓ کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ قرآن کریم کو چومتے تھے اور اس میں قرآن کریم کی تعظیم و تکریم مضمون ہے، لہذا ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین: روى عن عمر انه كان يأخذ المصحف كل غداة ويقبله ويقول عهد ربي ومنشور ربي عز وجل وكان عثمان رضى الله عنه يقبل المصحف ويمسحه على وجهه - (الدر المختار على مراد المختار ج ۵ ص ۲۲۶ کتاب الخطر والاباحة - باب الاستبرار وغيره)

**سوال**۔ جناب مفتی صاحب! بعض ختم قرآن کے وقت سورہ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھنا

اساتذہ ناظرہ قرآن مجید یا حفظ القرآن کی تکمیل کرنے والے طالب علم کو اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ قرآن مجید ختم کرتے وقت سورہ اخلاص کو تین بار پڑھے، کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ صورت مسؤلہ فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے، بعض مشائخ کے ہاں ایسا کرنا مستحسن نہیں جبکہ اکثر مشائخ کے ہاں ایسا کرنا مستحسن ہے، البتہ اگر ختم قرآن فرض نماز میں ہو تو ایک بار سے زیادہ نہ پڑھے۔

قال العلامة ابراہیم الحلبي: قراءة قل هو الله احد ثلاث مرات عند ختم القران لم يستحسنها بعض المشايخ وقال الفقيه ابواليت هذا شئ استحسنه اهل القران وائمة الامصار فلا بأس به الا ان يكون الختم في المكتوبة فلا يزيد على مرة -

رکبوری ۲۹۶ اما القرأة خارج الصلوة له

وفي الهندية: قراءة قل هو الله أحد ثلاث مرات عقيب الختم لم يستحسنها بعض المشايخ واستحسنها اكثر المشايخ لجبر نقصان دخل في قراءة البعض الا ان يكون ختم القران في الصلوة المكتوبة فلا يزيد على مرة واحدة كذا في الغرائب - (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۱۳ الباب الرابع في الصلوة والتسبيح وقراءة القران والذكر والاعاء ورفق الصوت عند قراءة القران)۔



**قرأت سبعہ میں قرآن کریم پڑھنا** | سوال :- جناب مفتی صاحب! میں نے ایک مسجد میں

ایک مولانا صاحب کی اقتداء میں نماز پڑھی جنہوں نے عام قرأت کے علاوہ قرأت سبعہ میں تلاوت قرآن پاک کر کے نماز پڑھائی، کیا اس صورت میں مقتدیوں کی نماز ہوگئی یا نہیں؟ نیز قرأت سبعہ تواتر سے ثابت ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جو قرأت ہم تک پہنچی ہیں ان میں بعض متواتر ہیں، بعض مشہور اور بعض احاد اور شاذ کی حد تک پہنچ چکی ہیں، جہاں تک قرأت سبعہ کا تعلق ہے تو یہ قرأت سبعہ سے ثابت ہے البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت جمہور کے نزدیک حد تواتر تک نہیں پہنچا ہے جبکہ بعض تواتر کے قائل ہیں، جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو قرأت سبعہ میں ہو جاتی ہے۔

قال العلامة السيوطي، قال في اول كتابه النشر كل قراءة وافقت العربية ولو بوجه ووافقت احد المصاحف العثمانية ولو احتمالاً وصح سندها فهي القراءة الصحيحة التي لا يجوز ردّها ولا يحل انكارها بل هي من الاحرف السبعة التي نزل بها القرآن ووجب على الناس قبولها سواء كانت عن الائمة السبعة ام عن العشرة ام عن غيرهم من الائمة المقبولين۔  
(الاتقان في علوم القرآن ج ۱ ص ۱۰۰ النوع الثاني۔۔۔ معرفة التواتر والمشهور)

**قرأت عشرہ کا ثبوت** | سوال :- جناب مفتی صاحب! قرأت سبعہ کا تواتر سے ثبوت ہے، اس کے علاوہ جو شخص عشرہ میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہو

تو خطی شمار ہوگا یا نہیں؟

**الجواب :-** قرأت عشرہ اگرچہ تواتر سے ثابت نہیں مگر اس کا ثبوت حدیثت کو پہنچا ہوا ہے، اس میں قرآن پڑھنے والے کو خطی کہنا درست نہیں اس لیے کہ اس کی زد میں کبار تابعین و صحابہ کرام آتے ہیں۔

لہ قال صاحب مناہل العرفان: وجاء اقتصاده على هؤلاء السبعة مصادقة واتفاقاً من غير قصد ولا عمد ذلك انه اخذ على نفسه الا يروى الا عن اشتهر بالضبط والامانة وطول العمر في ملازمة القراءة واتفاق الراء على الاخذ عنه والتلقى منه..... بل كل قراءة توافرت فيها الامكان الثلاثة للضابط المشهور وجب قبولها۔ (مناہل العرفان ج ۱ ص ۱۰۰ اعداد القرات)

قال صاحب مناهل العرفان: الاقل المتواتر..... والثاني المشهور..... وهذان النوعان هما الله ان يقرأ بهما مع وجوب اعتقادها ولا يجوز انكار شيء منهما. (مناهل العرفان ج ۱ ص ۲۲۳) البحث الحادي عشر في القرات والقرا والشبهات التي اثبتت في هذا المقام ( له

**سؤال:** الله تعالى کے ارشاد کرامی عَلَيَّ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَّبِّيكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا (سورة الاسراء آیت ۷۹) سے کیا مراد ہے؟ کیا مقام محمود جنت میں کوئی جگہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی جائے گی یا کوئی اور خاص مقام ہے؟

**الجواب:** جمہور علماء اہل سنت، صحابہ کرام و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے اس مقام کی تفسیر یوں منقول ہے کہ اس سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ ہے، یہ بلند مرتبہ کسی بھی دوسرے نبی یا رسول کو حاصل نہ ہوگا، چنانچہ بعض روایات بھی اس قول کی تائید کرتی ہے۔

قال العلامة ابن الجوزي: قوله: مقاماً محموداً وهو الذي يحمده لاجله جميع اهل الموقف وفيه قولان احدهما انه الشفاعة للناس يوم القيامة. قاله ابن مسعود وحذيفة بن اليمان وابن عمر وسلمان الفارسي وجابر بن عبد الله والحسن وهي رواية ابن ابي نجيح عن مجاهد والثاني يجلسه على العرش يوم القيامة روى ابو ائبل عن عبد الله انه قرأ هذه الآية وقال

له قال العلامة جلال الدين السيوطي: اعلم ان القاضي جلال الدين البلقيني قال القراءة تنقسم الى المتواتر واحاد وشاذ فالمتواتر القرات السبعة المشهورة والاحاد قرأت الثلاثة التي هي تمام العشر وليحق بها قراءة الصحابة والشافذة التابعين..... قال الرازي والسمة القرا لا تعمل في شيء من حروف القرآن على الافشاء واللغة والاقيس في العربية بل على الاثبات في الاثر والاصح في النقل واذا ثبت الرواية لعريدها قياس عربية ولا فتولغة لات القراءة سنة متبعة يلزم قبولها والمصير اليها۔

والاقتان في علوم القرآن ج ۱ ص ۷۵ النوع الثاني..... بمعرف المتواتر والشهور والاحاد..... الخ

يقعدہ علی العرش وكذلك روى الضحاك عن ابن عباس وليث عن مجاهد -

(تفسیر زاد المسیر ج ۵ ص ۵۷ قول تعالیٰ: عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ لَهٗ

**دوران تلاوت حضور انور کا نام آنے پر درود پڑھنے کا حکم** | سوال :- اگر قرآن کریم کی

صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی آجائے تو کیا اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنا ضروری ہے یا کہ تلاوت سے فارغ ہو کر پڑھا جائے ؟

**الجواب :-** اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے ہی شرعاً درود و سلام پڑھنا واجب ہے مگر دوران تلاوت قرآن بہتر یہ ہے کہ تلاوت کو جاری رکھا جائے اور تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد درود پڑھا جائے تاہم اگر دوران تلاوت ہی درود پڑھ لیا جائے تب بھی جائز ہے ۔

قال العلامة ابن عابدین: ولو قرأ القرآن فبر على اسم النبي صلى الله عليه وسلم فقراءة القرآن على تاليفه ونظمه افضل من الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم في ذلك الوقت فان قرع ففعل فهو افضل والا فلا شيء عليه - (رد المحتار ج ۱ ص ۵۱۹ مطلب في المواضع التي تكرر فيها الصلوة على النبي) ص ۲

قال العلامة آلوسي: مقاماً محموداً والمراد بذلك المقام مقام لشفاعة العظمى في فصل القضاء حيث لا أحد الا وهو تحت لوائه صلى الله عليه وسلم فقد اخرج البخاري وغيره عن ابن عمر قال سمعت رسول الله يقول ان الشمس لتدنو حتى يبلغ العرق نصف الاذن فيبنيما هم كذلك استغاثوا بآدم فيقول لست بصاحب ذلك ثم موسى فيقول كذلك ثم محمد فيشفع فيقضى الله تعالى بين الخلق فيمشي حتى يأخذ بحلقة باب الجنة فيومئذ يبعثه الله مقاماً محموداً يحمده اهل الجمع كلهم - (تفسیر روح المعانی ج ۵ ص ۱۲۱ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ)

قال العلامة قاضیخان: رجل يقرأ القرآن فسمع اسم النبي صلى الله عليه وسلم ذكر المناطف انه لا يجب عليه الصلوة والتسليم لان قراءة القرآن على النظم والتاليف افضل من الصلوة عليه صلى الله عليه وسلم فاذا فرغ من القراءة ان صل على النبي صلى الله عليه وسلم كان حسناً وان لم يصل فلا شيء عليه .... الخ (فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۳۴۴ کتاب الخطر والاباحة)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۳۱۶ کتاب الكراهية / باب الرابع في الصلوة والتسبيح .... الخ



**اذان کے دوران قرآن کریم کی تلاوت کرنا** | سوال :- زید ایک دن مسجد میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا کہ اذان شروع ہو گئی تو ایک

صاحب نے اس کو سختی سے منع کیا، تو کیا اذان کے دوران قرآن کریم کی تلاوت کرنا ممنوع ہے؟  
**الجواب :-** اذان کے وقت اگرچہ تلاوت قرآن ممنوع نہیں تاہم بہتر یہ ہے کہ اذان شروع ہوتے ہی تلاوت بند کر دی جائے اور اذان کو سن کر اس کا جواب دیا جائے۔

قال القاضي خان: ولو سمع القاري الاذان فالفضل له ان يمسك عن القراءة  
 وليسمع الاذان - الخ - (فتاویٰ قاضیخان ج ۲ ص ۳۷ کتاب المحظور والاباحۃ) لہ

**قرآن کریم کی تلاوت کرنا افضل ہے یا درود شریف پڑھنا؟** | سوال :- دو آدمیوں کی ایک جگہ اس مسئلہ پر بحث

ہو رہی تھی کہ تلاوت قرآن افضل ہے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا افضل ہے؟  
 ان میں سے ایک نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا افضل ہے، دوسرے نے کہا کہ قرآن کریم کی تلاوت افضل ہے۔ اندازہ کرم آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں؟

**الجواب :-** مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ اوقات مکروہہ یعنی جن اوقات میں نماز پڑھنا شرعاً مکروہ ہے ان اوقات میں تلاوت قرآن کے علاوہ دیگر تسبیحات و اذکار اور درود شریف پڑھنا افضل ہے، اس کے علاوہ دیگر اوقات میں تلاوت قرآن پاک کرنا افضل ہے۔

لما قال الشيخ عبدالحی الکنوی رحمہ اللہ، القرات افضل الاذکار  
 لانه كلام الله تعالى كما في الحصن الحصين لكن في الاوقات التي يكره الصلوة  
 فيها كما بعد صلوة الصبح الى طلوع الشمس فالتسبيح والدعاء والصلوة على النبي

لہ وفي الهندية: ولا ينبغي ان يتكلم السامع في خلال الاذان والاقامة ولا يشتغل  
 بقراءة القرآن ولا يشيء من الاعمال سوى الاجابة ولو كان في القراءة ينبغي ان  
 يقطع ويستغل بالاستماع والاجابة - ر الفتاوى الهندية ج ۵ الباب الثاني  
 في الاذان، ومما يتصل بذلك اجابة المؤذن

وَمِنْهُ فِي الْبِدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۱ ص ۱۵۵ فَصْلٌ وَأَمَّا بَيَانُ مَا يَجِبُ عَلَى السَّامِعِينَ... الخ -

على الله عليه وسلم فيها افضل من قراءة القرآن وكان السلف يستحبون في ذلك الوقت ولا يقرآن - (رفع المفتي والسائل ص ۱۱۲ ما يتعلق بقراءة القرآن) لہ

**سوال:** جناب مفتی صاحب ازید اور **قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانا جائز نہیں** بکر کے درمیان قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کے بارے میں بحث ہوئی، زید نے کہا کہ قرآن کریم کا وہ نسخہ جو بوسیدہ ہو چکا ہو تو اس کو جلانا جائز ہے اور دلیل میں حضرت عثمانؓ کا عمل پیش کیا، جبکہ بکر نے کہا کہ مطلقاً قرآن کریم کو جلانا جائز نہیں اگرچہ بوسیدہ ہو چکا ہو، ازراہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں صحیح صورتحال سے ہمیں مطلع فرمائیں؟

**الجواب:** فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب قرآن کریم کا کوئی نسخہ بوسیدہ ہو جائے اور تلاوت کے قابل نہ رہے تو اس کو جلایا نہ جائے بلکہ کسی محفوظ مقام میں دفن کر دیا جائے، اس لیے صورتِ مسئلہ میں بکر کا قول درست ہے۔ جہاں تک اس بارے میں حضرت عثمانؓ کے عمل کا تعلق ہے تو محدثین نے اس کے مختلف جوابات ذکر کیے ہیں، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اولاً ان اوراق کو پانی سے دھویا پھر آگ سے جلایا، گویا کہ آپؓ نے مصحف کو نہیں بلکہ ان صاف اوراق کو جلایا تھا۔

قال العلامة ابن عابدین: وفي الذخيرة المصحف اذا صار خلقاً وتعذر القراءة منه لا يحرق بالنار اليه أشار محمد وبه نأخذ - (رد المحتار ج ۶ کتاب الحظر والاباحة فصل في البيع ص ۲۲۲) لہ

لہ قال العلامة ابراہیم الحلبي: وسئل الباقر عن قراءة القرآن في الاوقات التي نهى عن الصلوة فيها اهي افضل ام الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم والذكر والتسبيح فقال الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم والذكر والتسبيح افضل... الخ (حلبی کبیری ص ۲۹۶) تتمات فیما یکرہ من القرآن فی الصلوة وما لا یکرہ وفي القراءة خارج الصلوة (

ومثله في السهنية ج ۵ ص ۳۱۶ کتاب الکراهية۔ الباب الرابع في الصلوة والتسبيح... الخ لہ وفي السهنية المصحف اذا صار خلقاً وتعذرت القراءة منه لا يحرق بالنار أشار الشيباني (رای محمد) الى هذا في السير الكبير وبه نأخذ۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۳) کتاب الکراهية۔ الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف۔ الخ (

**نیکر پہننے والوں کے سامنے قرآن کی تلاوت کرنا بے ادبی ہے** | سوال :- جناب مفتی صاحب! میں ایک

فوجی خطیب ہوں، فوجی قانون یہ ہے کہ صبح سویرے فوجی جوان نیکر و بنیان پہن کر پریڈ کے لیے اسمبلی میں آتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی رائیں ننگی ہوتی ہیں، اس حالت میں مجھے ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرنے کو کہا جاتا ہے، کیا اس حالت میں ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** باتفاق علماء امت مرد کی ران عورت رستر ہے، اس کو بلا غدر شرعی ننگا رکھنا ناجائز و حرام ہے، جس جگہ لوگ ناجائز اور حرام امور میں مشغول ہوں تو وہاں قرآن مجید کی تلاوت کرنا یا اس کا درس دینا بے ادبی ہے، اس لیے صورت مشولہ میں فوجیوں کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت سے اجتناب کیا جائے اور فوجیوں کو رستر عورت کی تلقین کی جائے۔

لما قال العلامة المحصن: سلامك مكروه على من ستسمع.... ومن بعد ما ابدى يسن و  
يشرع ودرع كافر ايضاً مكشوف عورة.... ومن هوفي حال التغوط اشنع - (الدر المختار على

صدر رد المختار ج ۱ ص ۶۱۶) ياب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها. مطلب المواضع التي يكره فيها السلام له  
**سوال :-** جو مصاحف قرآنیہ بوسیدہ ہو جائیں اور تلاوت کرنے کے قابل نہ رہیں تو ان قرآنی

نسخوں کا کیا کیا جائے؟ از روئے شرع اس کا کیا طریقہ ہے؟

**الجواب :-** فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جو قرآنی نسخہ اتنا بوسیدہ ہو کہ اس پر تلاوت کرنا ناممکن ہو جائے تو اس کو مسلمان میت کی طرح قابل احترام اور محفوظ مقام پر دفن کیا جائے تاکہ پاؤں تلے آنے سے بچ سکے، تاہم اگر کسی بوری وغیرہ میں ڈال کر اور ساتھ بھاری پتھر رکھ کر دریا برد کر دیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

قال العلامة المحصن: المصحف اذا صار بحال لا يقرأ فيه يدفن كالمسلم، قال

له وفي الهندية: ولا يسلم على الذي يتغنى والذي يبول والذي يطير الحمام ولا  
يسلم في الحمام ولا على العاري اذا كان متزيراً ولا يجب عليهم التردد.... الخ

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۶ کتاب الکراهية الباسابع في السلام وتشميت العاطس)  
وهي في البحر الرائق ج ۸ ص ۲۰۷ کتاب الکراهية -



ابن عابدین (تحت قوله یدفن) ای يجعل فی خرقۃ طاهرة و یدفن فی محل غیر ممتہن  
لا یوطأ۔ رد المحتار ج ۱ کتاب الطہارۃ۔ قبل باب المیاء فی ابغات الغسل ۱۰۷

جس کمرے میں قرآن مجید ہو اس کی چھت پر چڑھنا | سوال :- تقریباً ہر مسلم گھرانے  
میں قرآن کریم کے نسخے ضرور ہوتے

اور لوگ بوقت ضرورت مکان کی چھت پر چڑھتے بھی ہیں، تو کیا جس مکان میں قرآن مجید موجود  
ہو اس کی چھت پر چڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام کی واضح عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مکان میں  
قرآن کریم کا نسخہ موجود ہو اس کی چھت پر اگر پیشاب کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں،  
جب قرآن مجید کی موجودگی میں مکان کی چھت پر پیشاب کرنا قبیح امر نہیں تو مکان کی چھت  
پر صرف چڑھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدین :- فہذا کما لو بال علی سطح بیت فیہ مصحف  
وذلك لا یکرہ۔ رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۵

قیامت کے دن کی مقدار کے اختلاف میں تطبیق | سوال :- جناب مفتی صاحب! کئی  
دنوں سے ایک سوال ذہن میں آ رہا  
ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی مدت ایک آیت میں ایک ہزار سال فرمائی  
ہے اور ایک دوسری آیت میں پچاس ہزار سال کا ذکر ہے جبکہ یہ بات مسلمات میں سے ہے  
کہ قیامت کا دن ایک ہی ہے تو پھر اس مختلف مدت کو بیان کرنے کا کیا مقصد ہے؟ ازراہ کرم  
میرے اس اشکال کو دور فرمائیں؟

الجواب :- اگرچہ ان دونوں آیات میں ظاہری تعارض ہے مگر حقیقی نہیں، اللہ تعالیٰ  
نے یہ مختلف مدت لوگوں کے جرائم کے تفاوت کی وجہ سے بیان کی ہے کہ لوگوں کو قیامت  
کے دن کی سختی سے سخت مدت میں بھی امتداد نظر آئے گی۔

لہذا فی الہندیۃ: المصحف اذا صار خلقاً لا یقرأ منہ ویخاف ان یضیع یجعل فی خرقۃ طاهرة و  
یدفن ودفنہ اولیٰ من وضعہ موضعاً یخاف ان یقع علیہ النجاسة او نحو ذلک۔۔۔ الخ  
الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۳ کتاب الکراہیۃ۔ الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ

قال الشيخ اشرف على التهانوى رحمه الله :- یہ دونوں آیتیں یوم قیامت کے بارے میں ہیں اور تطبیق دونوں میں یہ ہے کہ مختلف لوگوں کو اشتداد کے تفاوت سے امتداد میں تفاوت محسوس ہوا کرتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۵۵ کتاب ما يتعلق بتفسیر القرآن) لہ

**سوال :-** قرآن کریم کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ **وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِلْإِنسَانِ** میں حکم صرف فرشتوں کو تھا جبکہ ابلیس فرشتوں کی جنس سے نہ تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو سجدہ نہ کرنے پر ملعون کیوں کر دیا؟

**الجواب :-** ظاہر آیت میں تو اگرچہ صرف فرشتوں کا ذکر ہے مگر یہ عرفاً تغلیباً ہے ورنہ حکم ابلیس کو بھی ہوا تھا جس پر اللہ تعالیٰ کا عتاب اور سوال و جواب قرنیہ ہے، بسا اوقات قیام قرنیہ سے کسی شخص پر امر کا حکم لاگو ہو جاتا ہے۔

قال الشيخ اشرف على التهانوى رحمه الله :- یاں حکم اس کو بھی ہوا تھا اور جس امر پر قرنیہ قائم ہوتا ہے اس کی تصریح کی حاجت نہیں ہو کرتی، اور یہاں قرنیہ فقہ میں موجود ہے وہ یہ کہ جب اس پر عتاب کی حکایت بیان فرمائی گئی، خود اس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی مامور تھا، دوسرے سورہ اعراف میں یہ آیت **مَا مَنَعَكَ أَنْ لَا تُسْجِدَ إِذْ أَمَرْتُكَ** اس میں امر کا ہونا مہرح ہے، پہلی دلیل عقلی دوسری دلیل نقلی۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۲ کتاب ما يتعلق بتفسیر القرآن) لہ

**سوال :-** جناب مفتی صاحب! قرآن کریم میں ارشاد **مَعِيشَةً ضَنْكًا** کی تفسیر ربانی ہے کہ **وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا** (سورہ طہ آیت ۱۲۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ذکر خداوندی سے اعراض کرے

لہ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما: هو يوم القيامة جعله الله على الكافرين مقدرا خمسين الف سنة ثم يدخلون النار للاستقرار - (تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۲۸۲ سورہ المعارج) **وَمِثْلُهُ فِي بَوَادِرِ النُّوَادِرِ ج ۲ ص ۳۷۹ حصہ سوم نوادر، تیسرا نادرة -**

لہ قال مولانا محمد ادریس لکاندھلوی: ابلیس اگرچہ ملائکہ میں سے نہیں لکھا قال اللہ تعالیٰ، **كَانَ مِنَ الْجِنِّ** مگر خطاب سجد بتبعیہ ملائکہ بالاولیٰ داخل تھا۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۹۲ سورہ البقرہ) **وَمِثْلُهُ فِي تَفْسِيرِ مَا جَدَى سُوْرَةِ الْبَقْرَةِ ج ۱ ص ۱۰۱**

تو اس کی زندگی (معیشت) تنگ ہوگی، حالانکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ کفار و تجار جو دین الہی کے دشمن ہیں اُن کی زندگی بہت آسودہ ہوتی ہے، اُن کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے، تو پھر اس آیت میں زندگی (معیشت) کی تنگی کا کیا مطلب ہے؟

**الجواب :-** اسلام دشمن اور خدا کے باغی اگرچہ ظاہری طور پر دنیا میں کافی آسودہ حال اور خوش و خرم نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں ان کے دل تنگ ہوتے ہیں اور ان کی یہ خوشی و مسرت ظاہری اور دکھاوے کی ہوتی ہے، اسی طرح آیت مذکورہ میں بھی باطنی تنگی مراد ہے نہ کہ ظاہری تنگی مراد ہے۔

قال الشيخ محمد ادریس کاندھلوی: دنیا میں تو اس طرح کہ تحقیق اس کی زندگی تنگ ہوگی، راحت اور سکون اور اطمینان سے خالی ہوگی۔ کافر کے دل پر حرص اور ترقی کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ دن رات تنانے کے پھیر میں رہتا ہے اور دولت و عزت و وجاہت کے زوال کے خطرات ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے رہتے ہیں، بڑا ہی خوش قسمت ہے وہ دولت مند جس کو دن رات میں دو تین گھنٹے سونا نصیب ہو جائے، جب راحت اور سکون، مصیبت نصیب نہ ہو تو دولت سے کیا فائدہ ہوگا، ظاہر میں بیشمار دولت ہوتی ہے مگر قناعت کی دولت سے دل خالی ہوتا ہے اور حیرانی اور پریشانی سے لبریز ہوتا ہے۔۔۔ الخ  
(معارف القرآن جلد ۲ ص ۵۹۸)

**النَّازِلَاتُ لَا يَنْكِحُ الْآزَانِيَةَ** الخ کی تفسیر | سوال :- قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **النَّازِلَاتُ لَا يَنْكِحُ الْآزَانِيَةَ** الخ (سورۃ النور آیت ۲۴) اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ زانیہ کے ساتھ نیک مسلمان کا نکاح صحیح نہیں جبکہ فقہ کی کتابوں میں صراحتاً لکھا ہوا ہے کہ یصح نکاح الحبلی من الزنار۔ اور اسی طرح بعض واقعات رونما بھی ہو چکے ہیں کہ کسی زانیہ سے ایک نیک متقی و پرہیزگار شخص نے نکاح کیا ہے، کیا ایسا نکاح

۱۔ قال العلامة اشرف علی التھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ این تنگی متعلق بقلب است ہرگز کسی را از اعصافہ نہیں آہید دید کہ در ولش شگفتگی و فراخی باشد سراسر از پریشانی و تکرر پر فی باشد۔ اھ  
(امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۶۱ کتاب ما يتعلق بتفسیر القرآن)



صحیح نہیں، اگر صحیح ہے تو پھر آیت کریمہ کا کیا مطلب ہے؟

**الجواب :-** اگرچہ اس آیت کریمہ کے بارے میں مفسرین عظام نے مختلف تاویلات اور اقوال بیان کیے ہیں لیکن جمع بین الروایات کے تحت یہ قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مقصود اخبار ہے نہ کہ حکم شرعی، یعنی زانیہ عورت عادتاً کسی صالح مرد سے نکاح کرنے میں رغبت نہیں رکھتی اور نہ کوئی صالح مرد کسی زانیہ سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتا ہے، اس لیے کہ پاکدامنی اور عفت سے محبت ایک طبعی امر ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک زانیہ کا نکاح حکم شرعی کے تحت جائز اور صحیح ہے۔

قال القاضي ثنا الله الباني يتيُّ - وعند الاثمة الثلاثة نكاح الزاني والزانية صحيح فني تفسير هذه الآية قال بعضهم معناه الاخبار كما هو ظاهر الصيغة والمعنى ان الزاني لاجل فسقه لا يرغب غالباً في نكاح الصالحات والزانية لا يرغب فيها الصالحاء فان المشاكلة علة الالفة والتضاد والمخالفة سبب للنفرة والافتراق وكان حق المقابلة ان يقال والزانية لا تنكح الا من زان او مشرك لكن المراد بيان احوال الرجال في الرغبة فيهن لما ذكرنا انها نزلت في استيذان الرجال من المؤمنين -

(تفسیر المظہری ج ۶ ص ۲۲۲ سورۃ النور)

**سوال :-** آجکل ذکری فرقہ کے لوگ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ سے مراد نماز ہے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ، اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وغیرہ آیات قرآنی سے نفسِ ذکر کے اثبات کے لیے استدلال کرتے ہیں، کیا واقعی ان کا یہ استدلال صحیح ہے؟ یا اس سے نماز ہی مراد ہے؟

**الجواب :-** احادیث صحیحہ اور اجماع امت اس بات کی توضیح کرتی ہیں کہ ان آیات سے مراد نماز معہود ہے، اس سے صرف ذکر الہی مراد لے کر نماز کی نفی کرنا تحریف فی القرآن کے مترادف ہے جس سے کفر لازم ہو جاتا ہے۔

قال العلامة البولبركا عبد الله بن محمد النسفي رحمه الله : (ويقومون الصلوة) اي يؤدونها فعبير عن الاداء بالاقامة لان القيام بعض اركانها كما عبر عنه بالقنوت وهو القيام وبالركوع والسجود والتسبيح لوجودها

فیہا..... الخ (تفسیر نسفی ج ۱ ص ۱۳۱ روایم یوم الصلوٰۃ) لہ

**خارج نماز تلاوت قرآن سننا واجب نہیں** | سوال :- خارج نماز جو تلاوت قرآن حکیم

ہوتی ہے تو کیا اس کا سننا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو رمضان المبارک میں جو قاری صاحبان اور حفاظ کرام لاؤڈ اسپیکر پر تلاوت کرتے ہیں اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے تلاوت قرآن نہیں سن سکتے تو اس پر کون گنہگار ہوگا؟

**الجواب :-** اس بارے میں دو طرح کے اقوال موجود ہیں، ایک وجوب کا ہے اور دوسرا عدم وجوب کا، متاخرین فقہاء کرام نے آسانی اور سہولت کے لیے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، لہذا خارج از نماز قرآن کریم کی تلاوت سننا واجب نہیں تاہم مستحب ضرور ہے۔

وحی ابن المنذر: الاجماع علی عدم وجوب الاستماع والانصات فی غیر الصلوٰۃ والخطبة وذلك ان يجابهما علی کل من یسمع احدًا یقراد فیہ حرج عظیم لانه یقتضی ان یتروک له المشتغل بالعلم علمه والمشتغل بالحکم حکمه والمتاعان مساومتہما و تعاقدهما وکل ذی شغل شغله۔ (تفسیر المنار ج ۹ ص ۵۵۲، ۵۵۳) ۲

**وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ** الخ حکم نسوخ ہے | سوال :- جناب مفتی صاحب! ہمارے محلے میں ایک پڑھا لکھا

آدمی ہے، نماز پنجگانہ کا پابند ہے لیکن رمضان کے مہینے میں روزے نہیں رکھتا بلکہ فدیہ دیکر

لہ قال ابن عباسؓ و یقیمون الصلوٰۃ ای یقیمون الصلوٰۃ بفروضہا۔ وقال الضمک عن ابن عباسؓ اقامۃ الصلوٰۃ اتمام الركوع والسجود والتلاوة والحشوع والاقبال علیہا فیہا۔ وقال قتادة: اقامة الصلوٰۃ المحافظة علی مواقیہا وضوہا و رکوعہا و سجودہا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۲۱ سورة البقرة)

(راقیموا الصلوٰۃ) امر ہم ان یصلوا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۸۲) وَمِثْلُهُ فِي الدَّرَجَاتِ الْمُنْتَوِيَةِ ج ۱ ص ۱۲۱ سورة البقرة۔

۲ لہ قال الجصاص فی تفسیر الآیۃ: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا..... المؤمن فی سعة من الاستماع الیہ الا فی صلوٰۃ مفروضۃ۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۳۹)

جان پھڑانے کی کوشش کرتا ہے جبکہ وہ تو انا اور تندرست ہے اور اپنے اس عمل پر قرآن حکیم کی آیت مبارکہ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهِ فِدْيَةٌ طَعَامٌ مِسْكِينٍ (سورة البقرہ آیت ۱۷۵) سے استدلال کرتا ہے، تو کیا صحت اور تندرستی کے باوجود فدیہ دے کر روزہ چھوڑنا جائز ہے؟

**الجواب :-** حالت صحت میں فرض روزہ رکھنے کے علاوہ کوئی اور عمل چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو بارگاہ الہی میں مقبول نہیں، جہاں تک آیت مذکورہ کا تعلق ہے تو یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا لیکن بعد میں فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ مِنْ نَسُوخِ هُوَ كَمَا لَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (آیت مبارکہ سے فدیہ کے جواز کا استدلال صحیح نہیں ہے۔

لما قال الحافظ ابن كثير: (رَوَى عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهِ فِدْيَةٌ طَعَامٌ مِسْكِينٍ) فَمَا كَانَ مِنْ شَاءِ صَامٍ وَمِنْ شَاءِ اطْعَمَ مِسْكِينًا فَاجْزَا ذَلِكَ عَنْهُ ثُمَّ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَنْزَلَ آيَةَ الْآخِرَى (شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ) إِلَى قَوْلِهِ (فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ) فَانْتَبَهَ صِيَامُهُ عَلَى الْمُقِيمِ الصَّحِيحِ وَرَخَّصَ فِيهِ لِلْمَرِيضِ وَالْمَسَافِرِ وَنَبَتِ الْإِطْعَامُ لِلْكَبِيرِ الَّذِي لَا يَسْتَطِيعُ الصِّيَامَ - (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۱۲ سورة البقرہ) لہ

**سوال :-** جناب مفتی صاحب! آجکل آیات قرآنی کا صرف ترجمہ شائع کرنے کی حیثیت اخبارات اور رسائل و جرائد میں بغیر

لہ حدیثنا ابن حمید قال ثنا جریر بن منصور عن ابراهیم عن علقمة فی قوله (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهِ فِدْيَةٌ طَعَامٌ مِسْكِينٍ) قال كان من شاء صام ومن شاء فطر واطعم نصف صاع مسکیناً فسخها (شهر رمضان....) الى قوله (فمن شهد منكم الشهر فليصمه) عن مغيرة عن ابراهيم بنحوه وزاد فيه قال فسخها هذه الآية وصارت الآية الاولى للشيخ الذي لا يستطيع الصوم يتصدق مكان كل يوم على مسكين نصف صاع. ثنا ابن ادريس قال سألت ابا عمش عن قوله (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهِ فِدْيَةٌ طَعَامٌ مِسْكِينٍ)

فحدیثنا عن ابراهيم عن علقمة قال نسحها. فمن شهد منكم الشهر

فليصمه) - (جامع البيان ج ۲ ص ۱۳۳ سورة البقرہ)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمُنْتَوِرِ ج ۱ ص ۳۲۲ سورة البقرہ -



عربی متن کے قرآنی آیات کا اردو ترجمہ شائع کرتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ جبکہ اس طرح کرنے میں قرآن کریم کی توہین بھی ہے؟

**الجواب :-** علماء امت کا اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ بغیر عربی متن کے قرآن کریم کا ترجمہ شائع کرنا حرام و ناجائز ہے، اس قسم کے عمل سے اجتناب کیا جائے اس موضوع پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا رسالہ ”جواہر الفقہ“ شائع ہو چکا ہے، مزید تفصیل کے لیے وہاں مراجعت کریں۔ البتہ ایک دو آیتوں کا صرف ترجمہ شائع کرنا اس میں داخل نہیں، ہاں اگر اس کے شائع کرنے سے قرآن مجید کی توہین مقصود ہو تو پھر توہین اور بھی ناجائز اور حرام ہے جس سے بچنا از حد ضروری ہے۔

قال الشيخ ابن الہمام رحمہ اللہ : وفي الکافی ان اعتاد القراءۃ بالفارسیۃ او اراد ان یکتب مصحفاً بہا یمنع وان فعل فی ایۃ او ایتین لا فان کتب القرآن وتفسیر کل حرف وترجمتہ جاز۔ ۱ھ

(فتح القدیر ج ۱ ص ۲۲۸ باب صفة الصلوۃ) لہ

**سب سورتوں کے نام توقیفی ہیں** | **سوال :-** جناب مفتی صاحب! قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتوں کے نام جو مشہور ہیں اس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے یا کہ علماء کرام نے اپنی طرف سے یہ نام رکھے ہیں؟

**الجواب :-** قرآن مجید کی تمام سورتوں کے نام توقیفی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بحکم الہی خود ان کے نام رکھے ہیں، علماء کرام کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔

قال اکامام ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری :- عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجعلوا بیوتکم مقابر ان الشیطن

لہ قال العلامة المصنفی رحمہ اللہ : وتجوز کتابۃ ایۃ او ایتین بالفارسیۃ لا اکثر۔ (قال الشامی) والظاهر ان الفارسیۃ غیر قید الخ۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۲۵۳، مطلب فی حکم القراءۃ بالفارسیۃ او التوراة والانجیل)

ينفر من البيت الذي يقرأ فيه سورة البقرة. رواه مسلم (مشکوٰۃ مترجم اردو ج ۱ ص ۲۵۸ فقائل القرآن) لہ  
**قصہ ہاروت و ماروت کی تحقیق** | **سوال** :- سورہ بقرہ میں ہاروت و ماروت کے ناموں سے جو  
 قصہ مشہور ہے، بعض علماء اس کی سختی سے تردید کرتے ہیں جبکہ بعض  
 تفاسیر میں اس قصہ کا باسند تذکرہ ملتا ہے، اس قصہ کی اصل حقیقت کیا ہے؟

**الجواب** :- ہاروت و ماروت ایک اسرائیلی واقعہ ہے، اگرچہ بعض مفسرین نے اس کو صحیح  
 اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر منتہی کے اعتبار سے یہ اسرائیلی واقعہ ہے جس کے بارے میں مسلمانوں کو یہ  
 حکم ہے کہ اسرائیلیات کی نہ تصدیق کریں اور نہ تکذیب، بلکہ اس بارے میں توقف سے کام لیں۔  
 قال الشيخ مفتي محمد شفيع: الجواب: قصة هاروت وماروت كالتفسير معالم التنزيل وغيره  
 میں بہت مفصل لکھا ہے، مگر یہ سب اسرائیلی روایات سے لکھا گیا ہے، نیچے کی سندیں اگرچہ  
 قوی بھی ہیں مگر منتہائے سند سب کا اسرائیلی روایات پر ہوتا ہے جن کا حکم یہ ہے کہ نہ ان کی تصدیق  
 کی جاوے نہ تکذیب۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اس قصہ کا ثبوت کسی روایت میں  
 ہے نہیں اور اسرائیلی روایات میں ہے ان کا اعتبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲  
 (امداد المفتین ج ۲ ص ۲۲۳ کتاب التفسیر)

۱۷۳  
 لہ قال الشيخ المفتي محمد شفيع: سوال: زيد كذا ہے کہ سورۃ بقرہ نام خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں رکھا  
 علماء نے خود یہ نام رکھ لیا ہے، یہ قول صحیح ہے یا نہ؟

**الجواب**: زید کا قول غلط ہے، متعدد احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نام سورتوں کے مروی ہیں، حدیث  
 مسلم میں ہے: اقرؤ الزهراوين البقرة وسورة ال عمران - الحديث (رواه مسلم) مشکوٰۃ -  
 ان الشيطان ينفر من البيت الذي يقرأ فيه سورة البقرة - الحديث (رواه مسلم مشکوٰۃ ثریب) واللہ اعلم  
 (عزیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۳۴ کتاب السنۃ والبدعۃ)

۲  
 قال العلامة قاضي ثناء اللہ پانی پتی: وهذه القصة من اخبار الاحاديث من الروايات الضعيفة الشاذة ولا دلالة  
 علیہا فی القرآن بشئ..... وبعد اسطر: قال العاصم ان هذه الاخبار لم يروها من رواة صحيح ولا مستقيم  
 عن النبي صلى الله عليه وسلم. قال وهذه الاخبار من كعب اليهود وافتراءهم. الخ  
 (التفسير المظهری ج ۱ ص ۱۰۹ سورۃ البقرۃ)

وَمِثْلُهُ فِي مَعَارِفِ الْقُرْآنِ لِلشَّيْخِ مُحَمَّدِ اَدْرِيسِ كَانْدَهْلَوِيِّ ج ۱ ص ۱۹۱ -

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحہ کا گوشت کس نے کھایا تھا | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس

مسئلے کے بارے میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے جس مینڈھے کو ذبح کیا تھا اس کا گوشت کس نے کھایا تھا؟ لوگوں سے اس بارے میں بہت کچھ سننے کو ملتا ہے۔

الجواب :- حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحہ کے گوشت کے بارے میں صحابہ تفسیر صاوی نے لکھا ہے کہ یہ گوشت درندو پرند نے کھایا تھا اس لیے کہ اس کا پکانا مشکل بلکہ ناممکن تھا کیونکہ جتنی گوشت پر آگ اثر انداز نہیں ہوتی۔

قال العلامة الصاوی رحمہ اللہ : وبقی قرناہ معلقین علی الکعبۃ الی ان احترق البیت فی زمن ابی الزبیر وما بقی من الکبش اکلته السباع والطيور لان النار لا تؤثر فیها هو من الجنة - حاشیة العلامة الصاوی علی الجلالین ج ۲ ص ۳۲۳  
سورة الصافات ۱۷

سوال :- پاکستان میں اس وقت قرآن و سنت پر مبنی نظام نافذ نہیں ہے، معاشی نظام سودی اور

آیت کریمہ قَالُوا لَیْمٌ تَلْکُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاَسِعَتْ فُتْھَا حِرْوًا فِیْھَا کِی حَقِیْق و تَشْرِیْح  
رزق حرام ہے، ملک پر کفریہ انگریزی قانون نافذ ہے۔ قرآن مجید کے پٹ رکوع ۱۱ کی پہلی آیت کی تشریح میں علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بعض مسلمان ایسے بھی ہیں کہ دل سے تو سچے مسلمان ہیں مگر کافروں کی حکومت میں ہیں اور ان سے مغلوب ہیں اور کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو کھل کر نہیں کر سکتے نہ حکم جہاد کی تکمیل کر سکتے ہیں، سو ان پر فرض ہے کہ وہاں سے

۱۷ قال العلامة سلیمان بن عمر العجیلی الشافعی الشهیر بالجمل رحمہ اللہ : وقد بقی قرناہ معلقین علی الکعبۃ الی ان احترق البیت فی زمن ..... ومن المعلوم المقرر ان کل ما هو من الجنة لا تؤثر فیہ النار فلم یطبخ لحم الکبش بل اكله السباع والطيور تأمل - (التفسیر الجمل ج ۳ ص ۵۲۹ سورة الصافات ۱۷)

وَمِثْلُهُ فِی بَدَائِعِ الزُّهْرِي وَوَقَائِعِ الدُّهْرِي هُنَا قِصَّةُ ذَبْحِ اسْمَاعِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ -



ہجرت کریں الخ۔ اور یہی مضمون شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تفسیر موضع القرآن میں بھی ہے، آپ فرماتے ہیں: ”قائد ۵: اس سے معلوم ہوا کہ جس ملک میں مسلمان کھلا نہ رہ سکیں وہاں سے ہجرت فرض ہے۔“ تو آیا پاکستان کے مسلمانوں پر اس آیت کی رو سے اس کھری نظام کی وجہ سے ہجرت فرض ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** ہجرت دارالحرب اور دارالکفر سے کی جاتی ہے جبکہ پاکستان دارالمسلمین ہے جس میں مسلمانوں کو جملہ دینی امور اور تبلیغ و جہاد کو عملی طور پر ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں لیکن ایمانی کمزوری کی وجہ سے پاکستانی قوم اپنے فرائض کی ادائیگی میں روایتی غفلت کا شکار ہے اور آیت کریمہ کی تفسیر و تشریح وہی ہے جو ان اکابرین نے کی ہے۔ اور اسی مقام پر رسول اللہ شہیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ”کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو کھل کر نہیں کر سکتے نہ حکم جہاد کی تکمیل کر سکتے ہیں تو ہجرت ان لوگوں پر فرض ہے۔“ لہذا فرائض کی انجام دہی کی صورت میں مذکورہ آیت کریمہ کی رو سے پاکستان سے ہجرت فرض نہیں ہے بلکہ یہی لازمی ہے کہ اس نظام کو دور کر کے اس کی بجائے شرعی نظام کا نفاذ کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۲۳ پ ۱۱۱۱) لے

**قبل المسخ شیطان کافرشتوں سے افضل ہونا** | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بارگاہ الہی

سے نکالے جانے سے پہلے شیطان کا علم فرشتوں سے زیادہ تھا یا نہیں، نیز اس وقت شیطان افضل تھا یا فرشتے؟

**الجواب:** شیطان کے بارے میں تفسیر ابن کثیر میں مختلف عبارات مذکورہ ہیں جس سے واضح ثبوت ملتے ہیں کہ شیطان قبل المسخ من اشراف الملائكة، خازن الجنة، سلطان

لے قال العلامة قاضی ثناء اللہ القافی فتی: المرکن ارض اللہ واسعة فتها جروا قیہا یعنی کنتم قادرین علی الخروج من مکة الی ارض لا تمنعون قیہا من اظہار الاسلام و مخالفة الکفار و اعلام کلمة اللہ كما فعل المهاجرون الی المدينة والحیث و تصب فتها جروا علی جواب الاستفهام۔ (التفسیر المظہری ج ۲ ص ۲۰۸ پ ۱۱۱۱) سورة النساء و مثله فی تفسیر روح المعانی ج ۲ ص ۱۲۶ پ ۱۱۱۱ سورة النساء۔

سما والذنبا والارض اور علم واجتہاد میں فرشتوں سے بڑھ کر تھا۔

قال العلامة عماد الدین ابن کثیر: کان من اشدھم ای اشد الملئکة اجتهاداً  
واکثرھم علماً۔ کان من اشرف الملئکة من ذوالجنحة الاربعة کان من اشرف  
الملئکة واکرمھم قبیلۃً وکان خازناً علی الجنان، کان له سلطان السماء الذنبا  
وکان له سلطان الارض وکان یسوس ما بین السماء والارض فعصی فسخره  
اللہ شیطاناً رجیماً، کان ابلیس رئیس ملائکة السماء الذنبا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۷ سجود الملئکة لآدم) لہ

وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا (الآیۃ) اور ڈارون کا نظریہ ارتقا سول: جناب

ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام روح ڈالے جانے سے پہلے بھی زندہ تھے مگر  
ان کی شکل و صورت حیوان کی تھی اور اس حیوانی شکل میں بھی وہ جمادات و نباتات کے مراحل  
سے گذر کر پہنچے تھے۔ اور اپنے اس عقیدہ پر استدلال کے لیے وہ قرآن کریم کی یہ آیت  
پیش کرتا ہے کہ وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا۔ (سورۃ نوح پ ۲۹) اس آیت کے  
مطابق تو حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق ان مراحل سے گذر کر حیوان کی شکل تک پہنچنے  
سے ڈارون کے نظریہ ارتقا کی تائید ثابت ہوتی ہے، شریعت مقدسہ کی روشنی میں اس آیت  
سے اس عقیدہ کے لیے استدلال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- مذکورہ بالا آیت کریمہ سے ڈارون کے نظریہ ارتقا کو ثابت کرنا سراسر  
تحریف اور غلط ہے جبکہ تحریف فی القرآن شرعاً کفر ہے۔ علاوہ ازیں دیگر آیات حضرت آدمؑ

لہ قال العلامة بدر الدین محمد بن عبد اللہ الشبلی الحنفی: قلت وقد ذکر  
الطبری فی تاریخہ قول ابن عباس قال قال ابن عباس کان ابلیس من اشرف الملئکة  
واکرمھم قبیلۃً وکان خازناً علی الجنان وکان له سلطان السماء الذنبا  
وکان له سلطان الارض۔ (آکام المرجان فی احکام الجنان ص ۱۵۵ الباب  
فی بیان هل کان ابلیس من الملئکة)

وَمِثْلُهُ فی حیاة الحیوان الکبریٰ للدمیری ج ۱ ص ۲۹۸ سورۃ الجن



کی تخلیق میں واضح ثبوت ہیں جس میں نظریہ ارتقاء کا شبہ بھی نہیں ہے بلکہ اس آیت کریمہ میں غور و فکر کرنے سے اس نظریہ کی نفی ثابت ہوتی ہے۔

قال العلامة جلال الدین سیوطی: وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ أَي خَلَقَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا  
اذخُلِقَ آدَمُ مِنْهَا۔ (تفسیر جلالین، سورۃ نوح ۲۹ آیت ۷۱)

قال العلامة شبیر احمد عثمانی: ”یعنی زمین سے خوب اچھی طرح جماؤ کے ساتھ پیدا کیا۔  
اول ہمارے باپ آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے، پھر نطفہ جس سے بنی آدم پیدا ہوتے ہیں،  
غذا کا خلاصہ ہے جو مٹی سے نکلتی ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۷۷) ۲۹ سورۃ نوح آیت ۷۱) لہ

مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ هِ كِ تَفْسِيرِ اَوْر مَصْدَاقِ | سوال: قرآن مجید کی بعض پشتو

تفاسیر میں سورۃ والناس کی آیت  
مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ ہ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: ”چہ پیریاں اوسری دی، پہ انسان کتپہ  
بدعتیان، مشرکان، پیوان او ملیان دی“ کیا اس آیت کریمہ کی یہ تفسیر و ترجمہ اور مصداق  
صحیح ہے؟ کیا الناس کا ترجمہ سسری صحیح ہے؟

الجواب: آیت کریمہ من الجنة والناس ہ کا ترجمہ بزبان پشتو یہ ہے: ”چہ دجناتو  
اود انسانا نوند“ تاکہ مردوزن دونوں اس میں داخل ہوں، اور مردوزن دونوں انسان  
اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اس لیے ان دونوں کو آدمی منسوب بسوئے آدم کا ترجمہ  
بھی کیا جاتا ہے، اس لیے آدمی میں مرد اور عورتیں دونوں داخل ہیں، اور ”سری“ کے ساتھ  
ترجمہ میں عورتیں تغلیباً داخل ہوں گی، اس لیے ”سری“ کے ساتھ ترجمہ کرنا بھی درست ہے۔  
حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ یوں کیا ہے: ”جنتوں میں اور آدمیوں میں“

لہ قال العلامة قاضی ثناء اللہ القانی فتی رحمہ اللہ: وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ ..... ای انشأکم  
فاستعیر الانبات للانشاء لانه ادل علی الحدوت ، مِنَ الْأَرْضِ بَان خَلْقِ اِبَا کَر  
اَدَمِ مِنْهَا اَو بَانِه خَلْقِکُمْ مِنَ النُّطْفِ وَالنُّطْفِ مِنَ الْغِذَاءِ الْمُنْبِتِ مِنَ الْاَرْضِ  
نَبَاتًا..... تقدیرہ وَاللَّهُ اَنْبَتَكُمْ فَنَبَتُمْ نَبَاتًا فَاقْتَصِرْ اَكْتِفَاءً بِالدَّلَالَةِ الْاِتْرَامِيَّةِ۔

(التفسیر المظہری ج ۱۰ ص ۷۱۰ سورۃ نوح )

وَمَثَلُهُ فِي تَفْسِيرِ الْبَحْرِ الْمَحِيْطِ ج ۸ ص ۳۲ سورۃ نوح۔



اور انسانوں میں اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو سو سے ڈالتے ہیں لوگوں کے دلوں میں، خواہ وہ ہر طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔

قوائد عثمانیہ میں لکھا ہے: "شیطان جنتوں میں بھی ہے اور آدمیوں میں بھی۔ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا۔ (سوانح اعیان: ۱۲۷)۔ (تفسیر عثمانی ص ۸۰۷ سورۃ الناس) لہ

**آیت کریمہ اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهُ لَبِسْرِ الْخَمْرِ كِي تَحْفِيْق** | سوال :- قرآن مجید کے پشتوں کے ایک ترجمہ میں

آیت کریمہ اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهُ لَبِسْرِ الْخَمْرِ كِي تَحْفِيْق کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: "چہ داکا غنڈ سلیمان نہ دے" مطلب داد دے؟ چہ امداد غوارٹی صرف یہ نوم دالہ چہ بے حد ہر بیان اور ہم دھغلہ خوٹی دے، تو کیا حضرت سلیمان علیہ السلام خود اس آیت سے ابتداء کر رہے ہیں یا ملکہ سباء کو حکم دے رہے ہیں کہ تم استعانت علی اسم اللہ یعنی بسم اللہ پڑھو؟

الجواب :- اس آیت میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم ملکہ سباء کو نہیں ہے بلکہ حضرت سلیمان کی طرف سے استعانت باسم اللہ تعالیٰ علی الغیر ہے جیسا کہ عام طور پر بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر نیک کام کے شروع میں پڑھی جاتی ہے جو کہ باعث خیر و برکت ہے۔

قال العلامة القرطبي: لانه بدأ فيه بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ وَقَدْ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ كَلَامٍ لَا يَبْدَأُ فِيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فَهُوَ اجْذَمٌ۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۳ ص ۱۹۱ سورۃ التمل) لہ

قال العلامة مراد علی: "مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ" لہ پیر یا نو او سر و نہ یعنی لہ شیطانا نو دجن او انس ثنی۔ (تفسیر یسیر فوق الیسر ج ۲ ص ۱۰۵ سورۃ الناس)

وَمِثْلُهُ فِي تَفْسِيْرِ عَثْمَانِي كَابِلِي پِشْتُو ج ۲ ص ۸۲ سورۃ الناس۔

قال العلامة الألويسي: وكتاية البسملة في أوائل الكتب مهاجرت به سنة نبينا صلى الله عليه وسلم سلم بعد

نزول هذه الآية بلا خلاف.... عن الشعبي قال كان اهل الجاهلية يكتبون باسمك اللهم فكتب النبي صلى الله عليه وسلم

اول ما كتب باسمك اللهم حتى نزلت بسم الله مجربها ومرساها فكتب بسم الله ثم نزلت (دعوا لله وادعوا الرحمن)

فكتب بسم الله الرحمن ثم نزلت آية التمل الخ۔ (تفسیر روح المعانی ج ۷ ص ۱۹۵ سورۃ التمل)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّر المنثور ج ۶ ص ۳۵۲ سورۃ التمل۔

**لَعَمْرُكَ** (سورۃ الحجر) جملہ قسمیہ ہے | سوال :- قرآن مجید کے بعض پشتو تراجم میں سورۃ الحجر کی آیت ۲۷ میں **لَعَمْرُكَ** کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: "اللہ

مے ژوندے ساتی تاراے نبی (ا)" تو کیا یہ جملہ قسمیہ ہے یا دعائیہ؟

الجواب :- **لَعَمْرُكَ** جملہ قسمیہ ہے، یہ ابتداء ہے جس کی خبر محذوف و جویا ہے اور انہم اور اس کی خبر جو اب القسم ہے، تقدیر عبارت اسی طرح ہے **لَعَمْرُكَ** قسمی۔

قال المحشى لجلاليت : قوله لعمرک آه لعمرک مبتداء محذوف الخبر وجوباً وانهم وما في حيزه جواب القسم تقديره لعمرک قسمی او بمعنى انهم والعمر والعمرک بالفتح والضم هو البقاء الا انهم التزاموا الفتح في القسم۔

(هامش الجلالين ص ۲۱۲ - سورة الحجر ع ۵) له

**تفسیر جواہر القرآن کا پڑھنا پڑھانا** | سوال :- تفسیر جواہر القرآن (مؤلف

کا مطالعہ کرنا یا مطالعہ کر کے پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: تفسیر جواہر القرآن کا پڑھنا پڑھانا تفسیر کشاف کے پڑھنے اور پڑھانے

جیسا ہے۔ یہ تفسیر العالم العارف حضرت علامہ مولانا حسین علی القنجا بنی رحمہ اللہ کے تفسیر صحیح

نکات و فوائد اور افادات کا مجموعہ ہے۔ حضرت ایشخ قدس سرہ العزیز کے فہم فی القرآن،

تفسیری فوائد و نکات اور مسئلہ توجید میں استغراق کو علماء دین نے نظر استحسان دیکھا ہے۔

ایشخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتوی قدس سرہ العزیز اس تفسیر

له قال العلامة القاضي ثناء الله الفاني فتى: لعمرک یا محمد و جياتك قسمی

وهو لغة في العمر يختص به القسم لا يشار الا تحف فيه لانه كثير الدور على

اللسنة - قال البغوي: روى عن ابى الجوزاء عن ابى عباس قال ما خلق الله

نفساً اكرم عليه من محمد صلى الله عليه وسلم وما اقسم بحيوة احد الا

بحياته - (التفسير المظهرى ج ۵ ص ۳۱ - سورة الحجر)

وَمِثْلُهُ فِي تَفْسِيرِ الْقُرْطُبِيِّ ج ۵ ص ۳۹ - سورة الحجر۔



کی تقریظ میں رقمطراز ہیں: اِنْفِي نَظَرْتُ فِي هَذَا التَّفْسِيرِ وَكَرَرْتُ النَّظَرَ وَالْمُطَالَعَةَ فَوَجَدْتَهُ بِحَمْدِ اللَّهِ وَهَتَدَةً نَافِعَةً مَقِيدًا لِلنَّاسِ مِبَارَكًا -

(تقریظ مولانا نصیر الدین غورخشتوی علی تفسیر جواہر القرآن ج ۱ ص ۱۷۰)

**سليمان عليه السلام کی انگوٹھی اور شیطان کی بادشاہت کا قصہ** | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء تفسیر اس

مسئلے کے بارے میں کہ بعض لوگ درس قرآن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان نے اپنی انگوٹھی ایسے بیوی کے ساتھ غسل کے وقت اتار کر رکھ لی تھی پھر شیطان نے حضرت سلیمان کی شکل میں آکر انگوٹھی لی اور بادشاہ بن گیا، پھر سلیمان ایک چھپرے کے ہاں ملازم ہو گئے، پھر چالیس دن بعد شیطان نے تخت چھوڑ کر خاتم سلیمانی دریا میں پھینک دی اور سلیمان اسے مچھلی کے پیٹ سے نکال کر پھر بادشاہ بن گئے اور شیطان کو دریا بُرد کر دیا۔ تو کیا یہ واقعہ درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:-** اس واقعہ کی بنیاد ایک اسرائیلی روایت پر قائم ہے جو کہ جھوٹ اور سراسر غلط ہے، شیطان کسی بھی نبی علیہ السلام کی شکل میں ظاہر نہیں ہو سکتا اور نہ اپنی شکل کسی نبی علیہ السلام کی شکل جیسی بنا سکتا ہے۔

قال اکامامحمد بن سيرين التابعي: ان الشيطان يتمثل في الرؤيا بِكُلِّ شَيْءٍ إِلَّا بِاللَّهِ تَعَالَى وَمَلِيكَتِهِ وَرَسُولِهِ - (مغرب الكلام في تفسير الاحلام على هامش تعبير الامام ج ۲ ص ۱۷۰)

له قال العلامة محمد يوسف البتوري: وفي اثناء ذلك تتابع تراجم القرآن وقوائد التفسيرية بعضها صحيحة من اهل الحق كتقريبات توجية القرآن افادها العالم العارف مولانا الشيخ حسين علي الفنجاني طال بقائه من تلامذة قطب العصر مولانا المحدث مسعود رشيد احمد كنگوهي الديوبندي. (البيان لمشكلات القرآن ص ۳۹)

وَمِثْلُهُ فِي مَقْدَمَةِ لَامِعِ الدَّرَارِيِّ لِمُحَمَّدِ زَكْرِيَا السَّهَارَنقُورِيِّ ج ۱ ص ۱۵۰  
له قال العلامة شبير احمد عثمانی: اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر دوسری طرح کی ہے اور اس موقع پر بہت بے سرو پا قصے سلیمان علیہ السلام کی اکثری اور جتوں کے نقل کئے ہیں۔ اس کی کثیر لکھتے ہیں: وقد رویت هذه القصة مطبولة عن جماعة من السلف رضی اللہ عنہم وکلها متلقاة من قصص اهل الكتب (تفسیر عثمانی ص ۶۰ ص ۱۷۰)

وَمِثْلُهُ فِي التَّفْسِيرِ الْمَظْهَرِيِّ ج ۸ ص ۱۸۱ بِسُورَةِ ص -



**پشتوزبان میں قرآن کریم کی معتبر تفاسیر** | سوال: پشتوزبان میں قرآن کریم کی بہت سی تفاسیر لکھی گئی ہیں جن میں مختلف باتیں لکھی گئی ہیں مثلاً پیروں اور مقبروں پر جانا جائز نہیں، مرد نے نہیں سنتے، دعا بعد سنت جائز نہیں ہے وغیرہ وغیرہ، لہذا مطالعہ کے لیے پشتوزبان میں کون سی ایسی تفسیر ہے جس کا پڑھنا پڑھانا مفید ہو؟

**الجواب:** تفسیر معارف القرآن از مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب اور تفسیر عثمانی از علامہ شبیر احمد عثمانی ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا پشتوزبان میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے، یہ دونوں معتبر تفاسیر ہیں ان کا پڑھنا پڑھانا مفید ہے۔

**حضرت یوسفؑ کی برأت میں شیر خوار بچے کا گواہی دینا** | سوال: حضرت یوسف علیہ السلام الزام تراشی کی تھی تو آپ کی برأت میں جس نے گواہی دی تھی اور جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہے کہ شَهِدَ شَهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا۔ (سورۃ یوسف آیت ۲۶) تو یہ شاہد کون تھا؟ کوئی بالغ آدمی تھا یا چھوٹا بچہ؟

**الجواب:** وہ گواہ نابالغ اور شیر خوار بچہ تھا تفسیر بیان القرآن میں ہے: "اس موقع پر اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے جو کہ شیر خوار بچہ تھا اور یوسفؑ کے معجزہ بول پڑا تھا، آپ کی برأت اور زراعت پر شہادت دی" (تفسیر بیان القرآن ج ۵ ص ۵۶ سورۃ یوسف) لے

لے اس کے علاوہ مندرجہ ذیل تفاسیر بھی معتبر اور مطالعہ کے لیے مفید ہیں:-

(۱) تفسیر جیبی لمونا الحاج جیب الرحمن خلف الرشید شیخ المفسرین لمونا محمود حسنؒ۔

(۲) موضح القرآن، بیضاوی، فتح الرحمن، روح البیان، ابن کثیر، فتح البیان۔

(۳) تفسیر حسینی (پشتو) ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلوی، پشتو ترجمہ ملاً عبداللہ۔

۲۷ شَهِدَ شَهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ج ای ابن عمہا روی انه کان فی المهد و علی ہامش الجلالین قولہ روی انه ای الشاہد کان فی المهد صبیا۔ و فی الحدیث لم یتکلم فی المهد الا اربعة و ذکر منها شاہد یوسف۔ رواہ

احمد عن ابن عباس۔ (حاشیہ جلالین ج ۱ ص ۱۹۲ سورۃ یوسف پ ۱)

وَمَثَلُهُ فِي تَفْسِيرِ عُثْمَانِي ج ۱ ص ۳۱۶ فَاثِدَةٌ ۵۲ سورۃ یوسف پ ۱۲۔

**سورة الحج کا سجدہ ثانیہ عند الحنفیہ** | سوال :- سورة الحج میں دو سجده ہیں، پہلا سجدہ عند الحنفیہ کیا جاتا ہے اور دوسرا سجدہ نہیں کیا جاتا،

تو یہ دوسرا سجدہ کیوں نہیں کیا جاتا، اور نماز کے باہر اور اندر اس سجدہ کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۱ میں لکھا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک سجدہ اولیٰ واجب ہے اور دوسرا سجدہ ثابت نہیں لیکن حنفیہ نے یہ کلیہ لکھا ہے کہ مسائل اختلافیہ میں اختلاف کی مراعات افضل ہے بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے، سو اس قاعدہ کی بناء پر نماز کے خارج کو تو دوسرے سجدہ کا کر لینا بہتر ہوگا، البتہ نماز کے اندر چونکہ سجدہ زائدہ بغیر سبب خلاف موضوع صلوة ہے، اس لیے نماز کے اندر نہ کیا جائے البتہ ایک خاص طریق سے کر لیا جاوے تو اس مکروہ کے ارتکاب سے بھی محفوظ رہے گا اور وہ طریق یہ ہے کہ سجدہ ثانیہ کی آیت پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا جائے تو سجدہ صلوة میں یہ سجدہ بھی ادا ہو جائے گا، بہر حال دوسرا سجدہ عند الحنفیہ ثابت نہیں بلکہ وہ سجدہ صلوة ہے۔ (مداد الفتاویٰ)

قال العلامة الكاساني: ولنا ما روى عن ابي رضى الله عنه انه عد السجدة التي سمعها من رسول الله وعد في الحج سجدة واحدة وقال عبد الله بن عباس وعبد الله بن عمر سجدة التلاوة في الحج هي الاولى والثانية سجدة الصلاة وهو تأويل الحديث وهذا لان السجدة متى قرنت بالركوع كانت عبارة عن سجدة الصلاة كما في قوله تعالى: فاسجد لي واركع لي - (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۹۳) فصل وما بيا موضع السجدة له

**وقيل من راق (الآية) كاشتوتز ترجمہ** | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ سورة زيان میں کیا گیا مندرجہ ذیل ترجمہ صحیح ہے یا نہیں؟ "اد اوبه وئيلے شى چه شوك غوارى"

لے قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی رحمہ اللہ: منها اولی الحج اما ثانیة فصلاتیة لا قرنتہا بالركوع - وقال ابن عابدین: لان السجدة متى قرنت بالركوع كانت عبارة عن السجدة الصلاة كما في قوله تعالى: واسجد لي واركع لي - براءع -

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۵) باب سجود التلاوة

وَمِثْلُهُ فِي حَاشِيَةِ الطَّحطاوى ج ۱ ص ۳۹۲) باب سجود التلاوة -



ہغہ بہ او وائی چہ دمونکے غوارم د مریض خیلوات بہ تیوس او کھری چہ شوک  
غواری نو ہغہ بہ او وائی چہ دمونکے غوارم“

الجواب :- علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے: ”اور لوگ کہیں  
کون ہے جھاڑنے والا“ علامہ عثمانیؒ فائدہ میں لکھتے ہیں: ”ایسی مایوسی کے وقت طبیبوں اور  
ڈاکٹروں کی کچھ نہیں چلتی، جو لوگ ظاہری علاج و تدبیر سے عاجز آجاتے ہیں تو جھاڑ پھونک  
اور تعویذ گنڈوں کی سوچتی ہے، کہتے ہیں کہ میاں کوئی ایسا شخص ہے جو جھاڑ پھونک کر کے  
اس کو مرنے سے بچالے۔ اور بعض سلف نے کہا کہ ”من راق“ فرشتوں کا کلام ہے۔ جو  
ملک الموت کے ساتھ روح قبض کرنے کے وقت آتے ہیں، وہ آپس پوچھتے ہیں کہ کون  
اس مردے کی روح کو لے جائے گا، رحمت کے فرشتے یا عذاب کے؟ اس تقدیر پر ”راقی“  
”راقی“ سے مشتق ہو گا جس کے معنی ”اوپر چڑھنے کے ہیں“۔ رقیہ سے نہ ہو گا جو فسوں کے  
معنی میں ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۶۸۱ سورۃ القیامۃ پ ۲) لہ

حضرت سلیمانؑ کا اپنے گھوڑوں کو قتل کرنے کے واقعہ کی تحقیق | سوال :- بعض  
مفسرین حضرات

سلیمانؑ کا یہ واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ آپؑ اپنے گھوڑوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھے کہ  
آپ سے عصر کی نماز قضا ہو گئی جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے گھوڑوں کو قتل کرنا شروع  
کر دیا جس پر اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا اور آپ نے نماز پڑھ لی۔ اب سوال یہ  
ہے کہ ان گھوڑوں کا اس میں کیا قصور تھا، اور کیا واقعی سورج روک لیا گیا تھا؟

الجواب :- گھوڑوں کے قتل کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں۔ ایک رائے  
یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جہاد کے لیے پرورش کئے گئے تیز و سبک رفتار

لہ قال العلامة ثناء اللہ البانی پتی رحمہ اللہ: وقیل من بکتہ راق۔ ای قال حاضر والمختصر  
من یرقیہ مما بہ من الترقیۃ کذا قال قتادۃ او قالت الملیکۃ الموت ایکم یرقی برحمہ  
ملیکۃ الرحمۃ او ملیکۃ العذاب من الرق کذا قال سلیمان التیمی ومقاتل بن  
سلیمان۔ (التفسیر المظہری ج ۱ - ص ۱۲۵ سورۃ القیامۃ)

وَمِثْلُهُ فِي مَعَالِمِ التَّنْزِيلِ (تفسیر البغوی) ج ۲ ص ۲۲۲ سورۃ القیامۃ)





وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (الآیۃ کی تفسیر) سوال کیا

علماء تفسیر اس آیت کے بارے میں کہ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا، اس میں مساجد سے کیا مراد ہے؟ عام مساجد یا عبادت مراد ہے؟

الجواب :- اس آیت میں مساجد سے مراد حال اور محل دونوں ہے، اس لیے بعض مفسرین نے محل یعنی مساجد اور بعض نے حال یعنی عبادت مراد لیا ہے اور دونوں لازم و ملزوم ہیں اس لیے دونوں ہی مراد ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے: ”اور ان وحی شدہ مضامین میں سے ایک یہ ہے کہ جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہے۔۔۔ سو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو“ (تفسیر بیان القرآن جلد ۲ ص ۲۹ پ ۲۹ سورۃ الجن)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے: ”اور یہ کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی یاد کے واسطے ہیں، سو مت پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو“۔ اور فواد عثمانیہ میں یہ لکھا ہے: ”یوں تو خدا کی ساری زمین اس امرت کے لیے مسجد بنا دی گئی ہے لیکن خصوصیت سے وہ مکانات جو مسجدوں کے نام سے خاص عبادت الہی کے لیے بنائے جاتے ہیں ان کو اور زیادہ امتیاز حاصل ہے، وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہستی کو پکارنا ظلم عظیم اور شرک کی بدترین صورت ہے“ (تفسیر عثمانی ص ۲۹ پ ۲۹ سورۃ الجن، آیت ۱۸ ل ۱۷)

سوال :- جناب مفتی صاحب! ایک عوام الناس کیلئے تفہیم القرآن کا مطالعہ کرنا صحیح نہیں، مشکل اور دینی نوعیت کے مسئلہ کی وضاحت کیلئے گزارش ہے کہ میرے اکثر احباب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ”تفہیم القرآن“ کا

لے قال العلامة قاضی ثناء اللہ الفانی فتی رحمہ اللہ: وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ عطف علی ان لو استقاموا علی الوحی بہ قبیل المراد بالمساجد المواضع الّتی بنیت للصلوٰۃ۔۔۔ قال اللہ المؤمنین ان یخلصوا للہ الدعوات اذا دخلوا المساجد الخ۔

(التفسیر المنظہری ج ۱۰ ص ۹۲ پ ۲۹ سورۃ الجن)

وَمَثَلُهُ فِي تَفْسِيرِ مَوَاهِبِ الرَّحْمَنِ لِلسَّيِّدِ اميرِ پ ۲۹ ج ۲۹ ص ۱۳۴۔



مطالعہ بڑے ذوق اور شوق سے کرتے ہیں اور "قرآن فہمی" کے لیے اسے حرفِ آخر سمجھتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ "تفہیم القرآن" کا مطالعہ کرنا کیسا ہے؟ کیا واقعی اس میں وہ باتیں ہیں جن کی ہمارے علماء کرام نے نشاندہی کی ہے؟ برائے مہربانی مدلل جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: سید ابوالاعلیٰ مودودی ایک آزاد خیال شخص تھا اور اس نے "تفہیم القرآن" بھی اپنی لمبی آزاد خیالی پر مبنی خود ساختہ اصولوں کے تحت لکھی ہے۔ اس نے خود لکھا ہے کہ "اس کام میں میرے پیش نظر علماء محققین کی ضروریات تھیں۔۔۔۔۔ میں نے اس کتاب میں ترجمے کا عام طریقہ چھوڑ کر آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔۔۔۔۔ میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کروں۔"

(دیباچہ تفہیم القرآن ج ۱ ص ۱ تا ۱۰)

لہذا اس خود ساختہ ترجمانی کی بنا پر مودودی صاحب نے ترجمہ اور تفسیر میں کافی ٹھوکریں کھائی ہیں جس کی وجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخی کے ترکب بھی ہوئے ہیں، بطور نمونہ چند مقامات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

(۱) الحمد لله رب العالمین کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔" (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۲۳)۔ مودودی صاحب نے آیت کریمہ کے ترجمہ میں الحمد کے الف لام استغراقی اور جنسی کو نظر انداز کیا ہے جبکہ دیگر تمام مترجمین نے الف لام کا لحاظ رکھتے ہوئے الحمد کا ترجمہ حسب تعریفیں الخ کے ساتھ کیا ہے۔ آپ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں بعض الفاظ بے فائدہ ہیں، حالانکہ قرآن مجید کا کوئی لفظ بھی بے فائدہ نہیں ہے۔

(۲) اسی آزاد خیالی کی بنا پر انہوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی شانِ عالی میں توہین آمیز کلمات لکھے ہیں، مثلاً۔۔۔

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۲۲۷)

(ب) حضرت یونس علیہ السلام سے فریقہ رسالت کی ادائگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں الخ۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۲۶۷)

(ج) حضرت نوح علیہ السلام اپنی بشری کمزوریوں سے مغلوب اور جاہلیت کے جذبہ کا شکار ہو گئے تھے۔ (بحوالہ مودودی مذہب ص ۲۶)۔ تو مودودی صاحب کے ان اغلام کی وجہ سے ان کے لیے تفہیم القرآن کا مطالعہ کرنا صحیح نہیں بلکہ باعثِ گمراہی ہے۔





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ  
 خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ  
 وَجَعَلَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ  
 فِی السَّمٰوٰتِ الْعِلْمَ  
 وَجَعَلَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ  
 فِی السَّمٰوٰتِ الْعِلْمَ  
 وَجَعَلَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ  
 فِی السَّمٰوٰتِ الْعِلْمَ

# کتاب ما يتعلق بالاحادیث

(احادیث مبارکہ کے بیان میں)

کتابت اور تدوین حدیث | سوال :- کتابت اور تدوین حدیث کا کام کب سے شروع ہوا ہے ؟

الجواب :- جزوی طور پر تو صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی کتابت حدیث کا خیال رکھا جاتا تھا لیکن باضابطہ طور پر تدوین حدیث کے لیے دو چیزیں رکاوٹ بنتی تھیں۔ ایک تو قرآن حکیم کے ساتھ التباس کے خوف کی وجہ سے انہیں منع کیا گیا تھا، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے انہیں تدوین حدیث کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی تھی، لیکن جب تابعین کا دور آیا اور مختلف فرقے اسلام کا ببادہ اور گمراہی نمودار ہونے لگے جو دین میں اپنی طرف سے کچھ داخل کرنا اور مرضی کے خلاف کو دین سے نکالنا کوئی گناہ نہیں سمجھتے تھے، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ احادیث نبوی کی باضابطہ طور پر تدوین کی جائے تاکہ صحیح اور سقیم کا امتیاز ہو۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان حالات اور ضروریات کے پیش نظر ایک فرمان جاری کیا جس میں اہل علم کو یہ پیغام تھا کہ وہ احادیث نبوی کو جمع کریں، پھر اس فرمان کی روشنی میں علماء کرام نے احادیث کو جمع کرنے کا کام شروع کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ چونکہ سالہ میں وفات پا گئے تھے اسلئے معام ہوا کہ کتابت و تدوین حدیث کا کام باقاعدگی سے پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی کی ابتدا میں شروع ہوا ہے۔

لما قال ابن حجر: اعلم علمنی وایاک ان آثار النبی لم تکن فی عصر صحابہ وکبار تبعہم مدونة فی الجوامع ولا مروتة لامرین احدہما انہم کانوا فی ابتداء الامر قد نہوا عن ذلك كما ثبت فی صحیح مسلم حشیة ان یتخلط بعض ذلك بالقران العظیم وثانیہما لسعة حفظہم وسیلان اذہانہم ولان اکثرہم کانوا لا یعرفون البکتابۃ ثم حدث فی اواخر عصر التابعین تدوین الآثار وتبویب الاخبار لما انتشر العلماء الامصا وکنوا بتداع من الخوارج والروافض ومنکری الاقدار (ہذا الساری مقدمہ فتح الباری ج ۱ - الفصل الاول)



اسی طرح ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں ہے: وكان أول من امر بتدوين الحديث  
وجمعه، بالكتابة عمر بن عبد العزيز خوف اندلسه اخرج ابو نعیم فی تاریخ اصبهان  
عن عمر بن عبد العزيز انه كتب الى اهل الآفاق انظروا الى حديث رسول الله صلى الله  
عليه وسلم فاجمعوه - (ارشاد الساری للعسقلانی ج ۱ ص ۱۰۰ الفصل الثاني في ذكر اول من  
دقن الحديث والتسنن)

**اقسام حدیث** | سوال :- حدیث کی کل کتنی قسمیں ہیں؟  
الجواب :- روات کی تعداد کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں  
ہیں: متواتر، مشہور، عزیز، غریب۔  
متواتر :- وہ حدیث ہے جسے ہر دور میں اتنے راویوں نے نقل کیا ہو کہ جن کا جھوٹ  
پر اتفاق کرنا اذروئے عقل محال ہو۔

مشہور :- وہ حدیث ہے جس کے راوی محدود ہوں جو تواتر کی حد تک نہ پہنچے  
بلکہ اور ہر دور میں کم از کم تین راوی ہوں۔

عزیز :- وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر دور میں دو سے کم نہ ہوں۔  
غریب :- وہ حدیث ہے جس کی سند میں کسی بھی دور میں ایک راوی آیا ہو۔  
ما قال العلامة ابن حجر العسقلانی، الخبر ای الحدیث اما ان یکون له طرق بلا حصر  
عدد معین او مع حصر بما فوق الاثنين او بهما او بواحد فالاول المتواتر وهو  
المفيد للعلم اليقيني بشروطه والثاني المشهور، والثالث العزيز والرابع الغريب الخ  
(نخبة القکر ص ۱۰۰ فی البحث اقسام باعتبار عدد رواة) لہ

لہ وقال العلامة شبیر احمد العثماني، الخبر اما ان يرويه جماعة يبلغون في الكثرة  
مبلغاً تجبل العادة تواطئهم على الكذب فيه ولا فالاول المتواتر والثاني خبر الاحاد  
وخبر الاحاد ان كانت رواة في كل طبقة ثلاثة فاكتر يسمى مشهوراً، وان كانت  
رواته في بعض الطبقات اثنين ولم تنقص في سائرهما عن ذلك يسمى عزيزاً،  
وان انفرد في بعض الطبقات او كلها راو واحد يسمى غريباً الخ  
(مقدمة فتح الملهم ج ۱ ص ۱۰۰ في بيان اقسام الحديث باعتبار عدد رواة)

حدیث کی اقسام باعتبار صفات | سوال :- حدیث مقبول کی باعتبار صفات کل کتنی قسمیں ہیں ؟

الجواب :- حدیث مقبول کی باعتبار صفات چار قسمیں ہیں۔ صحیح لذاتہ<sup>۱</sup>، صحیح لغیرہ<sup>۲</sup>، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ۔

(۱) صحیح لذاتہ، اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کے تمام ناقلین تمام الضبط ہوں، سند متصل ہو اور اس میں کسی قسم کی علت یا شذوذ نہ پایا جاتا ہو۔

(۲) صحیح لغیرہ :- وہ حدیث ہے جس میں مذکورہ شرائط اعلیٰ درجے کی نہ ہوں، تاہم اس نقصان کا جبیرہ کثرت سند یا کسی اور صفت سے کر دیا گیا ہو۔

(۳) حسن لذاتہ :- وہ حدیث ہے جس میں مذکورہ بالا شرائط کا کوئی جبیرہ نہ کیا گیا ہو۔

(۴) حسن لغیرہ :- وہ حدیث ہے جس میں قبولیت اور مردودیت برابر ہوں لیکن کسی قرینہ کی وجہ سے جانب قبولیت کو ترجیح دی گئی ہو۔

لما قال المحافظ ابن حجر العسقلانی: وخبر الاحاد يتقل عدل تام الضبط متصل السند غير معتل ولا شاذ هو الصحيح لذاته لانه اما ان يشمل من صفا القبول على اعلاها او الاقل للصحيح لذاته والثاني ان وجد ما يجبر ذلك القصورا لكثرة الطرق فهو الصحيح ايضا لكن لا لذاته وجبث لا جبيرة فهو الحسن لذاته. وان قامت قرينته ترجح جانب قبول ما يتوقف فيه فهو الحسن ايضا لكن لا لذاته. الخ (شرح نخبة الفكر ص ۲۶) لہ

لہ وقال العلامة شبیر احمد العثماني :- والمقبول ينقسم الى اربعة اقسام: صحيح لذاته، صحيح لغیرہ، حسن لذاته، حسن لغیرہ۔ وذلك لان الحديث ان اشتمل من صفا القبول على اعلى مراتبها فهو الصحيح لذاته. وان لم يشمل على اعلى مراتبها فان وجد فيه ما يجبر ذلك القصور الواقع فيه فهو الصحيح لالذاته بل لغیرہ. وان لم يوجد فيه ما يجبر ذلك القصور الواقع فيه فهو الحسن لذاته وان كان في الحديث ما يقتضي التوقف فيه لكن وجد ما يرجح جانب قبوله فهو الحسن لالذاته بل لغیرہ. الخ (مقدمة فتح الملبم ج ۱ ص ۹ في بحث ان خبر الاحاد ينقسم الى قسمين المقبول والمردود) ومثله في قواعد التحديث للقاسمي ص ۸۲-۱۰۲ في الباب الرابع في معرفة انواع الحديث.

في بيان اقسام الصحيح وبيان الحديث الحسن.

**شاذ کی تعریف** | سوال :- شاذ کس قسم کی روایت کو کہا جاتا ہے ؟  
**الجواب** :- شاذ کے بارے میں محدثین کی مختلف عبارات منقول ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ شاذ کی تعریف اہل فن کے مابین مختلف فیہ ہے ، چنانچہ علماء حجاز کی ایک جماعت کے نزدیک شاذ اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس میں ثقہ راوی دوسرے ثقات کی مخالفت کرے۔

اور حافظ ابو یعلیٰ خلیلی کے نزدیک شاذ اس روایت کو کہا جاتا ہے جس کی صرف ایک سند ہو اور ایک ہی راوی سے نقل کیا ہو چاہے وہ ثقہ ہو یا نہ ہو، لہذا اس تقدیر پر شاذ صرف تفرّد سے عبارت ہے۔

اور حاکم کے نزدیک شاذ وہ روایت ہے جسے کوئی ثقہ راوی انفرادی طور پر نقل کرے، اور اس کا کوئی متابع نہ ہو۔

تاہم محققین کے نزدیک شاذ وہ روایت ہے جس کو ثقہ راوی راجح روایت سے مخالفت نقل کرے۔

لما قال العلامة شبیر احمد عثمانی: بعد ما فصل الاقوال المذكورة - والمعتمد في حد الشاذ بحسب الاصطلاح انما ما يرويه الثقة مخالفاً لمن هو ارجح منه - الخ (مقدمة فتح الملهم ج ۱ ص ۱۰۰ في بيان الشاذ والمفوض والمنكر والمعروف) له  
**سوال** :- امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کسی صحابی سے ملاقات اور اس سے روایت ثابت ہے یا نہیں ؟  
**امام ابو حنیفہ تابعی تھے**

**الجواب** :- سیر اور تاریخ کی کتابوں میں یہ بات واضح الفاظ کے ساتھ مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کئی بار دیکھا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فہ تشریف لائے تو اس زمانے میں امام اعظم رحمہ اللہ کی ان سے ملاقات ہوئی ہے اور کئی

له وقال الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ: وعرف من هذا التقرير ان الشاذ ما رواه المقبول مخالفاً لمن هو اولى منه وهذا هو المعتمد في تعريف الشاذ بحسب الاصطلاح - الخ (ترهة النظر شرح نجة الفكر ص ۲۲ في بحث الشاذ والمنكر)

وَمِثْلُهُ فِي قَوَاعِدِ التَّحْدِيثِ مِنْ فَنِّ مِصْطَلِحِ الْحَدِيثِ ج ۱ ص ۱۱۳ فِي ذِكْرِ اَنْوَاعِ تَخْتَصُّ بِالضَّعِيفِ :-



صحابہ سے روایت بھی کی ہے۔

لما قال الحافظ الذهبي رحمه الله: في ذكر الامام ابى حنيفة رحمه الله ولد سنة ثمانين في حياة صفار الصحابة وراى انس رضى الله عنه لما قدم عليهم الكوفة۔

(سيرة اعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۹۱ في ذكر سوانح ابى حنيفة)

قال العلامة ابن حجر: وفي فتاوى شيخ الاسلام ابن حجر انه ادرك جماعة من الصحابة كانوا بالكوفة بعد مولده بهاسنة ثمانين فعم من طبقة التابعين ولم يثبت ذلك لاحد من ائمة الامصار المعاصرين۔ (الخيرات الحسان ص ۲۸ الفصل السادس)

**شیعہ سے روایت کرنے کا حکم** | سوال: صحاح ستہ میں شیعوں سے روایات کیوں لی گئی ہیں جبکہ ان پر دینی امور میں کوئی اعتبار نہیں؟

الجواب: جو شخص متواترات اور ضروریات دینیہ سے انکار نہ کرے اور نہ اپنی طرف سے دین میں ایسی باتیں داخل کرے جن کو ضروریات دین کے برابر اہمیت حاصل ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ صاحب ضبط و تقویٰ بھی ہو تو اس کی روایت کو قبول کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ شیعوں میں کئی فرقے ہیں اور ان کے عقائد میں بھی فرق ہے، اس لیے اگر کوئی شخص اہل تشیع میں سے ہو لیکن اس کے اندر مذکورہ باتیں نہ پائی جائیں تو اس سے روایت لینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ روایت اس کے مخصوص عقائد و نظریات وغیرہ کی تائید میں نہ ہو۔

چونکہ سلف صالحین کے زمانے میں شیعہ برادری کے مختلف فرقے تھے جن میں بعض اگرچہ غالی قسم کے بھی تھے لیکن بعض معتدل بھی تھے جو صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع سے گریز کرتے تھے بلکہ وہ صرف حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل تھے جس کی وجہ سے وہ ثقاہت سے خارج

ہے وایضاً ذکر الذہبی فی تذکرۃ الحفاظ: رای انسا غیر مرة لما قدم علیہم الکوفۃ۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۸ فی ذکر ابو حنیفۃ الامام اعظم)

قال الشيخ محمد عاشق الہمی البرنی: ذکر الاحادیث الثلاثة ابوالمؤید الخوارزمی فی جامع المسند ج ۱ ص ۸۵ تا ۸۶ والمؤفق المکی فی المناقب ص ۲۸ تا ۳۰ والسیوطی فی تبیيض الصحیفة ص ۲۷ والصالحی عقود الجمان

وهی هذه ما طلب العلم فريضة على كل مسلم ۲ الدال على الخير كفاعله ۳ ان الله يجب اغاشة

اللہقان۔ (التعليق على الخيرات الحسان ص ۲۷، ۲۸ الفصل السادس)

تہیں تھے، اسی بناء پر محدثین نے ان کی روایات کو نقل کیا ہے۔

لما قال العلامة ابن حجر العسقلانی: قال لمعمد ان الذی توذ رواية من انكر امراً متواتراً من الشرع معلوماً من الدين بالضرورة وكذا من اعتقد عكسه فاما من لم يكن بهذه الصفة وانضم الى ذلك ضبطه لما يرويه مع ورعه وتقواه فلا مانع من قبوله۔ (نخبة الفكر ص ۵) له

حضور صلی علیہ وسلم کا شعر سننے کا ثبوت | سوال :- عن عمرو بن شريد عن ابيه قال استندت في رسول الله صلى الله عليه وسلم هل تروى من شعر أمية بن ابى الصلت شيئاً. فانشدته مائة قافية فجعلت كلما مررت على بيت قال هيب۔ الخ  
اس روایت کا حدیث کی معتبر کتابوں سے حوالہ مطلوب ہے ؟

الجواب :- مذکورہ بالا روایت جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شعر سننا ثابت ہے کو ذیل کی کتابوں سے روایت کیا ہے: رواه الامام مسلم بن حجاج في صحيحه، ونقطه هكذا۔  
عن عمرو بن الشريد عن ابيه قال ردف رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً فقال هل معك من شعرامية بن ابى الصلت شيئاً، قلت نعم قال هيب فانشدته بيتاً فقال هيب ثم انشدته بيتاً فقال هيب حتى انشدته مائة بيت۔ وفي رواية استندت في رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ

له قال العلامة شبيرا حمد العثماني رحمه الله: التشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل علي رضي الله عنه على عثمان رضي الله عنه وان علياً كان مصيباً في حروبه وان مخالفه مخطئ مع تقديم الشيخين وتفضيلهما وربما اعتقد بعضهم ان علياً افضل الخلق بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذا كان معتقداً ذلك ورعاً ديناً صادقاً مجتهداً فلا تردد رواية له هذا الايسر ان كان غير داعية۔ الخ (مقدمة فتح الملهم ص ۱۵) رواها اهل البدع والاهواء  
وقال العلامة النووي رحمه الله: في المبتدعين ومنهم من قال تقبل اذا لم يكن الى بدعته ولا تقبل اذا كان داعيةً وهذا مذهب الاكثريين من العلماء وهو الاعدل الصحيح۔ الخ۔ (نوى شرح صحيح مسلم ج ۱ ص ۶) في باب وجوب الروايات عن الثقات وترك كذب ابن والتحذير من الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم

وزادان صادقاً یسلم۔ الخ (الجامع الصحیح المسلم ج ۲ ص ۲۳۹ کتاب الشعر)  
**عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي كَاتِبُوت** | سوال :- حدیث: "تم اپنے اور میرے طریقے کو لازم رکھنا اور خلفاء راشدین کے طریقے کو بھی، اور اس پر خوب مضبوطی سے ڈٹے رہنا اور دین میں نئی باتیں گھڑنے سے بچے رہنا اس لیے کہ دین میں نئی باتیں ایجاد کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے" اس روایت کا ماخذ بتا کر منوں فرمائیں؟

الجواب :- یہ روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں مذکور ہے، چنانچہ العلماؤی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب نقل کرتے ہیں :-

عن العریاض بن ساریة فی رواية طویلة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالتواجد وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة۔ الخ  
 (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۰۱ فی باب الاعتقاد بالکتاب والسنة۔ الفصل الثانی) لہ

سوال :- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا اور ان میں بعض اپنے ننکے جسموں کو دوسروں کے ذریعے پھیلائے ہوئے تھے اور ایک قاری ان میں قرآن پڑھ رہا تھا اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کھڑے ہوئے اور فرمایا تم کیا کر رہے تھے؟ اس روایت کا حدیث کی معتبر کتابوں سے حوالہ مطلوب ہے؟

الجواب :- اس روایت کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے سنن ابی داؤد میں نقل کیا

لہ و ذکر محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ : ایضاً عن العریاض بن ساریة انه قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وایاکم ومحدثات الامور فانہا ضلالة فمن ادرك ذلك منکم فعلیہ بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین والمہدیین۔ الخ  
 (جامع الترمذی ج ۲ ص ۹۶ فی باب الاخذ بالسنة واجتناب عن البدعة)

ومثله فی سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۵ فی باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المہدیین۔





قال التسبیح اربع وثلاثون. (الجامع الصمیم البخاری ج ۲ باب التسبیح والتکبیر عند المنام) ۹۳۵  
**سورہ حشر کی فضیلت کے بارے میں روایت** | سوال :- ایک حدیث میں آیا ہے کہ  
 اگر کوئی شخص فجر اور مغرب کے بعد سورہ حشر  
 کی آخری تین آیات کو تین بار پڑھے تو اس کے لیے فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ یہ حدیث کونسی  
 کتاب میں مذکور ہے اور اس کا راوی کون ہے؟

**الجواب :-** یہ روایت بعض کتب حدیث میں موجود ہے اور اس کے راوی حضرت  
 معقل بن یسار رضی اللہ عنہ ہیں، حدیث درج ذیل ہے :-

لما روی محمد بن عیسیٰ الترمذی: عن معقل بن یسار رضی اللہ عنہ عن النبی  
 صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال حین یصبح ثلاث مرات اعوذ باللہ من التسمیع العلیم  
 من الشیطن الرجیم فقرأ ثلاث آیات من آخر سورة حشر وكل الله به سبعین الف  
 ملك یتلون علیہ حتی یمسی وان مات فی ذلك الیوم مات شهیداً. ومن قالمها  
 حین یمسی کان بتلك المنزلة. الخ (جامع سنن الترمذی ج ۲ ص ۱۲ ابواب فضائل القرآن) ۲  
**فضائل سورہ الملک** | سوال :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض صحابہؓ نے  
 لا اعلیٰ کی وجہ سے ایک قبر پر خمیہ نصب کیا تو اس قبر سے سورہ ملک  
 کی تلاوت کی آواز آرہی تھی، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے یہ واقعہ بیان کیا۔ کیا یہ واقعہ کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** یہ واقعہ حدیث سے ثابت ہے اور محدثین نے اسے نقل کیا ہے،

۱۔ قال الترمذی: حدثنا ابو الخطاب زیاد بن یحییٰ البصری قال حدثنا ازہو السمان عن ابن  
 عوف عن ابن سیرین عن عبیدة عن علی قال شکت ای فاطمة مجل یدھا من التطحین  
 فقلت لو اتیت اباک فسألتہ خادماً فقال الا اذ لکما علی ما هو خیر لکما من خادم اذا  
 اخذتما مضاجعکما تقولان ثلاثاً وثلثین وثلثاً وثلثین واربعاً وثلثین من تعجید و تسبیح  
 وتکبیر۔ الخ (الجامع الترمذی ج ۲ باب ماجاء فی التسبیح والتکبیر والتعجید عند المنام) ۱۷۸

وہكذا روی ابو داؤد عن حفص بن عمرو مسدد ج ۲ ص ۳۲۲ باب فی التسبیح عند النوم۔

۲۔ وہكذا رواہ الشیخ ولی الدین العراقی فی مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۸۸ کتاب فضائل القرآن، الفصل الثانی۔

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں :-  
 حدثنا محمد عبد الملك بن ابى الشوارب قال حدثنا يحيى بن عمرو بن مالك التكري  
 عن ابيه عن ابى الجوزاء عن ابن عباس رضى الله عنهما قال ضرب بعض اصحاب النبى  
 خبائه على قبر وهو لا يحسب انه قبر فاذا فيه قبر انسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها  
 فاتى النبى فقال يا رسول الله اتى ضربت خبائى على قبر وانا لا احسب انه قبر فاذا فيه  
 انسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها فقال النبى هي المانعة هي المنجية تنجيه من عذاب  
 القبر۔ (سنن الترمذى ج ۲ ص ۱۱۷ ابواب فضائل القرآن) ۱۷

**لاجمعة ولا تشریق کی تحقیق** | سوال :- لاجمعة ولا تشریق الآتی مصر جامع  
 یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ ائمہ حدیث اور محققین کے

کے ہاں اس کی کیا حیثیت ہے؟

**الجواب :-** اس حدیث کو محدثین نے مختلف طریقوں سے نقل کیا ہے جن میں سے  
 بعض طریقے اگرچہ ضعیف ہیں لیکن تمام طریقے ضعیف نہیں بعض صحیح بھی ہیں لہذا تمام طرق کو  
 ضعیف قرار دینا درست نہیں، جیسے مصنف ابن ابی شیبہ کی سند: حدثنا جریر عن منصور  
 عن طلحة عن سعد بن عبيدة عن ابى عبد الرحمن انه قال علي رضى الله عنه لاجمعة  
 ولا تشریق الآتی مصر جامع کے بارے میں حافظ ابن حجر نے درایۃ میں تصریح کی  
 ہے کہ: **وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ**۔ (درایۃ ج ۲ ص ۲۱۲ باب الجمعة) ۱۸

**اختلاف اُمتی رحمة کا ثبوت** | سوال :- اختلاف اُمتی رحمة حدیث ہے یا  
 نہیں؟ اگر حدیث ہے تو کس درجہ کی ہے؟

**الجواب :-** اس حدیث کی صحت کے بارے میں محدثین نے اختلاف کیا ہے، بعض  
 اس کو منقطع اور بلا اصل و بلا سند ٹھہراتے ہیں، تاہم بعض محدثین نے اس کی تصحیح بھی کی ہے  
 چنانچہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: **زعم كثير من الائمة انه لا اصل له**

۱۷ وہکذا روی الشیخ ولی الدین العراقی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۱۸۷ کتاب فضائل القرآن الفصل الثانی)  
 ۱۸ قال حافظ بدر الدین عینی: **وسنده صحیح**۔ (عمدة القاری ج ۴ ص ۱۸۸ باب الجمعة فی القری والمدن)  
 وَمِثْلُهُ فِي فِيضِ الْبَارِي ج ۲ ص ۳۳۱ باب الجمعة فِي الْقُرَى -



لکن ذکرہ الخطابی فی غریب الحدیث مستطرداً واشعربان لہ اصلاً و عندہ۔ وقال السیوطی  
اخرجه المقدسی فی الحجۃ والبیہقی فی الرسالۃ الاشعریۃ بغیر سند۔

وقال الزرکشی: اخرجہ نصر المقدسی فی کتاب الحجۃ مرفوعاً والبیہقی فی المدخل  
عن القاسم بن محمّد۔ (الموضوعات الکبریٰ ص ۵۱ حدیث ۱۶) لہ

**حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو گرانے کا عزم اور اس کی تحقیق** | سوال: کیا آنحضرت صلی اللہ

ثابت ہے جس کا مضمون یوں ہو کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دوں۔  
اگر یہ روایت آپ سے ثابت ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ  
کب کیا تھا اور یہ کیسے ہوا؟ جبکہ خود کشتی شریعت میں حرام ہے۔

**الجواب:**۔ یہ روایت بعض کتب حدیث میں موجود ہے، اور یہ واقعہ فترۃ الوحی کے  
زمانے میں پیش آیا تھا، اس روایت کو علامہ قسطلانی نے امام زہری سے یوں نقل کیا ہے۔

وَفَتْرَ الْوَحْيِ فَتْرَةٌ حَتَّى حَزَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَادَ فِي التَّعْبِيرِ مِنْ طَرِيقِ مَعْر  
عَنِ الزُّهْرِيِّ فِيمَا بَلَّغْنَا حَزَنًا عَدَامَةً مَرَّأً كِي يَتَرَدَّى مِنْ رُؤْسِ شَوَاهِقِ الْجِبَالِ فَكَلَّمَا وَفِي  
بَذْرُوعَةِ جَبَلٍ لَمْ يَلْقَ نَفْسَهُ تَبْدِي لَهْ جَبْرِيلَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ حَقًّا فَيَسْكُنُ لَذَلِكَ  
جَاشَهُ وَتَقَرَّ نَفْسَهُ فَيَرْجِعُ وَأَمَّا ارَادَتُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْقَائِلُ نَفْسَهُ مِنْ رُؤْسِ شَوَاهِقِ الْجِبَالِ  
فَعَرْنَا عَلَى مَا فَاتَهُ مِنَ الْأَمْرِ الَّذِي بَشَّرَهُ بِرَقَّةٍ۔ (ارشاد الساری ج ۸ ص ۲۲۴) سورة اقرأ  
بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ۔۔ صمیم ابن حبان ج ۱ ص ۱۲۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۳ باب کیف ید الوحی

اور اس سے خود کشتی ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ تو عشق و محبت مع اللہ کا درجہ ہے، جیسے کہ ایک  
ایک شخص کے دل میں تڑپ ہو کہ اللہ کی راہ میں قربان ہو جائے اور پھر جہاد کو چلے اور کفار کے

لہ وقال علاؤ الدین علی الہندی: رواہ نصر المقدسی فی الحجۃ والبیہقی فی رسالۃ الاشعریۃ  
بغیر سند واورده الحلیبی والقاضی حسین و امام الحرمین وغیرہم ولعلہ خرج بہ فی  
بعض کتب الحفاظ التي لم تصل الینا۔ قال المناوی فی القیض (ج ۱ ص ۲۶۹) لہ واقف لہ علی

سند صحیح وقال الحافظ العراقی سندہ ضعیف۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۳۶) کتاب العلم

وَمِثْلُهُ فِي رَدِّ الْمُحْتَارِ عَلَى الرَّائِدِ الْمُحْتَارِ ج ۱ ص ۶۵ مطلب فی حدیث اختلاف اُمتی رحمۃ۔

ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے آخر شہید ہو جائے تو اس کو خودکشی نہیں کہا جاتا جو باعثِ عتاب ہو بلکہ یہ باعثِ اجر ہوتی ہے، یا یہ ابتدائی وقت تھا جب خودکشی سے ممانعت نہیں ہوئی تھی۔

اور قاضی عیاض نے اس وقت پر حمل کیا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت پیش کی تو کفار نے اسے جھٹلایا اور انکار کر بیٹھے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غمگین ہوئے۔ چنانچہ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا (سورۃ الکہف آیت ۱۰۱) میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

لما قال القسطلانی: وحمله القاضی عیاض علی انہ لما اخرجہ من تکذیب من بلغه لقولہ تعالیٰ: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ... الخ ولم یرد بعد شرع عن ذلك فیعترض بہ۔  
(ارشاد الساری ج ۸ ص ۲۴۷ سورۃ اقرأ باسم ربک الذی خلق)

**حضرت علی رضی عنہ کی نماز اور طلوع آفتاب کا ثبوت** | سوال :- ایک روایت میں ہے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عصر کی نماز فوت ہو گئی یعنی سورج غروب ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نماز کے بارے میں پوچھا کہ نماز ادا کی ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں، اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی جس کی وجہ سے سورج دوبارہ طلوع ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کی۔ کیا یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اس روایت کو امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں اسماء بنت عمیس سے یوں روایت کیا ہے :-

عن اسماء بنت عمیس ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظهر بالصہباء ثم ارسل علیاً فی حاجتہ فرجع وقد صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم العصر فوضع النبی رأسہ فی حجر علی رضی اللہ عنہ فنام فلم یحرکہ حتی غابت الشمس فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللهم ان عیدک علیاً احتبس بنفسہ علی نبیہ فرد علیہ الشمس قالت فطلعت علیہ الشمس حتی رفعت علی الجبال وعلی الارض وقام علی فتوضا و صلی العصر ثم غابت وذلك بالصہباء۔  
(المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۲ ص ۱۲۵)

لیکن اس روایت کی صحت کے بارے میں محدثین نے اختلاف کیا ہے، چنانچہ علامہ



ابن الجوزی، امام ابن تیمیہ اور امام احمد رحمہما اللہ وغیرہ نے اس کو موضوعات اور بلا اصل روایات میں شمار کیا ہے۔ اور امام طحاوی، قاضی عیاض وغیرہ نے صحت پر قول کیا ہے اور طبرانی کی مذکورہ بالا روایت کو بھی صحیح روایات میں شمار کیا گیا ہے۔

لما قال محمود الآوسی: وهذا الخبر في صحته خلاف فقد ذكره ابن الجوزي في الموضوعات وقال انه موضوع بلا شك وقال الامام احمد لا اصل له واخره ابن تيمية تضيقات الرد على الروافض وذكر الحدیث بطرقه ورجالہ وانہ موضوع وصححه الطحاوی والقاضی عیاض والطبرانی۔ (روح المعانی ج ۲۳ ص ۱۹۲ مطلب فی تفسیر قولہ تعالیٰ: فطفق مسعاً)

**ابوالشیخ کے حالات زندگی** | سوال:- حدیث من صلی علی عند قبری فسمعتہ ومن صلی علی نائیباً ابلاغتہ کی سند میں ابوالشیخ آیا ہے اس کا نام،

اس کے والد کا نام، اساتذہ اور حالات زندگی کو تحریر کیا جائے؟

الجواب:- ابوالشیخ کا نام عبداللہ اور ان کے والد کا نام محمد بن جعفر ہے اور مشہور ابوالشیخ کے نام سے ہیں، ان کے اساتذہ بہت ہیں جن میں سے چند کے اسماء درج ذیل ہیں: الزاہد محمود بن الفرغ، ابراہیم بن سعدان، محمد بن عبداللہ بن الحسن، محمد بن اسد المدنی، احمد بن محمد، ابوبکر ابن ابی عاصم، اسحق بن اسماعیل الرملی، ابوخلیفہ الجحفی، احمد بن الحسن الصوفی، ابویعلیٰ الموصلی، ابو عروہ الخمرانی۔

حافظ ابن مردویہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ابوالشیخ ثقہ مامون تھے اور انہوں نے احکام و تفسیر میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

ابوبکر خطیب ان کے بارے میں لکھتے ہیں: کان حافظاً ثبتاً متقناً۔ بعض علماء سے یوں منقول ہے کہ ہم جب بھی ابوالشیخ کے ہاں جاتے تو وہ نماز میں مشغول ہوتے تھے۔

ابونعیم کا کہنا ہے کہ وہ بلند پایہ علماء میں سے تھے، انہوں نے احکام و تفسیر میں کئی کتابیں تصنیف کیں اور وہ اپنے شیوخ سے علم پھیلاتے تھے اور ساٹھ سال تک تصنیف کرتے رہے، وہ با اعتماد تھے۔

لما قال الذہبی: ابوالشیخ حافظ اصیہان وستدرمانہ الامام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر الانصاری صاحب المصنفات السائرة ويعرف بابی الشیخ سمع من جدہ



لامہ الزاهد محمود بن الفرّج، ابراہیم بن سعدان، محمد بن عبد اللہ بن الحسن، محمد بن اسد المدنی، احمد بن محمد، ابوبکر بن ابی عاصم، اسحاق بن اسماعیل الرّملى، ابوخلیفة الجبّی، احمد بن الحسن الصوقی، ابو یعلیٰ الموصلی، ابو عمرو بن الحراتی۔ قال ابن مردویة ثقة مامون صنف التفسیر والکتب الکثیرین فی الاحکام وغير ذلك۔ وقال ابوبکر الخطیب كان حافظاً ثبّتاً متقناً۔ وروی بعض العلماء قال ما دخلنا علی ابی الشیخ الا وهو یصلی۔ قال ابو نعیم هو احد الاعلام صنف الاحکام والتفسیر وكان یفید عن الشیوخ و یصنّف لهم ستین سنّة وكان ثقةً ووقع لنا الکثیر من کتب ابی الشیخ۔ الخ

رتذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۲۵

مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ كَمَا يَحْتَقِقُ | سوال: مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسی حالت میں موت آئے کہ وہ توحید و رسالت پر ایمان رکھتا ہو تو یہ شخص جنتی ہے۔ اگر صرف اس عقیدے کی بناء پر جنت میں جانا ہو سکتا ہے تو پھر دیگر اعمال کا کیا فائدہ؟

الجواب:- حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو دل سے معبود برحق مانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچا رسول مانے اور زبان سے بھی اس عقیدے کا اظہار کرے تو ایسا شخص جنت میں جانے کا اہل بن جاتا ہے صرف زبانی کلمہ پڑھنا مراد نہیں ہے، اور دوسرے اعمال کا ذکر اس لیے نہیں ہوا کہ اس حدیث کا تعلق اس زمانے سے ہے جب دوسرے اعمال فرض نہیں ہوئے تھے جبکہ ایمان کا دار و مدار صرف توحید و رسالت اور قیامت پر تھا، اسی وجہ سے دوسرے اعمال کا بے فائدہ ہونا لازم نہیں آتا۔ اور دخول جنت سے مراد دخول اولیٰ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو یا بصورت کوتاہی کے توبہ کر لی ہو یا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے معاف کیا ہو۔ یا دخول جنت سے مراد دخول آخری ہے جو اعمال میں کوتاہی کی سزا بھگتنے کے بعد ہوگا، یا دخل الجنة کا معنی استحق دخول الجنة ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری الحنفی رحمہ اللہ: دخل الجنة دخولاً اولیاً ان لم یصدر عنه ذنب بعد الایمان او اذنب وتاب او عفا الله عنه او دخولاً آخریاً فان الله لا یضیع اجر من احسن عملاً او معناه استحق

دخول الجنة - (مرقاة المفاتیح ج ۱ ص ۲۰ کتاب الایمان)

وقال النووي: قلنا عمل على انه غفر له او اخرج من النار بالشفاعة ثم ادخل الجنة فيكون معنى قوله دخل الجنة الى دخلها بعد مجازاته بالعذاب وهذا لا بد من تاويله لما جاء في ظواهر كثيرة من عذاب بعض العصاة - (شرح النووي على صحيح مسلم ج ۱ ص ۲۰)

حدیث لولاك لما... کی تحقیق | حدیث لولاك لما خلقت الافلاك کے بارے میں علی قاری رحمہ اللہ نے موضوع ہونے کا قول کیا ہے، اور ان کے علاوہ

بعض علماء نے اس کو بلا سند روایات میں شمار کیا ہے، جبکہ بعض حضرات نے دلیلی کے حوالے سے مرفوع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لہذا اس کے بارے میں تسلی بخش جواب سرفراز فرمائیں؟  
الجواب:۔ اگرچہ اس حدیث کے الفاظ کے بارے میں محدثین حضرات نے کلام کیا ہے لیکن معنی و مضمون کے اعتبار سے یہ ثابت ہے اور ایک حقیقت نفس الامر ہے جو کہ دوسری روایات سے ثابت ہے اور جن علماء سے انکار منقول ہے وہ بھی الفاظ ہی کے بارے میں ہے معنی کے بارے میں نہیں ہے۔ چنانچہ خود ملا علی قاری رحمہ اللہ اس کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ اگرچہ علامہ صنعانی نے اسے موضوع کہا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے ثابت ہے۔

حدیث لولاك لما خلقت الافلاك قال الصغاني انه موضوع كذا في الخلاصة لکن معناه صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً اتانی جبریل فقال یا محمد لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار وفي رواية ابن عساكر لولاك ما خلقت الدنيا - (موضوعات کبیر ص ۵۹ حرف اللام)

لہ قال العلامة شہاب الدین قسطلانی: قال اللہ تبارک وتعالی لا آدم یا آدم یا ابا محمد ارفع رأسك فرقع رأسه فرئی نور محمد فی سرادق العرش فقال یارب ما هذا النور قال هذا نور نبی قمر ذریتك اسمہ فی السماء احمد وفي الارض محمد لولاه ما خلقتك ولا خلقت السماء ولا ارضاً - (مواہب اللدنیة ج ۱ ص ۸۳)

وروی فی حدیث طویل عن سلمان رضی اللہ عنہ ولقد خلقت الدنیا واهلها لأعرفهم کرامتک ومنزلتک عندی ولولاک ما خلقت الدنیا - (مواہب اللدنیة ج ۱ ص ۸۳)

ومثله فی سبل الہدای والرشد ج ۱ ص ۵۷ -



مہاجرین و انصار میں عقد مواخات اور انصار کا مہاجرین کو بیوی کی پیشکش | سوال: صحابہ کرامؓ

ہجرت کر کے مدینہ طیبہ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے درمیان عقد مواخات یعنی بھائی بندی اور بھائی چارہ قائم کیا تو جن انصار صحابہؓ کی دو بیویاں تھیں انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو ایک بیوی کی طلاق کے بعد پیشکش کی۔ کیا یہ روایت حدیث کی کتابوں سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب:- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت فرمانے کے بعد مدینہ طیبہ جا کر مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات یعنی بھائی بندی اور بھائی چارے کا رشتہ قائم فرمایا اور اس پر انصار نے اپنے خلوص و جذبہ ایمانی سے بھرپور طریقے پر عمل کیا جو حدیث کی کتابوں میں تفصیلی طور پر مذکور ہے۔ اسی جذبہ ایثار اور اخلاص ہی کی وجہ سے حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے مہاجر بھائی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنی نصف جائیداد اور ایک بیوی کی پیشکش کی جو کہ ان کے انتہائی ایثار کا اظہار تھا، لیکن حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ظاہری طور پر خلاف مروت سمجھتے ہوئے حضرت سعد بن ربیعؓ کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی۔

لما روی محمد بن اسمعیل البخاری: لما قدموا المدينة اخى رسول الله صلى الله عليه وسلم بين عبدالرحمن بن عوف وسعد بن الربيع فقال لعبدالرحمن انى اكثر الانصار مالا فاقسم مالى نصفين ولى امرأتان فانظرا عجبهما اليك فستها الى اطلقها فاذا انقضت عدتها فتزوجها قال بارك الله لك فى اهلك ومالك - (صحيح البخارى ج ۱ ص ۵۳۳ باب اخاء النبي صلى الله عليه وسلم بين المهاجرين والانصار له)

اشعة اللمعات کی ایک عبارت کی تشریح | سوال: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "اشعة اللمعات ج ۲ ص ۱۵۴ میں کتاب فضائل القرآن، باب آداب التلاوت" کے تحت ایک حدیث کی تشریح کی ہے جس کا

لہ روای الامام محمد بن عیسیٰ الترمذی: عن النبی رضی اللہ عنہ اخى رسول الله صلى الله عليه وسلم بين عبدالرحمن بن عوف وسعد بن الربيع فقال هلم اقسامك مالى نصفين ولى امرأتان فاطلق احدتها فاذا انقضت عدتها فتزوجها - الخ (جامع الترمذی ج ۲ باب المواسات - ابواب البر والصلة)



مطلب سمجھ میں نہیں آ رہا، ازراہ کرم فارسی کی مندرجہ ذیل عبارت کی وضاحت فرمائیں۔  
 ”و مقصود وی صلی اللہ علیہ وسلم رفع جرح و مشقت و تکلیف در استقصائے رعایت تجوید  
 بمرتبہ غایت است و تبنیہ بر تخری حسبہ و اخلاص در عمل لوجہ اللہ و تفکر در معانی و شدت  
 اہتمام بآں گریہ در تحسین الفاظ و تجوید کلمات نہ باقصا الغایتہ کوشد زیرا کہ استقصاء و اہتمام  
 بثنائی باساہلہ و تفصیر در اول چنداں نفع نکند و اعتناء بثنائی باساہلہ در اول ضرر نیارد۔“

الجواب :- یہاں پر تلاوت قرآن کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اگر  
 کوئی کلام پاک کے معانی و مطالب میں غور و فکر نہ کرے بلکہ صرف الفاظ کی تحسین اور کلمات کی تجوید میں  
 کوشش کرے تو اس میں کوئی خاص فائدہ نہیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی کلام الہی  
 کی تلاوت اخلاص کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے اور اس کے معانی و مطالب پر  
 غور و فکر کرے اگرچہ انتہائی طور پر تو ان میں تجوید اور تحسین الفاظ حاصل نہ ہوں تو اس میں کوئی  
 مضائقہ نہیں۔

اور حاصل اس کا یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں بنیادی چیز اخلاص و تہمت اور تفکر و تدبیر  
 ہے جب یہ حاصل ہوں تو تلاوت کا ثواب مکمل طور پر حاصل ہوگا، اور جب اخلاص اور تفکر نہ  
 ہو تو اگرچہ تحسین و تجوید سے پڑھا جائے اس میں کوئی خاص فائدہ نہیں۔

**بشروا ولا تنفروا کی حقیق** | سوال :- اصول تبلیغ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس  
 طرح کی کوئی روایت منقول ہے کہ نفرت نہ دلانا محبت پیدا کرنا،  
 پہلے توجید و رسالت کی دعوت دینا جب اس کو مان لیں تو پھر نماز پنجگانہ بتانا؟

الجواب :- مذکورہ پورے الفاظ کسی ایک روایت میں نہیں ملتے تاہم متعدد روایات سے  
 یہ باتیں ثابت ہیں، ایک روایت میں یوں ہے :-

بعثت ابی صلی اللہ علیہ وسلم اباموسیٰ ومعاذ ارضی اللہ عنہما الی الیمن فقال یسر  
 ولا تعسر و بشروا ولا تنفروا۔ الخ (الجامع الصحیح البخاری ج ۲ کتاب المغازی / صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲ کتاب الجہاد)  
 اور دوسری روایت میں یوں ہے :-

اِنَّكَ سَتَاتِي قَوْمًا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فَاذْجِثْهُمْ فَاذْعُوهُمْ اِلَىٰ اَنْ يَشْهَدُوْا اِنَّ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ  
 مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ فَاَنْ هُمْ اَطَاعُوْا بِذَلِكَ فَاخْبِرْهُمْ اِنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ حَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ  
 يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ۔ الخ (الجامع الصحیح البخاری ج ۲ ص ۶۲۳ کتاب المغازی / صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶ کتاب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کی سزا | سوال: تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری میں

پارہ اول حدیث ۷۰۸ کے تحت لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جو تم سے بہت سی حدیثیں بیان نہیں کرتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور انورؐ نے فرمایا جو کوئی جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔ متن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نادانستہ ایسا ہو جائے تو بالاجماع وہ گنہگار نہ ہوگا۔ جو تبتی نے کہا کہ جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عمداً جھوٹ باندھے وہ کافر ہو گیا، علیؑ نے کہا کہ کافر تو نہیں ہوا مگر سخت گنہگار ہوا، اس حدیث کے صحیح مطلب و مفہوم سے روشناس فرما کر ممنون فرمائیں ۹

الجواب:- اس حدیث کا مفہوم تو ظاہر ہے کہ جان بوجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والے کی سزا جہنم ہے، باقی اگر کوئی غلطی سے یا بھول کر اس فعل کا ارتکاب کرے تو ماحجماع علماء شیخ گنہگار نہیں ہوگا، اسی وجہ سے حکم کے ساتھ بالعمد کی قید لگائی گئی ہے اور جو روایات مطلق ہیں وہ اس مقید پر محمول ہیں البتہ کذب عمداً کے مرتکب کے کفر کے بارے میں اختلاف ہے لیکن جمہور کے ہاں جب تک حلال نہ سمجھے کافر نہ ہوگا، اگرچہ گناہ عظیم ہونے میں شک نہیں مگر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

لما قال النووي: ان الاجماع والنصوص المشهورة في الكتاب والسنة متوافقة ظاهرة على انه لا اثم على الناس والغالط فلواطلق النبي صلى الله عليه وسلم لتوهم انه ياتم الناس ايضاً فقيدها واما الروايات المطلقة فمحمولة على المقيده بالعمد ..... ثم قال ولكن لا يكفر به هذا الكذب الا ان يستعمله هذا هو المشهور من مذاهب العلماء الخ (نورى شوح صحيح مسلم ج ۱ ص ۱۰۸ باب النهى عن الحديث)

مُرتد عن الاستاد کی حدیث کی تحقیق | سوال:- مندرجہ ذیل حدیث: عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْمُرْتَدُّ عَلَى

توعين مُرتد عن الدين و مُرتد عن الاستاد اما المُرتد عن الدين فهو يُصلح بالتوبة واما المُرتد عن الاستاد فهو لا يُصلح اصلاً فهو كالبيضة المنتنة: ایک قلمی نسخے میں نظر سے گذری، مگر اشتباہ اس میں یہ ہے کہ حقوق دو قسم کے ہیں، حقوق اللہ اور حقوق العباد، حقوق اللہ تو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور حقوق العباد بندوں کے راضی کرنے سے معاف



ہو جاتے ہیں اور توبہ کے ذریعے تو کافر و فاسق کی اصلاح ہوتی ہے۔ مولا علی قاری رحمہ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں: "وتوبۃ الکافر ومقبولة" لہذا اس حدیث کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ محدثین کے ہاں اس کی کیا حیثیت ہے، صحیح ہے یا موضوع؟

الجواب: اساتذہ کرام اور والدین کا احترام قرآن و حدیث سے ثابت ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ نافرمان شاگرد کی توبہ قبول نہ ہو، لقولہ تعالیٰ: لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا (سورۃ زمر آیت ۵۳) اور اسی طرح غَا فِرَ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ - (سورۃ المؤمن آیت ۴۷) لہذا توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

باقی چونکہ اس روایت کی سند مذکور نہیں اور نہ ہی کسی مخرج پر حوالہ دیا گیا ہے، لہذا صحت و ضعف کے اعتبار سے تفصیل نہیں لکھی جاسکتی تاہم بظاہر وضع کے آثار اس میں نمایاں ہیں جن میں کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع امت سے تعارض شامل ہے۔

سوال :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ معراج کی رات میں نے حضرت موسیٰ

علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کیا یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب :- اس حدیث کو امام مسلم نے نقل کیا ہے، حدیثنا ہذا بن خالد و شیبان بن فروخ قال اخبرنا حماد بن سلمة الینانی و سلیمان التیمی عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتیت و فی روایة ہذا اب مررت علی موسیٰ لیلۃ اسری عند الکئیب الاحمر و هو قائم یصلی فی القبر۔

(الجامع الصحیح المسلم ج ۲ ص ۶۸۱ باب فضائل موسیٰ علیہ السلام)

نسبت اِلَى الْغَیْرِ بِرُءُوسِہِمْ اور اس کی توجیہ

سوال :- اس حدیث کی وضاحت فرما کر

رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنے

قبرہ - (نسائی ج ۱ ص ۲۲۲) کتاب قیام اللیل و تطوع النہار - ذکر صلوة نبی اللہ

موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام .... الخ)



والد کے سوا کسی دوسرے شخص کو والد کہا اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ شخص اس کا باپ نہیں ہے، تو ایسے شخص پر جنت حرام ہے ۹۔

الجواب :- یہ حدیث امام مسلم بن حجاج نے صحیح مسلم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے نقل کی ہے :-

عن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من ادعی الی غیر ابیہ وهو یعلم انه غیر ابیہ فالجنة علیہ حرام۔

اُمہ حدیث نے اس روایت کی مختلف توجیہات کی ہیں :-

(۱) یہ کہ جو شخص اس کام کو حلال سمجھ کر کرے گا تو اس پر جنت حرام ہے۔  
(۲) یہ کہ حرام بمعنی ممنوع ہے تو ایسے شخص پر جنت میں دخول اول ممنوع ہوگا جو فائزین اور سلامتی والوں کے لیے ہے اور سزا پانے کے بعد داخل ہوگا۔

لما قال النووی: الاول انه حرام علی من فعله مستحلّ له، والثانی ان جزائہ انہا محرمة علیہ اولاً عند دخول الفائزین الخ۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۱ باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیہ وهو یعلم) لہ

**سوال :-** ابوداؤد شریف میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے **نماز میں اشارہ ممنوعہ کی حقیقت**

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من اشار فی صلوٰتہ تقہم عنہ فلیعد لہا یعنی الصلوٰۃ (ج ۱ ص ۱۳۳)۔" کیا یہ حدیث اشارہ بالتباہ کی روایت سے معارض ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** چونکہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ بالتباہ کے لیے مستقل عنوان باب الاشارة فی التشہد کے تحت روایات کو جمع کیا ہے، اور مذکورہ روایت کو باب الاشارة فی الصلوٰۃ میں نقل کیا ہے، لہذا اس اشارہ سے مراد وہ اشارہ ہوگا جو سلام کے جواب

لہ فالمراد من استحل ذلك مع علمہ بالتحریرو علی الروایۃ المشہورۃ فالمراد کفر "لنعمۃ وظاہر اللفظ غیر مراد واما ورد علی سبیل التغلیظ والزجر لقاعل ذلك او المراد باطلاق الکفران فاعلہ فعل فعلاً شبیہاً بفعل اهل الکفر۔ الخ (فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۶) باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیہ وهو یعلم

یا کسی دوسری ضرورت کے لیے کیا جائے۔

لما قال الشيخ خليل احمد السهارنفوري رحمه الله: الاشارة المذكورة في هذا الحديث  
محمولة على الاشارة في الصلوة للحاجة كرد السلام وغيرها -

(بذل المجهود شرح ابوداؤد ج ۲ م ۲۰۱ باب الاشارة في الصلوة)

فقیه اور عابد کے تقابلی موازنہ کی روایت | سوال :- فقہ و احد اشدد علی  
الشیطن من الف عابد - یہ حدیث ہے

یا کوئی عربی مقولہ ہے؟ اگر حدیث ہے تو حدیث کی کس کتاب میں مذکور ہے؟  
الجواب :- یہ عبارت ایک حدیث کے الفاظ ہیں اور اکثر کتب احادیث میں بروایت  
عبد اللہ ابن عباس ذکر کئے گئے ہیں :-

روی محمد بن عیسیٰ الترمذی بسندہ ابن عباس رضی اللہ عنہما قال رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم فقیہ و احد اشدد علی الشیطن من الف عابد -

(جامع الترمذی ج ۲ ص ۹۱ باب ماجاء فی عالم المدینة) لہ

حضرت علیؑ اور قوتِ حافظہ والی روایت | سوال :- ایک روایت میں آتے ہیں کہ حضرت

علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چند  
کلمات اور اسماءِ حسنیٰ بتائے جن کے ورد سے حضرت علیؑ کی حافظہ کی کمزوری ختم ہو گئی، پھر  
بعد میں کسی صحابی کے پوچھنے پر حضرت علیؑ نے وہ کلمات بتائے۔ اس روایت کا حوالہ بتائیں؟

الجواب :- امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ روایت ان کلمات کے ساتھ جو رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو ضعفِ حافظہ کی دوری کے لیے فرمائے تھے (نقل کی ہے :-

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ مختصراً؛ شکی علی رضی اللہ عنہ تفلت القرآن عن صدرہ

لہ و کذا ذکر ولی الدین محمد بن عبد اللہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقیہ و احد اشدد علی الشیطن من الف عابد -

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۳ ص ۳۱۱ کتاب العلم - الفصل الثانی)

و مثله فی سنن ابن ماجہ ج ۲ باب فضل العلماء والحیث علی طلب العلم -

الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا ایا الحسن افلا اعلمک کلمات ینفعک اللہ بہن ینفع بہن من علمتہ و یثبت ما تعلمت فی صدک قال اجل یا رسول اللہ فعلمنی قال اذا کان لیلۃ الجمعة فان استطعت ان تقوم فی ثلث اللیل الاخر فانتہا ساعة مشہورۃ والدعاء فیہا مستجاب فان لم تستطع فقم فی وسطہا فان لم تستطع فقم فی اولہا۔ فصل رکعات تقرأ فی الرکعة الاولى فاتحة الكتاب وسورة یس وفي الرکعة الثانية فاتحة الكتاب وخم الدخان وفي الرکعة الثالثة بفاتحة الكتاب والحمد التنزیل السجدة۔ وفي الرکعة الرابعة بفاتحة الكتاب وتبارک المفصل، سورة الملك۔ فاذا فرغت من التشهد قاحدا للہ واحسن الثناء علی اللہ و صل علی و احسن و علی سائر النبیین واستغفر للمؤمنین والمؤمنات ولاخوانک الذین سبقوک بالایمان ثم قل فی آخر ذلك اللهم ارحمنی بترك المعاصی ابدأ ما بقیتنی وارحمنی ان اتکلف ما لا یعیننی وارزقنی حسن النظر فی ما یرضیک عنی اللهم بدیع السموات والارض ذوالجلال والاکرام والعزت التی لا ترام اسئلك یا اللہ یا رحمن بجلالک ونور وجهک ان تلزم قلبی حفظ کتابک كما علمتنی وارزقنی ان اتلوه علی النحو الذی یرضیک عنی اللهم بدیع السموات والارض ذوالجلال والاکرام والعزة التی لا ترام اسئلك یا اللہ یا رحمن بجلالک ونور وجهک ان تنور بکتابک بصبری وان تطلق به لسانی وان تفرج به عن قلبی وان تشرح به صدري وان تغسل به یدی۔ فانه لا یعیننی علی الحق غیرک ولا یؤتیہ الا انت ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ یا یا الحسن تفعل ذلك ثلاث او خمسة وسبعاً تجب باذن اللہ والذی یعثنی بالحق ما اخطأ مؤمناً۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۹۶۔ باب دعاء الحفظ)

**انچاس کروڑ گنا ثواب کی حدیث** | سوال :- بعض حضرات تبلیغ میں جاتے والوں کے لیے جو فضائل بیان کرتے ہیں ان میں ایک

یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلنے والوں کو ایک روپے کے خرچ کرنے پر انچاس کروڑ روپے کا اجر و ثواب ملے گا۔ کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ بات کسی مستقل روایت سے ثابت نہیں، تاہم چند روایات کے مجموعی مضامین کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلنے والے کے اعمال میں بہت زیادہ تساعف ہوتا ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ایک روپے کے عوض ۴۹ کروڑ کا



ثواب ملتا ہے۔ اس بارے میں ابن ماجہ کی ایک روایت ہے جو آٹھ صحابہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من ارسل بنفقة في سبيل الله واقام في بيته فله بكل درهم سبع مائة درهم ومن عدى بنفسه في سبيل الله وفي وجه ذلك فله بكل درهم سبع مائة الف درهم۔ (ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۹۸ باب فضائل النفقة في سبيل الله) اور دوسری روایت کو امام ابو داؤد نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الصلوة والصيام والذكر يضاعف على النفقة في سبيل الله عز وجل بسبع مائة ضعفا۔ (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۲۵ باب تضعيف الذكر في سبيل الله)

یہاں پہلی روایت میں یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کر خرچ کرے اس کو ایک روپے کے عوض سات لاکھ روپے کا ثواب ملے گا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نماز، روزہ، ذکر اللہ کا ثواب انفاق فی سبیل اللہ کی نسبت سات (۷۰۰) سو گنا زیادہ ہے۔ اب پہلی حدیث کے سات لاکھ کو دوسری حدیث کے سات سو روپے سے ضرب دی جائے تو انچاس لاکھ کروڑ ہی بنتا ہے۔

$$۲۹۰۰۰۰۰۰ = ۷۰۰ \times ۷۰۰۰۰۰$$

تاہم یہ ثواب صرف تبلیغ میں نکلنے سے خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے راستہ کے ہر مسافر کا یہ حکم ہے، البتہ تبلیغ بھی سبیل اللہ کا ایک شعبہ ہے۔

**ولد الزنا لا يدخل الجنة کی تحقیق** | سوال :- درج ذیل حدیث ولد الزنا لا يدخل الجنة کی محدثین کے ہاں صحت اور ضعف کے

اعتبار سے کیا حیثیت ہے؟ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟  
الجواب :- اس حدیث کے متعلق اکثر حفاظ حدیث کی رائے یہ ہے کہ اس کا شمار موضوع روایات میں ہوتا ہے اور حدیث کے ذخائر میں اس کی صحت کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

لما قال عبد الرحمن الاثری الشافعی: ولد الزنا لا يدخل الجنة يدور على الاستنہ ولم يثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ بل قال القاضي مجد الدين شيرازي في سفر السعاده هو باطل۔ (تميز الطيب من الجنيت ص ۲۰۷)

لہ وقال ايضا: ذكر في المصنوع في احاديث الموضوع ولد الزنا لا يدخل الجنة لا اصل له۔ (تميز الطيب من الجنيت ص ۳۹۱ ومثله في موضوعات كبرى للملا علي القاري ص ۳۵۱ احاديث في ولد الزنا۔

سوال :- عن عائشة رضي الله عنه  
**آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجنبیہ سے غنا کی روایت**  
 قالت كانت عندی امرأة تسعی

فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي على تلك الحال ثم دخل عمر فقزت  
 فضحك رسول الله فقال عمر رضي الله عنه ما يضحك يا رسول الله صلى الله  
 عليه وسلم محدثه فقال والله لا اخرج حتى اسمع ما سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم  
 فاسمعه - کیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اس روایت کو بعض محدثین نے موضوعات میں شمار کیا ہے اور اس کی  
 سند میں ابو الفتح البغدادی ہے جو محدثین کے ہاں متکلم فیہ ہے، اور بعض نے اسے واہی الحدیث  
 ساقط الروایۃ تک کہا ہے۔

لما قال ابن الجوزی رحمه الله: قال الخطيب ابو الفتح البغدادي واہی الحدیث  
 ساقط الروایۃ واصل الحدیث باطل۔ (کتاب الموضوعات لابن الجوزی ج ۳ باب  
 فی اباحۃ الغنایم)

سوال :- کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ  
**گائے کے گوشت کی حلت و حرمت کی تحقیق**  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
 گائے کا دودھ پیو کیونکہ اس میں دوا ہے اور اس کے گھی میں شفاء ہے اور بچو اس کے  
 گوشت سے اس لیے کہ اس میں بیماری ہے ؟

الجواب :- گائے کے دودھ میں شفاء ہونے کے بارے میں تو روایات موجود ہیں  
 جن کو حافظ عبداللہ نیشاپوری نے مستدرک میں نقل کیا ہے :-

ان الله تعالى لم ينزل داء الا انزل له شفاء الا المحرام فعليكم بالبان اليقر  
 فانها ترعم من كل شجر (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۷ کتاب الطب)  
 لیکن گائے کے گوشت سے ممانعت کی روایت نہیں مل سکی بلکہ اس کے برعکس آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے اس کی حلت ثابت ہے، اور اگر منع کی روایت ثابت  
 ہو جائے تو نہی طبع پر محمول ہوگی۔

لما روى الامام مسلم بن حجاج في صحيحه: عن عائشة رضي الله عنها  
 اتى النبي صلى الله عليه وسلم بلحم بقر فقيل هذا ما تصدق به على بريدة

فقال هولها صدقةٌ ولنا هدية - (صحيح مسلم ج ۱ ص ۳۲۵ باب اباحتها الهدية  
للنبي صلى الله عليه وسلم ولبنى هاشم وبنى المطلب...) الخ (۱)

**منجيات ومهلكات کی تشریح** | سوال :- ثلاث منجيات وثلاث مهلكات  
فاما المنجيات فتقوى الله في السر والعلانية

والقول يا لحق في الرضا والسخط والقصد في الغناء والفقر، واما المهلكات فهو  
متبع وشح مطاع واعجاب المرء بنفسه وهو اشدهن - اس حدیث کا  
حوالہ اور تشریح ارسال کریں ؟

الجواب :- یہ حدیث صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے جلد ۲ ص ۴۳۲ پر شعب الایمان  
للبیہقی کے حوالے سے نقل کی ہے۔

**تشریح :-** اس روایت میں مقصود یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں ہلاکت  
سے بچنے اور نجات پانے کے لیے ضروری ہے کہ مومن میں تین صفات موجود ہوں۔ (۱)  
خوفِ خدا: یعنی ہر حالت میں خوفِ خدا اس کے دل میں ہو۔ (۲) قولِ بالحق: یعنی  
ہر حالت میں حق بات پر ڈنار ہے خواہ کوئی خوش ہو یا ناراض، دوست ہو یا دشمن، کسی کو  
بھی ملحوظ خاطر رکھے بغیر سچ بات کرے۔ (۳) قصد: اعتدال اور میانہ روی ترویج کرنے  
میں چلے فراخی رزق ہو یا فقر و قاقہ، ہر حالت میں افراط و تفریط یعنی اسراف اور بخل  
دونوں سے بچے اور ان کے درمیان حالت کو اختیار کرے۔

**مهلكات :-** اسی طرح دنیوی و آخروی ہلاکتوں سے بچنے کے لیے بھی تین چیزیں  
ایسی ہیں جن سے بچنا چاہیے۔ (۱) ہوئی متبع یعنی نفس کی خواہشات کی پیروی، اسلئے کہ  
خواہشاتِ نفسانیہ کی مخالفت اکبر المنجیات میں سے ہے جیسے کہ اتباعِ خواہشاتِ نفسانیہ  
اکبر المہلکات میں سے ہے۔ (۲) شح: یعنی بخل کہ انسان کی طبیعت میں بخل مل جائے

لہ وعن جابر رضی اللہ عنہ قال ذبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عائشۃ  
بقرة یوم النحر - (صحيح مسلم ج ۱ ص ۴۳۲ باب جواز الاشتراك في الهدى واجزا  
البدنة والبقرة كل واحدة منهما عن سبعة الخ)

ومثله في سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۵۱ باب فی ہدی البقر۔



پھر اسی کے مطابق چلتا رہے، اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ بخل ہے جو حرص کے ساتھ مقرون ہو۔  
 (۳) اعجاب المرث بنفسہ۔ یعنی خود بینی پیدا ہو جائے تو اپنے اعمال، احوال، جمال یعنی ہر کمال پر کھنڈ کرے اور یہ سب سے زیادہ تہلکِ نخصلت ہے، اس کا وبال بھی سب سے زیادہ اور نقصان بھی سب سے زیادہ ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۹ باب الغضب والکبر۔ الفصل الثالث)  
اَطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّينِ | سوال :- حدیث اَطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّينِ کے بارے میں محدثین کی کیا رائے ہے؟ یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو کتاب کا حوالہ دے کر ممنون فرمائیں؟

الجواب :- مندرجہ بالا حدیث کو امام احمد بن حنبل نے "شعب الایمان" میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے اور امام بیہقی کی تحقیق کے مطابق اس روایت کا متن تو مشہور ہے لیکن تمام اسناد ضعیف ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں :-

هَذَا الْحَدِيثُ شِبْهُ مَشْهُورٍ وَاسْتَدَاهُ ضَعِيفٌ وَقَدْرُوى مِنْ أَوْجُهٍ كَلَهَا ضَعِيفَةٌ - (شعب الایمان للبیہقی ج ۲ ص ۲۵۲)

اور علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی جامع بیان العلم وفضلہ ج ۱ میں امام زہری سے نقل کیا ہے۔

اسی طرح امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء علوم الدین میں نقل کیا ہے۔ (جلد ۱ ص ۹)  
 تاہم ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے موضوعات کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: هَذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَقَالَ ابْنُ حِبَّانٍ هَذَا الْحَدِيثُ بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَهُ. (الموضوعات لابن الجوزی ج ۱ ص ۲۱۱ کتاب العلم۔ باب طَلَبِ الْعِلْمِ وَلَوْ بِالصِّينِ)

اُمّتِ محمدیہ کے بہتر فرقوں کا ثبوت | سوال :- حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔

کیا یہ کسی صحیح حدیث کا مفہوم ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ ایک صحیح حدیث کا مفہوم ہے جسے محدثین نے مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہود و نصاریٰ ۷۱ یا ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری امت

تہتسرفرقوں میں تقسیم ہوگی۔

لما روى الترمذى: عن ابى هريرة رضى الله عنه قال تفرقت اليهود على احدى و سبعين و اثنتين و سبعين فرقة و النصرى مثل ذلك و تفرق اُمتى على ثلاث و سبعين فرقة هذا حديث حسن صحيح۔ (جامع السنن للترمذى ج ۲ ص ۹۲)

وقال عبد القاهر بن محمد البغدادي: قد رواه عن النبي جماعة من الصحابة كالس بن مالك و ابى هريرة و ابى درداء و جابر و ابى سعيد الخدرى و ابى بن كعب و عبد الله بن عمرو بن العاص و ابى امامة و واثلة بن اسقع وغيرهم۔ (الفرق بين الفرق ص ۱ الباب الاول في بيان الحديث المأثور) له

**تفرق کی تحقیق** | سوال :- مندرجہ ذیل حدیث تفرق اُمتی ثلاث و سبعین فرقة... الخ میں افتراق سے کیا مراد ہے؟

الجواب :- اس حدیث میں تفرق اور تقسیم سے مراد وہ تفرق ہے جو اصول دین میں واقع ہوا ہو اور فروعی اختلاف اس سے مراد نہیں، اس لیے کہ جن فرقوں کا فروع میں اختلاف ہو وہ سب اصول اور بنیادی عقائد میں متحد ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو کفر و گمراہی کی نسبت نہیں کرتے، اور جو لوگ اصول دین میں متفرق ہوں وہ ایک دوسرے کو کفر و گمراہ کہتے ہیں۔

لما قال الشيخ خليل احمد السهارنفورى: والمراد من هذا التفرق، التفرق المذموم الواقع في اصول الدين واما اختلاف الامة في فروعها فليس بيمذوم بل من رحمة الله سبحانه فانك ترى ان الفرق المختلفة في فروع الدين متحدون في الاصول ولا يضلون بعضهم بعضاً۔ واما المتفرقون في الاصول فيكفر بعضهم بعضاً و يضلون... الخ (بذل المعهود بشرح ابى داؤد ج ۱۸ ص ۱۱۱ اول كتاب السنة۔ باب شرح السنة)

له عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تفرقت اليهود على احدى و سبعين فرقة تفرق اُمتى على ثلاث و سبعين فرقة۔

(ابن ماجة ص ۲۸ ابواب الفتن۔ باب افتراق الامم)

**لا تعلموهن الكتابة کی تحقیق** | سوال :- لا تنزلوهن الغرف ولا تعلموهن

الجواب :- اس روایت کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے "شعب الایمان" میں اور حافظ ابو عبد اللہ حاکم نے اپنی "مستدرک" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے۔  
عن عائشہؓ قالت قال رسول الله لا تنزلوهن الغرف ولا تعلموهن الكتابة  
یعنی النساء و علموهن المغزل و سورة النور۔ هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه۔  
رمتدرک حاکم ج ۲ ص ۳۹۶ تفسیر سورة النور۔ النهی عن تعلیم الكتابة للنساء

تاہم بعض علماء نے اس کی عدم صحت پر قول کیا ہے۔

لما قال ابن الجوزی : هذا الحديث لا يصح عن رسول الله - وقد ذكره ابو عبد الله  
الينشابوري في صحيحه والعجب كيف خفي عليه امره -

قال ابو حاتم ابن حبان : كان محمد بن ابراهيم الشامي راوي الحديث يضع الحديث  
على الشاميين لا يجعل الرواية عنه الا عند الاعتبار روى احاديث لا اصول  
لها من كلام رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يجعل الاحتجاج به -

كتاب الموضوعات لابن الجوزي ج ۲ ص ۲۶۹ باب تعليم النساء النور ومنعهن من سكني

الغرف وتعليم الكتابة له

له قال الشيخ السعيد بن سيدي زغلوت تحت حديث ابى هريرة لا تعلموا النساء الكتابة لا تسكنوا الغرف  
ومن حديث عائشة من طريق محمد بن ابراهيم الشامي عن شعيب بن اسحاق الدمشقي عن  
هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة لا تسكنوهن الغرف ولا تعلموهن الكتابة و  
علموهن المغزل و سورة النور -

قال ابن الجوزي رحمه الله : هذا حديث لا يصح وقد ذكره الحاكم في  
صحيحه - و اعلمه ابن الجوزي بمحمد بن ابراهيم الشامي - قال ابو حاتم بن حبان كان  
محمد بن ابراهيم الشامي يضع الحديث على الشاميين لا يجعل الرواية عنه  
الا عند الاعتبار روى احاديث لا اصول لها من كلام رسول الله صلى الله عليه  
وسلم لا يجعل الاحتجاج به -

(حاشية مستند الفردوس الديلمی ج ۵ ص ۱۹ رقم حدیث ۷۳۱)



امام مہدیؑ کے بارے میں روایات کی تحقیق | سوال :- کیا مہدی علیہ السلام کے آنے کے بارے میں جو باتیں

زور عام ہیں یہ صحیح روایات سے ثابت ہیں یا کوئی عام واقعہ ہے جس نے شہرت پائی ہے ؟  
الجواب :- امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں واقعات درست اور صحیح روایات سے ثابت ہیں اور احادیث کی اکثر کتابوں میں مستقل باب کے تحت روایات کو جمع کیا گیا ہے جن میں امام مہدی علیہ السلام کے حالات تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں مثلاً جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، مستدرک حاکم، مسند احمد ابن علم، مسند ابویعلیٰ، مسند ابن ابی شیبہ، طبقات، صحیح ابن حبان وغیرہ۔

اور مجموعی لحاظ سے امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں روایات تو اتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تو اتر کو یوں نقل کیا ہے :-

قال ابو الحسن الامدی فی مناقب الشافعی تو اترت الاختیار بان المہدی من ہذہ الامۃ وان عیسیٰ علیہ السلام یصلی خلفہ۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۲ باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام)۔

الشرطاق ہے، کی روایت کی تحقیق | سوال :- حدیث ”اللہ تعالیٰ کی ذات طاق ہے اور طاق چیز کو پسند کرتی ہے لہذا اے اہل قرآن! تم طاق نماز یعنی وتر پڑھا کرو“

دریافت طلب بات یہ ہے کہ یہ روایت کتب حدیث کی کون سی کتاب میں مسطور ہے؟ ذرا وضاحت سے روشناس فرمائیں؟

الجواب :- یہ روایت حدیث کی اکثر کتابوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یوں منقول ہے :-

قال الامام محمد بن عیسیٰ الترمذی: بسند عن علیؑ قال لو تریس کصلو تکم المکتوبۃ

لہ ونقل عن الشون: انہا متواترة بلا شک ولا شبہة بل یصدق وصف التواتر علی ما ہو دونہا علی جمیع الاصطلاحات المعرۃ فی الاصول۔ (الاداعۃ ص ۱۱۳)

وَمِثْلُهُ فِي عَقْدِهِ لَدَرِّ فِي اٰخِيَارِ الْمَنْتَظَرِ لِلْعَلَامَةِ يَوْسُفَ بْنِ عِيْطِي الْمَقْدِسِيِّ الشَّافِعِيِّ ص ۱۵۔

وَلَكِنْ سُنَنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ وَتُرِّيحَتِ الْوَتْرُ فَا وَتُرْوَا يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ - (جامع الترمذی ج ۱ ص ۱۰۸ باب ماجاء ان الوتر ليس بختم له

**شہرا عید لا ینقصان کی تحقیق** | سوال: درج ذیل حدیث: شہرا عید لا ینقصان رمضان وذو الحجۃ کا مطلب اور

مفہوم کیا ہے؟ ذرا وضاحت کے ساتھ اس کی تحقیق سے نوازیں؟

**الجواب:-** شہرا عید لا ینقصان کے بارے میں ائمہ حدیث سے مختلف توجیہات منقول ہیں لیکن مشہور اور قریب الی الفہم جو توجیہات ہیں وہ درج ذیل ہیں:-

(۱) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان اور ذوالحجۃ ایک سال میں دونوں ۲۹ دن کے نہیں آتے، اگر ایک ۲۹ دن کا آئے تو دوسرا ضرور ۳۰ دن کا آئے گا۔

(۲) امام اسحاق بن راہویہ اور امام بخاری رحمہم اللہ اس کا مطلب واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بظاہر عددِ ایام کے اعتبار سے رمضان اور ذوالحجۃ کے ہمینے اگرچہ ۲۹ دن کے آئیں لیکن باعتبار اجر و ثواب ۳۰ دن کے برابر ہوں گے۔

(سنن ترمذی ج ۱ ص ۸۷ باب ماجاء شہرا عید لا ینقصان) ۲

**انابتی وادم بین الماء والطين کی تحقیق** | سوال:- ایک واعظ سے میلاد شریف کے وعظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

اولین و آخرین ہونے کے بارے میں یہ الفاظ سُننے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انابتی وادم بین الماء والطين، کیا یہ روایت باین الفاظ ثابت ہے؟ اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ نقل ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی فی سننہ بسندہ عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اهل القرآن اوتروا فان الله وتر یحب الوتر۔

(سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۰۷ باب تفریع ابواب الوتر۔ باب استحباب الوتر)

وَمِثْلُهُ فِي سُنَنِ ابْنِ مَاجَةَ ج ۱ ص ۸۳ باب ماجاء فی الوتر۔

۲۔ نقل ہذین التوجیہین ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فی متن سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۲۸

باب ماجاء شہرا عید لا ینقصان)

اولین و آخرین نبی ہیں؟

**الجواب:**۔ نصوص صریحہ اور اجماع اُمت سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اولین اور آخرین پیغمبر ہیں، لیکن جہاں تک مذکورہ الفاظ کا تعلق ہے تو بایں الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ثابت نہیں، البتہ معنی کے اعتبار سے روایت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

عن ابی ہریرۃ قال قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لك النبوة قال و آدم بین الروح والجسد، رواہ الترمذی۔ (شرح طبیبی ج ۱۱ باب فضائل سید المرسلین) ۳۵۳  
**سوال:**۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے سکول **طَلَبَ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ** الخ کی تحقیق کی دیوار پر ایک حدیث ان الفاظ کے ساتھ لکھی ہوئی ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ۔ کیا یہ حدیث کسی کتاب میں موجود ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلم مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے اور اس حدیث کو صحیح اور مستند کتابوں نے ذکر کیا ہے مگر مذکورہ بالا حدیث میں مسلمۃ کا لفظ زائد ہے۔

ماوردی الحدیث: عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم وواضع العلم عند غیر اہلہ کمقلد الخنازیر الجوہرۃ واللؤلؤ والذهب۔ (ابن ماجہ ص ۲۰۰ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم) ۲۰۰

**سوال:** جناب مفتی صاحب! میں نے **أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَىٰ بَابِهَا كِتَابُ الْحَقِيقِ** ایک عالم دین سے وعظ میں سنا ہے کہ

۱۔ قال العلامة ملا علی القاری: ای وجبت لی النبوة والحال ان آدم بین الروح والجسد یعنی انہ مطروح علی الامراض وصورة بلا روح والمعنی انہ قبل تعلق روحہ بجسده۔ (مرقات ج ۱۱ ص ۵۸۱ باب فضل سید المرسلین۔ الفصل الثانی)  
 ۲۔ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم وواضع العلم عند غیر اہلہ کمقلد الخنازیر الجوہر واللؤلؤ والذهب۔ (مشکوٰۃ ص ۳۳ کتاب العلم۔ الفصل الثانی)



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ يَا بَيْهَا مِثْلُ عِلْمِ كَاشْهَرِ  
ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟  
الجواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں بہت ساری روایا مروی  
ہیں مگر مندرجہ بالا روایت کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، علماء حدیث  
نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

قال العلامة ملاء علی القاری: حدیث "اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ يَا بَيْهَا" (الحديث)  
رواه الترمذی فی جامعہ وقال انه منکر، وكذا قال البغاری وقال انه كذب لا اصل له  
وكذا قال ابو حاتم ویحیٰ وسعید - (موضوعات الكبرى ص ۱۷۱ حدیث ۲۵۱) لہ

ابو حنیفہ سراج اُمتی کی تحقیق | سوال: محترم مفتی صاحب! میں ایک دن  
الدر المختار کا مقدمہ مطالعہ کر رہا تھا کہ اس میں

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق دیگر روایات کے علاوہ ایک یہ روایت بھی نظر سے گذری  
جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ابو حنیفہ سراج اُمتی" (رواہ ابواللیث)  
کیا یہ روایت صحیح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟  
الجواب:- امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں جو روایات ذکر کی جاتی ہیں اگرچہ ان میں سے بعض  
میں آپؐ کی منقبت اور فضیلت کی طرف اشارہ ملتا ہے مگر اکثر روایات موضوع اور غیر ثابت شدہ  
ہیں، ان ہی میں سے ایک یہ روایت بھی ہے، مذہب حنفی کے مشہور و معروف محدث اور فقیہ  
ملاء علی قاری رحمہ اللہ نے اس کو موضوع کہا ہے۔

قال العلامة ملاء علی القاری: حدیث: "ابو حنیفہ سراج اُمتی" موضوع باتفاق  
المحدثین - رموضوعات الكبرى ص ۱۷۱ رقم الحدیث ۱۲۳ لہ

قال العلامة ابن الجوزی: قال یحییٰ بن معین هذا الحدیث کذب لیس له اصل، وقال ابن عدی:  
هذا الحدیث موضوع یعرف بابی الصلت۔ (الموضوعات ص ۳۵۲ باب فضائل علی علیہ السلام)  
قال العلامة ابن الجوزی: حدیث: "یکون فی اُمتی رجل اسمه النعمان وکُنیتہ ابو حنیفہ هو سراج اُمتی"  
قال الخطیب: هذا حدیث موضوع تفرد بروایة البوقائی۔ قال وحدثت عن ابی عبد اللہ الحاكم  
انه قال: وضع ابو عبد اللہ البورقی من المتاکیر عن الثقة مالا یحصى وانحشها هذا الحدیث۔  
(الموضوعات لابن الجوزی ج ۲ ص ۲۱۱ باب فضل ابی حنیفہؒ)

**ما تقول في هذا الرجل كما مطلب** | سوال :- تیریں سوال و جواب کے بارے میں

مذکور ہیں "ما تقول في هذا الرجل"۔ هذا اسم اشارہ ہے جس سے معلوم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے ہوں گے جبکہ آپ تو مدینہ منورہ میں اپنے روضہ اطہر میں آرام فرما ہیں، قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے ؟

**الجواب :-** محدثین عظام نے ان الفاظ کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں، بعض کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مبارک پیش کی جاتی ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ درمیان سے حجابات ہٹا دیئے جاتے ہیں، جبکہ علامہ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ بدون کشف حجاب اور بدون شبیہ کے سوال کیا جائے گا، اور یہ بصورت امتحان زیادہ قوی ہے۔

قال ابن حجر، وكلا يلزم من الاشارة ما قيل من رفع المحجب بين الميت وبينه صلى الله عليه وسلم حتى يراه... اقوى في الامتحان... الخ (مرقاة شرح المشكوة م)

**علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل کی تحقیق** | سوال :- مندرجہ ذیل حدیث "علماء امتی

بہت شد و مد سے بیان کرتے ہیں اور اس سے علماء کی فضیلت ثابت کرتے ہیں، کیا یہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں اور اس کا درجہ کیا ہے ؟

**الجواب :-** محدثین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے جبکہ بعض علماء نے اس کو موضوع قرار دیا ہے، تاہم صرف فضیلت العلم کے طور پر بیان کرنا ممنوع نہیں ؟

قال العلامة طاہر بن علی الہندی رحمہ اللہ : وعلماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل۔ قال شیخنا والزکشی رحمہ اللہ لا اصل لہ ولا يعرف فی معتبر وروای بسند ضعیف۔

(تذکرۃ الموضوعات ص ۱۷۷)

۱۔ قال العلامة ملا علی القادی رحمہ اللہ : علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل۔ قال الدمیری والعسقلانی لا اصل لہ۔ وكذا قال الزکشی وسکت عنہ السیوطی۔ (موضوعات کبریٰ ص ۱۵۹ رقم حدیث ۶۱۴ -)

## رب كاسية في الدنيا عارية في الآخرة کی تحقیق | سوال :- بخاری شریف کی

کتاب العلم میں ایک حدیث ہے کہ رب كاسية في الدنيا عارية في الآخرة۔ (الحدیث) اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ میں نے بہت کوشش کی مگر سمجھ میں کچھ نہیں آیا؟

**الجواب :-** علماء علم حدیث نے ان الفاظ کی مختلف تاویلات اور مقاصد بیان کئے ہیں، بہت سی عورتیں دنیا میں اعمال کے اعتبار سے خوب اچھی معلوم ہوتی ہیں مگر اپنی دیگر بد اعمالیوں کی وجہ سے آخرت میں اعمال سے ننگی (خالی) ہوں گی (دعا) مگر مناسب مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت ساری عورتیں اگرچہ بظاہر بدن پر کپڑے پہنے ہوتی ہیں جو اتنے باریک ہوتے ہیں کہ ان کا سارا بدن نظر آتا رہتا ہے، تو ایسی عورتوں کو ننگا ہونے کی آخرت میں سزا ہوگی۔

قال الشيخ محمد زكريا السهارنپوری: اور حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ بہت سی عورتیں دنیا میں جو لباس پہنتی ہیں وہ شرعاً معتبر نہیں ہوتا مثلاً اندر سے بدن اس میں نظر آتا ہے، تو ایسی عورتوں کو ننگی ہونے کی سزا آخرت میں ملے گی۔ (تقریر بخاری ج ۱ باب العلم والفظہ باللیل ۱۹۳)

## انا من نور الله والمؤمنون مني کی تحقیق | سوال :- جناب مفتی صاحب کچھ لوگ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے نور میں سے نور مانتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں: انا من نور الله والمؤمنون مني۔ کیا یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذاتِ اقدس کے اعتبار سے بشر ہیں اور آپ میں بشریت کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں لہذا آپ کو باعتبار ذات نور کہنا صحیح نہیں۔ جہاں تک مذکورہ روایت کا تعلق ہے تو محدثین عظام نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

قال العلامة طاہر علی الہندی: وفي الذیل: كنت نبياً وادم بين الماء والطين وكنت نبياً وادم وكلاماء وطين: قال ابن تیمیة موع وهو مال قال وكذلك حدثنا انا من نور الله والمؤمنون مني الخیر فی وفي امتی الی یوم القیامة: قال ابن حجر کلا عرفہ۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۸۶ فضل الرسول وخصالہ) لہ

لہ قال العلامة ملا علی قاری: حدیث "انا من نور الله والمؤمنون مني" قال لعقلانی: انه کذب مغلق۔ وقال الزمخشري: لا يعرف۔ وقال ابن تیمیة موضوع۔

(الموضوعات الکبریٰ للملا علی قاری ص ۷۳)



سوال: جناب مفتی صاحب! ایک صاحب نے

دوسرے سے کہا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ثبوت

کیا ہے تو کیا تم مان لو گے؟ تو دوسرے آدمی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا، دونوں کا اس بات پر اختلاف ہے، آنجناب سے استدعا ہے کہ ان کے اس اختلاف کو دور فرمائیں؟

الجواب:- ابوداؤد اور دیگر کتب احادیث میں بالفاظ صریح ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عند کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے، لہذا اس سے انکار نہ کیا جائے، اور بلا عذر شرعی کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے اجتناب ضروری ہے۔

اخرج الامام ابوداؤد: عن حذيفة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سبأطة قوم فبال قائماً ثم دعا بعماء فصاح على خفيه -

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۱ باب البول قائماً) لہ

سوال:- سبجان من زين الرجال

باللحي وزين النساء بالذوائب (الحديث)

سنتے چلے آرہے ہیں، برائے مہربانی اس حدیث کا حوالہ درکار ہے؟

الجواب:- یہ حدیث کتب احادیث میں مختلف الفاظ کے ساتھ مذکور ہے مثلاً:-

قال الامام السرخسي: روى عن النبي انه قال ان الله تعالى مكينة تسبيحهم سبحان من زين الرجال باللحي والنساء بالقرون والذوائب - (المبسوط ج ۲ ص ۲۶ کتاب البیات) لہ

لہ اخرج الامام الزيلعي: عن حذيفة رضى الله عنه قال: كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم فانتهي الى سبأطة قوم، فبال قائماً فتنجيت فقال أدنه فدتوت حتى

تمت عند عقبه فتوضاء ومسح على خفيه -

(نصب الراية بحوالہ مسلم ج ۱ ص ۱۶۳ کتاب الطہارت)

لہ قال العلامة عبدالرؤف المناوي: سبحان من زين الرجال باللحي والنساء بالذوائب -

(كنوز الحقائق على هامش الجامع الصغير ج ۱ ص ۱۲۱)

وَمِثْلُهُ فِي مَسْنَدِ الْفَرْدَوْسِ لِلدَّيْلَمِيِّ ج ۲ ص ۹ -

**انبیاء کرامؑ کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا** | سوال: محترم مفتی صاحب! ایک کرتے ہوئے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا۔ تو کیا یہ روایت صحیح ہے؟ نیز کیا انبیاء کرام کے لیے بعد الوفات بھی نماز پڑھنا ضروری ہے؟

**الجواب:** مرنے کے بعد انسان کسی کے اعمال کرنے کا مکلف نہیں رہتا یعنی نماز وغیرہ پڑھنا اس پر لازم نہیں ہوتا البتہ اللہ تعالیٰ کے بعض نیک بندوں کا اس طرح کرنا ذوقی امور پر محمول ہے، جہاں تک مذکورہ حدیث کا تعلق ہے تو یہ بسند صحیح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، چنانچہ امام مسلم بن قشیر فرماتے ہیں:-

عن انس بن مالك (رضي الله عنه) ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت وفي رواية مرت علي موسى ليلة اسرى بي عند الكتيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره - (الجامع الصحيح للمسلم ج ۲ ص ۲۶۸ باب فضائل موسى عليه السلام)

**لا صلوة لجار المسجد الخ کا مطلب** | سوال: ہم نے علماء دین سے سنا ہے کہ نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے مگر حدیث شریف لا صلوة لجار المسجد الا في المسجد سے معلوم ہوتا ہے کہ نوافل بھی مسجد ہی میں پڑھنے ضروری ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہیں تو پھر حدیث کا مطلب کیا ہے؟

**الجواب:** علماء حدیث نے اس روایت کو فرائض پر محمول کیا ہے کہ فرائض مسجد ہی میں پڑھنا ضروری ہیں اور نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہیں۔

عن النبي صلى الله عليه وسلم لا صلوة لجار المسجد الا في المسجد اه  
نقل الشيخ المفتي عزيز الرحمن عن اسراج المنير: هذا محمول على الفريضة وما الحق بهما ففعلها في المسجد افضل وما عدا ذلك ففعله في البيت افضل من فعله في المسجد - (السرّح المنير بحواله عزير الفتاوى ج ۱ ص ۱۱۵)

۳۲۳۸۶۔ مرت ليلة اسرى بي علي موسى عند الكتيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره (كنز العمال ج ۱۱ ص ۵۱) لہ قال العلامة المفتي عزيز الرحمن رحمه الله: حدیث اول معمول بہا ہے اس طریقہ سے کہ حدیث کو محمول کریں گے فرائض پر اور جو اس کے حکم میں ہو اور نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ (عزیر الفتاوی ج ۱ ص ۱۱۵ کتاب ما يتعلق بالحديث)

من صلّ علیّ عند قبری الخ کی تحقیق | سوال :- بعض لوگ سماع النبی صلی اللہ

علیہ وسلم فی القبر کے قائل نہیں اور وہ اس حدیث من صلّ علیّ عند قبری سمعته ومن صلّ علیّ نائياً ابلغتہ کو ضعیف کہتے ہیں، کیا واقعی یہ روایت ضعیف اور ناقابلِ حجت ہے ؟

الجواب :- اس حدیث کے بارے میں اگرچہ بعض حضرات نے تضعیف کا قول کیا ہے مگر اکثر محدثین نے اس کی توثیق کی ہے لہذا یہ روایت سماع النبی فی القبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قابلِ حجت ہے۔

كما ذكر العلامة ابوالطيب محمد شمس الدين العظيم آبادي: تحت ذلك الحديث قال ابن القيم وقد صحح اسناد هذا الحديث وسألت شيخنا ابن تيمية عن سماع يزيد بن عبد الله من ابي هريرة فقال كانه ادركه وفي سماعه منه نظر انتهي كلامه وقال النووي في الاذكار ورياض الصالحين: استاده صحيح. وقال ابن حجر: رواته الثقات. اهـ (عون المعبود ج ۶ ص ۲۲ کتاب المناسك) له

حدیث قال لا یبیع بعضکم الخ کی وضاحت | سوال :- جناب مفتی صاحب ا

حدیث پڑھی ہے جو کہ کچھ اس طرح ہے: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یبیع بعضکم علی بیع بعض۔ اس کا کیا مطلب ہے ؟

الجواب :- یہ روایت امام ترمذی نے جامع الترمذی، کتاب البیوع میں نقل کی اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں :-

(۱) عاقدین کے درمیان بیع تام ہو چکی ہو اور ایک دوسرا آدمی آکر بائع سے یہ کہے کہ میں تمہیں اس چیز کی زیادہ قیمت دیتا ہوں تم اس آدمی سے بیع فسخ کر کے یہ چیز مجھے دے دو۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان بات چیت چل رہی ہے اور بائع مشتری پر چیز فروخت کرنے پر آمادہ بھی ہے کہ تیسرا آدمی آکر بائع سے یہ کہے کہ مجھ سے زیادہ رقم لے کر عقد بیع میرے ساتھ کر دو۔ اس حدیث کی رو سے یہ دونوں صورتیں ناجائز و حرام ہیں۔



## حدیث "قال جاء رسول الله<sup>ص</sup> بيتنا وانا صبي" اور فقہی روایا میں تطبیق | اسول:

عبد اللہ بن عمر بن ربیعہ قال جاء رسول الله<sup>ص</sup> بيتنا وانا صبي صغير فذهبت لعب فقال اى لى يا عبد الله تعالى اعطيك فقال رسول الله ما زدت ان تعطيه قالت اردت ان اعطيه تمراً قال اما انك لم تعطى لكتبت عليك كذبة (رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۱) اور علامہ ابن عابدین نے اس سے اپنے بچے کے ساتھ کذب کو مستثنیٰ کیا ہے، قال ابن عابدین: قال رسول الله كل كذب مكتوب لا محالة الا ثلاثة الرجل مع امرأته او ولده والرجل يصلح بين اثنين والحرب - (رد المحتار ج ۴ ص ۲۲۴ قبيل احياء الموات) تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

**الجواب:** - اس تعارض بین الروایات کے حل میں تطبیق یہ ہے کہ حدیث اول میں کذب سے مراد کذب صحیح ہے اور حدیث ثانی میں کذب صوری مراد ہے جسے تعریض کہا جاتا ہے، کذب عینی اور حقیقی مراد نہیں ہے۔

قال العلامة الشامي: قوله قال اى صاحب المجتبى وعبارته قال كل كذب مكتوب لا محالة الا ثلاثة الرجل مع امرأته او ولده والرجل يصلح بين اثنين والحرب فان الحرب خدعة قال الطحاوى وغيره هو محمول على المعارض لان عين الكذب حرام..... فالاستثناء في الحديث لما في الثلاثة من صورة الكذب وحيث ابيح التعريض لمحااجة لا يباح لغيرها لانه يوهم الكذب وان لم يكن اللفظ كذباً قال في الاحياء نعم المعارض تباح بغرض حقيقى كتطيب قلب الغيور بالمزاح..... جاز الكذب..... قال الشارح ابن الشحنة نقل في البزازية انه اراد به المعارض لا الكذب الخالص - (رد المحتار على الدر المختار ج ۵ ص ۲۴۵ قبيل احياء الموات) لہ

لہ قال لعلامة سيد احمد الطحطاوى: والمواد التعريض عبارة المجتبى لطحاوى وغيره هو اى الحدیث محمول على المعارض لان الكذب حرام اھ وظاهرة ان التعريض لا يباح الا في هذه الصور -  
(حاشية الطحطاوى على الدر المختار ج ۴ ص ۲۱۱ قبيل احياء الموات)  
ومثله في حاشية كشف الاستار على الدر المختار ج ۲ ص ۲۵۲ فصل في البيع قبيل باب احياء الموات -

**احادیث وحی غیر متلو ہیں** | سوال :- احادیث کو وحی الہی قرار دیا جاتا ہے اور جسے علماء دین وحی غیر متلو کہتے ہیں حالانکہ احادیث تو

رسول اللہ کا کلام ہے تو اسے وحی کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، اس کی دلیل کیا ہے؟  
**الجواب :-** احادیث بھی قرآن کریم کی طرح وحی ہیں جسے علماء کرام وحی غیر متلو کہتے ہیں،  
 تو جب الفاظ اور معنی دونوں بجانب اللہ منزل ہوں تو اسے وحی متلو کہتے ہیں جو کہ قرآن مجید  
 ہے اور جب معنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں تو  
 اسے وحی غیر متلو اور احادیث کہتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ :-

(۱) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ه (سورة النعم آیت ۱۰۳)  
 (۲) وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِمَّا وَرَأَىٰ بِحِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ  
 رَسُولًا ه (سورة الزمر آیت ۷۵) لہ

**سوال :-** حضرت اسامہ بن زیدؓ  
 سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ  
**کسی غیر کو باپ بنانے اور حدیث فالجنتہ علیہ  
 حرام میں اس کی حرمت کی تحقیق**

جس کسی نے غیر کو اپنا باپ بنایا اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت  
 حرام ہے، تو کیا حدیث میں لفظ حرام سے حرمت ابدی مراد ہے یا نہیں؟  
**الجواب :-** اس حدیث میں جنت کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو اس  
 گناہ کو حلال بھی سمجھے تو اس پر جنت ہمیشہ کے لیے حرام ہوگی اور جو حلال نہ سمجھے تو اس پر  
 جنت کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر جنت کا دخول اولیٰ فائزین اور  
 اہل السلامہ کے ساتھ حرام ہے، جہنم میں سزا کاٹنے کے بعد اسے جنت میں داخل  
 کیا جائے گا۔

قال العلامة محی الدین النووی: قوله فالجنتہ علیہ حرام..... احدھما انہ

قال العلامة ملاحیون المستدل لا یخلوا ما ان یتتم علی بالوحی او غیرہ والوحی اما تلو و  
 هو الکتب او غیرہ وهو السنۃ۔ (نور الانوار ص ۶ تقسیم اصول الشرع)  
 ومثلہ فی کشف الاسرار علی المنازح ص ۱ تقسیم اصول الشرع۔

محمول علی من فعله مستحلاً له؛ والثانی ان جزاءه انها محرمة علیه اولاً عند دخول الفائزين واهل السلامة ثراً انه قد یجازی فیمنعها عند دخولهم ثم یدخلها بعد ذلك وقد لا یجازی بل یعفو الله سبحانه وتعالى عنه۔

رتوی شرح مسلم ج ۱ ص ۱۵۰ باب حال ایمان من رغب عن ایبه وقد یعلم له

**حدیث:** "بعثنی بالحق لا یقبل الله صدقةً میں قبول کی تحقیق" سوال: مندرجہ ذیل حدیث مبارک

"والذی بعثنی بالحق لا یقبل الله صدقةً من رجل وله قرابات محتاجون الی صلته و یصرفها الی غیره" میں عدم قبول سے کیا مراد ہے؟

**الجواب:** علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے، عن ابی ہریرة مرفوعاً الی النبی انه قال یا امة محمد والذی بعثنی بالحق لا یقبل الله صدقةً من رجل وله قرابة محتاجون الی صلته یصرفها الی غیرهم والذی نفسی ینیدہ لا ینظر الله الیه یوم القیامة۔ اور پھر علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے عدم قبول سے مراد عدم ثواب لیا ہے، اگرچہ فرض کے ذمہ سے سبکدوش ہو جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: والمراد بعدم القبول عدم الاثابة علیها وان سقط بہا الفرض لان المقصود منها سد خلة المحتاج۔ الخ

رد المحتار علی ہامش الدر المختار ج ۲ قیل باب صدقة القطر ص ۲

لہ قال العلامة شبیر احمد العثماني رحمه الله: قوله "فالبخنة عليه حرام" الخ۔ اما محمول علی من فعله مستحلاً او علی ان جزاءه انها محرمة علیه اولاً عند دخول الفائزين واهل السلامة ويمكن العفو عنه بفضل الله سبحانه وتعالى۔

(فتح الملم شرح صحيح مسلم ج ۱ ص ۲۳۶ باب حال ایمان من رغب الخ)

وَمَثَلُهُ فِي ارشاد الساری لشرح صحيح البخاری للقسطاني ج ۹ ص ۲۵۵ من ادعی الی غیر ایہ۔ کتاب الفرائض۔

۲ قال الطحاوی: قوله لا تقبل صدقة الرجل۔ ای لا یشاب علیها وان سقط الفرض ومثل

الرجل المرأة کذا فی کتابة الدر۔ وخطاوی علی المراتی ص ۵۹۴ باب المصروف

وَمَثَلُهُ فِي البناية فی شرح الهدایة ج ۴ ص ۲۱۴ قیل باب صدقة القطر۔



حدیث بیڑبضاعة کی تحقیق اور احناف کا جواب | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء حدیث اس حدیث کے

بارے میں جو مشکوٰۃ ج ۵۲ الفصل الثانی، باب احکام المیاہ میں ذکر ہے کہ عن ابی سعید الخدری قال قیل یا رسول اللہ انتوضا من بیڑبضاعة وہی بیڑیلتی فیہ الحیض و لحوم الکلاب الخ۔ رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد والنسائی۔ کیا یہ حدیث احمد، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی میں اسی عبارت کے ساتھ مذکور ہے اور پھر احناف کے ہاں اس حدیث کا کیا جواب ہے؟

**الجواب:**۔ حدیث بیڑبضاعة مستدا احمد میں ج ۳ ص ۱۵۲ پر بسند ابی سعید الخدری اور سنن ترمذی کی ج ۱ ص ۶۲ باب ماجاء ان الماء لا ینجسہ شیء، اور ابوداؤد کی ج ۱ ص ۶۲ باب ماجاء فی بیڑبضاعة اور سنن النسائی کی ج ۱ ص ۶۲ کتاب المیاہ باب ذکر بیڑبضاعة میں ادنیٰ لفظی تغیر کے ساتھ مذکور ہے، اور احناف نے اس حدیث کے مختلف جوابات ذکر کیے ہیں کہ اس کنوئیں کا پانی باغات کو دیا جاتا تھا اس لیے اس کا حکم جاری پانی کا تھا یا پھر کنوئیں بڑا تھا اور یہ ناپاکی کنوئیں میں اثر پذیر نہیں تھی جس کی وجہ سے اس کے رنگ، طعم اور بو میں فرق آتا ہو۔

قال العلامة ابو جعفر الطحاوی: فقالوا اما ما ذکرتموه من بیڑبضاعة فلا حجة لكم فیہ لان بیڑبضاعة قد اختلف فیہا ما كانت فقال قوم كانت طریقاً للماء الی البساتین فكان الماء لا یتقر فیہا فكان حکم ماؤها حکم ماء لانهار..... فلا ینجس ماؤہ الا ان یغلب علی طعمہ اولونہ اور یجہ او یعلم انها فی الماء الذی یؤخذ منها فان علم۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۱ ص ۱۶ کتاب الطہارة، باب ما یقع فیہ النجاسة)۔

۱۔ قال الشیخ محمود حسن الدیوبندی: قال اهل المعانی فی الاصول الفصل فی الام ان ینجس ما لم ینجس ما صار فی قولہ الماء للمعنی الخارجی والمعنی هو الماء فی بیڑبضاعة یعنی الماء الذی فی بیڑبضاعة لا یتنجس لان مطلق الماء لا یتنجس وعدم نجس ماؤہ لانه جارياً فی البساتین حکم جاری..... واجاب الطحاوی بان السؤال عن حکم الماء کان بعد اخراج النجاسات من بیڑبضاعة الخ۔ (التقریر للترمذی فی کتاب الترمذی ص ۵۰ باب ماجاء ان الماء لا ینجسہ شیء کتاب الطہارة) ومثله فی اعلام السنن ج ۱ ص ۱۶۰ حدیث بیڑبضاعة، کتاب احکام المیاہ۔

## حدیث لا تشدوا الرجال الخ کی تشریح | سوال :- لا تشدوا الرجال الا الى

مسجد الاقصى و مسجد الحرام۔ یہ ایک حدیث ہے، اس کے مطابق ان تینوں مساجد کے علاوہ ثواب کی نیت سے دوسری جگہوں کے لیے سفر کرنا اور سامان یا نذرنا جائز نہیں ہے، کیا واقعی مسئلہ اسی طرح ہے یا اس حدیث کا کچھ اور مطلب ہے؟

**الجواب :-** حدیث کے الفاظ سے تو بظاہر یہی مطلب نکلتا ہے لیکن تحقیقت میں اس کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ مذکورہ جگہوں کے علاوہ اعمال میں ثواب کی زیادتی کی نیت سے سفر کرنا ممنوع ہے۔ اور اس حدیث میں علت نیت تقرب اور ثواب سفر الیٰ ہذا المساجد میں، دوسرے اماکن اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، لہذا اس حدیث میں زیارت قبور، تعلیم و تعلم اور تبلیغ دین وغیرہ کے لیے سفر کرنے میں کوئی ممانعت نہیں کیونکہ زیارت قبور اور تعلیم و تعلم وغیرہ کی نیت سے کئے جاتے ہیں نہ کہ خاص ثواب کی نیت سے، اور اس پر جو ثواب ملتا ہے وہ ان الگ وجوہات سے ملتا ہے۔

قال العافظ ابن حجر العسقلانی: ومنها ان المواد حکم المساجد فقط وانه لا تشدوا الرجال الى مسجد من المساجد للصلوة فيه غير هذه الثلاثة واما قصد غير المساجد لزيارة صالح او قريب او صاحب او طلب علم او تجارة او نزهة فلا يدخل في النهي ويؤيده ما روى احمد الخ (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۵۳ کتاب التہجد، باب فضل الصلوة فی مسجد مکہ والمدینہ)۔

لہ قال العلامة عینی: وقال شیخنا زین الدین من احسن محامل هذا الحديث ان المراد منه حکم المساجد فقط وانه لا يشد الرجل الى مسجد من المساجد غير هذه الثلاثة فاما قصد غير المساجد من الرحلة في طلب العلم وفي التجارة والتنزه وزيارة الصالحين والمشاهد ونهاية الاخوان وتحودك فليس داخل في النهي وقد ورد ذلك مصرحاً به في بعض طرق الحديث الخ۔ (عمدة القاری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۵۲، باب فضل الصلوة فی مسجد مکہ والمدینہ، کتاب التہجد، باب فضل الصلوة فی مسجد مکہ والمدینہ)۔

سوال ۱۔ واخرج ابن مردويه  
عن انس بن مالك قال قال  
رسول الله المولود حتى يبلغ

حديث المولود حتى يبلغ الحنث ما يعمل من  
حسنة الخ اور فقہی روایت میں تطبیق

الحنث ما يعمل من حسنة اثبت لوالده او لوالديه وان عمل سيئة لم يكتب عليه ولا على  
والديه فاذا بلغ الحنث وجرى عليه القلم الخ درمنثور (تفسير معارف القرآن ج ۶ ص ۲۲۱)  
اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وقد قالوا حسنة الصبي له لا لابويه بل لها  
ثواب التعليم۔ (رد المحتار حاشية الدر المختار ج ۱ ص ۲۲۶)

وفي خلاصة الفتاوى: الصبي اذا عمل من الحسنات قبل ان يجرى عليه القلم  
كان ثواباً له لا لابويه ولو علم الوالد تلك الطاعة كانت للوالد ثواب التعليم۔  
(خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۱۱۱)

روایات میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

الجواب:- یہاں دفع تعارض میں یہ کہنا ممکن ہے کہ حدیث میں ثواب سے مراد  
ثواب السبب ہے اور فقہاء کی عبارات میں ثواب سے مراد ثواب العمل ہے، جیسا کہ  
مرقاۃ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

قال العلامة ملا علی قاری رحمہ اللہ: (الآمن صدقة جاریة او علم ينتفع  
به او ولد صالح)۔۔۔۔۔ واما الثلاثة المذكورة فانها اعمال تحدث بعد وفاته فلا تنقطع  
عنه لانه سبب تلك الاعمال وفي مقام اخر قال وفي معناه كتب العلوم الشرعية  
فيكون له ثواب السبب۔ (مرقاۃ المفاتیح علی مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۶۹)  
كتاب العلم۔ (الفصل الاول) له

له وقال العلامة رافعی رحمہ اللہ: هذا قول عامة المشائخ وقال بعضهم  
ينتفع المور بعلم ولده بعد موته ويكون لوالده اجر ذلك من غير ان  
ينقص من اجر الولد شيء اه سندھی۔ (التقریرات للرافعی ج ۱ ص ۱۱۹)  
كتاب الجائز

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الطَّيْبِيِّ عَلَى مَشْكُوٰةِ الْمَصَابِيحِ ج ۱ ص ۳۶۱ كِتَابُ الْعِلْمِ - الْفَصْلُ الْأَوَّلُ -



## یتبع المیت ثلاثة اہلہ الخ (الحیث) کی تشریح | سوال در ریاض الصالحین جلد ۱۱، رقم حدیث ۲۷۱

میں جو حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ یتبع المیت ثلاثة اہلہ و مالہ و عملہ فیرجع اثنان و یبقی واحد یرجع اہلہ و مالہ و یبقی عملہ۔ متفق علیہ۔ اس حدیث میں عمل اور اہل تو واضح ہے لیکن مال سے کیا مراد ہے جو اس سے واپس آتا ہے؟

**الجواب :-** اس حدیث میں مالہ سے مراد غلام، کنیز، خیمے، زائد از کفن چادریں، چارپائی وغیرہ اور وہ سامان جو تدفین کے وقت قبرستان میں کام آتے ہیں اور پھر واپس کئے جاتے ہیں۔

قال العلامة ملا علی القاری: یتبعہ اہلہ ای اولادہ واقاربہ و اہل صحبتہ و معرفتہ و مالہ کالعبد والاماء والدابة والخیمة و نحوہا قال المطہر اراد بعض مالہ و هو مما لیکہ وقال الطیبی: اتباع الاہل علی الحقیقۃ و اتباع المال علی الاتساع فان الماء جینڈ لہ نوع تعلق بالمیت من التجهیز والتکفین ومؤنۃ الغسل والحمل والدفن فاذا دفن انقطع تعلقہ بالکلیتہ و عملہ فیرجع اہلہ و مالہ و یبقی عملہ۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۹ ص ۳۵۶ کتاب الرقاق الفصل الاول) لہ

**مقدم صحیح مسلم میں ضمائم خطاب کا مرجع | سوال :-** جناب مفتی صاحب! صحیح مسلم کے مقدمہ میں ”بوجہ ارات خطاب کے ضمائم سے ذکر کئے ہیں، مثلاً یرحمک اللہ لما سهل الانتصاب لما سئلت وغیرہا۔

لہ قال العلامة ابن حجر العسقلانی: قوله یتبعہ اہلہ و مالہ و عملہ ہذا یقع فی الاغلب ورب میت لا یتبعہ الا عملہ فقط والمراد من یتبع جنازتہ من اہلہ و رفقہ و دروابہ علی ماجرت بہ عادة العرب واذا انقضی امر الحزن علیہ رجعوا بسواء اقاموا بعد الدفن ام لا..... قال الکرمانی: التبعية فی حدیث انسؓ بعضہا حقیقۃ وبعضہا مجاز فیستفاد منہ استعمال اللفظ الواحد فی حقیقۃ و مجازہ۔

فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۱ ص ۳۱۵ کتاب الرقاق الفصل الاول  
ومثله فی حاشیۃ مشکوٰۃ المصابیح للعلامة تبریزی ج ۲ ص ۲۲ کتاب الرقاق الفصل الاول

توان ضمائر خطاب کا مرجع کون ہے، حل فرما کر ممنون فرمائیں؟  
**الجواب:-** مقدمہ مسلم شریف میں جتنے ضمائر خطاب کے آئے ہیں ان کا مرجع یا تو  
 امام مسلمؒ کا کوئی شاگرد ہے یا کوئی دوست معاصر! جیسا کہ مسلم شریف کے سبب تالیف  
 اور ضرورت کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔

قال الشيخ المفتي محمد فرید مدظلہ العالی: ذکر فی بعض حواشی مسلم  
 ان الخطاب لهذا اما بعض تلامذته واما معاصره المصاحب له۔

فتح المنعم شرح مسلم ص ۱۷۱

**سوال:-** جناب مفتی صاحب! حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 مہر نبوت میں لکھائی کی تحقیق کے مبارک کندھوں کے درمیان جو مہر نبوت تھی تو اس

میں کوئی چیز لکھی ہوئی تھی یا نہیں؟

**الجواب:-** مہر نبوت میں کیا لکھا ہوا تھا، اور تھا بھی یا نہیں! علماء کا اس بارے میں  
 اختلاف ہے۔ علامہ ابن حبانؒ وغیرہ نے اس بات کی تصحیح کی ہے کہ اس پر محمد رسول اللہ  
 لکھا ہوا تھا، جبکہ بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سرفانت المنصور لکھا  
 ہوا تھا، مگر بعض دوسرے اکابر کی رائے یہ ہے کہ یہ روایتیں نبوت کے درجہ کو نہیں پہنچی  
 ہیں اور مہر نبوت پر کچھ بھی تحریر نہیں تھا۔

قال العلامة ملا علی قاری: وقال العسقلانی: وروایة کاثر من حجم او کرکبة  
 عن اوكشامة خضراء او سوداء مكتوب فيها محمد رسول الله او سرفانت المنصور  
 لم تثبت منها شيء وتصحيح ابن حبان۔ (جمع الوسائل في شرح الشامل ج ۱ ص ۱۷۱ باب ماجاء في خاتم النبوة) ۲

۱۔ قال محمد طاهر رحمہ: اس کا مخاطب ابواسحق ابراہیم راوی صحیح مسلم ہے اور یہ سبب تالیف کی طرف اشارہ ہے کہ تم لوگوں کا  
 یہ مطالبہ ہوا کہ میں احادیث متداولہ میں اسناد سمیت ایک ایسا متنفر سا مجموعہ مدون کروں۔ الخ

(عمدة المفہم فی حل مقدمہ مسلم ص ۲۳)

۲۔ اخبرنا نصر بن الفتح بن سالم الربيعي العابد بسمرقند: حدثنا رجاء بن مرجي الحافظ حدثنا  
 اسحاق بن ابراهيم القاضي بسمرقند حدثنا ابن جريج عن عطاء عن ابن عمر قال كان خاتم  
 النبوة في ظهر رسول الله مثل البتدقة من لحم عليه مكتوب محمد رسول الله۔  
 الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان ج ۸ ص ۸۱ رقم حديث: ۶۲۶۹ باب ذكر حقيقة الخاتم  
 ومثله في خصائل ترمذي شرح شمائل ترمذي ص ۲۸ باب ماجاء في خاتم النبوة۔

## حدیث فانہا تذهب حتی تسجدت تحت العرش الخ کی تشریح | سوال :- بخاری شریف

کی ایک حدیث ہے: عن ابی ذر قال کنت مع النبی فی المسجد عند غروب الشمس فقال یا ابا ذر اتمی ایت تغرب الشمس قلت اللہ ورسولہ اعلم قال فانہا تذهب حتی تسجدت تحت العرش فذلک قولہ تعالیٰ: وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَٰلِكَ لَقَدِيرٌ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ (سورۃ یس) اب سوال یہ ہے کہ تمام ممالک کے اوقات جدا جدا ہیں۔ مثلاً یہاں پاکستان میں رات ہے تو کئی دوسرے ممالک میں دن ہوتا ہے، اب اگر ہم یہاں سے رات کے بارہ بجے یہ خبر نشر کریں کہ سورج عرش کے نیچے سجدے میں ہے تو اس وقت دنیا کے کئی ممالک میں صبح کے آٹھ بجے ہوں گے وہاں کے لوگ کہیں گے کہ یہاں تو سورج چمکتا ہوا دکھائی دے رہا ہے لہذا یہ بات درست نہیں کہ اس وقت سورج عرش الہی کے نیچے سجدے میں ہے۔ تو براٹے مہربانی حدیث کی تشریح فرمائیں؟

**الجواب :-** رفع اشکال کے لیے علماء امت نے اس حدیث کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں مثلاً علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورج کی روح اوپر جا کر سجدہ کرتی ہے جو کہ سورج کی حرکت کے ساتھ معارض نہیں ہے خصوصاً جبکہ یہ غروب بہ نسبت معظم معمرہ کے مراد ہے۔ اور بعض علماء نے یہ توجیہ کی ہے کہ چونکہ عرش تمام کائنات کے اوپر ہے اور سورج اپنی رفتار کے وقت ضرور عرش کے نیچے سے گزرے گا اس لیے اس میں کوئی بات خلاف عقل نہیں ہے البتہ ماوراء العقل ضرور ہے، چونکہ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے جس کا تعلق وحی سے ہے اس لیے ہم اس کے ادراک اور مشاہدہ کے مکلف نہیں ہیں بلکہ ہمیں اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

قال العلامة بدر الدین العینی رحمہ اللہ: الامراضات السبع فی ضرب المثال لقطب الریح والعرش العظیم ذاتہ كالریح فاینما سجدت الشمس سجدت تحت العرش وذلك مستقرها..... السموات والارضون وغیرها من جمیع العالم تحت العرش فاذا سجدت الشمس فی ای موضع یصح ان یقال سجدت تحت العرش..... لا یتکران یكون لها استقرار تحت العرش من حیث لا تدرکہ ولا نشاہدہ وانما اخبر



عن غيب فلا تكذبه ولا تكفره ان علمنا لا يحيط به - (عبدۃ القادری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۱۹ باب صفة الشمس والقمر بحسبان - کتاب بدء الخلق) لہ

**حدیث مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ الْخِ كَامَطْلَبِ** | سوال :- جناب مفتی صاحب! کئی دنوں سے ایک سوال ذہن

میں کھٹک رہا ہے کہ حدیث مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے ساتھ مطلقاً بہت اختیار کرنا ممنوع ہے، حالانکہ آجکل بہت سارے امور میں مسلمان کفار کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

**الجواب:** حدیث کے یہ الفاظ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، مگر اس میں کفار کے ساتھ مطلقاً مشابہت اختیار کرنا مراد نہیں بلکہ اُن امور میں مشابہت اختیار کرنا مراد ہے جو ان کے مذہبی اور دینی شعار یا رسم و رواج ہوں جیسے زنا وغیرہ پہننا۔

قال العلامة طیبی رحمہ اللہ : (قوله مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ) هذا عام في الخلق والخلق والشعار، واذ كان الشعار اظهر في التشبيه ذكر في هذا الباب - (شرح طیبی ج ۸ ص ۲۱۹ کتاب اللباس - الفصل الثاني) لہ

لہ قال العلامة قسطلانی رحمہ اللہ : والجواب ان الارضين السبع في ضرب المثال كقطب رخی والعرش العظيم ذاته بمثابة الرخی فاینما سجدت الشمس سجدت تحت العرش... الخ (اشاد الساری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۵۸ باب صفة الشمس والقمر - کتاب بدء الخلق)

وَمِثْلُهُ فِي عَوْنِ الْبَارِي لِحُلِّ ادْلَةِ الْبُخَارِيِّ ج ۲ ص ۲۷ غروب الشمس سجودها تحت العرش - لہ قال العلامة ظفر احمد العثماني رحمہ اللہ : ان امور میں تشبیہ جو کفار کا مذہبی شعار یا دینی رسم اور قومی رواج ہے، جیسے زنا وغیرہ پہننا یا محوس کی خاص ٹوپی جو ان کے مذہب کا شعار ہے اس میں تشبیہ حرام بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے - (امداد الاحکام ج ۱ ص ۲۸۶ کتاب ما يتعلق بالحديث والسنّة)

وَمِثْلُهُ فِي مِرْقَاةِ الْمَفَاتِيحِ شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۸ ص ۲۵۵ کتاب اللباس - الفصل الثاني -

**تطبیق بین الاحادیث** | سوال :- وارثی کو خضاب کرنے کے بارے میں درج ذیل چند احادیث بندہ کے علم میں ہیں جن کی وجہ سے کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتا، قبل ازیں حرمت کی وجہ یہ گردانتا تھا کہ چونکہ خضاب و سہم حرام ہے کہ یہ جرم پکڑتا ہے جس کی وجہ سے وضو میں خلل پڑتا ہے، اب دورِ جدید کی کالی مہندی میں یہ علت نہیں پائی جاتی لہذا اس کا استعمال جائز ہوگا، لیکن احادیث میں ترجیح نہیں دے سکتا اور آپ سے رجوع کرنا ضروری سمجھتا ہوں لہذا آپ سے استدعا ہے کہ مدلل جواب سے مستفید فرما کر ممنون فرمائیں، احادیث درج ذیل ہیں :-

(۱) عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احسن ما غیر بہ الشیب الخناء والکثم۔ (رواہ الترمذی والبوداؤد والنسائی)

(۲) عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یكون فی آخر الزمان ینضیون بہذا السواد کعواصل الحمام لایجدون رائحة الجنة۔ (رواہ النسائی و البوداؤد)

(۳) عن ابن عباسؓ قال مر علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل قد خضب بالحناء فقال ما احسن هذا قال قمر آخر قد خضب بالحناء والکثم فقال صلی اللہ علیہ وسلم هذا احسن من هذا ثم مر آخر قد خضب بالصفرة فقال هذا احسن من هذا کلہ۔ (رواہ البوداؤد)

(۴) عن ابی ہریرةؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیروا ولا تشبہوا بالیہود۔ (رواہ الترمذی)

**الجواب :-** احادیث میں کوئی تعارض نہیں، وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ممانعت محمول ہے خالص سیاہ خضاب پر اور احادیث الاجازة محمول ہے غیر خالص سیاہ خضاب پر۔  
(هذا ما يفهم من معتبرات الفقه)





دوسری صفت جس پر نجات کا مدار ہے ہر حالت میں قول بالحق حتی بات کہتی ہے، خواہ اس سے خوش ہو یا ناراض، دوست کے ساتھ، ہو یا دشمن کے ساتھ، ارشادِ نبویؐ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدل و انصاف کے اصولوں کو کسی حالت میں بھی نہ چھوڑا جائے، نہ حق بات کہنے سے ہر موافقت کیا جائے بلکہ حق گوئی کو ہر وقت اپنا شعار بنایا جائے، خواہ دشمن قوم سے سابقہ کیوں نہ پڑے، یہ بھی ایک ایسی بہترین صفت اور انسانی کمال ہے کہ نہ صرف یہ کہ مومن اور مسلم کے لیے دنیا و آخرت میں ذریعہ نجات اور کامیابی کی ایک کنجی ہے بلکہ بلا امتیاز مذہب اور قوم و نسل کے جس شخص یا قوم میں بھی یہ صفت پائی جائے گی وہ بین الاقوامی عزت کے مستحق اور عام و خواص، دوست و دشمن سب کے دلوں میں ایسے لوگ محبوب ہی ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اپنے ماننے والوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے کا تاکید حکم دیتا ہے، اور اس سے کسی حالت میں بھی پیچھے ہٹنے کی اجازت نہیں دیتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ - (الآیہ) اے ایمان والو! خدا کی خاطر حق کے گواہ بن کر عدل و انصاف پر ہمیشہ قائم رہو! اور کلامِ بجز منکم شتان قوم علیٰ اَنْ لَا تَعْدِلُوا - (الآیہ) ”کسی قوم کے ساتھ بغض و عناد نہیں ظلم اور بے انصافی پر آمادہ نہ کرے“ اور كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (الآیہ) ”تمہیں حکم ہے کہ سچے اور حق گو لوگوں کے ساتھ رہو“

(۳) اعتدال : تیسری وہ صفت جس پر انسانی نجات کا دار و مدار ہے اعتدال ہے، ارشادِ نبویؐ کا مقصد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ انسان ہر حالت میں خواہ فراخی رزق کی حالت ہو یا فقر و فاقہ اور تنگدستی کی حالت ہو اعتدال کو ملحوظ رکھے، نہ بے جا اسراف اور فضول خرچی کرے نہ بخل اور کنجوسی کو اپنا شعار بنا لے کہ خرچ ہی نہ کرے۔ راہِ اعتدال کو اپنانے سے ایک طرف تو انسان کی اقتصادی حالت پر خراب اثر نہیں پڑے گا اور معاشی زندگی میں مشکلات سے دوچار نہ ہوگا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے:

مَا أَفْتَقِرُ مِنْ أَقْتَدٍ - ”صاحبِ اعتدال آدمی کبھی فقر و فاقہ میں مبتلا نہیں ہوتا“ اور دوسری طرف وہ اس مہلک بیماری سے بھی محفوظ رہتا ہے جو شمع کے نام سے موسوم ہے، جس کا ذکر مہلکات کی فہرست میں آئے گا۔ یہی وہ صفت ہے جسے قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی نشانی قرار دیا ہے، ارشادِ ربانی ہے: وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا - (الآیہ) ”اللہ تعالیٰ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ مقدارِ مطلوب سے کمی کرتے ہیں بلکہ دونوں کے درمیان راہِ اعتدال پر رہتے ہیں“

یہ تو منجیات کی مختصر تشریح ہوئی، اب ذیل میں مہلکات کی مختصر تشریح کی جاتی ہے:-

**مہلکات** | ہوائے نفس : انسان کو دنیوی و دُخروی دونوں قسم کی ہلاکتوں میں ڈالنے والی

صفتیں بھی تین تین ہیں، ان سے اگر انسان اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھے تو خطرہ ہے کہ کسی نہ کسی ہلاکت میں مبتلا ہو جائے۔ پہلی صفت ہوائے نفس کی ناجائز پیروی اور خواہشات کی اتباع ہے جس کو حدیث میں ہوائی متبع کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ ”ہوائے نفس“ ایسی مہلک اور خطرناک بیماری ہے کہ جب ایک دفعہ انسان اس میں مبتلا ہو جائے تو اس کی صحت خطرے میں پڑ جاتی ہے، ہدایت الہی کے تمام دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں اور گمراہی کے تمام دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں، بالآخر انسان کو ہلاکت کے کسی نہ کسی گڑھے میں گمراہی پڑتا ہے، دنیا میں گمراہی کا شکار ہوگا اور آخرت میں جہنم کے سوا کوئی بھی جائے پناہ اسے نہیں ملے گی۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

(۱) أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ الْهَوَاَءَ وَاصِلًا لِلَّهِ عَلَىٰ عِلْمٍ وَعَتَمَ عَلَىٰ قَلْبِهِ وَاسْمِعَهُ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (سورۃ ۷۰) ”کیا تم بتلا سکتے ہو کہ جن لوگوں نے خواہش نفس کو اپنا خدا اور معبود بنایا ہے جس کے پیچھے وہ چل پڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور آنکھوں پر پردہ ڈال کر علم کے باوجود انہیں گمراہ بنایا ہے، تو خدا کے سوا کوئی دوسرا ہے جو انہیں راہ حق دکھاسکے؟ تم اس پر غور کیوں نہیں کرتے ہو؟“

(۲) فَأَمَّا مَن طَغَىٰ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (سورۃ ۷۰) ”جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے باغی ہو کر سرکشی کی روش اختیار کریں اور دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیں تو وہ یہاں سے پلٹ کر جہنم ہی میں جانے والے ہیں“

(۳) **شح مطاع** : دوسری مہلک اور تباہ کن صفت انسان کے لیے حرص اور بخل کی اطاعت ہے، یہ خصلت بھی ایسی بڑی خصلت ہے کہ جب یہ نفس انسانی میں راسخ ہو کر اسے اپنا محکوم اور تابع بنا دے تو پھر اس سے آزادی غیر معمولی جہاد کے بغیر ناممکن نہیں تو سخت دشوار ضرور ہو جاتی ہے۔ اس کے تابع اور محکوم انسان تمام زندگی میں لازمی طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو بڑی طرح پامال کرتا رہے گا، جس کا انجام اس کے حق میں ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اسی بنا پر قرآن کریم واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے کہ: وَمَنْ يَتُوقِ شَحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (سورۃ ۷۰) ”وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو بخل اور حرص کی اطاعت سے محفوظ رہے“

اور جو لوگ حرص اور بخل کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں انہیں قرآن کریم نے یہ تنبیہ کی ہے کہ اگر یہاں امتحان کی چند روزہ زندگی میں اس کا ازالہ نہ کیا گیا تو آخرت میں تم سخت ہلاکت اور تباہی میں



میں مبتلا ہو کے رہو گے۔ ارشادِ باری ہے: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (سورۃ بقرہ ۲۷۴)۔ جو لوگ خدا کی دی ہوئی نعمت مال پر بخل کرتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ بخل ان کے لیے مفید ثابت ہوگا، یہ بخل ان کے لیے انتہائی مضر ہے، قیامت کے روز بخل کیا گیا مال (ایک اژدہا بن کر) ان کے گلے میں بصورتِ طوق پڑا رہے گا۔ بخل اور حرص کے مابین تلازم ہے، ایک ہوگا تو دوسرا بھی اس کے ساتھ رہے گا۔ اور جو انجام ایک کا ہو گا دوسرے کا بھی وہی انجام ہوگا۔

(۳) اعجابِ نفس: تیسری وہ صفت جو نہ صرف انسان کے لیے مہلک ہے بلکہ مہلکات کی فہرست میں صدر کا مقام رکھتی ہے۔ اعجابِ خود بینی اور تکبر کی صفت ہے۔ خود بینی اور تکبر کو تمام مہلکات سے بڑھ کر مہلک اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے انسان میں بندگیِ رب کا بالکل مفقود ہو جاتا ہے اور وہ اطاعتِ خداوندی کے لیے تیار نہیں ہوتا بلکہ رفتہ رفتہ یہ صفت اُسے خود خدائی اور الوہیت ربوبیت کے خواب دکھانے لگتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ خدائی کا دعویٰ کر لیتا ہے۔ فرعون نے اسی کی وجہ سے اَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَىٰ کا نعرہ بلند کیا تھا۔ نمرود بھی اسی کی بدولت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں اَنَا نُحْيِي وَأَمِيتُ کہہ گیا تھا، ابو جہل اسی کی برکت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے لیے تیار نہ ہو سکا۔ غزوہ حنین میں اعجاب ہی کی بدولت مسلمانوں کو پہلی شکست مل گئی۔ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْيَبْتَكُمْ كَثُرَتْكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ كَثْرَتُكُمْ شَيْئًا وَصَافَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ (سورۃ بقرہ ۲۵۷)۔ اعجاب اور تکبر ہی وہ صفت ہے جو بہت جلد انسان سے اپنی حقیقت کو بھلا دیتی ہے اور آہستہ آہستہ خدائی کے دعویٰ کے لیے تیار کرتی رہتی ہے۔

میرے ناقص علم میں اس وقت حدیث کی جو مختصر تشریح تھی وہ عرض کر دی گئی ہے، پوری تشریح کے لیے مزید وقت درکار ہے۔ بہر حال حدیث کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن ارشادات میں سے ہے جو جوامع الکلم کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلِيمًا نَذِيرًا  
 لِمَنْ يَتَّبِعُهَا

# کتاب السلوک

(تصوف کے احکام و مسائل)

**شریعت اور طریقت کی حقیقت** | سوال :- شریعت اور طریقت ایک ہی چیز ہے یا دونوں میں کوئی فرق ہے ؟

**الجواب :-** شریعت احکام تکلیف کے مجموعہ کا نام ہے، چاہے اعمال ظاہری ہوں یا اعمال باطنی، اسی وجہ سے متقدمین علماء کی اصطلاح میں لفظ فقہ امر مجموع کے مترادف سمجھا گیا تھا چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے :

هُوَ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا هِيَ (توضیح و تلویح ص ۲۸ بحث تعریف فقہ)

البتہ متاخرین علماء نے اس میں ذرا سی تبدیلی کی ہے یعنی اعمال ظاہری کو شریعت اور اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت میں تقسیم کیا ہے لیکن حقیقت میں دونوں ایک ہی چیز ہیں اس لیے جو شخص طریقت کو شریعت سے جدا سمجھتا ہے وہ گمراہی میں مبتلا ہے۔

لما قال مجدد الف ثانی: ظاہر را بظاہر شریعت و باطن را باطن شریعت کہ عبادت از حقیقت است، متجلی و منسربین دارند چہ حقیقت و طریقت عبارت از حقیقت شریعت است، و طریقت آن حقیقت نہ آنکہ شریعت امری دیگر است و طریقت و حقیقت دیگر کہ الحاد و زندقہ است۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب ۷۷ جلد ۱ ص ۷۷)

**بیعت کی حقیقت** | سوال :- بعض لوگ بیعت کو صرف جہاد سے مخصوص مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیری مریدی کے نام سے جو بیعت مروج ہے اس کی

کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ ایک خود ساختہ رسم ہے، کیا واقعی یہ بات درست ہے ؟

**الجواب :-** مرتبہ احسان اور تزکیہ نفس ہر مسلمان پر لازم ہے، اس زمانے میں

لہ قال الشاہ غلام علی: در بیان آنکہ کمالات الہیہ در ہر خاندان برنگ دیگر ظہور نمودہ اند لیکن معیار آنها شریعت است۔ (مکتوبات شاہ غلام علی ص ۹۳ مکتوب ہفتاد و پنجم)

وَمِثْلُهُ فِي الْمِرْقَاةِ شَرْحِ مَشْكُوَّةِ ج ۱ ص ۵۲۶ کتاب العلم۔ الفصل الثالث۔



مرتبہ احسان اور تزکیہ نفس تصوف سے ہی حاصل ہوتا ہے اور اس بات پر اکثر مشائخ متفق ہیں، اور مرتبہ احسان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: الاحسان ان تعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك۔ اور بیعت مسنونہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے ثابت ہے۔

لما قال خطيب ولي الدين التبريزي: الاحسان ان تعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك۔ (مشکوٰۃ المصابيح ص ۱۵۱ کتاب الايمان، الفصل الاول)  
وقال شاه ولي الله محدث دهلوي: واستفاض عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الناس كانوا يبايعونه تاسرةً على الهجرة والجهاد وتارةً على اقامة امرهم الاسلام۔ (شفاء العليل بقول الجليل ص ۱۵۱ پہلی فصل) لہ

**پابند شریعت شخص کی بیعت کا حکم** | سوال: کیا کسی کامل مرشد سے بیعت کرنا سنت ہے یا واجب؟ اس بارے میں راہنمائی فرما کر مشکور فرمائیں؟

**الجواب:**۔ اگر کوئی پابند شریعت مرشد مل جائے تو باطنی صفائی کے لیے اس کی بیعت کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب اور سنت ہے، اس لیے کہ اپنی اصلاح کی فکر کرنا ضروری ہے۔

كما قال الشاه ولي الله دهلوي: فاعلم ان البيعة سنة وليس بواجبة۔  
(شفاء العليل بقول الجليل ص ۲۱ دوسری فصل) لہ

لہ قال العلامة فقير الله الحنفي: وهي سنة ليست بواجبة لان الناس بايعوا النبي صلى الله عليه وسلم وتقر بوابها الى الله تعالى وما وجدنا الدليل على تأثم تاركها ولم ينكر احد من الائمة للمحدثين من الصحابة والتابعين على تاركها فكان الاجماع السكوتي على انها ليست بواجبة اه  
(قطب الارشاد ص ۵۲۳ بحث تکرار البيعة ماثوره)

لہ قال العلامة فقير الله الجلال آبادي: وهي سنة ليست بواجبة لان الناس بايعوا النبي الخ۔ (قطب الارشاد ص ۵۲۳ بحث تکرار البيعة ماثوره)  
وَمِثْلُهُ فِي انوار القدسية ص ۵

مرشد کے لیے شرائط کا تذکرہ | سوال: کسی کو بیعت کرنے والے مرشد میں کیا  
 کیا شرائط ضروری ہیں یا ہر شخص کسی کو بیعت  
 کر سکتا ہے؟

الجواب :- مرشد چونکہ فیض حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے اور وصول الی اللہ میں  
 مدد دیتا ہے اس لیے علماء حق نے اس اہم منصب کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ذکر کی ہیں :-  
 (۱) وہ شخص عالم ہو (۲) متقی ہو (۳) زاہد فی الدنیا اور آخرت میں رغبت والا ہو (۴) امر  
 بالمعروف ونہی عن المنکر کرتا ہو (۵) مشائخ کا صحبت یافتہ ہو۔ جس شخص میں  
 یہ شرائط پائی جائیں تو اس سے بیعت ہونا یا اس کا کسی کو بیعت کرنا جائز ہے، ان شرائط  
 کی عدم موجودگی میں کسی کو بھی بیعت لینے ہی حاصل نہیں۔

لما قال الشاہ ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ :- فشرط من یاخذ البیعة امور اعدادھا  
 علم الکتاب والسنة، والشرط الثانی العداۃ والتقوی، والشرط الثالث ان یکون زاہداً  
 فی الدنیا راغباً فی الآخرة، والشرط الرابع ان یکون امراً بالمعروف ناہیاً عن المنکر،  
 والشرط الخامس ان یکون صحبت المشائخ وتادیب بہم دھراً طویلاً و اخذ منهم نوراً  
 الباطن والسکینة۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۲۳ تا ۳۰ الفصل الاول حکمت بیعت) لہ  
 عورت کے لیے بیعت کا حکم | سوال :- کیا پیری مریدی میں زنانہ کے لیے بیعت جائز  
 ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی صورت کیا ہوگی خصوصاً

جبکہ عورت غیر محرم ہو؟

الجواب :- آجکل مشائخ سے جو بیعت کی جاتی ہے وہ دراصل بیعت توبہ ہے لہذا  
 جب کسی شیخ میں جملہ شرائط موجود ہوں اور پردہ کا بھی اہتمام ہو تو خواتین کا مرشد سے

لہ قال الشاہ غلام علی رحمہ اللہ: پیر کے است کہ تبع سنت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم باشد ظاہراً  
 و باطناً و تارک بدعت و بر عقیدہ بزرگان سلف مانند حضرت غوث الثقلین  
 و شیخ الاسلام گنج شکر مستقیم بود و از علم ضروری فقہ بہرہ داشته باشد الخ۔  
 (مکتوبات شاہ غلام علیؒ ص ۹۱ مکتوب ہشتاد و پنجم (رسالہ اول)  
 وَمِثْلُهُ فِي مِرْصَادِ الْعِبَادِ لِلشَّيْخِ رَجْمِ الدِّينِ كَبْرِيِّ ص ۱۵۱

سے بیعت ہونا جائز اور مخصص ہے۔

كقوله تعالى: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ -

(سورة الممتحنة آیت ۱۲)

لیکن یہ بیعت تو بہ ہوگی اور اس میں ہاتھوں کو مس نہیں کیا جائے گا اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لیتے وقت ان کے ہاتھوں کو مس نہیں کیا تھا۔

کہا ذکر الامام البخاری: ان عائشة زوجة النبي اخبرته ان رسول الله كان يمتحن من هاجر اليه من المؤمنات بهذه الآية بقول الله: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ إِلَىٰ قَوْلِهِ غُفُورًا حِيمٍ — قال عروة قالت عائشة فَمَنْ اقْرَبَ هَذَا الشَّرْطَ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ - قال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم قد بايعتك كالأولاء والله ما مَسَّتْ يده يَدَ

امراة قط في المبايعة - (الجامع الصحيح البخاری ج ۲ سورة الممتحنة - باب اذا جاءكم المؤمنات

باقی رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو کس طرح بیعت فرمایا کرتے تھے، تو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن میں عورتوں کے ہاتھوں کو ڈال کر مس کیا ہے، جیسا کہ علامہ آلوسی نے روح المعانی میں ابن مردودی سے نقل کیا ہے۔

(روح المعانی جلد ۲۸ ص ۸۱ پ ۲۸ آیت ۲۸ سورة الممتحنة)

مگر اس کی تصحیح میں تامل کیا ہے۔

مشائخ صوفیاء کرام کے ہاں عورتوں کو بیعت کرنے کا طریقہ مختلف چلا آ رہا ہے بعض مشائخ پانی میں ہاتھ ڈال کر عورتوں سے بیعت لیا کرتے تھے، جیسا کہ شاہ کلیم اللہ جان آبادی کے خلیفہ خاص شیخ نظام الدین اورنگ آبادی نے ”نظام القلوب ص ۵ میں ذکر کیا ہے۔ مگر اس بات پر تمام مشائخ صوفیاء متفق ہیں کہ اگر نامحرم عورت بیعت ہونا چاہتی ہو تو پردہ میں بیٹھ کر بیعت لی جائے گی۔

لما قال محمد دالف ثانی: نوشته بودند یعنی عورت طلب مشغولی می نمایند اگر محارم اند چه مانع است والا در پردہ بنشینند و طریقہ را اخذ نمایند۔ (مکتوبات جلد ۲ ص ۲۸۰ دفتر اول حصہ چہارم مکتوب ۲۵۶ ص ۱۰)

لما قال محمد عبد الله الحاقى الخالدى النقشبندى، وقال رضى الله عنه هجيباً لمن سأله عن طريق التعليم للنساء ان المرأة محرمة قاي مانع والافتجلس وراء الحجاب وتاخذ الطريقة. (اللمحة السنية في

آداب الطريقة النقشبندية ص ۲۰ فصل في بيان ما يتعلق بالاخذ والشروع في سلوك الطريقة العلمية)



**بدعتی پیر کی بیعت کرنے کا حکم** | سوال :- کیا کسی بدعتی اور ناقص پیر سے بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** پیر و شیخ چونکہ وصول الی اللہ کا ذریعہ ہوتا ہے اس لیے اس کے انتخاب میں احتیاط کرنی چاہیے، بدعتی اور ناقص پیر کی بیعت کرنا اپنے آپ کو تباہی کے دھانے تک لے جانے کے مترادف ہے اس لیے ایسے کسی بھی پیر سے بیعت نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ شرائط ارشاد میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ شیخ کا عقیدہ و عمل بھی ٹھیک ہو اگر عمل و عقیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ و سنت کے مطابق نہ ہو تو وہ شخص شیخ یا پیر نہیں ہو سکتا۔

کما قال مجدد الف ثانی؛ وقوی ترین اسباب فتور در طلب انابت <sup>است</sup> شیخ ناقص کہ بسلوک و جذبہ کار را تمام ناکردہ بمسند شیخی خود را کشیدہ طالب را صحبت او سم قاتل است و انابت او مرض مہلک۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد ۱ ص ۱۲۱ مکتوب ۶۱) ۱۷

**بیعت توڑنے کا حکم** | سوال :- میں نے ایک پیر سے بیعت کی تھی اب اس میں کچھ خلاف سنت و شریعت امور پیدا ہو چکے ہیں تو کیا میں اس کی بیعت توڑ سکتا ہوں یا نہیں؟

**الجواب :-** شیخ اور مرشد کے انتخاب میں احتیاط سے کام لینا چاہیے اور غیر تابع سنت شخص سے بیعت نہیں کرنا چاہیے، جو شخص شریعت پر عمل نہیں کرتا وہ شیخ ناقص ہے اور اس کی بیعت توڑنے میں کوئی قباحت نہیں۔

کما قال مجدد الف ثانی؛ وقوی ترین اسباب فتور در طلب انابت <sup>است</sup> شیخ ناقص کہ بسلوک و جذبہ کار را تمام ناکردہ بمسند شیخی خود را کشیدہ طالب را صحبت او سم قاتل است و انابت او مرض مہلک۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد ۱ ص ۱۲۲ مکتوب ۶۱) ۱۷

لہذا قال شاہ ولی اللہ محدث الدہلوی رحمہ اللہ؛ والشرط الثانی العدالۃ  
والتقوی فیجب ان یکون مجتنباً عن الکبائر غیر مصر علی الصغائر۔  
(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۲۸ دوسری فصل، شروط دوم مرشد)  
وَمِثْلُهُ فِي الْمِرْصَادِ الْعِبَادِ ۱۵۸

فائدہ نہ ہونے کی صورت میں بیعت توڑنا | سوال :- کسی مرشد سے بیعت کرنے کے بعد اس سے فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو بیعت

توڑنا کیسا ہے اور اگر فائدہ ہوتا تو پھر توڑنا کیسا ہے ؟  
 الجواب :- کسی مرشد سے بیعت کرنے کے بعد اگر کوئی فیض حاصل نہ ہوتا ہو تو دوسرے کسی تابع سنت مرشد سے تجدید بیعت جائز ہے اور اگر فائدہ حاصل ہوتا ہو تو پھر بیعت توڑنا صحیح نہیں اس سے آدمی میں بے برکتی پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا شخص مشائخ کے فیض سے محروم ہو جاتا ہے۔

لما قال شاه ولي الله محدث دهلوي : فاعلم ان تكرار البيعة من رسول الله صلى الله عليه وسلم ما ثور وكذلك عن الصوفية اما من شخصين فان كان بظهور نحل في من بايعه فلا بأس وكذلك بعد موته او عيته المنقطعة واما بلا عذر فانه يشبه المتلاعب ويذهب البركة ويصرف الشيوخ عن تعهده۔

(شفاد العليل ترجمہ القول الجميل ص ۳۵ حکمت تکرار بیعت) لہ

بدعتی پیر کی بیعت توڑنے کا حکم | سوال :- میں نے ایک پیر سے بیعت کی تھی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مشرکانہ و بتدعائے عقائد رکھتا

ہے اب اس کی بیعت توڑنا میرے لیے جائز ہے یا نہیں ؟  
 الجواب :- ایک مسلمان کے لیے عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے، بتدعائے عقائد مشرکانہ و بتدعائے عقائد رکھتا ہو وہ شیخ ناقص ہے اور شیخ ناقص سے بیعت حرام ہے۔ لہذا اس قسم کے عقائد رکھنے والے شخص کی بیعت توڑنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ بیعت توڑنا ضروری ہے۔

لما قال مجدد الف ثانی رحمہ اللہ : وقوی ترین اسباب فتور در طلب انابت شیخ ناقص است کہ بسلوک و جذبہ کار را تمام ناکردہ بمسند شیخی خود را کشیدہ طالب را صاحب اوسم قاتل

لہ قال الشاہ غلام علیؒ ، قال العلامة فقیروا للہ اما من الشخصین فان کان بظهور الحلل فیمن تبعہ فلا بأس۔ (قطب الامر شاد ص ۵۴۲ بحث تکرار البیعة ما ثور)

است و انابت او مرض مہلک۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد ۱ ص ۱۴۴ مکتوب ۶۱) لہ  
**مرشد کی وفات کے بعد دوسرے مرشد کی بیعت کرنا** | سوال ۱۔ اگر کسی کا مرشد

دوسرے قبیلے شریعت مرشد سے بیعت کر سکتا ہے یا نہیں؟  
**الجواب:**۔ مرشد کی وفات کے بعد کسی قبیلے شریعت مرشد سے بیعت ہونا  
 صحیح ہی نہیں بلکہ ضروری ہے تاکہ وصول الی اللہ کا مرتبہ حاصل ہو سکے۔  
 لما قال شاہ ولی اللہ: وکذا لک بعد موتہ وعبیتہ المنقطعة۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۳۵ حکمت تکرار بیعت) لہ

**ذکر حدادی کا طریقہ اور اس کی حقیقت** | سوال ۱۔ جناب مفتی صاحب! صوفیاً  
 کے ہاں ذکر حدادی کی ایک اصطلاح مشہور

ہے، اس کی شرعی حقیقت کیا ہے؟

**الجواب:**۔ ذکر حدادی اسلاف سے منقول ہے کہ دوزا تو بیٹھ کر کلمہ لا الہ کو دل  
 سے ادا کرے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور لفظ الا اللہ کو تصویر میں آسمان  
 سے پکڑے اور دونوں ہاتھوں سے دل پر ضرب لگائے، ذکر کا یہ طریقہ ذکر حدادی  
 کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

كما قال الولی الکامل شیخ نظام الدین: طریق ذکر حدادی دوزانو بنشیند چنانچہ  
 ہر دو سری بر زمین باشد و کلمہ لا الہ را از دل کشیدہ ہر دو دست دراز کردہ بطرف  
 آسمان برو لفظ الا اللہ از آسمان گرفتہ ہر دو دست بستہ بر دل سخت ضرب کنند

لہ قال شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ: والشروط الثانی العداۃ والتقوی۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۲۸ دوسری فصل، شروط دوم مرشد)

وَمِثْلُهُ فِي الْمِرْصَادِ الْعِبَادَةِ ۱۵۸

لہ قال العلامة الشاہ الشکار پوری: وکذا لک بعد موتہ والغیبة المنقطعة۔

(قطب الارشاد ص ۵۲۳ تکرار البیعة ماثور)

وَمِثْلُهُ فِي مَكْتُوباتِ مَجْدِدِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۱۵۵ مکتوب ۶۳۔



فائدہ بسیار و تاثیر بے شمار است۔ (نظام القلوب ص ۲۳)

**صلوٰۃ معکوس کا حکم** | سوال :- صلوٰۃ معکوس پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟  
**الجواب** :- صلوٰۃ معکوس اصل میں ایک مجاہدہ ہوتی ہے اور مجاہدہ میں نقل ضروری نہیں۔ اگرچہ مشائخ چشت میں اس کا ذکر تو پایا جاتا ہے مگر دوسرے ادلہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا، ہم اس کو نماز مجاز کہا جاتا ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہ رح، ولپچشتیہ صلوٰۃ تسمی صلوٰۃ المعکوس لم نجد من السنۃ ولا اقوال الفقہاء ما نشدہا بہ فلذلک حذفتہا والعلم عند اللہ۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجلیل ص ۱۶ صلوٰۃ المعکوس)

**ذکر میں دل پر ضربیں لگانا** | سوال :- بعض صوفیاء کرام ذکر میں دل پر ضربیں لگاتے ہیں کیا ذکر کرتے وقت ایسا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

**الجواب** :- شرعی اعتبار سے ذکر میں ضرب برائے تصفیہ باطن اور بطور علاج کیا جاتا ہے کوئی ضروری عمل نہیں مگر جائز ہے، علماء راسخین نے ضرب مع الذکر کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہ رح، فمنہ اسم الذات اما بضرية واحدة وصفته ان يقول الله بالشد والمد والجهر بقوة القلب والحلق جميعاً ثم يلبث حتى يعود اليه نفسه ثم يفعل هكذا وهكذا۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجلیل ص ۵۸ چوتھی فصل مشائخ جیلانیہ لہ)

**ذاکرین پر وجد طاری ہونے کا حکم** | سوال :- بعض ذاکرین پر دوران ذکر وجد طاری ہو جاتا ہے، کیا ذکر کرتے وقت انسان پر وجد کا طاری ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

**الجواب** :- ذاکر پر وجد جذب کا آنا حق ہے اور اس کے متعدد اسباب ہیں، اس لیے اگر وجد کی حالت میں مسجد کی بے حرمتی اور شور و غل نہ ہو تو جائز ہے لیکن یہ کسی کمال

لہ قال العلامة شکارپوری رح، او بضرية بان يقول الله بالشد والمد والجهر بقوة القلب الخ  
 (قطب الامشاد ص ۵۲۹ الطرق الى الله تعالى بعدد انفاس المخلوقات)

وَمِثْلُهُ فِي نِظَامِ الْقُلُوبِ ص ۱۵

کی دلیل نہیں بلکہ ضعف کی دلیل ہے۔ تاہم عصر حاضر میں ذاکرین پر وجد کا آنا ایک رسم بن چکا ہے جو کمال کی دلیل سمجھی جاتی ہے اس لیے علماء نے اس سے منع کیا ہے۔

مقال العلامة ابن عابدین: التحقيق القاطع للنزاع في امر الرقص والسماع ليستدعي تفصيلاً ذكره في العوارف المعارف واحياء العلوم وخلاصة ما اجاب به العلامة التحريم ابن كمال پاشا بقوله ۵

ما في التواجد ان حقت من حرج ولا التمايل ان اخلصت من بأس  
فقت تسعى على رجل وحق لمن مولاة ان يسعى على الرأس  
الرخصة فيما ذكر من الاوضاع

۵۴۱ المختار ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب البیوع - باب المرتد

ذکر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ معانقہ کرنے کا حکم | سوال: ایک شخص کا دعویٰ ہے کہ میں نے ذکر کے دوران اللہ تعالیٰ کے ساتھ معانقہ کیا ہے، کیا اس کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس دعویٰ سے ایمان پر کیا اثرات پڑ سکتے ہیں؟

الجواب: اگر اس سے مراد مراقبہ یا خواب میں اللہ تعالیٰ سے معانقہ کرنا مراد ہو تو جائز ہے اور اگر اس سے مراد حالت بیداری میں ہو تو یہ ناممکن ہے اس لیے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے لہذا اس قسم کے دعویٰ سے ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

مقال العلامة ملا علی القاری: بعد بحث طویل - والحاصل ان الامة قد اتفقت على انه تعالى لا يراه احد في الدنيا بعينه - (شرح فقہ الاکبر ص ۱۲۳ رؤیة الباطنی جل شأنه في الدنيا ۲) لہ قال العلامة داماد ان قدی رحمہ اللہ، وفي التسهيل في الوجد مراتب وبعضه يسلب الاختيار فلا وجه للانكار بلا تفصيل - (مجمع الانهر في شرح ملتقى الابهرة ج ۲ ص ۵۵۲ فصل في المتضرقات)

وَمِثْلُهُ فِي طَعَاوِي شَرْحِ مَرَاتِقِ الْفَلَاحِ ص ۱۷۲ كِتَابِ الْكِرَاهِيَةِ -

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ان الامام رضی اللہ عنہ قال رأيت رب العزة في المنام تسعاً وتسعين مرة -

۵۴۱ المختار ج ۱ ص ۵۱ مطلب يجوز تقليد المعنول مع وجود افضل

**دلائل الخیرات کے وظیفہ کا حکم** | سوال :- بعض صوفیاء دلائل الخیرات کا ورد کرتے اور ساکین کو بھی اس کی اجازت دیتے ہیں، کیا ایسا کرنا

جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس سے کیا کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں؟

**الجواب :-** دلائل الخیرات کا اکثر حصہ چونکہ درود شریف پر مشتمل ہے اس لیے اسے بطور وظیفہ پڑھنا جائز ہے بلکہ ثواب کا کام اور رحمتوں کے نزول کا ذریعہ ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا باعث اجر و ثواب ہے۔

كما ذكر مسلم بن حجاج: عن ابى هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من صلى على واحدة صلى الله عليه عشرا - صحيح مسلم ج ۱ باب صلوة على النبي بعد التشهد

**عملیات میں اجازت شیخ کا حکم** | سوال :- کیا اوراد و وظائف اور عملیات کیلئے شیخ کی اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟ جبکہ

بعض لوگ تعویذات اور دیگر عملیات میں اجازت شیخ کو ضروری تصور کرتے ہیں؟

**الجواب :-** اوراد و وظائف کے صرف پڑھنے میں تو کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں البتہ اگر شیخ کی اجازت ہو تو ان میں برکات اور فیض بجا رہتا ہے۔

لما قال العلامة السيوطي: الاجازة من الشيخ غير شرط في جواز التصدي للاقرار والافادة فمن علم من نفسه الاهلية جازله ذلك وان لم يجره احد - الخ (الاتقان في علوم القرآن ج ۱ ص ۱۳۵ الفصل الثالث في كيفية الاخذ بافراد القرأة صلح)

له قال الخطيب ولى الدين تبريزي: وعن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى على واحدة صلى الله عليه عشرا -

(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳ باب الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم وفضلها)

وَمِثْلُهُ فِي الْقَوْلِ الْبَدِيعِ ص ۹

له قال العلامة جلال آبادي رحمه الله: الاجازة من الشيخ غير شرط في جواز التصدي للافادة والاقراء فمن علم من نفسه الاهلية جازله ذلك وان لم يجره احد، الخ - (قطب الامرشاد ص ۶۲۳ الخاتمة في ذكر الاجازة)

وَمِثْلُهُ فِي اِمْدَادِ الْفَتَاوَى ج ۵ ص ۵۵۳ كتاب السلوك -



**مشائخ کا مریدین پر توجہ دینا** | سوال: سلسلہ تصوف میں شیخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے اور اس کو کمال کی بنیاد تصور

کیا جاتا ہے، شرعاً مشائخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا کیسا ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟  
**الجواب:**۔۔ مشائخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا جائز ہے جو کہ علماء ربانیین سے منقول ہے، اور اس کا طریقہ اپنے مرشد سے سیکھنا چاہیے جیسا کہ بعض بزرگوں نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

لما قال شاه ولي الله: اما هذه التصرفات عند كبارهم اصحاب الفناء في الله والبقاء به فلها شان عظيم واما عند سائرهم فالتاثير في الطالب يتوجه الشيخ الى نفسه الناطقة ويصادمها بالهمة التامة القوية ثم يستغرق في نسبة بالجمعية وهذا الخ. (شفاء العليل ترجمہ القول الجميل ص ۱۲۱ اچھی فصل تصرفات نقشبندیہ ص ۱۲۱)

**مہمان کے لیے اوراد و وظائف چھوڑنے کا حکم** | سوال:۔۔ اگر کسی شخص کا اوراد و وظائف کا معمول ہو تو مہمان

آنے کی صورت میں وہ اسے چھوڑ سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔۔ اگر کسی شخص کا کوئی مہمان آجائے تو وہ دو قسم کا ہوگا یا تو اکثر آتا رہتا ہوگا یا کبھی کبھار آتا ہوگا، اگر مہمان اکثر آتا رہتا ہو تو پھر یہ شخص اپنے نفلی معمولات کو فقہاً نہ کرے اور اگر کبھی کبھار آتا ہو تو اپنے معمولات چھوڑ کر مہمان کے ساتھ بیٹھنا بہتر ہے۔

لما قال محافظ الدين محمد بن بزاز الكردي: نزل به ضيف وله ورد من النقل فان كان ينزل كثيراً فالورد افضل والا فالا اشتغال بالضيف افضل۔

(فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۲۸ کتاب الصلوٰۃ۔ نوع فیما یکرہ)

لما قال فقیر اللہ جلال آبادی: والتصرفات الموجبة للكمال عند كبار المشائخ وسائرهم تصرفات اصحاب الفناء في الله والبقاء به ولها شان عظيم فالتاثير في باطن الطالب ان يتوجه الشيخ الى نفسه الناطقة ويصادمها بالهمة التامة القوية الخ (قطب الارشاد ج ۱ ص ۶۰۶ وللنقشبندیہ تصرفات)

لما قال عالم بن العلاء الانصاري: رجل نزل به ضيف وله ورد من صلوة التطوع فان كان هذا الرجل كثير الضيافة لا يتنزل وردہ۔ (فتاویٰ تاتارغانیہ ج ۱ کتاب الصلوٰۃ الفصل الثامن)

مجلس ذکر میں مشائخ کی ارواح کا آنا | سوال :- بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ مجلس ذکر میں مشائخ کی ارواح آتی ہیں، اس سے تو

تجسد الارواح صحیح معلوم ہوتا ہے، کیا شریعت مقدسہ کی روشنی میں یہ عقیدہ صحیح ہے ؟  
الجواب : انبیاء و اولیاء اللہ کی ارواح دنیا میں آسکتی ہیں۔ مولانا رشید احمد گنگوہی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی تصانیف میں اس کا جواز لکھا ہے، لیکن اس کو عوامی عقیدہ نہیں بنانا چاہیے کیونکہ اس طرح کی حکایات بعض اوقات مفضی الی الشک ہو سکتی ہیں۔

كما قال العلامة آلوسی : فقد وقعت رؤيته صلى الله عليه وسلم بعد وفاته لغير واحد من الكاملين من هذه الامة - (روح المعاني ج ۲۲ ص ۳۵ سورة الاحزاب آیت ۷۱)

چالیس دن کے چلہ کا حکم | سوال :- بعض صوفیاء کرام چالیس دن کے چلہ کا اہتمام کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو اس کو وضاحت سے بیان فرمائیں ؟

الجواب :- اگر تو اس چلہ سے مقصود عبادت الہی ہو اور یہ چلہ طبابت کی تحریم سے بھی خالی ہو تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں، اور چالیس دن کا تعین اس لیے کرتے ہیں کہ جو عبادت چالیس دن تک خلوص نیت سے کی جائے وہ راسخ ہو جاتی ہے۔

قال الله تبارك وتعالى : وَإِذْ وُعِدْنَا مَوْسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعَجَلِ مِنَ الْبَعْدِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ (سورة البقرہ آیت ۷۵)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں : وبهذا استدلال الصوفية على الوصال ان افضله اربعون يوماً - رتفسیر قرطبی ج ۱ ص ۳۹۶ سورة البقرہ ) اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے : عن انس بن مالك قال

قال العلامة جلال الدين السيوطي : ولا يمتنع رؤية ذاته الشريفة بجسد روحه وذلك لانه صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء احياء ردت اليهم ارواحهم بعد ما قبضوا واذن هم بالخروج من قبورهم والتصرفت في الملكوت العلوي والسفلي -  
والعاوي للفتاوى ج ۲ ص ۲۶۳ القول بامكان رؤية النبي في اليقظة )



قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى الله اربعين يوماً في جماعة يدرك التكبیر الاولیٰ كتب له براءةً من النار وبراءةً من النفاق۔ (الجامع الترمذی ج ۳ ص ۳۳ ابواب الصلوة) اس میں بھی چالیس دن کو خصوصیت حاصل ہے۔

مشائخ کرام سے اس کے جواز کی تصریحات اور شرائط بھی منقول ہیں، جیسے روزہ رکھنا، شب بیداری، کم بولنا اور کم کھانا وغیرہ۔

لما قال شاه ولي الله: قال المشائخ من اراد الدخول في الامر بعينية يلزمه مراعات امور دوام الصيام ودوام القيام وتقليل الكلام والطعام والمنام والصحبة مع الانام والمواظبة في الوضوء في حالات اليقظة وعند المنام وربط القلب مع الشيخ على الدوام وترك الغفلة رأساً۔ (شفاء العليل ترجمہ القول الجمیل ص ۸۳ شرائط چلہ نشینی)

**سوال :-** جناب مفتی صاحب! شریعت مطہرہ کی روشنی میں اولیاء اللہ کی پہچان

اولیاء اللہ کی پہچان کیا ہے؟

**الجواب :-** ہر وہ مسلمان جو شریعت کا پابند ہو، متقی پر سہیزگار ہو، صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور اولیاء اللہ یعنی اللہ کے دوستوں میں سے ہے۔

لما قال العلامة تفتازانی: الولی هو العارف بالله تعالیٰ وصفاته حسب ما يمكن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانهماك فی اللذات والشهوات۔ (شرح العقائد ص ۵۰ تحت قول النسفی وكرامات الاولیاء حق) ایہ

**سوال :-** بعض لوگ کہتے ہیں کہ کافروں میں بھی اولیاء ہوتے ہیں، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

**الجواب :-** اگر ان لوگوں کی اولیاء سے مراد صاحب توجہ و تصرف ہو تو یہ کافروں میں بھی ہوتے ہیں جنہیں اولیاء الشیطان کا نام دیا جاسکتا ہے اور اگر اولیاء سے ان کی مراد

لما قال العلامة اشرف علی التہمتوی: هو العارف بالله تعالیٰ وصفاته حسب ما يمكن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانهماك فی اللذات والشهوات۔ (کشاف اصطلاحات الفنون ج ۲ ص ۱۵۲۸ فی التحقيق لفظ مولی الموالاة۔ الولی) ومثله فی النیراس ص ۲۷۵ کرامات الاولیاء حق۔



عرفی و اصطلاحی اولیاء الرحمن ہوں تو یہ صرف مومنوں میں ہوتے ہیں کافروں میں نہیں۔  
 لَمَّا قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَأَخْوَفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ  
 الَّذِي آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (سورۃ یونس آیت ۶۲، ۶۳) لہ

اولیاء اللہ کا جمع ہونا | سوال :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ جمع ہوتے ہیں،  
 کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب :- صوفیاء کرام کے نزدیک اولیاء اللہ بعض اوقات جمع ہوتے ہیں، لیکن یہ  
 سب باتیں کشف اور مخفی امور ہیں فتویٰ اور قلم سے اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا، البتہ صوفیاء  
 کے نزدیک یہ باتیں موجود ہیں کہ غوث کی موجودگی میں زندہ اولیاء جمع ہوتے ہیں اور بعض  
 وفات شدہ اولیاء کی ارواح بھی موجود ہوتی ہیں، لیکن ان سب باتوں کو عوامی جہالت سے  
 بچانا چاہیے۔

اس پر مفصل بحث کرتے ہوئے علامہ عبدالعزیز سلجھاسی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :  
 حضرت نے فرمایا کہ دیوان اسی غار میں لگتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے  
 پہلے عبادت کیا کرتے تھے، غوث غار کے باہر اس طرح بیٹھتا ہے کہ مکہ اس کے دائیں شانہ  
 کے پیچھے ہوتا ہے الخ (ابریز ص ۵۱۹ چوتھا باب، دیوان صالحین)  
 حضرت نے فرمایا کہ گذشتہ لوگوں میں سے بعض کا ملین بھی دیوان میں حاضر ہوتے  
 ہیں۔ (ابریز ص ۵۲۱ چوتھا باب۔ دیوان صالحین)

فرمایا کہ کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مجلس میں شرکت فرماتے ہیں۔  
 (ابریز ص ۵۲۲ چوتھا باب۔ دیوان صالحین)

فوت شدہ اولیاء اللہ کی نسبت معلوم کرنا | سوال :- کیا کوئی شخص کسی فوت شدہ  
 ولی اللہ کی نسبت معلوم

لہ قال العلامة التفتازانی: الولی هو العارف باللہ تعالیٰ وصفاته حسب ما یکن المواعظ  
 علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانہماک فی اللذات والشہوات۔  
 (شرح العقائد ص ۱۰۵ تحت قول النسفی وکرامات الاولیاء حق)  
 وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْمَقَاصِدِ ج ۵ ص ۲۹ شمول قدرة الله تعالى۔

کر سکتے یا نہیں؟

**الجواب:** کوئی سالک اور متقی و پرہیزگار شخص مراقبہ کے ذریعے فوت شدہ اولیاء اللہ کی نسبت معلوم کر سکتا ہے اور مشائخ نقشبندیہ کو اس میں مہارت حاصل ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہ: **أما الاطلاع على نسبة اهل الله فطريقه ان يجلس بين يديه ان كان حيًا او قبوره ان كان ميتًا و يفرغ نفسه عن كل نسبة و يفيض بروحه الى روح هذا الشخص زمانا الخ۔** (شفاء العليل ترجمہ القول الجمیل ص ۱۱۶) طریقہ اطلاع نسبت اہل اللہ

**ولایت کے لیے بیعت ہونے کا مسئلہ** | سوال: کیا ولایت، طریقت و بیعت کے بغیر مل سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** کسی تابع شریعت شیخ سے بیعت ہونا ایک مستحب امر ہے، حصول ولایت کے لیے جتنے ذرائع ہیں کسی سے بیعت ہونا ان میں ایک کامیاب ذریعہ ہے جو لوگ اس کو شرط قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

**ایک مرشد کی موجودگی میں دوسرے سے بیعت ہونا** | سوال: اگر کوئی شخص پہلے مرشد کی موجودگی میں دوسرے

مرشد سے بیعت کر لے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور مرشد کی وفات کے بعد بیعتِ ثانیہ کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** طریقت و بیعت چونکہ اخذ فیض کے لیے کی جاتی ہے، تو اگر پہلی جگہ سے بیعت کے بعد فیض کے حصول کا یقین نہ ہو تو دوسری جگہ بیعت کرنا جائز ہے، لیکن اس کو عادت نہیں بنانا چاہیے کیونکہ اس سے بے برکتی پیدا ہوتی ہے اور مرشد سے فیوض و برکات کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔

لما قال الشیخ التھانوی و شاہ ولی اللہ: اور جب شیخ کی موجودگی میں بیعتِ ثانیہ جائز ہے تو اس کی وفات کے بعد تو بطریقِ اولیٰ جائز ہوگی۔

لما قال شیخ الطائفہ مجدد الف ثانی: بدانکہ مقصود حق است و پیروسیلہ است بوصول

لہ قال العلامة الشکار پوری: واما الاطلاع على النسبة اهل الله فطريقه ان يجلس بين يديه

ان كان حيًا وعند قبوره ان كان ميتًا۔ (قطب الارشاد ص ۶۵۶)

جناب قدسی حق تعالیٰ اگر طالبے رشد خود را پیش شیخ دیگر بیند و دل در صحبت او حق سبحانہ جمعہ یا پرور است کہ در حیات پیر سے اذن پیر طالب پیش اذن شیخ برور و طلب رشد از و نماید اقا باید کہ از پیر اول انکار نکند و جز یہ نیکی یار نماید۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی ج ۲ ص ۱۷۵ دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۱۳) لہ

**سوال :-** ایک شخص کہتا ہے کہ پیر و شیخ کامل وہ ہے کہ مرید کو پیر کامل بننے کی شرط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرائے ورنہ ناقص ہے، کیا اس کا یہ قول صحیح ہے یا غلط؟

**الجواب :-** جو شخص بیعت کے لیے یہ شرط لگانا ہے وہ غلطی پر ہے، نہ تو یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور نہ صوفیاء کرام نے شرائط مرشد میں اس کا ذکر کیا ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہ: شرط من یاخذ البیعة اموراً احدھا علم الکتاب والسنة الخ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۲۳ دوسری فصل حکمت بیعت) لہ

**سوال :-** ایک پیر نے کسی شخص سے کہا کہ مقبول مقبولی اور مرد و مردی، کیا اس طرح کہنے سے کوئی کام

مقبول یا مردود ہو سکتا ہے؟

**الجواب :-** اگر ان الفاظ سے اس کی مراد یہ ہے کہ جو تم کو پسند ہے وہ مجھ کو بھی پسند ہے اور جو کام تجھے ناپسند ہے وہ مجھے بھی ناپسند ہے تو پھر تو یہ صحیح ہے اور اگر اس کی

لہ قال شاہ ولی اللہ: فاعلم ان تکرار البیعة من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ثور و كذلك عن الصوفیة اما من الشخصین وان كان بظہور خلل فی من یا یعه فلا بأس و كذلك بعد موته وغیبتہ المنقطعة واما بلا عذر فانه یشبه التلاعب۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۳۵ حکمت تکرار بیعت)

و مثلہ فی مکاتیب شریفة شاہ غلام علی ص ۲ مکتوب شانزدہم۔

لہ قال العلامة جلال آیادی: اعلم ان للمشیخة واخذ البیعة شروط مہنا علم الکتاب والسنة الخ۔ (قطب الارشاد ص ۵۲۶ بحث شروط المشیخة)

و مثلہ فی مرصاد العباد ص ۱۱۵



مراد یہ ہو کہ میرے کہنے سے کوئی کام مقبول یا مردود ہوتا ہے تو یہ غلط ہے کسی کام کے مقبول یا مردود ہونے کا حکم شریعت کے ادلہ اربعہ کر سکتے ہیں کوئی اور شخص نہیں۔

کما قال الشيخ مُلا جيون: ان اصول الشرع ثلاثة..... الكتاب والسنة واجماع الامة..... واصل الرابع القياس. نور الانوار ص ۶ تقسیم اصول الشرع ص ۶

**نماز روزہ کی معافی کا بے بنیاد دعویٰ** | سوال :- ہمارے گاؤں میں ایک شخص اپنے

آپ کو پیر ظاہر کرتے ہوئے آیا ہے جبکہ وہ دارِ حرمی بھی منڈاتا ہے اور اعلانیہ کہتا ہے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے نماز روزہ معاف کر دیے ہیں کیا واقعی کسی آدمی سے نماز روزہ معاف ہو سکتے ہیں؟

**الجواب :-** اگر تو اس شخص کے دماغ میں فرق ہو یا پاگل پن میں صریحاً مبتلا ہو تو پھر اس کے کلام کا کوئی اعتبار نہیں اور اگر مذکورہ شخص صحیح العقل ہو کر ایسی بات کہتا ہے تو وہ زندقہ ہے اور اس سے اعتقاد و تعلق رکھنا حرام ہے بلکہ واجب القتل ہے۔

کما قال العلامة التفازانی: ولا یصل العبد مادام عاقلاً بالغاً الى حیث ليقط عنه الاسر والنهی لعموم الخطایات الواردة فی التکالیف واجماع المجتہدین علی ذلك الخ۔ (شرح العقائد ص ۱۱۹ ولا یصل العبد..... الخ) ص ۲

**مرشد کو کعبہ اور پیغمبر کہنا** | سوال :- ایک شخص اپنے مرشد کے متعلق کہتا ہے کہ میرا مرشد میرے لیے کعبہ و پیغمبر ہے، اس شخص کے ان الفاظ کا

لہ قال العلامة فخر الاسلام رحمہ اللہ: واصول الفقه الکتاب والسنة والاجماع والقیاس۔

رتوضیح والتلویح ص ۳۳

وَمِثْلُهُ فِي الْمَوْلَى عَلَى الْحَسَامِي ص ۷

لہ قال العلامة ابن عابدین: وتازعه فی نور العین بان ما ذکره من المعنی الوصفی هو معنا الوصفی اما العرفی الذی جرى علیه اصطلاح الملاحدة والقلت درمیه فهو ان جمیع الاشياء مباحة لك فالحق ان یکفر القائل ان کان من تلك الفئسة۔

رمہد المختار ج ۲ ص ۲۵۹ مطلب فی معنی درویش درویشان

وَمِثْلُهُ فِي النَّبْرِ اس ۵۶۲ اختلفوا فی ان نبوة النبی افضل ام ولایة

حکم کیا ہے؟

الجواب:- مندرجہ بالا الفاظ شریعت مقدسہ سے متصادم ہیں، لہذا جو طریقت اور اس کے الفاظ شریعت سے متصادم ہوں وہ مردود اور ناقابل قبول ہیں۔  
لما قال مجدد الف ثانی: کل حقیقۃ مادۃ الشریعة فہو ترنداقہ۔

(مکتوبات جلد ۱۱۱ دفتر اول، مکتوب ۲۳)

سوال:- ایک شخص اپنے پیر کے متعلق پیر کے بارے میں مبالغہ آمیزی سے کام لینا کہتا ہے کہ جب پیر کو تو نے قبول کیا تو اس میں خدا بھی ہے اور رسول بھی اور پیر کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے اور پیر خدا کا نائب ہے، ان الفاظ کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- اگر یہ الفاظ کسی عالم یا دیندار شخص سے صادر ہوئے ہوں تو ان کی تاویل کی جائے گی اور اگر کسی فاسق و فاجر سے صادر ہوں تو یہ مخالف الشریعت الفاظ ہیں اگرچہ طریقت میں استعمال ہوئے ہیں مگر مردود ہیں کیونکہ جو طریقت شریعت سے مخالف ہو وہ زندقیت ہے۔

لما قال مجدد الف ثانی: کل حقیقۃ مادۃ الشریعة فہو ترنداقہ۔

مکتوبات جلد ۱۱۱ دفتر اول مکتوب ۲۳

سوال:- بعض خواتین پیر سے پردہ نہیں کرتیں، کیا خواتین کا پیر سے پردہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- پردہ کے متعلق جو نصوص آئی ہیں وہ عام ہیں، پیر اور دوسرے محارم سب کو

۱۔ قال شاہ غلام علی دہلوی: آنکہ کمالات الہیہ در ہر خاندان بزرگ و بگیر ظہور نمودہ اندیکین معیار اینہا شریعت است۔ (مکتوبات شاہ غلام علی ص ۹۳ مکتوب ہفتاد و پنجم)  
وَمِثْلُهُ فِي قَطْبِ الْإِشْرَاقِ مَقْدَمَةٌ۔

۲۔ قال شاہ غلام علی دہلوی: آنکہ کمالات الہیہ در ہر خاندان بزرگ و بگیر ظہور نمودہ اندیکین معیار اینہا شریعت است۔ (مکتوبات شاہ غلام علی ص ۹۳ مکتوب ہفتاد و پنجم)  
وَمِثْلُهُ فِي قَطْبِ الْإِشْرَاقِ مَقْدَمَةٌ۔

شامل ہیں، تو اس وجہ سے دوسرے لوگوں کی طرح پیر سے بھی خواتین کے لیے پردہ کرنا ضروری ہے جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ غلطی پر ہیں۔

لما قال العلامة ابن نجيم: ولا ينظر من اشتهى الى وجهها الا الحاكم - والشاهد وينظر الطبيب الى موضع مرضها - (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹۲ کتاب الکراهية - فصل في النظر الى تصوف کے چار سلسلوں کا ثبوت | سوال :- بعض لوگ سلاسل اربعہ کا انکار کرتے ہیں کہ ان کی کوئی اصل نہیں، کیا واقعی ان سلاسل کا کوئی وجود ہے یا نہیں؟

الجواب :- سلاسل اربعہ (قادریہ، مہروردی، چشتیہ، نقشبندیہ) سے انکار بے معنی چیز ہے یہ تو حد تو اتر تک پہنچا ہوا اور مشائخ کا معمول ہے اور ان کا اپنی کتابوں میں باقاعدہ ذکر کیا ہے۔ لما قال شاہ ولی اللہ؟ وبعد از زمان این خانوادہا خانوادہ ہائے دیگر پیدا شدند چوں بامیہ قادریہ، اکبریہ، مہروردیہ، کبرویہ، اولیہ و خانوادہ نواجگان خانوادہ معینیہ کہ اجدائے طریقہ چشتیہ است و نقشبندیہ کہ اجدائے خانوادہ نواجگان است۔ (ہمععات ص ۱۵)

تصوف سے وابستہ نہ ہونے کی تشریح | سوال :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو تصوف سے وابستہ نہیں وہ فاسق ہے، حالانکہ بہت سے علماء تصوف سے وابستہ نہیں تو کیا وہ سب فاسق ہیں؟

الجواب :- جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو تصوف سے وابستہ نہیں وہ فاسق ہے، تو اگر تصوف سے ان کی مراد نفس بیعت مروجہ ہو تو یہ قول غلط ہے کیونکہ بیعت کرنا واجب نہیں بلکہ سنت

لہ قال العلامة فخرالدين الزيلعي: ولا ينظر من اشتهى الى وجهها الا الحاكم والشاهد وينظر الطبيب الى موضع مرضها - والاصل فيه انه لا يجوز ان ينظر الى وجه امرأة اجنبية مع الشهوة - (تبيين الحقائق ج ۶ ص ۱ کتاب الکراهية - فصل في النظر) ومثله في رد المحتار ج ۶ ص ۳۶ کتاب الخطر والاباحة - فصل في النظر - لہ قال العلامة الشکارپوری: ان الطرق الى الله كثيرة كالشاذلية والسهروردية والقادرية الى غير ذلك - (قطب الامشاد ص ۵۲۲ الفصل ان العلماء من المتكلمين والفقهاء والمحدثين الخ) ومثله في شفاء العليل ترجمه قول الجميل ص ۲ حکمت تکرار بیعت -



ہے اور اگر تصوف سے مراد تزکیہ باطن اور اجتناب عن المعاصی ہو تو پھر یہ قول صحیح ہے جیسا کہ اکابر نے بھی فرمایا ہے۔

كما قال العلامة ملا علی قاری عن امام مالک: من تفقہہ ولم یتصوف فقد تفسق  
ومن تصوف ولم یتفقہ فقد تندق ومن جمع بینما فقد تحقق۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۲۶ کتاب العلم۔ الفصل الثالث ۱۷

**سلاسل اربعہ حق پم ہیں** | سوال :- سلاسل اربعہ حق پر ہیں یا نہیں اور یہ کون کون سے سلاسل ہیں؟

**الجواب :-** وصول الی اللہ کے متعدد طرق ہیں ان میں سے بعض طرق و سلاسل آسان اور جلد انسان کو مقصود تک پہنچا دیتے ہیں اسی آسانی کے لیے مشائخ سے یہ طرق و سلاسل منقول ہیں مگر ان میں چار طرق و سلاسل برصغیر پاک و ہند میں زیادہ مشہور ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں :-

- (۱) الطریقۃ العالیۃ النقشبندیۃ : منسوب بہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند۔
- (۲) " " القادریۃ : " " شیخ عبد القادر جیلانیؒ۔
- (۳) " " الپشتیۃ : " " خواجہ معین الدین چشتیؒ۔
- (۴) " " السہروردیۃ : " " خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ۔

كما قال العلامة الشکارپوری: قال الشيخ العارف بالله ابو اسحق ابراہیم الی الطرق  
الی اللہ کثیرۃ کاشاذلیۃ والسہروردیۃ والقادریۃ الی غیر ذلک۔

(قطب الامر شاد ص ۵۴۴ الفصل ان العلماء من المتکلمین والفقہاء والمحدثین الخ)

لہ قال الامام عبد الوہاب الشعرانی: اجمع اهل الطريق علی وجوب اتخاذا لانسان له شیخاً  
یرشده الی زوال تلك الصفات الخ۔ (انوار القدسیۃ ص ۵)

وَمِثْلُهُ فِي تَفْسِيرِ الْمَظْهَرِي ج ۲ ص ۱۰۴

۲۷ قال انشاء ولی اللہ: وبالجملة خانوادہ بسیار بودند و بسیار خواہد بود و حصران یا معقول

ثم قال: وبعد از زمان این خانواد یا خانواد بلئے دیگر پیدا شدند چوں جامیہ، قادریہ،  
اکبریہ، سہروردیہ و سیرویہ خانوادہ خواجگان مینبہ کہ اجائے چشتیہ است در نیبہ  
و نقشبندیہ کہ اجائے خانوادہ خواجگان است۔ رہمعات ص ۱۳

وَمِثْلُهُ فِي شَفَاءِ الْعَلِيلِ تَرْجِمَهُ الْقَوْلُ الْجَمِيلُ ص ۱۳ حِكْمَتُ تَكَرُّرِ بَيْعَتِ -

**تصوف کے مراقبات اور اذکار کا حکم** | سوال :- سلسلہ نقشبندیہ میں جو لطائف سبعہ میں موجود نہ تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدعت ہیں، کیا نقشبندیہ سلسلہ کے لطائف سبعہ کا وجود ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** مرتبہ احسان حاصل کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہوتا ہے جس کا اشارہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث: ان تعبد الله كانك تراه الخ میں ملتا ہے، اب یہ مرتبہ ذکر الہی سے حاصل ہوتا ہے، تو بعض مشائخ نے جو اذکار مرتبہ احسان کے حصول کے لیے مقرر کیے ہیں وہ محض آلات ہیں جن سے یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور آلات و معالجات میں یہ ضروری نہیں کہ وہ منقول عن الشارع ہوں صرف یہ ضروری ہے کہ شریعت سے متصادم نہ ہوں اور لطائف سبعہ صرف آلات ہیں شریعت سے متصادم نہیں مشائخ کی کتابوں میں ان کا باقاعدہ تذکرہ موجود ہے۔

كما قال العلامة الشكارپوری: اعلم ان الله تعالى خلق في الانسان ستة لطائف بل عشرة نعمة منها من عالم الامر وهي القلب والروح والسر والحنفي ولاصغى والحنسة من عالم المخلق الخ (قطب الانشاد ص ۵۶۲ بیان اللطائف الستة) لہ

**ذکر سلطان الاذکار کا حکم** | سوال :- جناب مفتی صاحب! سلطان الاذکار کون سا ذکر ہے۔

**الجواب :-** لطیفہ قلبی کے ذکر کو جب سالک اپنے سارے جسم سے ذکر کرنے لگے نقشبندیہ سلسلہ کے مشائخ نے اسے سلطان الاذکار کہا ہے۔

كما قال العلامة الجلال آبادی: ثم يلاحظ اسم الذات في اللطيفة القلبية وهي جميع البدن و اذا غلب الذكر و احاط البدن كله حتى صامرا كل تحير

لہ قال شاہ غلام علی دہلوی رحمہ اللہ، طریق مشغولی بذکر حق سبحانہ، تعالیٰ یا توجہ بلطائف سبعہ تا دلائل حرکت ذکر پیدا شود اینست الخ۔

(مکاتیب شریفہ شاہ غلام علی ص ۱۲۱ مکتوب دوم)

وَمِثْلُهُ فِي تَفْهِيمَاتِ الْإِلَهِيَّةِ ج ۱ ص ۲۲۹ مَا مَعْنَى لَطَائِفِ السَّبْعَةِ -

من البدن ذكراً مثل القلب تسمى هذه الحالة سلطان الاذكار۔

(قطب الاسناد ص ۵۶۷ فی بیان اللطائف الستة) لہ

**غوث و قطب کے وجود کا حکم** | سوال :- صوفیاء کرام کے کلام میں قطب، غوث اور ابدال کے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں، کیا حدیث اور شریعت میں یہ مراتب موجود ہیں یا نہیں؟ اگر موجود ہیں تو ان کی تفصیل بیان کر کے مشکور فرمائیں؟

**الجواب :-** اولیاء اللہ کا وجود قرآن و حدیث سے ثابت ہے، مندرجہ بالا مراتب میں سے صرف ابدال کا ذکر صراحتاً حدیث میں موجود ہے، صحاح ستہ میں سے صرف ابوداؤد کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں ابدال الشام کا ذکر ہے جو کرام المؤمنین سیدہ حضرت ام سلمہ سے روایت ہے۔

عن نبی قال یكون اختلاف عند موت خليفة فيخرج من اجل من اهل المدينة هارماً الى مكة فياتي به ناس من اهل مكة فيخرجونه وهو كاره فيبايعونه بين الركن والمقام ويبعث اليه بعث الشام فيخسف بهم بالبيداء بين مكة ومدينة فاذا رأى الناس ذلك اتاه ابدال الشام الخ ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۳۳ کتاب السنن اول کتاب المہدی میں صراحتاً ابدال کا ذکر موجود ہے۔  
امام ولی الدین صاحب مشکوٰۃ کے مشکوٰۃ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مسند کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

عن شريح بن عبيد قال ذكر اهل الشام عند علي وقيل العنهم يا امير المؤمنين قال اتى سمعت رسول الله يقول الابدال يكونون بالشام وهم اربعون رجلاً كلماتهم

لہ قال العلامة محمد بن عبد الله الباقی رحمہ اللہ: فينتقل الى لطيفه الجسد وهي ان يذكر بتجمع الجسد مستحضراً لها في نظر القلب بطريق المشاهدة في الجميع ان تعبد الله كانتك تراه ولا يزال على ذلك حتى تصير جميع اجزائه تذكر بدتك ويعصل سلطان الذكر البهجة السنية في آداب الطريقة النقشبندية ص ۲۹



سجل ابدال الله مكارجلاً يُسقى بهم الغيث وينصر بهم الاعداء ويصرف من  
اهل الشام بهم العذاب - رواه احمد - (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۰ باب ذکر الیمن  
والشام الفصل الثالث)

باقی مراتب کا ذکر حدیث میں صراحتاً موجود نہیں ہے البتہ اشارۃً معلوم ہوتے ہیں،  
جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور ملا علی قاریؒ نے ابن عساکرؒ سے نقل کئے ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الله عز وجل في الخلق ثلاثمائة قلوبهم  
على قلب ادم و الله في الخلق اربعون قلوبهم على قلب موسى والله في الخلق سبعة  
قلوبهم على ابراهيم والله في الخلق خمسة قلوبهم على قلب جبرائيل والله في  
الخلق ثلاثة قلوبهم على قلب ميكائيل والله في الخلق واحد قلبه على قلب اسرافيل  
اخرجه ابن عساکر الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۲۴ - وايضاً ذکره ملا علی قاریؒ فی مرقاة  
ج ۹ ص ۳۵۶ جو کہ قطب، غوث، نقیبا کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ اور علمائے راسخین نے  
اس کو اسی طرح بیان کیا ہے لیکن یہ صرف عبدیت اور قرب کے مدارج ہیں نہ کہ عوامی  
ربوبیت کے مدارج۔ لہ

**متصرف کا حکم** | سوال: تصرف کیا ہے، کیا کوئی ولی یا پیر متصرف ہو  
سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** تصرف کے دو معنی ہیں، ایک تو عوامی معنی ہے کہ اولیاء اللہ کی  
قوت اور ان کا کام ہے، یہ معنی غلط ہے۔ دوسرا معنی شرعی اور اصطلاحی اور فن تصوف کا  
معنی ہے، ان میں تصرف سے مراد قوت تو تہ سے مختلف آثار پیدا کرنا ہے، تو اس سے  
تصرف اور متصرف دونوں صحیح ہیں۔

كما قال الشيخ اشرف على التهانوى: وحقیقة هذا التائید افاضة کیفیات خاصة

لہ قال العلامة ملا علی قاریؒ: قلت مهم الاقطاب فی الاقطار یاخذون الفيض من قطب  
الاقطاب المسمى بالغوث الاعظم فمهم بمنزلة الوزير تحت حکم الوزير الاعظم۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۹ ص ۳۵۵ کتاب الفتن - الفصل الثانی)

وَمِثْلُهُ فِي السَّائِلِ لِبْنِ عَابِدِينَ ج ۲ ص ۲۶۴

محمودة والقائنها في النفس آثار خاصة تتعدد حسب اختلاف المقاصد ويسمي هذا التأييد في عرف اهل التصوف تصرفاً وتوجهاً وهمة وجمع الخواطر۔

(بوادر النوار ص ۸) رسالة التعرف في تحقيق التصرف (لہ

**اصحاب القبور کا تصرف** | سوال :- جناب مفتی صاحب! اصحاب القبور کے تصرفات کا ثبوت ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر اصحاب القبور کے تصرفات سے مراد ان کی دعا، توجہات اور فیوضات ہوں تو پھر تو ان کا یہ تصرف موجود اور صحیح ہے ورنہ تصرف اصطلاحی تسلط قیسی ثابت نہیں بلکہ یہ شرک کی ایک قسم ہے۔

کما قال شاه ولي الله؟ ورا بنجا بوجه استم قدم زده است حضرت شيخ محي الدين عبد القادر جيلانيؒ گفته اند کہ در ايشان در قبر خود مثل احيا تصرف ميکنند۔

(رہمات ص ۶۱)

لما قال محمد بن سليمان الرضاوي: معنى البيت ان كرامات الاولياء حال كونهم في الدنيا لها وجود وثبوت وقوع اى حال حيا لترتهم وكذا بعد الموت بمعنى اكرامه في قبيرة احوال حضرت فيه وتوسيعه لاجمعي تفرقة في العالم كما يقصد جهلة العوام (نحبة الالاء شرح بدأ لامالي ص ۳)

**بعد الوفات اولياء اللہ کے تصرفات کا حکم** | سوال :- کیا بعد الوفات اولياء اللہ کا تصرف ثابت ہے یا نہیں؟

لہ قال شاه ولي الله (اجملاً) وللنقشبندية تصرفات عجيبه من جميع الهمة على مراد ذكروا على وفق الهمة۔ (شفاء العليل ترجمہ القول الجميل ص ۱۱۱ چھٹی فصل، تصرفات نقشبندیہ) وَمِثْلُهُ فِي قُطْبِ الْاِرْشَادِ ص ۶۰۵ و: للنقشبندية۔

لہ قال شاه ولي الله: وذلك لان شيخ عبد القادر له شعبة من السريان في العالم وذلك انه لما مات صار بهيئة الملاء الاعلى وتطبع فيه الوجود سارى في العالم كله۔

(تفهيمات الالهية ج ۱ ص ۱۱۱ تفهيم ص ۳۲)

وَمِثْلُهُ فِي اِمْدَادِ الْفَتَاوَى ج ۵ ص ۱۰۵ كتاب السلوك۔

الجواب :- اولیاء اللہ کے تصرف بعد الوفات سے مراد اگر تسلط غیبی وغائبانہ ندا ہو تو یہ صریح شرک ہے اور اگر اس سے مراد کوئی کرامت ہو تو بعد الوفات بھی اولیاء اللہ کی کرامات کے اثرات سے انکار بے معنی ہے۔

کما قال محمد بن سلیمان الحلبي الرضاوى: تحت قول الماتن، کرامات الولی بدار دنیا لها کون فهم اهل النوال - وحاصل معنی البیت ان کرامات الاولیاء حال کونہم فی الدنیا لها وجود وثبوت وقوع ای حال حیاتہم وکذا بعد الموت بمعنی اکرامہ فی قبرہ وحال حضرة فیہ وتوسیعة لا بمعنی تفرقة فی العالم کما یعتقدہ جمہد المعوام۔  
(نخبۃ اللآ فی شرح بداء الامالی ص ۳۷)

کرامات اولیاء بعد الموت کا حکم | سوالی پر بعض لوگ کرامات اولیاء بعد الموت کو شرک کہتے ہیں، کیا واقعی اولیاء اللہ کے لیے کرامات بعد الموت ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب :- کرامات اولیاء بعد الموت اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں محقق اور ثابت شدہ ہیں اور ان کا فعلاً ثبوت بھی پایا گیا ہے۔

لما قال محمد بن سلیمان الرضاوى: وحاصل معنی البت ان کرامات الاولیاء حال کونہم فی الدنیا لها وجود وثبوت وقوع ای حال حیاتہم وکذا بعد الموت بمعنی اکرامہ فی قبرہ۔ (نخبۃ اصلا فی شرح بداء الامالی ص ۳۷)

۱۔ قال العلامة عبد الغنی النابلسی رحمہ اللہ: (کرامات) ..... (الاولیاء) الاحیاء والاموات اذ الولی لا ینعزل عن ولائۃ بالموت الخ

(المحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية ج ۱ ص ۲۹۲)

وَمِثْلُهُ فِي رُوحِ الْمَعَانِي ج ۲۸ ص ۱۰۸

۲۔ قال العلامة عبد الغنی النابلسی رحمہ اللہ: (وکرامات الاولیاء) الاحیاء والاموات اذ الولی لا ینعزل عن ولائۃ بالموت کالنبی لا ینعزل عن تبوتہ بالموت -

(المحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية ج ۱ ص ۲۹۲)

وَمِثْلُهُ فِي رُوحِ الْمَعَانِي ج ۲۸ ص ۱۰۸



اولیاء اللہ کا مریدین کی مدد کرنے کا حکم | سوال :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ یا مرشد

نے مصیبت کے وقت اپنے فلاں مرید کی غائبانہ مدد کی، شریعت مقدسہ میں ایسے عقیدہ کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب :- اس قسم کے بعض واقعات کا جزوی طور پر رونا ہونا ثابت ہے جیسا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فضائل درود ص ۱۱۳ میں ذکر فرماتے ہیں، مگر اس کو عوامی عقیدہ نہیں بنانا چاہیے کیونکہ اس سے علم غیب کلی کا عقیدہ پیدا ہو جاتا ہے جو مفسد فی الشرک ہے۔

كما قال العلامة ابن نجيم: لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد ويكفر للاعتقاد ان النبي يعلم الغيب - (البحر الرائق ج ۳ ص ۸۸ کتاب النکاح) لہ

سوال :- کشف القبور کیسا علم ہے، کیا قبروں کے اندر دفن

ہے تو یہ علم سیکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی فرمائیے کہ کشف قبور علم غیب میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب :- کبھی کبھی قبور کا کشف انسان کو ہو جاتا ہے، یہ کوئی باقاعدہ علم نہیں بلکہ غیر اختیاری کیفیت ہو، ہے اسکی وجہ سے اس میں تعلیم و تعلم جاری نہیں ہو سکتا، اس کو علم غیب بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ کشف سے تعلق رکھتا ہے اور کشف ظن کا قاعدہ دیتا ہے علم جازم کا نہیں، مشائخ کی کتابوں میں اس کا باقاعدہ تذکرہ موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قبور کا کشف ہوا تھا جیسا کہ مشکوٰۃ میں باب عذاب القبر، فصل اول میں نقل کیا گیا ہے، اسی کے تحت ملا علی قاری مروتاۃ میں لکھتے ہیں :-

وهذا الحديث مثل قوله عليه الصلوة والسلام لو علمتم ما اعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا - وفيه ان الكشف بحسب الطاقة

لہ قال العلامة قاضی خان: لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد ويكفر للاعتقاد ان النبي يعلم الغيب - (فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۵۷ کتاب النکاح باب الشهادة) ومثله في مجمع الانهر ج ۱ ص ۳۲۲ کتاب النکاح -

ومن كوشف بما لا يسعه يطبع ويهلك. (مرقاة شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۲۶ کتاب الایمان) لہ  
**دوزخ کے لیے فنا کا حکم** | سوال :- بعض صوفیاء و اہل کشف کہتے ہیں کہ دوزخ آخر میں  
 فنا ہو جائے گی، کیا واقعی یہ سچ ہے؟

الجواب :- کشف کا معاملہ تو اہل کشف ہی بہتر سمجھتے ہیں مگر ظاہری نصوص سے تو  
 یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کو فنا نہیں بلکہ کفار کی تعزیر کے لیے ہمیشہ کیلئے رہے گی۔  
 كما قال العلامة عبدالعزيز پرہاروی: ذهب شرذمة قليلة من المسلمين  
 الى ان وهم بعض الكشف ثم قال بعد الكلام الطويل) وعليك بالكف عن طعنه۔  
 رنبراس ص ۳۶۱

سوال :- صفتِ جلالی اور جمالی کیا ہوتی ہے؟ اور  
**صفتِ جلالی و جمالی کا فرق** | ان کے مراقبہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- علماء صوفیاء نے صفتِ جلالی اور جمالی کی مختلف تعریفات کی ہیں، بعض  
 کہتے ہیں کہ جن صفات میں قہر و غصہ ہو وہ صفاتِ جلالی ہوتی ہیں اور جن صفات میں  
 نرمی و شفقت کا ذکر ہو ان کو جمال کہتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ صفاتِ باطن کو جلالی اور  
 باطن کو جلال کہتے ہیں اور ان صفات سے اخذ فیض کو مراقبہ جمال و جلال کہتے ہیں۔  
 كما قال قاضي محمد علي تھانوی: ودر کشف اللغات میگوید و نیز صفات باطن حق تعالی را جلال  
 گویند و ظاہر را جلال۔ رکشاف اصطلاحات الفنون جلد ۱ ص ۲۴۲

لہ قال العلامة الشکار پوری: وقالوا اذا دخل القبرة قوا بسورة انا نتحنا في ركعتين ثم يجلس  
 مستقبل المیت الخ۔ (قطب الارشاد ص ۵۵۵ الشغل العاشر)  
 ومثله في شفاء العليل ترجمہ القول الجمیل ص ۸۵ پانچویں فصل کشف القبور۔

لہ قال العلامة تھانوی: و به قال من الصوفية محي الدين ابن العربي رحمه الله  
 لكن هذا قول مردود۔ (تفسیر مظہری ج ۵ ص ۱۱)

لہ قال العلامة آلوسی: والصفات اما جمالية او جلالية ولاولى السبق كما يشير اليه حديث  
 سبقت رحمتي غضبي (روح المعاني ج ۱ ص ۵) بحيث في لفظ الاسم  
 ومثله في تفهيمات الالهية ج ۲ ص ۲۲۲

کائنات سے اللہ تعالیٰ کی معیت کی حقیقت | سوال :- اللہ تعالیٰ کی معیت کائنات کے ساتھ کس طرح ماننا صحیح ہے؟

معیّت ذاتی صحیح ہے یا معیّت علمی؟

الجواب :- اللہ تعالیٰ کے لیے کائنات کے ساتھ معیّت ذاتی و علمی ماننے میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ معیّت علمی سے خود معیّت ذاتی متحقق ہو جاتی ہے۔

لما قال ارشاد الله قاضي مبارک رحمہ اللہ: فالوجودات باثرها من حيث الوجود الرابطة معلومة وصور العلمية له تعالى فعلبه تعالى الاجمالي تلك الاشياء نفسه ذاته تعالى۔ (قاضي شرح السلم ۱۵) لہ

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا مسئلہ | سوال :- وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مسائل شریعت سے متصادم ہیں یا نہیں

اور ان دونوں میں کون سا صحیح ہے؟ بعض لوگ شرک کہتے ہیں۔

الجواب :- وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں کشفی مسائل ہیں، قلم

اور فتویٰ سے ان کا اظہار مشکل ہے لیکن تحقیق کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اور ان مسائل میں کوئی تضاد نہیں اور اقرب الصواب شہود معلوم ہوتا ہے۔ عند الشہودیۃ الصوفیۃ۔

لما قال مجدد الف ثانی: توحید قوم ہست شہودی و توحیدی و آنچه لابدست توحید شہودی ہست کہ فناد بان مربوط ہست و توحید شہودی با عقل و شرع مخالفت ندارد بخلاف وجودی۔

(مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اول مکتوب ۲۳ دفتر اول) لہ

لہ قال شاہ اسمعیل شہید: ومنہم من تظن بعلاقیہ القیومتہ بینہ (ای لاہوت) و

(ای الکتوات) علی نحو الابداع اکمل تظن۔ (العبارات ص ۲)

و مثله فی المکتوبات شاہ غلام علی دہلوی ص ۱۵ مکتوب ۶۸)

لہ قال العلامة قاضی ثناء اللہ بانی بٹی: و علی هذا التاویل هذه الآية تدل علی التوحید

الشہودی كما قال به المجدد رضی اللہ عنہ دون التوحید الوجودی۔

(التفسیر المظہری ج ۱ ص ۱۱۹ سورة البقرة)

و مثله فی مکاتیب شریفہ شاہ غلام علی دہلوی ص ۲۲ مکتوب ۷۔



**اصطلاح حقیقت المحمدی** | سوال :- بعض صوفیاء حقیقت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، اس اصطلاح کا استعمال

شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** حقیقت محمدی علیہ السلام جس کو یقین ثانی اور مرتبہ واحدیت بھی کہتے ہیں یہ سب کشفی امور ہیں اور شریعت سے متصادم نہیں بلکہ امت کے اکابر اولیاء اللہ نے اس مقام کا ادراک کیا ہے اور اس پر گفتگو کی ہے۔

کما قال مجدد الف تانی: در جواب گوئیم کہ حقیقت محمدی نہایت مقامات نزول محمد علیہ السلام است از اوج تنزیہ و تقدیس و حقیقت کعبہ نہایت مقامات عروج کعبہ است۔ (مکتوبات مجدد الف تانی جلد ۱ ص ۳۳۲ مکتوب ۲۰۹)

**استاد اور پیر کے حقوق کا حکم** | سوال :- ایک شخص کا استاذ بھی ہے اور مرشد بھی موجود ہے تو اس پر پیر کا حق زیادہ ہے یا

استاد کا؟

**الجواب :-** مرشد اور استاذ دونوں علم و عمل اور رشد و ہدایت کے ذرائع ہیں اس لیے دونوں کا حق برابر ہے، لہذا اگر پیر اور استاذ میں اختلاف ہو جائے کہ آدمی ان کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے اور اگر مجبور ہو جائے تو پھر حق کی اتباع کرے تاہم بعض اکابرین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کا درجہ استاذ پر مقدم ہے۔

کما قال مجدد الف تانی: منہا شرافت علم باندا زہ شرف ورتبہ معلوم است۔ معلوم ہر چند شریف تر علم آل عالی تر پس علم باطن کہ صوفیاء بان تماندا شرف باشد علم ظاہر کہ نصیب علمائے ظواہر است بر قیاس شرافت علم ظاہر بر علم حجامت و جیاکت پس رعایت آداب پیر کہ علم باطن لاه از واحد کنند باضعاف زیارۃ باشد از رعایت

لے قال العلامة فقیہ اللہ جلال آبادی: وثانیاً ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم سمی باسمین محمد ولایۃ ہذا الاسم ناشیۃ عن الاسم الہمی الذی بنا سب تربیۃ ہذا العالم السفلی وسمی بالحقیقۃ المحمدیۃ۔ (قطب الارشاد ص ۵۹۳ حقیقۃ الکعبۃ فوق حقیقۃ المحمدیۃ) وَمِثْلُهُ فِي رُوحِ الْمَعَانِي ج ۱ ص ۱۰۰ سُوْرَةُ الْبَقْرَةِ۔

آداب اہتمام علم ظاہر اور اشفاہہ نمایند و عتین رعایت آداب است از علم ظاہر بافتا  
زیارہ است از رعایت آداب استاذ جہام رحانگ۔ (بتدار و معاد ص ۱۱۶)

خواب میں خلافت شریعت حکم دیکھنا | سوال :- اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے خلافت شریعت

کام کا حکم فرما رہے ہیں تو اس پر عمل کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- صورت مذکورہ میں اگر ارشاد مبارک شریعت کے صریح مخالف ہو تو  
اس پر عمل نہیں کیا جائے گا اور اگر شریعت کے مخالف نہ ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

لما قال مجد دالف ثانی؛ ازیں قبیل است کہ بعضی در منامات حضرت پیغمبر علیہ السلام  
رانی بیند و بعضی احکام را اخذ می کنند کہ فی الحقیقتہ خلاف ان احکام متحقق است دریں صورت  
انقائے شیطان متصور نیست کہ مختار علماء عدم تمثیل شیطان است بصورت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام  
بہر صورتیکہ باشد پس دریں صورت نیست الا تصرف متخیلہ کہ غیر واقع و ناپندہ است۔

رکتوبات امام ربانی جلد ۱ ص ۲۱۵ مکتوب ۱۰۷

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں قربانی کرنے کا حکم دینا | سوال :- ایک عورت غریب  
ہے لیکن ذاکرہ اور شاغلہ ہے،

اس کا کہنا ہے کہ مجھے مراقبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوتی ہے، آپ نے مجھے  
مراقبہ میں قربانی کا حکم فرمایا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس عورت پر اب قربانی واجب  
ہے یا نہیں؟

الجواب :- خواب اور مراقبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ممکن ہے اور جو  
حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں اگر وہ خلافت شریعت حکم ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جائے  
گا اور موافق شریعت ہو تو اس پر عمل کرنا مناسب ہے کیونکہ یہ کشف کے مترادف ہے۔  
لہذا اگر یہ عورت اختیاری طور پر قربانی کرے تو اچھی بات ہے ورنہ اس پر قربانی واجب

لہ قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ؛ ولذا لم یعتبر احد من الفقہاء جواز  
العمل فی الفروع الفقہیۃ بما یظہر للصوفیۃ من الامور الکتفیۃ احوالات  
المنامیۃ۔ (مرقاۃ ج ۹ ص ۳۵۸ کتاب الفتن)

نہیں ہے۔

کما قال ملا علی قاری: ولذا لم يعتبر احد من الفقهاء جواز العمل في الفروع الفقيه بما يظهر للصوفية من الامور الكشفية او من حالات التامية۔  
(مرقاة ج ۹ ص ۳۵۸ کتاب الفتن)

**کشف پر عمل کرنے کا حکم** | سوال: کشف کی کتنی قسمیں ہیں، نیز کشف پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کشف کی دو قسمیں ہیں: (۱) مخالف شریعت (۲) اور موافق شریعت۔ پس موافق شریعت کشف پر تو صاحب کشف عمل کر سکتا ہے اور مخالف شریعت کشف مردود ہے اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا تاہم کسی غیر صاحب کشف کے لیے کشف دلیل نہیں بن سکتا۔

کما قال ملا علی قاری: ولذا لم يعتبر احد من الفقهاء جواز العمل في الفروع الفقيه بما يظهر للصوفية من الامور الكشفية او من حالات التامية۔  
(مرقاة شرح مشکوٰۃ ج ۹ ص ۳۵۸ کتاب الفتن)

**تصویر شیخ کا حکم** | سوال: سلسلہ تصوف میں پہلا سبق تصویری شیخ کا ہوتا ہے جبکہ بظاہر یہ خلاف شریعت معلوم ہوتا ہے، تو کیا تصویری شیخ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: سلسلہ تصوف میں تصویری شیخ جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اسے بطور علاج و دوا کے اختیار کیا جائے نہ کہ بطور ثواب کے، اس لیے کہ اس سے ڈاکر کھ فکر مجتمع ہو جاتی ہے اور تصویری شیخ کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت لے قال مجدد الف تانی؟ الہام مثبت حل و حرمت نہ بود و کشف ارباب باطن اثبات فرض و سنت نماید۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۱۵۶، ۱۵۵ مکتوب ۵۵)

لے قال مجدد الف تانی؟ الہام مثبت حل و حرمت نہ بود و کشف ارباب باطن اثبات فرض و سنت نماید ارباب ولایت خاصہ یا عامہ در تقلید مجتہد ان برابر اندک شوق و الہامات ایشان رامزیت نمی بختند۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۱۵۶، ۱۵۵ مکتوب ۵۵)



دل میں بیٹھ جاتی ہے جو تعلق مع اللہ کے بنیادی عوامل میں سے ہے۔

لما قال شاه ولي الله: قالوا والركن الاعظم ربطه القلب بالشيخ علي وصف المحبة  
والتعظيم وملاحقه صورته - (شفاء العليل ترجمہ القول الجلیل ص ۸۰ پانچویں فصل لہ

اولیاء اللہ کا اپنے مریدوں کی امداد کرنا | سوال :- بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اولیاء کرام  
اپنے مریدوں کی مشکل وقت میں امداد کرتے ہیں

اور عالم میں تصرف کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اگر ان لوگوں کا تصرف شیخ سے مراد صوفیاء کرام کا اصطلاحی تصرف ہے

تو یہ درست ہے کیونکہ اس قسم کا تصرف اصل میں غائبانہ دعا ہوتی ہے اور اگر تصرف  
سے مراد تسلطِ غیبی ہے تو اس کے لیے علمِ غیب کُلّی کی ضرورت ہوگی اور یہ عقیدہ رکھنا

شُرک ہے۔

قال العلامة ابن نجيم المصرى: لو تزوج بشفادة الله ورسوله لا يتعقد ويكفر

للاعتقاد ان النبي يعلم الغيب - (البحر الرائق ج ۳ ص ۸۸ کتاب النکاح لہ

شیخ کا مریدین کو بعض حلال چیزوں کے استعمال سے منع کرنا | سوال: جناب مفتی  
صاحب بعض شیوخ

(پیر) اپنے مریدین کو بعض ایسی چیزوں کے استعمال سے منع کرتے ہیں جو کہ شرعاً حلال ہوتی ہیں،

تو کیا ان حضرات کا یہ عمل درست ہے؟ اور مریدین کے لیے ایسے حکم کی تعمیل ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- شیخ اپنے مرید کی اصلاح نفس کے لیے اس کے مزاج کے موافق جو چاہے

تربیت کا حکم دیتا ہے مگر یہ حکم علاجاً ہوتا ہے شرعاً نہیں اس لیے بلا اعتقادِ حرام کے حلال

لہ قال العلامة الشکارپوری: واذا غاب الشيخ عنه يخيل صورته في خياله بوصف المحبة

والتعظيم فانه يفيد فائدة صحية - (قطب الارشاد ص ۵۵۸ الشغل العاشر)

ومثله في الكتاب البهجة السنية في آداب الطريقة العاية النقشبندية ص ۲۲

لہ قال العلامة قاضی خان: رجل تزوج امرأة بغير شهود فقال الرجل والمرأة خدائرا

وپیغامبر مراگواہ کریم قالوا يكون كفر لانه اعتقد ان رسول الله صلى الله عليه

وسلم يعلم الغيب - (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۳ باب ما يكون كفر من المسلم)

حلال چیزیں مریدین کیلئے استعمال نہ کرنا درست ہے اس حکم کی تعمیل میں کوئی گناہ نہیں بلکہ مرید کے لیے اپنے شیخ کے اس حکم کی بطورِ علاج تعمیل کرنا ضروری ہے، جیسے طبیبِ عاقل بعض اوقات مریض کی حالت دیکھ کر کسی حلال چیز کا کھانا اس پر بند کر دیتا ہے جس کے کھانے کو اس کی طبیعت زیادہ متمنی ہوتی ہے، یہی حالت کسی شیخ کے ایسے حکم کی ہوتی ہے۔

**حلاوتِ ذکر کا مسئلہ** | سوال :- ایک مسئلہ قابلِ پرس ہے وہ یہ کہ ذکر میں حلاوت حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے، مجھے ذکر کی حلاوت کیسے حاصل

ہو سکتی ہے؟

**الجواب :-** ذکر اللہ میں حلاوت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ فضیلتِ ذکر میں وارد آیات و احادیث کو سامنے مستحضر رکھ کر ذکر کیا جائے تو انشاء اللہ حلاوت حاصل ہوگی۔

**ترقی نہ ہونے کی صورت میں شیخ کی تبدیلی کا مسئلہ** | سوال :- حضرت مفتی صاحب

بندہ ایک پیر صاحب سے بیعت ہے، کئی سال ہو چکے ہیں لیکن کوئی ترقی نہیں ہوئی، فیض نہیں پہنچتا، باوجود اس کے کہ میں اپنے شیخ سے از حد محبت کرتا ہوں اور ان کے ساتھ عقیدت بھی بہت ہے، ان کی ہدایات پر عمل بھی کرتا ہوں۔ تو کیا میں روحانی ترقی اور فیضِ شیخ کے لیے اپنے شیخ کو چھوڑ کر کسی دوسرے شیخ سے بیعت کر سکتا ہوں یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر واقعی آپ کو اپنے شیخ سے عقیدت اور کمال محبت ہے اور ان کی ہدایات پر عمل کرنے کے باوجود آپ کو روحانی ترقی اور فیض نصیب نہیں ہوا تو مناسب یہ ہے کہ شیخ خود آپ کو کسی دوسرے اللہ والے سے بیعت کا مشورہ دے ورنہ بصورتِ دیگر آپ خود بھی ان کو چھوڑ کر کسی قطعِ شرعیٰ شیخ سے بیعت ہو سکتے ہیں، شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ: دوسرے شیخ سے رجوع اُس وقت کرے جب ایک معتد بہ مدت کے بعد بھی اپنے اندر اصلاح محسوس نہ کرے، اور اصلاح کے یہ معنی ہیں کہ دوائی معاصی کے مضمحل ہو جائے، لیکن شرط یہ ہے کہ شیخِ اول کی مجوزہ تدابیر پر پوری طرح عمل کر چکا ہو اور پھر بھی کامیابی نہ ہوئی ہو ورنہ وہ تو اس طرح کا مصداق ہو جائے گا کہ نسخہ تو پیا نہیں اور حکیم صاحب کی شکایت کہ ان کے علاج سے نفع نہیں ہوا۔

(انفاسِ عیسیٰ ص ۲۹ حصہ اول)

**مجاز ہونے کے لیے بیعتِ شیخِ ضروری نہیں** | سوال :- اگر ایک متبعِ شریعت شیخ کسی دیندار شخص کو بیعت لینے کی اجازت دے مگر یہ شخص اس شیخ سے بیعت نہیں، تو کیا اس شیخ کا اس شخص کو اجازتِ بیعت دینا صحیح ہے اور وہ شخص دوسروں سے بیعت لے سکتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ کسی شیخ کا مجاز ہونے کے لیے اس سے بیعت ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگرچہ عموماً کوئی مُرشد اس شخص کو بیعت لینے کی اجازت دیتا ہے جو خود اس سے بیعت ہو، لیکن اگر کبھی کسی دیندار اور صالح شخص کو اجازتِ بیعت دیدے تو یہ اجازت صحیح ہے اور یہ شخص دوسروں سے بیعت لے سکتا ہے۔

ہمارے اکابرین میں سے حضرت تھانویؒ نے حضرت عبدالرحمنؒ کا ملپوریؒ کو بغیر بیعت کے مجاز فرمایا تھا، جب آپ کو حضرت تھانویؒ کا اجازت نامہ ملا تو تھانویؒ نے بھون جا کر حضرت تھانویؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں تو آپ سے بیعت بھی نہیں ہوا ہوں پھر یہ اجازت نامہ کیسے؟ تو اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا اگر اجازت کے لیے بیعت شرط ہو تو آئیے اب بیعت کر لیتا ہوں۔ (مانوذاز ملفوظات فقیہ الامت جلد ۲ ص ۵۳ حصہ ۱۰)

**مسجد کی فضیلتِ خانقاہ پر** | سوال :- ایک مسجد کے قریب ہی خانقاہ بھی آباد ہے، پیر صاحب اور ان کے مُریدین مسجد کی بجائے خانقاہ ہی میں نماز پڑھتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ بہ نسبت مسجد کے خانقاہ میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ کیا شرعاً ان کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ اور کیا واقعی مسجد کی بجائے خانقاہ میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے؟

**الجواب :-** مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت احادیثِ مبارکہ میں کثرت سے وارد ہے خانقاہ کے بارے میں اس قسم کی کوئی فضیلت وارد نہیں ہوئی اور نہ ہی خانقاہ مسجد کے حکم میں ہے، اگرچہ وہاں اصلاح و تزکیہ نفس کا سلسلہ جاری رہتا ہے مگر تہا مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے خانقاہ میں نہیں۔ اس لیے ان حضرات کا یہ اعتقاد فاسد ہے شریعتِ مطہرہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوة الرجل فی الجماعة تصعف علی صلواتہ فی بیتہ و فی سوقہ خمساً و عشرين ضعفاً



وذلك انه اذا توضأ فاحسن الوضوء ثم خرج الى المسجد لا يخرج به  
الا الصلوة لم يحفظ خطوة الا رفعت له بها درجة وخط عنه بها  
خطيئة الخ - مشكوة المصابيح ص ۶۸ باب المساجد، الفصل الاول

کیا کسی شیخ سے بیعت ہونا ضروری ہے | سوال :- جناب مفتی صاحب! ہمارا ایک دوست  
کسی پیر صاحب سے بیعت ہو چکا ہے اور  
وہ ہمیں بھی ہرقت اس بات کی تلقین کرتا رہتا ہے کہ آپ لوگ بھی کسی پیر سے بیعت ہو جائیں۔  
اور اسے اپنا پیر بنالیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا کسی پیر کی بیعت کرنا شریعت میں  
ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- انسان کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن، ظاہر کی درستگی اور اس کے  
متعلق احکام شرعیہ کی تعبیر و تشریح جاننے کے لیے جس طرح ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا  
اور ان کی راہنمائی میں اپنی عبادات کو درست کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح باطن کی اصلاح اور اس  
سے متعلق دیگر امور کی درستگی کے لیے کسی تابع شریعت شیخ یا پیر کی بیعت کرنا درست ہے اس  
میں کوئی قباحت نہیں، لیکن یہ یاد رہے کہ یہ بیعت کوئی شرعی ضرورت نہیں بلکہ علاجاً ہے۔

لما فی امداد السلوک: پس اگر ساک عالم ہوگا تو وہ خود ہی ضروریات دین سے آگاہ  
ہوگا ورنہ ایسا شیخ ڈھونڈنا چاہیے جو اس کو اول توحید درست کرنے والے عقائد اور فقہی  
مسائل کی تعلیم کرے اور اس کے بعد مجاہدہ اور زہد و تقویٰ کا راستہ دکھائے۔ مثل مشہور ہے  
کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔ سو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جس کا کوئی رہنما  
نہ ہو یعنی نہ ذاتی علم رکھتا ہو کہ خود راستہ دیکھ سکے اور نہ مرشد کامل کی صحبت نصیب ہو کہ وہ  
راہ حق دکھادے تو ایسے شخص کو شیطان گمراہ بنا دیتا ہے۔ رمداد السلوک ص ۵۶ شیخ کی ضرورت

کسی نیک آدمی سے دعا کی درخواست کرنا | سوال :- اکثر یہ دیکھنے میں آتا رہتا ہے  
کہ بزرگان دین جب ایک دوسرے سے  
ملاقات کرتے ہیں تو ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی دعاؤں میں نہ بھولنا یا یہ کہ ہمارے حق

۱۔ لما قال العلامة ابن عابدین: وان صلتی فی مسجد حیہ منقرداً فحسن۔۔۔ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم  
لا صلوة لجار المسجد الا فی المسجد۔ رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۵ باب الامامة

میں دعا فرمائیں، تو کیا شرعاً دوسروں سے دعاء کی التجاء (درخواست) کرنا درست ہے یا نہیں؟  
**الجواب:**۔ اپنے لیے خود دعا کرنا یا دوسروں سے دعا کی درخواست کرنا شرعاً درست ہے، خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ سے دعا کے لیے فرمایا کرتے تھے۔ اس میں شرعاً کوئی اشکال و قیاحت نہیں اور نہ یہ اصول اسلام کے منافی ہے۔

ماقال شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد المدنیؒ، بہر حال جس قدر ہوانسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کی اصلاح اور ہدایت میں بلاطع کوشاں رہیں، دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، واقفین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۲، مکتوب ۶۶)

**سوال:**۔ بعض لوگ پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یا معین الدین اجمیریؒ کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں، تو کیا کسی پیر یا بزرگ کے نام کا وظیفہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ ورد اور وظیفہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ کافی ہیں، کسی پیر فقیر کے نام کو بطور وظیفہ لینا اور اس کو وظیفہ بنانا شرعاً جائز نہیں، اس لیے صورتِ مسئلہ کے مطابق ایسے وظائف سے اجتناب ضروری ہے۔

ماقال العلامة مفتی محمود حسن گنگوہیؒ؛ وظیفہ کے طور پر پیر صاحب کا نام لینا جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۵ ص ۹۱ باب السلوک)

**سوال:**۔ جناب مفتی صاحب! آج کل میرے ساتھ ایک عجیب معاملہ ہو رہا ہے وہ یہ کہ پہلے میں صوم و صلوة کا بہت پابند تھا، ہر نماز مسجد میں باجماعت پڑھتا تھا، مگر اب ہفتہ دو ہفتہ سے اچانک نماز میں رغبت کم ہونا شروع ہو گئی ہے، جماعت کے ساتھ تو بہت کم نمازیں نصیب ہوتی ہیں، تو اس کیفیت کا کیا سبب اور علاج ہو سکتا ہے؟

**الجواب:**۔ اس قسم کا ایک سوال حضرت گنگوہیؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ: "اعمال میں رغبت کی کمی کے تین اسباب ہیں (۱) ناجنس کی صحبت (۲) ناموافق غذا، (۳) معصیت کا صدور" اس لیے آپ بھی اپنے اوپر نگاہ ڈالیں کہ ان تینوں میں سے کونسا سبب آپ میں پایا جاتا ہے اس کو ترک کر دیں انشاء اللہ اعمال میں رغبت پیدا ہو جائے گی۔

**تصویر فنا فی الشیخ کی شرعی حیثیت** | سوال :- اہل تصوف کے ہاں ایک مسئلہ قاعدہ ہے کہ کوئی سالک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا

جب تک کہ اس کو فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل نہ ہو، تو گویا تصوف میں فنا فی الشیخ کو ترقی کا بنیادی درجہ حاصل ہے، اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

**الجواب :-** متصوفین کا یہ مسئلہ قاعدہ کہ فنا فی الشیخ کو ترقی درجات کے لیے بنیادی حیثیت حاصل ہے صحیح اور درست ہے، صحابہ ائمتہ نے اس کو جائز کہا ہے اور فرمایا ہے کہ بدون اس کے کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔

لما قال شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی: الغرض فنا فی الشیخ ہونا سلوک میں ضروری اور اقویٰ ذریعہ کامیابی ہے۔ حضرت شیخ الہند کے یہ الفاظ اور اس قسم کے دیگر جملے اسی فتائیت فی الشیخ کے مظاہر ہیں جو کہ حضرت شیخ الہند کے سلوک میں کمال کو بتلاتے ہیں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۳ ص ۲۲ مکتوب ۸۸) لہ

**سوال :-** جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقے میں ایک پیر صاحب ہیں جو اپنے مریدین اور متعلقین

کو حکم دیتے ہیں کہ آنکھیں بند کر کے ذکر کیا کرو، تو کیا ذکر کرنے کا طریقہ شرعاً یہی ہے یا آنکھیں کھول کر ذکر کرنا درست ہے؟

**الجواب :-** ذکر الہی ہر حال میں کرنا جائز ہے چاہے آنکھیں بند کر کے کیا جائے یا کھول کر، البتہ تصوف میں شیخ کے سامنے عامی (جاہل) شخص کو آنکھیں بند کر کے ذکر کرنا چاہیے اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے شیخ سے کوئی ایسا عمل سرزد ہوتے دیکھے جو بدظنی کا سبب بنے، اس لیے مذکورہ پیر صاحب کی بات علاجاً درست ہے۔

لما قال العلامة رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ: سوال: فنا فی الشیخ اور فی الرسول

کیا ہوتا ہے اور کہاں سے ثابت ہے اور اس کی نسبت صوفیاء کرام کیا فرماتے ہیں؟  
جواب: یہ دونوں لفظ اصطلاح مشائخ کے ہیں اتباع کرنا اور محبت کا غلبہ لوجہ اللہ تعالیٰ

ہوتا ہے اس کی اصل شرع سے ثابت ہے، فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ - (الآیۃ)

(فتاویٰ رشیدیہ، تالیقات رشیدیہ، ص ۱۹۸ کتاب السلوک)



**سوال :-** ایک اشکال کئی دنوں سے ذہن میں آ رہا ہے کہ انسان

**رضاء بالقضاء اور دعا کرنا** پر مصائب و آلام کا آنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور یہی اللہ کا حکم ہے تو چاہیے کہ وہ ان مصائب پر صبر کرے اور اللہ تعالیٰ کی قضاء پر رضامندی کا اظہار کرے مگر دوسری طرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس کے دفع کرنے کے لیے دعائیں شروع کر دیتا ہے۔ تو کیا یہ دعائیں رضاء بالقضاء کے منافی تو نہیں؟

**الجواب :-** انسان پر مصائب و آلام کا آنا اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی کے امر و ارادہ سے ہے انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ پر راضی رہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو برداشت کرنا چاہیے، چونکہ انسان بہت کمزور اور ضعیف ہے جس کی وجہ سے مصائب و آلام کے وقت اس کا فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے اس لیے شریعت مقدسہ نے اس کو دفع مصیبت کے لیے دعا کی تعلیم دی ہے کہ دعا اس طرح کرے کہ اے اللہ! مصائب کا آنا بھی تیری رحمت ہے اور ان کا دور کرنا بھی تیری رحمت ہے، ہم چونکہ بہت ناتواں اور کمزور ہیں، ان مصائب کو برداشت کرنے کی طاقت ہم میں نہیں اس لیے اپنے فضل و کرم سے ان مصائب کو، ہم سے دور فرما۔ اس قسم کی دعائیں کرنا رضاء بالقضاء کے خلاف نہیں البتہ جن دعاؤں میں جزع و فزع اور شکوہ و شکایت ہو تو وہ رضاء بالقضاء کے منافی ہونے کی وجہ سے ممنوع ہیں۔

لما قال الشيخ مولانا اشرف علی تھانوی : دعا کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی اجازت سے وہ چیز مانگتے ہیں جو ہمارے علم میں مصلحت و خیر ہو اگر آپ کے علم میں بھی وہ خیر ہے تو عطا کر دیجئے ورنہ نہ دیجئے، ہم دونوں حال سے راضی ہیں مگر اس رضا کی علامت یہ ہے کہ قبول نہ ہونے سے شاک اور تنگدل نہ ہو، دعا کرتا رہے دعا کرنا خلاف رضاء نہیں۔

(انفاس عیسیٰ حصہ اول ص ۲۳۴ رضاء بالقضاء)

**سوال :-** اگر کوئی شخص کسی کے بارے میں دوسرے شخص کے اشارہ و کنایت غیبت کرنا سامنے طنز یہ انداز میں یہ کہے کہ ہاں میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں! جبکہ مخاطب اس غائب شخص کی تعریف کر رہا ہو، تو کیا ایسا جملہ کہنا غیبت کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** فقہاء کرام نے غیبت کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص کی تعریف سن کر طنزاً جواب میں یہ الفاظ کہے جائیں کہ ہاں میں اس کو اچھی طرح

جانتا ہوں کہ وہ کیسا ہے، اس لیے اس قسم کے الفاظ سے اجتناب کیا جائے، ہاں اگر ایسے کلمات طنزاً نہ ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة المحصن: بغمزالعين والاشارة باليد وكل ما يفهم منه المقصود فهو داخل في الغيبة وهو حرام۔ (الدر المختار علی صدر المختار ج ۶ کتاب الکراہیۃ)

**پس پشتِ حقائق بیان کرنا بھی غیبت ہے** | سوال :- ایک آدمی چند لوگوں کے سامنے کسی ساتھی کی غیبت کر رہا تھا کہ حاضرین مجلس

میں سے کسی نے اس کو اس امر سے منع کیا تو اس نے جواباً کہا کہ میں تو حقائق بیان کر رہا ہوں یہ غیبت نہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کسی کے پس پشت اس کے متعلق واقعی اور حقیقی امور کو بیان کرنا غیبت میں داخل ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** ہر وہ بات جو کسی کے پس پشت بیان کی جائے اور وہ اس کو بُری لگے تو وہ غیبت میں داخل ہے اگرچہ وہ بات سچی ہی کیوں نہ ہو، اور کسی کے بارے میں اس کی عدم موجودگی میں بھوٹی بات بیان کرنا بہتان ہے جو ایک الگ کبیرہ گناہ ہے۔

لما قال العلامة المحصن: الغيبة ان تصف اخاك حال كونه غائباً بوصف يكرهه اذا سمعه۔۔۔ وعن ابی هريرة قال قال عليه الصلوة والسلام اتدون ما الغيبة؟ قالوا لله ورسوله اعلم، قال ذكرك اخاك بما يكره قيل افرايت ان كان في اخي ما اقول؟ قال ان كان فيه ما تقول اغتبتته وان لم يكن فيه فقد بهتته۔ (الدر المختار علی صدر المختار ج ۶ کتاب الکراہیۃ)

**ربط قلب بالشیخ کی وضاحت** | سوال :- جناب مفتی صاحب! اہل تصوف کے ہاں "ربط قلب بالشیخ" کی اصطلاح مستعمل ہے،

اس کا معنی اور مطلب کیا ہے؟ مہربانی فرما کر اس اصطلاح کی وضاحت فرمائیں تاکہ دل

لہ عن ابی هريرة رضي الله عنه قال قيل يا رسول الله ما الغيبة قال ذكرك اخاك بما يكره قال رأيت ان كافيه ما اقول قال ان كان فيه ما تقول فقد اغتبتته وان لم يكن فيه ما تقول فقد بهتته۔ (الجامع الترمذی ج ۲ ص ۱۵۲ باب ماجاء في الغيبة) ومثله في العرف الشذی علی الترمذی ج ۲ ص ۱۵۲ باب ماجاء في الغيبة۔

کو تسلی ہو سکے؟

**الجواب:** متصوفین کے ہاں ربط قلب با شیخ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دل کو شیخ کی طرف اس طرح متوجہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فیضانِ رحمت شیخ (مرشدِ حقانی) کے قلب پر سہور ہا ہے وہ اس کی طرف بھی متوجہ ہو یعنی شیخ کی وجہ سے میرے دل پر بھی یہ فیضان نازل ہو جائے۔

**سوال:** جناب مفتی صاحب! ہم اکثر یہ سنتے رہتے ہیں **قلند اور مجذوب کا مطلب** کہ اولیاء اللہ میں سے فلاں قلندر ہے، فلاں مجذوب ہے اور فلاں فلاں قلندروں کی جماعت ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ان دونوں اصطلاحات کا کیا مطلب ہے؟

**الجواب:** صوفیاء کی اصطلاح میں وہ جماعت قلندر کہلاتی ہے جن کے اعمالِ قلبیہ یعنی ظاہری اعمال تو کم ہوتے ہیں مگر اعمالِ قلبیہ ان کے بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اعمالِ قلبیہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست رکھا جائے، قلب کی نگہداشت کی جائے کہ وہ غیر حق کی طرف متوجہ نہ ہونے پائے بلکہ اکثر اوقات قلب کو ذکر و شغل میں محفوظ رکھا جائے، نیز قلب میں کسی مسلمان کی طرف سے غل و حقد رکینہ و حسد نہ ہو سب کے ساتھ خیر خواہی ہو، نیز حقوقِ وقت ادا کئے جائیں کہ کوئی وقت ذکر سے خالی نہ جاوے نیز غمی و خوشی کے حقوق ادا کیے جائیں، نعمت ملنے پر شکر ادا ہوتا رہے، حزن و غم میں دل خدا تعالیٰ سے راضی رہے، اس کے علاوہ اور بہت سے اعمالِ قلبیہ ہیں۔ (شریعت و طریقت ص ۳۲۲)

قصہ مختصر قلندر وہ شخص ہوتا ہے جو ظاہری اعمال کی بجائے اعمالِ قلبیہ پر زیادہ توجہ دے۔

اور مجذوب وہ ہوتا ہے کہ جس کی عقل کسی واردِ عیبی کے غلبہ سے زائل ہو جائے مگر کبھی کبھی احوال و واردات کے غلبہ سے اخلاط میں بھی تغیر ہو جاتا ہے اس لیے علت سے تو اس کی پہچان مشکل ہے (البتہ) مجذوب کے پاس بیٹھ کر قلب کو آخرت کی طرف کشش ہوتی ہے، علامت (اس کی) یہ ہے کہ اس زمانہ کے اہل بصیرت اس شخص پر نگیں نہ کرتے ہوں۔ (شریعت و طریقت ص ۳۲۳)



## الصوفی لامذہب لہ کی وضاحت | سوال بہ جناب مفتی صاحب! الصوفی

لامذہب لہ کا کیا مطلب ہے؟ بظاہر تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صوفی غیر متقلد اور لامذہب ہوتا ہے، حالانکہ بہت سارے صوفیاء کرام شافعی مسلک ہوتے ہیں اور بہت سارے حنبلی، مالکی اور حنفی ہوتے ہیں؟

الجواب: حکیم الامت حضرت تھانویؒ "انفاس عیسیٰ" میں مذکورہ مقولہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "الصوفی لامذہب لہ" اس کا یہ مطلب نہیں کہ صوفی لامذہب ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ محتاط ہوتا ہے اور ہر مسئلہ میں احتیاط کی جانب کو اختیار کرتا ہے، ورع و تقویٰ اسی کا نام ہے۔ ہمارے فقہاء کرام نے بھی اس کی تصریح کی ہے رعایۃ الخلاف والمخروج منہ اوٹی مالم یر تکب مکروہ مذہبہ کہ اختلاف سے نکلنا مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ ہو" (انفاس عیسیٰ ص ۲۸۳ ارشادات)

## سیرالی اللہ و سیر فی اللہ کا مطلب | سوال بہ جناب مفتی صاحب

دارالعلوم حقانیہ اہلندہ کو تصوف سے متعلق ایک مسئلہ درپیش ہے وہ یہ کہ سیرالی اللہ و سیر فی اللہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا مہربانی فرما کر تصوف کی ان دونوں اصطلاحات کی وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب: صورتِ مشولہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:- "تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں، ایک سیرالی اللہ یہ تو محدود ہے، ایک سیر فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیرالی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہاں تک کہ امراض سے شفاء ہوگئی اور ذکر و شغل سے تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہو گیا، یعنی تخلیہ و تحلیہ کے قواعد جان گئے، موانع مرتفع کر دیئے، معالجہ امراض سے واقف ہو گئے، نفس کی اصلاح ہوگئی، اخلاقِ ردیلہ زائل ہو گئے، اخلاقِ جمیدہ اور انوار ذکر سے قلب آراستہ ہو گیا، اعمالِ صالحہ کی رغبتِ طبیعت بن گئی، اعمال و عبادت میں سہولت ہوگئی، نسبت و تعلق مع اللہ حاصل ہو گیا تو سیرالی اللہ ہوگئی۔ اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات و ذات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا، تعلق سابق میں ترقی ہوئی، اسرار و حالات کا ورود ہونے لگے، یہ غیر محدود ہے" (اور یہ سیر فی اللہ ہے)

(شریعت و طریقت ص ۳۶)

استغفارنا محتاج الی استغفار کثیر کا مطلب | سوال :- جناب مفتی صاحب اعمیر میلاد النبی

کے موقع پر ایک واعظ صاحب سے کسی بزرگ کا ایک مقولہ سننے میں آیا کہ ہمارا استغفار بہت سارے استغفار کا محتاج ہے۔ مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، آپ مہربانی فرما کر مجھے اس مقولہ کا مطلب سمجھا دیں؟

الجواب :- یہ مقولہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جو استغفار کرتے ہیں صرف رسم پوری کرنے کے لیے استغفار کے الفاظ استعمال کرتے ہیں دل سے اس گناہ کو چھوڑنے کا کوئی ارادہ یا قصد نہیں ہوتا بلکہ اندر ہی اندر اس گناہ کو بار بار کرنے کا قصد ہوتا ہے اور یہ استغفار کی صورت ہے جو خود ایک عظیم گناہ ہے۔ تو اس قسم کے استغفار کے بارے میں ہی آپ نے فرمایا کہ استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر کہ ہمارا استغفار کثیر استغفار کا محتاج ہے۔

سوال :- دل میں روشنی اور نور کیسے پیدا ہو سکتا ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں؟

الجواب :- عبادات کرنے اور محرمات و معاصی سے دور رہنے سے دل میں نور ایمانی پیدا ہوتا ہے اور منہیات کے کرنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے، لہذا دل کو نور ایمانی سے روشن کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ عبادت الہی کی طرف زیادہ توجہ دیں اور منکرات سے اپنے آپ کو بچائیں انشاء اللہ دل روشن ہو جائے گا۔

سوال :- جناب مفتی صاحب اچھے ریاکاری کے خوف سے نوافل وغیرہ کو ترک کرنا

نوافل پڑھنے اور ذکر اذکار کا بہت شوق ہے مگر اس لیے ترک کر دیتا ہوں کہ کہیں لوگ یہ نہ کہنا شروع کر دیں کہ بہت بڑا عبادت گزار ہے اور میرے اندر کہیں ریاکاری نہ پیدا ہو جائے۔ تو کیا میرا اس طرح کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- عبادات میں ریاکاری اگرچہ بہت بڑا گناہ ہے ایک مسلمان کو حتی المقدور اس سے بچنا چاہیے، مگر ریاکاری کے خوف سے نیک عمل کو ترک کرنا بھی کوئی عقلمندی کا کام



نہیں۔ اس لیے جو نیک عمل (نفل و ذکر و ذکر کار) آپ صرف اس وجہ سے ترک کرتے ہیں کہ کہیں اس میں ریاکاری نہ پیدا ہو جائے بالکل نامناسب اور خلاف شرع عمل ہے، آپ کو جب بھی عبادت کا شوق پیدا ہو فوراً نوافل اور اذکار میں مشغول ہو جانا چاہیے۔

سوال :- ایک صاحب سے میرے تعلقات سے بات چیت نہ کرنے پر وارد و عید ختم ہو جاتی ہے۔  
 اس حد تک کشیدہ ہیں کہ میں اس کے ساتھ کلام بھی نہیں کرنا چاہتا مگر حدیث شریف

میں وارد و عید سے بھی ڈرتا ہوں، مجھے کوئی ایسی تدبیر بتائیں کہ میری اس کے ساتھ زیادہ گفت و شنید بھی نہ ہو اور اس و عید سے بھانج جاؤں؟

الجواب :- کسی مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بلا عذر شرعی باتیں نہ کرنا جائز نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر کے طویل وقت تک گپ شپ لگائیں اور اس کے ساتھ آتا جانا، اٹھنا بیٹھنا ہو بلکہ صرف سلام کرنے پر کلام کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ لہذا اگر آپ اس شخص کے ساتھ کسی شرعی عذر کی بنا پر بات چیت کرنا نہیں چاہتے تو نہ کریں صرف سلام کرنا ہی کافی ہے اس سے بھی آپ کا ذمہ فارغ ہو جائے گا، طویل وقت تک گپ شپ لگانا اور گفت و شنید کرنا ضروری نہیں۔

سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل خانقاہی نظام میں ایک عام دستور ہے کہ جب کوئی پیر عمر رسیدہ ہو جاتا ہے تو وہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر کے اپنے مریدین اور اجاب و اقارب کی موجودگی میں اس کی دستار بندی کرتا ہے اور اس سلسلے میں بڑی دھوم دھام سے ایک تقریب منعقد کی جاتی ہے۔ تو کیا اسلام میں کسی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی اہل شخص کو اپنا جانشین مقرر کرنا اور اس کو خلافت سے نوازنا کوئی خلاف شرع عمل نہیں، اسلامی تعلیمات میں اسکی گنجائش موجود ہے۔ ایک روایت کے مطابق جسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اپنی خلافت اور جانشینی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جس کو جانشین یا خلیفہ مقرر کرنا مقصود ہو اس میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہوں جن کا ایک قبیح سنت مصلح یا پیر و مرشد میں پایا جانا ضروری ہے جس میں اہلیت نہ ہو اسلام نے اس کو خلافت دینے اور جانشین بنانے



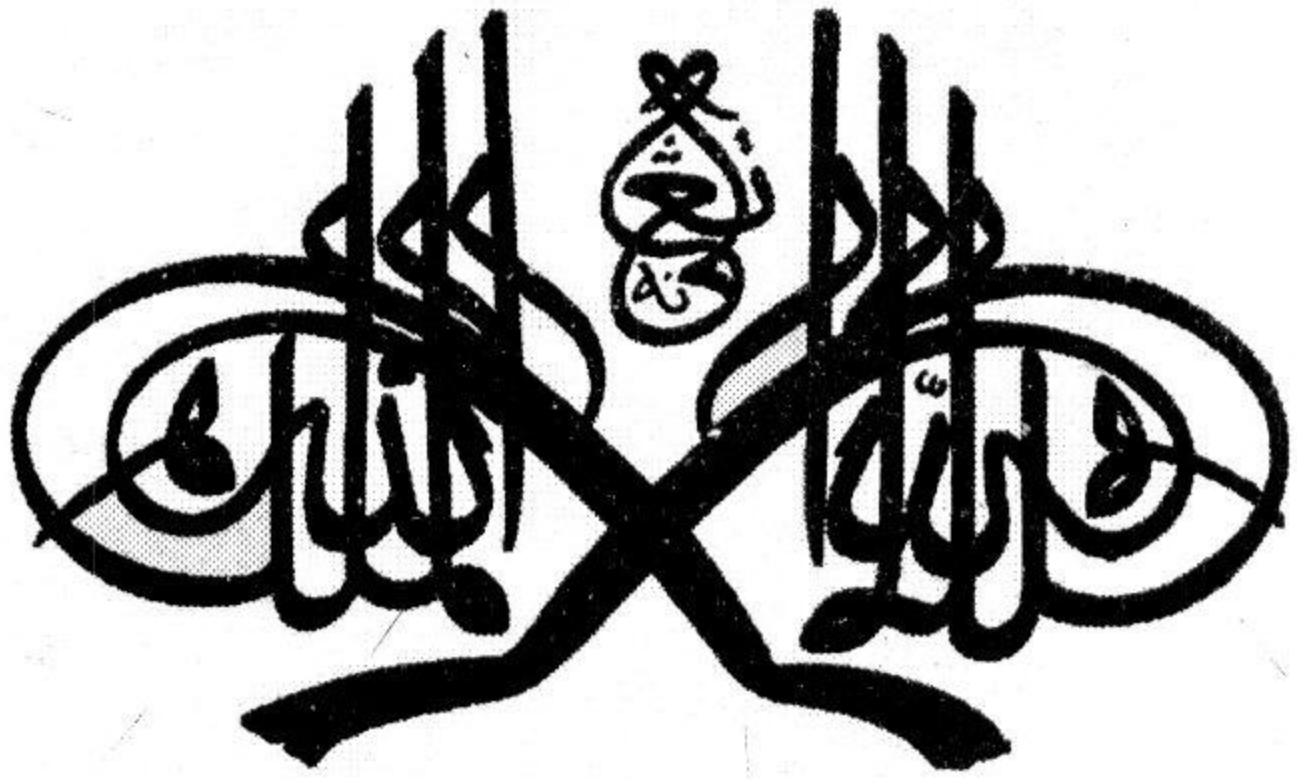
کی اجازت نہیں دی ہے، آجکل اکثر نااہل لوگوں کو خلافت سے نوازا جاتا ہے جو کہ بے دینی اور فساد کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

لما قال العلامة اشرف علی المتقانونی: اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ وہ ابقاء فیض اور اجراء سلسلہ کیلئے اپنے اتباع میں سے کسی کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کر دیتے ہیں، ایک کو یا متعدد کو، کبھی جیات میں اور کبھی بقیہ اپنی وفات کے، مگر مقصود ان سب سے ضرورتوں کا مشترک و متحد ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ شخص اہل ہو، حدیث شریف سے اس کی اصل ثابت ہوتی ہے کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی امر میں گفتگو کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ پھر آنا، اس نے عرض کیا کہ اگر اس وقت آپ کو نہ پاؤں تو؟ مراد اس کی یہ تھی کہ اگر آپ کی وفات ہو جائے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو مجھ کو نہ پاے تو ابوبکرؓ کے پاس چلی جانا۔ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور اب جو خلافت و سجادہ نشینی کا طریق متعارف ہو گیا ہے کہ کبھی شیخ کی جیات میں اور کبھی بعد وفات سلسلہ کے لوگ جمع ہو کر شیخ کے اقارب یا خدام میں سے جس کو زیادہ اختصاص دیکھا، گو وہ اختصاص ذمیوی ہی ہو اور گو اس میں اہلیت نہ ہو دستار بندی کر دیتے ہیں۔ یہ بالکل طریقہ کا فساد اور طالبین کی راہزنی اور عوام کی اضاعت دنیا و دین ہے۔ امام مالکؒ نے روایت کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس عہدہ (خلافت) کو ایسے شخص کے حوالہ نہیں کرتا جو اس کا اہل نہ ہو، البتہ ایسے شخص کے لیے تجویز کرتا ہوں جس کی رغبت اہل اسلام کی توقیر کی طرف ہو، سو یہ لوگ یہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس حدیث سے نااہل کو خلیفہ بنانے کا ابطال ثابت ہوتا ہے۔

(شریعت و طریقت ص ۲۲۳ باب پنجم متفرقات)









# کتاب التیاسة

## (سیاست کے احکام و مسائل)

سیاست کی حقیقت اور اس کا حکم | سوال :- سیاست کسے کہتے ہیں؟ شرعاً  
سیاست میں حقہ لینا کیا حکم رکھتا ہے؟ کیا حضور

صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کبھی سیاست میں حقہ لیا تھا یا نہیں؟  
الجواب :- سیاست کا معنی اور مفہوم لغت کی کتابوں سے یوں معلوم ہوتا ہے :-  
”پاس داشتن ملک و حکم راندن بر رعیت“ (شمس اللغات ص ۳۶۶)

”السیاسة“ القیام علی الشئ بما یصلحہ۔ والسیاسة فعل السائل یقال ہو یسوس  
الدواب اذا قام علیہا وراضیہا۔ والوالی یسوس رعیتہ۔ (لسان العرب ج ۶ ص ۴۲۹، ۴۳۰)

ان تعریفات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیاست ایک ایسا فن ہے جس کے ذریعے ملک اور  
قوم کی بہتری کے بارے میں سوچا جاتا ہے، اگرچہ موجودہ دور کے نام نہاد جمہوریت پسندوں  
کی دوغلی پالیسی اور دجل و تبلیس نے سیاست کا میدان ایسا بدنام کر رکھا ہے کہ جس کی وجہ سے کسی  
شریف اور باعزت شخص کے لیے اس میں قدم رکھنا موجب ملامت سمجھا جاتا ہے، لیکن اس کے  
باوجود شرعی نقطہ نظر سے اسلامی سیاست کا منشاء یہ ہے کہ ملک اور قوم کو ایسا منظم نظام چسپا  
ہو کہ جس پر چلنے سے انسان کامیابی سے ہمکنار ہو جائے اور اسی مقصد کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ  
نے متعدد انبیاء کرام بھیجے کہ وہ انسانوں کو ایسی تعلیمات دیں کہ جن پر عمل کر کے انسان دنیا اور  
آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

دین و مذہب انسان کے عقائد سے لے کر سیاسیات کے میدان تک اصلاح کا تقاضا کرتا ہے  
میں سیاست چونکہ دنیوی نظام ہائے حیات سے متعلق ہے اس لیے یہ شریعت کا مستقل موضوع ہے۔  
شارح قانون اسلام علامہ ابوالحسن الماوردی فرماتے ہیں: ”الامامة موضوعة لخلافة النبوة فی  
حراسة الدین وسیاسة الدنیا“ (الاحکام السلطانية ص ۲۲ الباب الاول فی عقد الامامة ص ۱۴۰)  
”السیاسة“ استصلاح الخلق بادشادهم الی ما فیہ مصلحتهم۔ النهج المتبع فی تدبیر مرفق من  
مرفق الحیاة العامة۔ تدبیر المعاش مع العموم علی طریق العدل۔ (لاروس ص ۶۸۴)

یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کی تعلیمات میں سیاست ایک متنقل شعبہ رہا ہے، حدیث میں ہے:  
 عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال كانت بنو اسرائیل تسوسہم الانبیاء کلما ہلک نبی  
 خلفہ نبی و انہ لابی بعدی و ستکون خلفاء فتکثرون قالوا فما تا مرنا یا رسول اللہ  
 قال فوا ببیعۃ الاول فالاول واعطوہم حقہم فان اللہ سائلہم عما استرعاہم۔  
 وقال الامام النووی فی شرح المسلم تحت ہذا الحدیث: "قولہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 كانت بنو اسرائیل تسوسہم الانبیاء کلما ہلک نبی خلفہ نبی" ای یتولون امورہم  
 کما یفعل الامراء والولاة بالرعیۃ۔" والسیاسة القیام علی الشئ بما یصلیہ۔  
 (النووی شرح المسلم ج ۳ کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلیفۃ)

سیاست ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ انسان منصبِ خلافت پر فائز ہوتا ہے اور یہ  
 عمل خود سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔

مندرجہ ذیل آیت کریمہ "وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا" (سورۃ الاسراء آیت ۸۰) کی تفسیر  
 میں مفسرین حضرات یوں فرماتے ہیں :-

قال الامام طبری: واجد لی ملکاً ناصرًا یتصر فی علی من ناوانی و عندا اقیم بہ  
 دینک و ادفع بہ عنہ من ارادہ بسوید۔ (جامع البیان ج ۹ سورۃ بنی اسرائیل)  
 وقال الامام شہاب الدین الالوسی البغدادی: "وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطٰنًا  
 نَّصِيْرًا" بنی اسرائیل و علم نبی اللہ انہ لا طاقت لہ بہذا الامر الا بسطان فسأل  
 سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا لکتاب اللہ تعالیٰ و حدودہ و قرآنہ فان السلطان عذۃ من اللہ  
 عزوجل جعلها بین اظہر عبادہ لولا ذلک لا غار یعضہم علی بعض و اکل شدیداً  
 ضعیفہم۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۲۲ سورۃ بنی اسرائیل) لہ

**سوال :-** موجودہ دور کی سیاست میں حصہ لینا اور اس کے  
 مروجہ سیاست میں الجھنا لیے جدوجہد کرنا شرعاً کیسا ہے؟

لہ وقال الامام بیضاوی: وكذلك کل نبی استخلفہم فی عمارة الارض و سياسة الناس و تکمیل  
 نفوسہم و تنفيذ امرہ فیہم۔ (تفسیر بیضاوی شرح ص ۶۲، ۶۳ سورۃ بنی اسرائیل)  
 ومثله فی تفسیر ابن کثیر ج ۳ بنی اسرائیل و فی تفسیر مظہری ج ۵ ص ۲۸۲ سورۃ بنی اسرائیل۔

**الجواب:** موجودہ دور میں لوگ سیاست میں مختلف مقاصد کے حصول کے لیے حصہ لیتے ہیں، بعض لوگ تو اپنی سیاسی دوکان چمکانے کے لیے متحرک نظر آتے ہیں جبکہ بعض لوگ غیر شرعی نظام ہائے زندگی مثلاً سوشلزم، نیشنل ازم، کیپیٹلزم وغیرہ کے لیے محنت کرتے ہیں اور بعض لوگ علاقائی یا قومی تعصبات کی سیاست میں ہی اپنی بقاء سمجھتے ہیں، ان مقاصد کے حصول کے لیے سیاست میں حصہ لیتا اور ان کے لیے جدوجہد کرتا یقیناً سعی لا حاصل کے مترادف ہے جبکہ اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے کوشش کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، اس لیے اگر ایک شخص ایسے بے دینی نظام کی ترویج و اشاعت کے مقابلہ میں اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے جدوجہد کرتا ہے تو یقیناً یہ مستحسن اقدام ہے بلکہ بے دینی کی یلغار کے مقابلہ کے لیے اپنی طاقت اور ہمت کے مطابق اس میدان میں حصہ لیتا علماء کرام کے فرائض منصبی کا حصہ ہو کر عظیم جہاد ہے۔

لما قال عليه الصلوة والسلام: عن ابي سعيد الخدري عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ان من اعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر۔

(ترمذی ج ۲ ص ۲۱۰ ابواب الفتن) لہ

البتہ جہاں کہیں علماء کرام بجائے کسی اصلاحی پہلو کے تو کسی غیر شرعی سیاست کا شکار ہو کر اپنے دینی تشخص کو کھو بیٹھیں تو ایسی حالت میں اپنے دینی تشخص کا تحفظ کرنا علماء کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

لما قال الله تبارك وتعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَصْرِفْكُمْ مَن ضَلَّ إِذْ أَهْتَدَ يُتِمُّ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (المائدة آیت ۵۱)

لہ وقال العلامة ملا علی قاری رحمہ اللہ، تحت هذا الحديث: افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر؛ وقال المظہر وائما كان افضل لان ظلم السلطان يسرى في جميع من تحت سياسته وهو جمر غفير فاذا انهاه عن الظلم فقد اوصل النفع الى خلق كثير بخلاف قتل كافر۔ (مرقاة المفاتيح ج ۲، کتاب الامارة والقضاء الفصل الثاني) ومثله في ابي داود ج ۲ ص ۲۱۰ کتاب الملاحم۔ ب۔ الامر والنهي۔



**امارت شرعی کے قیام کا حکم | سوال :-** پاکستان میں مختلف پارٹیاں انتخابات میں حصہ

لیتی ہیں جن میں ہر پارٹی کا نقطہ نظر الگ ہوتا ہے، اور بعض پارٹیاں تو کامیاب ہونے کے بعد نظام ہائے غیر شرعی کے نفاذ کی کوششیں کرتی ہیں جبکہ دینی جماعتیں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے انتخابات میں حصہ لیتی ہیں۔ تو اب اہل پاکستان خصوصاً مسلمانوں پر شرعی نقطہ نظر سے کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ملک میں اسلامی خلافت یا جمہوری نظام کے قیام کی حامی پارٹیوں میں سے کس پارٹی کو کامیاب کریں؟

**الجواب :-** تمام مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ کسی ایسی پارٹی کو برسر اقتدار لائے جو عملاً نظام اسلام کو ملک میں نافذ کر سکے۔ شرعی نظام میں خلیفہ کی بڑی ذمہ داریاں یہ ہیں: احکام الہی کا عملاً نفاذ کرنا، حدود اور قصاص کو جاری کرنا، جمعوں اور عیدین کی نمازوں کو قائم کرنا، ملکی سرحد کی حفاظت کرنا، اسلامی لشکروں کو منظم کرنا، ڈاکوؤں اور قطاع الطریق کا قلع قمع کرنا، عوام کے جھگڑوں اور منازعات کو حل کرنا۔ شرعی نقطہ نظر سے سب مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسی خلافت کے قیام میں تعاون کریں ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

لما قال الامام سعد الدين تفتازاني: ثم الاجماع على ان نصب الامام واجب انما الخلاف في انه يجب على الله او على الخلق بدليل سمعي او عقلي والمذهب انه يجب على الخلق سمعاً لقوله عم من مات ولم يعرف امام زمانه فقد مات ميتة جاهلية۔  
شرح العقائد النسفية ص ۱۱۱ الخليفة والامارة

وقال الامام شاه ولي الله محدث الدهلوي رحمه الله: اعلم انه يجب ان يكون في جماعة المسلمين خليفة لمصالح لا تتم الا بوجوده وهي كثيرة جداً يجمعها صنفان، احدهما ما يرجع الى سياسة المدينة من ذب الجنود التي تغزوهم وتقهرهم وكف الظالم عن المظلوم وقصل القضايا وغير ذلك..... وتانيهما ما يرجع الى الملة وذلك ان تنويه دين الاسلام على سائر الاديان لا يتصور الا بان يكون في المسلمين خليفة ينكر على من خرج من الملة وامر تكلم ما نصت على تحريمه او ترك ما نصت على افتراضه اشد الانكار وبذل اهل سائر الاديان يأخذ منهم الجزية عن يد وهم

صاغرون - رحمة الله البالغة ج ۲ ص ۱۲۸ - ابواب سياسة المدد (۱) لہ  
**اسلام میں انتخاب امیر کا طریقہ کار** | سوال :- اسلام میں انتخاب امیر یعنی کسی شخص  
 کو امیر اور خلیفہ مقرر کرنے کے لیے کون سا طریقہ اپنایا جاتا ہے ؟

الجواب :- اسلامی سیاست میں انتخاب امیر کے لیے چار طریقے پائے جاتے ہیں،  
 (۱) بیعت اہل حل و عقد (۲) استخلاف (۳) شوری (۴) استیلاء  
 پہلے قسم کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے کہ چند اہل حل و  
 عقد نے جمع ہو کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد عام لوگوں نے بیعت  
 کرنا شروع کی تھی۔

لما قال الامام الماوردی رحمه الله: ان بيعة ابي بكر رضي الله عنه انعقدت بحمسة  
 اجتمعوا عليها ثم تابعهم الناس فيها وهم عمر بن الخطاب و ابو عبيدة بن الجراح  
 و اسيد بن حضير و بشر بن سعد و سالم مولى ابي حذيفة رضي الله عنهم -

(الاحكام السلطانية ص ۱۱۱ الباب الاول في عقد الامامة)  
 ۲: استخلاف کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خلیفہ وقت چند اہل حل و عقد سے مشورہ کر کے کسی  
 ایسے شخص کے بارے میں وصیت کرے کہ جس میں خلافت کی پوری شرائط پائی جاتی ہوں، جیسا کہ  
 حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں وصیت  
 فرمائی تھی کہ میرے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔

لما قال الامام شاه ولي الله محدث دهلوی: طریق دوم! استخلاف خلیفہ است مجتمع

لہ وقال الامام عمر النسفی، والمسلمون لا بد لهم من امام يقوم بتنفيذ احكامهم  
 واقامة حدودهم وسد تغورهم وتجهيز جيوشهم و اخذ صدقاتهم  
 وقهر المتغلبين والمتلصصة وقطاع الطريق واقامة الجمع والاعياد وقطع  
 المنازعات الواقعة بين العباد وقبول الشهادات القائمة على الحقوق -

(شرح العقائد النسفی ص ۱۱۱ الخلافة والامامة)

وَمِثْلُهُ فِي احكام السلطانية لابن يعلى ص ۱۹ فصول في الامامة -

شروط را یعنی خلیفہ عادل بمقتضائی تصحیح مسلمان شخصی را از میان مستجمعین شروط خلافت اختیار کند و جمع نماید مردمان را و نص کند باستخلاف وی و وصیت نماید باتباع وی۔ پس این شخص میاں سائر مستجمعین خصوصیتی پیدا کند و قوم را لازم ست کہ ہماں شخص را خلیفہ سازند انعقاد خلافت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں طریق بود۔

(ازالۃ الخفاء ص ۱ مقصد اول)

۳۔ مشورے: شوری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خلیفہ وقت چند آدمیوں کی شوری مقرر کرے کہ میری خلافت کے بعد یہ حضرات آپس میں مشورہ کر کے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کریں گے، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چھ آدمیوں کی شوری مقرر کی تھی اور اس شوری والوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔

ما قال الامام ابو الحسن الماوردی: والثانی ان عمر رضی اللہ عنہ جعل الشوری فی ستہ لیعقد لا حدہم برضاء الحسنۃ۔ (الاحکام السلطانیہ ص ۱۱۱ اول فی عقد الامۃ) ۴۔ استیلاء: استیلاء کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص مذکورہ تین طریقوں کے علاوہ کسی اور طریقہ سے خلیفہ بن جائے، پھر یہ استیلاء بھی دو قسم پر ہے: (۱) ایک قسم وہ ہے کہ جو شخص طاقت اور غلبہ کے ساتھ اپنے آپ کو خلیفہ مقرر کر لے اور اس میں خلیفہ کی تمام شرائط موجود ہوں تو یہ شرعاً جائز ہے۔ (۲) دوسری قسم یہ ہے کہ جو شخص طاقت کے زور سے خلافت کے منصب پر فائز ہو جائے اور اس میں خلیفہ کی شرائط بھی موجود نہ ہوں تو ایسی خلافت کو نظریہ ضرورت کے تحت تسلیم کیا جائے گا، شرعاً کسی مسلمان کو اس کے خلاف قدم اٹھانا صحیح نہیں۔ تاہم جب تک ایسے خلیفہ سے ضروریات دین میں کمی نہیں آئی ہو تو مسلمان باہا پر اس کی اطاعت کرنا اور اس کے ساتھ جہاد وغیرہ کے لیے جانا لازم ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ایسی خلافت کے بارے میں فرماتے ہیں :-

طریق چہارم: استیلاء ست، پوں خلیفہ بمیرد و شخصی متعدی خلافت گردد بغیر بیعت و اشتلاف و ہمہ را بر خود جمع سازند بایتلاف قلوب یا بقہر و نصب قتال خلیفہ شود و لازم گردد بر مردمان اتباع فرمان او در آں چہ موافق شرع باشد۔ و ایں دو نوع است: یکے آنکہ مستولی مستجمع شروط باشد و صرف نمازین کند بصلح و تدبیر از غیر اتکا محرمی و ایں قسم جائز است و رخصت و انعقاد خلافت معاویہ بن ابی سفیان بعد حضرت مرتضیٰ و بعد صلح امام



حسین رضی اللہ عنہم بہمیں نوع بود۔

دیگر آنکہ مستجمع شروط نباشد و صرف منازعین کتد بقتال و ارتکاب محرم وان جائز نیست و فاعل آل عامی ست لیکن واجب است قبول احکام او و چو موافق شرع باشد و اگر عمال او اخذ زکوٰۃ کنند از ارباب اموال ساقط شود و چون قاضی او حکم نماید نافذ گردد و حکم او ہمراہ او جہاد می توان کرد۔ و این انعقاد بنا بر ضرورت ست زیرا کہ در عزل او افتائی نفوس مسلمین و ظہور حرج و مرج شدید لازم می آید و بیقین معلوم نیست کہ این شدید مفقود شود بصلاح یا نہ۔ بچشمی کہ دیگری بدتر از اول غالب شود پس ارتکاب فتن کہ قبح او یقین بہ ست چرا باید کرد برائے مصلحتی کہ موہوم ست و محتمل و انعقاد خلافت عبد الملک بن مروان و اول خلفائے بنی عباس بہمیں نوع بود۔ [ازالۃ الخفاء عن خلافة الخلفاء ص ۱۵ مقصد اول]

لہ وقال الامام شاہ وطی اللہ فی طرق انعقاد الخلافة : وتنعقد الخلافة بوجوہ (۱) بیعة اهل الحل والعقد من العلماء والرؤساء و امراء الاجناد من یكون لہ رائی و نصیحة للمسلمین كما انعقدت خلافة ابی بکر رضی اللہ عنہ (۲) و بان یوصی الخلیفہ الناس بہ كما انعقدت خلافة عمر رضی اللہ عنہ (۳) او یجعل شوی بین قوم كما كان عند انعقاد خلافة عثمان بل علی ایضاً رضی اللہ عنہما (۴) او استیلاء رجل جامع للشروط علی الناس و تسلطہ علیہم کسائر الخلفاء بعد خلافة النبوۃ ثم ان استولی من لم یجمع الشروط لا ینبغی ان یبادر الی المخالفة لان خلعه لا یتصور غالباً الا بحروب و مضایقات و فیہا من المفسدۃ اشد مما یرجى من المصلحة۔ و سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنہم فقیل افلاننا بذہم ؟ قال لا ما اقاموا فیکم الصلوۃ و قال الا ان تروا کفراً یواحاً عندکم من اللہ فیہ برہان و بالجملة فاذا کفر الخلیفۃ بانکار ضروری من ضروریات الدین حل قتالہ بل وجب و الا لا۔

[حجة اللہ البالغة ج ۲ ص ۱۵۰ ابواب لسیاسة]  
[المدن انعقاد الخلافة بوجوه]

و مثله فی الاحکام السلطانیة لابن یعلى ص ۲۳ فصول فی الامامة۔

**عورت کی حکمرانی شرعاً ناجائز ہے** | سوال :- اسلامی نقطہ نظر سے کوئی عورت کسی جمہوری نظام میں کسی عورت کو اقتدار سونپ دیا جائے تو ایسی حالت میں شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے ؟

**الجواب :** قرآن و حدیث کی رو سے سربراہ مملکت بننے کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ سربراہ کا مذکور ہونا، ہم شرط ہے، اسلامی نظام خلافت میں یہ قطعاً گوارا نہیں کہ کسی عورت کو زمام اقتدار سونپا جائے۔

لما قال الامام سعد الدين التفتازاني: (تحت قول النسفي) "ويشروط ان يكون من اهل الولاية المطلقة الكاملة" اي مسلماً حراً ذكراً عاقلاً بالغاً والنساء ناقصات عقل ودين - (شرح العقائد النسفي ص ۳۱۱ الخلافة والامارة) وقال العلامة ابن عابدین: (تحت قول درمختار) "ويشروط كونه مسلماً حراً ذكراً" ولان النساء امرن بالقرار في البيوت فكان مبنی حالهن على الستر والبيه اشار النبي صلى الله عليه وسلم حيث قال كيف يفلح قوم تملكهم امراة -

(مراد المختار ج ۱ ص ۲۵۵ باب الامانة)

سربراہ بننے کے بعد اس کے فرائض منصبی کی احسن طریقہ سے ادائیگی کے لیے جن امور کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے وہ مردوں میں پیدا کئے ہیں، البتہ گھریلو اور خاندانی امور کے تکفل کی ذمہ داری عورت کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے، اس لیے عورت کو اس میدان میں اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے جن امور کی ضرورت تھی وہ اسے مکمل طریقہ سے دیئے گئے جبکہ مرد میں وہ صلاحیتیں منفقود ہیں۔

عورت کے لیے پردہ کی رعایت، اجانب سے بے جا اختلاط سے ممانعت اور دامن عصمت کا تحفظ ایسے امور ہیں جو میدانِ قیادت میں جانے سے منع کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کسی قوم کی اس سے بڑھ کر اور کیا بدقسمتی ہو سکتی ہے کہ جس نے اپنی حکمرانی عورت کے سپرد کر دی۔

لما ورد في الحديث: عن ابى بكره رضى الله عنه قال تفعننى الله بكلمة سمعتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم ايام الجمل بعد ما كدت ان الحق باصعاب الجمل

فقاتل معهم قال لما بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اهل فارس قد ملكوا عليهم بنت كسرى قال لن يفلح قوم وتوا امرهم امرأة - (صحيح بخاری ج ۲ کتاب الفاری ص ۲۳۷)

وقال الامام بغوی: (تحت هذا الحديث) اتفقوا على ان المرأة لا تصلح ان تكون اماماً ولا قاضياً لان الامام يحتاج الى الخروج لاقامة امر الجهاد والقيام بامور المسلمين.....

ولان المرأة ناقصة والامامة والقضاء من كمال الولايات فلا يصلح لها الا الكامل من الرجال - (شرح التتمة ج ۱۰ ص ۷۷ کتاب المارة والقضاء - باب كراهية تولية النساء له)

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ایک کافر قوم کے بارے میں ہے اس لیے کسی بھی قوم کو اس سے مستثنیٰ کرنا جائز نہیں، خواہ مرد و جمہوریت میں یا اسلامی طریقہ خلافت میں کسی عورت کو یہ موقع دیا جائے ہر حالت میں عورت کی حکمرانی عذاب خداوندی کے مترادف ہے۔

**اولوالامر کی حقیقت** | سوال ۱۔ جمہوریت یا شہنشاہیت میں جو لوگ حاکمیت کے

دعویدار ہیں کیا یہ لوگ "اولی الامر" کی حقیقت میں داخل ہیں یا نہیں؟ تاکہ ان کی تابعداری رعیت کے لیے لازم ہو کر ان کے خلاف آواز اٹھانا بغاوت کے مترادف ہو؟

**الجواب:** شریعت کی رو سے "اولی الامر" کی حقیقت خلافت علی منہج النبوة سے خاص نہیں بلکہ امر اور سلاطین بھی اگر عوام کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری نبھاتے ہوں اور کسی خاص طریقہ انتخاب سے ان کی تقرری ہوتی ہو اور جس کو عوام کی تائید بھی حاصل ہو خواہ جمہوریت میں ہو یا دوسرے نظام حکومت میں ہو تو یہ لوگ بھی "اولی الامر" میں شمار ہوں گے۔

لما قال الامام جصاص: والصحيح عندى انهم الامراء والعلماء جميعاً اما الامراء فلان اصل الامر منهم والحكم اليهم واما العلماء فلان سؤلهم واجب متعين على الخلق وجوابهم لازم - (احكام القرآن ص ۱۸۹ سورة البقرة)

تاہم جہاں کہیں امر اور سلاطین کسی خلاف شرع نظام کو مسلمانوں پر نافذ کرنے کی کوشش کریں تو ان کے خلاف آواز اٹھانا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی دینی اور

لما قال العلامة الامام القرطبي: واجمعوا على ان المرأة لا يجوز ان تكون اماماً -

(الجامع لاحكام القرآن ج ۲ ص ۲۷۷ سورة البقرة)



اخلاقی ذمہ داری ہے۔

لما قال الامام قرطبي: في تفسيره "اولى الامر" روى عن علي ابن ابي طالب رضي الله عنه انه قال حق علي الامام ان يحكم بالعدل ويؤدي الامانة واذ فعل ذلك وجب على المسلمين ان يطيعوه لان الله تعالى امر باداء الامانة والعدل ثم امر بطاعته۔

(تفسير الجامع لاحكام القرآن ج ۵ ص ۲۵۹ سورة النساء ص ۱۰)

**خلافت یا ملوکیت** | سوال: خلافت علی منہج النبوة کا دور کتنا عرصہ رہا اور اس کے بعد نظام حکومت خلافت کی بجائے ملوکیت کو منتقل ہوا، نیز خلافت

اور ملوکیت میں کیا فرق ہے، اور ملوکیت کا دور کس وقت سے شروع ہوتا ہے؟

الجواب: خلافت علی منہج النبوة کا دور تیس سال تک مسلسل رہا، پھر اس کے

بعد ملوکیت کا دور شروع ہوتا ہے البتہ درمیان میں بعض ایسے خلفاء آئے جن کے عدل و انصاف کی وجہ سے ان کا دور حکومت بھی خلافت علی منہج النبوة میں شمار کیا گیا تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق خلافت علی منہج النبوة تیس سال تک رہی۔ اس کے بعد مسلمانوں کے باہمی اختلافات کی وجہ سے خلافت ملوکیت کی طرف منتقل ہوئی۔

لما ورد في الحديث: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الخليفة في أمتي ثلاثون

سنة ثم ملك بعد ذلك. ثم قال سفينة امسك خلافة ابي بكر ثم قال وخلافة عمر وخلافة عثمان ثم قال امسك خلافة علي فوجدناها ثلاثين سنة قال سعيد فقلت له ان بنى أمية يزعمون ان الخليفة فيهم قال كذبوا بنوا الزرقاء بل هم ملوك من شر الملوك۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۶ کتاب الفتن)

بنو امیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے تقویٰ، خدا ترسی اور تلہہیت کی وجہ سے ان کا

لما قال الامام الشوكاني: "واولى الامر" هم الائمة والسلاطين والقضاة وكل من كانت له

ولاية الشرعية لا ولاية طاغوتية والمراد طاعتهم فيما يأمرون به وينهون عنه ما لم تكن معصية فلا طاعة لمخلوق في معصية الله كما ثبت ذلك عن رسول الله صلى الله

عليه وسلم۔ (فتح القدير للشوكاني ج ۱ ص ۲۸۱ سورة النساء)

وَمِثْلُهُ فِي جَامِعِ الْبَيَانِ لِلطَّبْرِيِّ ج ۲ ص ۱۲۴ سورة النساء۔

دور سنہری دور کہلایا جاتا ہے جس کی وجہ سے بعض اسلاف نے آپ کے دور حکومت کو خلفاء راشدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔

عن سفیان<sup>۱</sup> يقول الخلفاء خمسة ابو بكر وعمر وعثمان وعلي وعمر ابن عبد العزيز رضي الله عنهم - (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸ کتاب الامارة) لے

خلافت کی ملوکیت میں تبدیلی کے اسباب؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دشمنان اسلام نے مسلمانوں کی قوت اور ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے پوری کوشش کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ خلفاء راشدین خاص کر حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں انہیں موقع نہ مل سکا تاہم ان لوگوں نے زیر زمین اپنی سرگرمیاں زور و شور سے جاری رکھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دشمنان اسلام کھل کر میدان میں آگئے جس کی سب سے بڑی دلیل خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت ہے۔

قال العلامة ابن كثير رحمه الله: مكان اول من دخل عليه رجل يقال له الموت الاسود فخنقه خنقاً شديداً حتى غشي عليه وجعلت نفسه تتردد في حلقه فتركه وهو يظن انه قد قتله..... ثم دخل عليه آخرد معه سيف فضر به به فالتقاها بيد فقطعها..... فكان اول قطرة فيها سقطت على هذه الآية: "فَسَيَكْفِيكُمْ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" ثم جاء آخر شاهداً سيفه فاستقبلته نائلة بنت الفرافصة ل تمنعه منه واخذت السيف فانتزعه منها فقطع اصابعها. (البداية والنهاية ج ۷ ص ۱۹)

جس کے بعد جبل و صفین اور دوسری جنگیں اس کا واضح ثبوت ہیں۔ یہی وہ عوامل تھے جن کی وجہ سے خلافت علی منہج النبوة کی جڑیں کھوکھلی کی گئیں جس سے رفته رفته خیر القرون کا دور ختم ہو کر خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔

خلافت اور ملوکیت میں نمایاں فرق یہ رہا کہ خلافت کے انتخاب کا جو طریقہ خلفاء راشدین کے دور میں مروج تھا وہ ملوکیت میں نہ رہا، خلفاء راشدین کے دور میں رعایا کی رضامندی سے

۱ عن سفیان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خلافة النبوة ثلاثون سنة تحيى الله

الملك من يشاء - (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۲ کتاب الامارة)

بیعت لی جاتی تھی جبکہ ملوکیت میں اس کے برعکس پاؤ اور تجربے سے بیعت لی جاتی تھی، اس کا اندازہ خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ طیبہ میں کی گئی تقریر سے ہوتا ہے، آپ نے فرمایا :-  
 اقبعد! فانی والله ما ولیت امرکم حین ولیتہ وانا اعلم انکم لاتسترون بولایتی  
 ولا تحبونہا۔ وانی لعالم بما فی نفوسکم من ذلک ولکنی خالستکم بسیفتی ہذا الخالصة۔  
 (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۳۵)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملوکیت کے دور میں خلفاء راشدین کی سادہ زندگی کے بجائے قیصر و کسریٰ کی سی شان و شوکت پیدا ہو گئی اور بادشاہ اور رعیت کے درمیان حاجب اور دربان حائل ہو گئے، رعیت کی خیر خواہی کی جگہ امر اور خود انانیت کا شکار ہو گئے اور ان سے ایسے کام سرزد ہوئے جو اس منصب کو زیب نہیں دیتے۔

**سوال :-** اگر ایک شخص اعمال کے اعتبار سے دین کا پابند ہو، تقویٰ اور دینداری میں بڑی

شہرت رکھتا ہو لیکن ملکی اور بین الاقوامی حالات پر گہری نظر نہ ہونے کی وجہ سے امور مملکت چلانے سے نابلد ہو تو کیا منصب خلافت کے عہدہ کیلئے اس کو ترجیح دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** کسی مسلمان کی دینداری اور تقویٰ بے شک ایک محسن چیز ہے جو کہ صرف اس کی اپنی ذات تک محدود ہے، منصب خلافت میں چونکہ ذاتی کردار سے ہٹ کر مخلوق خدا سے واسطہ پڑتا ہے اور اس میں معاشرہ کے خم و تربیح اور حالات کے تشیب و فرار سے گزرنا پڑتا ہے اس لیے اس میدان میں امور خلافت سے واقفیت رکھنے والے کو ترجیح دی جائے گی۔ تاہم ایسے منصب کے انتخاب میں دجل و تلبیس اور ظلم و زیادتی سے بچنے کے لیے امیدوار کے ذاتی کردار و اخلاق کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ : تحت قول النسفی  
 ولا یشرط فی الامام ان یکون معصوماً ولا ان یکون افضل من اهل  
 زمانہ لان المساوی فی الفضیلة بل المفضول الاقل علماً وعملاً رہما کان  
 اعرف بمصالح الامامة ومفاسدہا واقدر علی القیام بمواجبہا  
 خصوصاً اذا کان نصب المفضول ادمع للشر وابتعد عن اثار الفتنۃ  
 ..... مع انه لا یجوز نصب امامین فی زمان واحد قلنا غیرا لجائز



ہو نصب امامین مستقلین - (شرح العقائد النسفی ص ۱۱۳ الخلافة والامارة) لہ  
**قومی یا علاقائی امیر کی شرعی حیثیت** | سوال :- اگر ایک قوم متفقہ طور پر شریعت  
 کے نام پر ایک عالم دین کو اپنا امیر منتخب کرے  
 تو شرعی نقطہ نظر سے اس کی کیا حیثیت ہے اور اس کے اختیارات کا دائرہ کار کیا ہے ؟  
**الجواب :-** امیر کی شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر کسی قوم نے اجتماعی طور پر یا اکثریت  
 کی رائے سے کسی معتد شخص کو اپنا امیر مقرر کر لیا تو ایسا اقدام شرعاً قابل تحسین ہے بلکہ شرعی نقطہ نظر  
 سے ہنر کے علاوہ سفر میں بھی اس کی رعایت ضروری ہے ۔

لما ورد في الحديث : عن ابی سعید الخدری ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال  
 اذا خرج ثلاثة في سفر فليؤمروا احدهم - (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۵۱ کتاب الجهاد)  
 تاہم قوم پر لازم ہے کہ شرعی امور میں ایسے امیر کی اطاعت کرے البتہ غیر شرعی امور میں امیر  
 کی اطاعت اور قول کو اعتبار نہیں دیا جائے گا۔

لما ورد في الحديث : عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال على المرء  
 المسلم السمع والطاعة فيما احب وكراه الا ان يؤمر بمعصية فان امر بمعصية فلا  
 سمع ولا طاعة - (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵ کتاب الامارة)  
 ایسے امیر کو چونکہ کئی اختیارات حاصل نہیں ہوتے اس لیے حدود اور قصاص کی تفسیر اس  
 کے دائرہ اختیار سے باہر ہے ۔

لما قال الامام علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الكاساني رحمه الله : واما شرائط جواز  
 اقامتها فمئتها ما يعم الحدود كلها ومنها ما يخص البعض دون البعض ما الذي  
 يعبر الحدود كلها فهو الامامة وهو ان يكون المقيم للمحد هو الامام او من ولاة  
 الامام وهذا عندنا ..... لان للامام ولاية على جميع دار الاسلام ثابتة -  
 (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۵۸۱ کتاب القضاء)

لہ وقال العلامة محمد عبدالعزیز الفرہاروی رحمہ اللہ : لان اعظم مدار السلطنة  
 هو على المهارة بامور الدنيا لا على المهارة بالعلم الشرع وكثرة العبادة -

(النبراس ص ۱۱۳ الخلافة والامارة)

ومثله في رد المحتار ج ۱ ص ۴۵۰ باب الامامة -

وقال الامام الهمام نجم الهمة والدين عمر النسفي: ويشترط ان يكون من اهل الولاية المطلقة الكاملة سائساً قادراً على تنفيذ الاحكام وحفظ حدود دار الاسلام وانصاف المظلوم من الظالم۔ (شرح العقائد النسفي ص ۱۱۳، ۱۱۴ الخلاقه والامارة) لے

**ووٹ کی شرعی حیثیت** | سوال :- مروجہ طریقہ انتخاب میں ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

**الجواب :-** عصر حاضر میں ووٹ کی مختلف حیثیتیں ہیں :-

(۱) اس کی حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے، ووٹر جس ممبر کو ووٹ دے رہا ہوتا ہے وہ اس بات کی گواہی دے رہا ہوتا ہے کہ میں اس کو ملک و قوم کے لیے مفید اور خیر خواہ سمجھتا ہوں۔

(۲) اس کی حیثیت مشورہ کی سی ہے، ووٹر حکومت اور نظم و نسق کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے کہ سیاسی امور میں کون زیادہ بہتر، ایما ندار اور دیا ندار ہے۔

(۳) اس کی حیثیت سفارش کی ہے کہ ووٹر اس امیدوار کے لیے ایک اہم عہدہ سنبھالنے کے لیے سفارش کرتا ہے۔

(۴) اس کی حیثیت وکالت کی ہے، ووٹر اپنے لیے حکومت کے گھر میں وکیل نامزد کرتا ہے کہ یہ شخص راہ امیدوار حکومت سے میرے مسائل حل کرائے گا۔

(۵) ووٹ کی حیثیت سیاسی بیعت کی ہے، ووٹر اپنے ووٹ کے ذریعے مقامی امیدوار کے واسطے سے سربراہ مملکت کی بیعت کرتا ہے۔ اس بیعت میں یہ ضروری نہیں کہ براہ راست سربراہ مملکت یا خلیفہ وقت کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، بلکہ بیعت خط و کتابت کے ذریعے بھی ہو سکتی ہے، اور اسی طرح سربراہ مملکت کی جانب سے مقرر شدہ نمائندہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا بھی خلیفہ کی بیعت شمار ہوتی ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبادہ بن صامتؓ

لے قال العلامة الحسکفی: ہی صفری وکبری فاکبری استحقاق تصرف عام علی

الاکتاف۔ (الدر المختار علی پامش رد المحتار ج ۱ ص ۲۰۲ باب الامامة)

ومثله رد المحتار ج ۱ ص ۲۰۲ باب الامارة۔

سے فرمایا کہ لوگوں سے میرے لیے بیعت لے لو۔

عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ يقول قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن في مجلس تباعوني على ان لا تشركوا بالله شيئاً. (صحيح بخاری ج ۲ ص ۱۰۷ کتاب الاحکام)  
وعن عبد الله بن دينار قال شهدت ابن عمر رضی اللہ عنہما حيث اجتمع الناس على عبد الملك كتب ابي اقر بالسمع والطاعة لعبد الله عبد الملك امير المؤمنين على سنة الله وسنة رسول الله ما استطعت وان نبي قد اقر وامتثل ذلك -  
(صحيح بخاری ج ۲ ص ۱۰۷ کتاب الاحکام)

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لیے اپنے حق رائے دہی ووٹ کے استعمال کا معاملہ بڑا نازک اور اہم ہے۔ اگر کسی نے نا اہل شخص کو ووٹ دے دیا تو یہ ووٹ شہادتِ زور، غلط سفارش اور غلط مشورے میں داخل ہوگا اور اس قسم کے غلط افعال کا ارتکاب قرآن اور حدیث کے صریح مخالف ہے۔

لما قوله تعالى: فَاٰجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاٰجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرٍ مُّشْرِكِينَ بِهِ - (الحج آیت ۳۰، ۳۱)  
مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِّنْهَا - (النساء آیت ۸۵)

وقال عليه الصلوة والسلام: المُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ - (ترمذی ج ۲ ص ۱۰۵)  
وعن تميم الداري رضی اللہ عنہ ان النبي صلى الله عليه وسلم قال الدين النصيحة قلنا لمن قال لله وكتبه ولسوله ولائحة المسلمين وعامتهم - (صحيح بخاری ج ۱ ص ۵۲ کتاب الايمان - صحيح مسلم ج ۱ ص ۵۲ کتاب الايمان) له

ووٹ کا حق استعمال نہ کرنا | سوال: عصر حاضر میں انتخابات کے موقع پر ووٹنگ کے دوران بعض لوگ بالکل ووٹ کا استعمال نہیں

لے ووٹ کی شرعی حیثیت کے لیے دیکھئے (۱) جواہر الفقه ج ۲ ص ۲۹۶ تا ۳۰۱۔

(۲) جدید فقہی مسائل ج ۱ ص ۲۶۵ تا ۲۶۶ متفرقات۔

وَمَثَلُهُ فِي النَّسَائِي ج ۲ ص ۱۶۲ کتاب الامارة۔



کرتے ہیں، کیا شریعت مقدسہ کی رُو سے ووٹ کا حق استعمال کرنا لازمی ہے یا نہیں؟  
**الجواب**:- ووٹ کی حیثیت ایک قسم کی شہادت ہے اور شہادت میں یہ تفصیل ہے  
 کہ شہادت کبھی واجب اور کبھی فرض کی حد تک پہنچتی ہے اور کبھی استحباب اور اباحت کے  
 درجہ میں ہوتی ہے۔ جہاں کہیں شہادت کے ترک کرنے سے مدعی کا حق سلب ہوتا ہو تو وہاں  
 شہادت دینا واجب ہو جاتا ہے، اور جہاں کہیں گواہوں کی تعداد زیادہ ہو وہاں گواہی  
 دینا مستحب اور مباح ہے۔

لما قال الامام القرطبي في تفسير هذه الآية: "وَلَا يَأْبُ الشُّهَدَاءُ إِذْ أُمِدُّوا"  
 فاذا كانت الفسحة لكثرة الشهود والامن من تعطل الحق فالمدعو مندوب  
 وله ان يتخلف لادفأ عذر وان تغلف لقبير عذر فلا اثر عليه ولا ثواب له  
 واذا كانت الضرورة وتجيف تعطل الحق ادنى خوف قوى الندب وقرب من  
 الوجوب- واذا علم ان الحق يذهب ويتلف بتأخر الشاهد عن الشهادة فواجب  
 عليه القيام بها لاسيما ان كانت محصلته وكان الدعاء الى ادائها.  
 الجامع لاحكام القرآن ج ۳ ص ۳۹۸ سورة البقرة

انتخابات میں ووٹنگ کے دوران ہر شخص کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ اگر میں نے فلاں  
 حق دار شخص کو ووٹ نہ دیا تو اس کے مقابلے میں فاسق فاجر کامیاب ہو جائے گا، تو ایسی حالت  
 میں اس کے لیے ووٹ کا حق استعمال کرنا ضروری ہے، اور اگر یہ خطرہ موجود نہ ہو تو اس  
 کے لیے ووٹ کے عدم استعمال پر کوئی مواخذہ نہیں۔

اسی طرح اگر کسی انتخابی حلقہ میں حصہ لینے والے امیدوار فساد و فحار ہو تو ووٹر  
 کے لیے بھلائی اسی میں ہے کہ ووٹ کا بالکل استعمال نہ کرے۔ حقیقت میں ووٹ کے  
 استعمال کے دو پہلو ہوئے، اور یہ تو ووٹر کی اپنی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے کہ میرے لیے  
 ووٹ استعمال کرنے میں کیا فائدہ ہے اور عدم استعمال میں کیا نقصان ہے، اپنے  
 دینی اور دنیوی فائدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ووٹ کا استعمال کرے، اس لیے کہ ووٹ  
 کی حیثیت ایک قسم سفارش کی ہے، اور سفارش اگر اچھی ہو تو ثواب ورنہ گناہ کا  
 مستوجب ہوگا۔

قال الامام القرطبي في تفسير هذه الآية: "مَنْ يَشْفَعُ شَقَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ"

نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَقَاةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِّنْهَا۔ (النساء آیت ۸۵)  
 وقال مجاهد والحسن وايت زياد وغيرهم هي في شفاعات الناس  
 بينهم في حوائجهم فمن يشفع لينفع فله نصيب ومن يشفع ليضر فله كفل۔  
 (الجامع لاحكام القرآن ج ۵ ص ۲۹۵ سورة النساء) له

سوال :- ایک شخص دیندار ہے اور شرع کا  
 پابند ہے، جب انتخابات کا وقت آتا ہے تو  
 وہ ایک دینی جماعت کو ووٹ دیتا ہے

دین کے لیے ووٹ کے استعمال میں  
 والدین کی نافرمانی میں گناہ نہیں

جبکہ اس کا والد سیکور ذہنیت رکھتا ہے اور اپنا ووٹ بھی غیر مذہبی پارٹی کو دیتا ہے اور  
 اپنے دیندار بیٹے سے بھی کہتا ہے کہ میری پسندیدہ پارٹی کو ووٹ دینا، اب دریافت طلب امر  
 یہ ہے کہ از روئے شرع بیٹے کے لیے والد کی یہ بات ماننا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- ایک سعادت مند بیٹے کے لیے والدین کی فرمانبرداری ضروری ہے لیکن ایسے  
 امور میں نہیں کہ جس سے دین کو نقصان پہنچتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہو۔  
 صورتِ مسئلہ میں بیٹا عند اللہ اپنی مسئولیت کا احساس کر کے کوئی ایسا فیصلہ کرے کہ جس سے  
 اللہ کے ہاں اس کی ذمہ داری فارغ ہو۔

لما قال عليه الصلوة والسلام : لا طاعة في معصية الله انما الطاعة في المعروف۔  
 (مجمع مسلم ج ۲ ص ۱۲۵ کتاب الامارة - نسائی ج ۲ ص ۲۶۶ کتاب البيعة)  
 وعن ابن سيرين ان عمران بن حصين قال للحكم الغفاري اُسمعت النبي صلى عليه وسلم

له وقال الامام ابن جرير الطبري في تفسير هذه الآية : "ولا ياب الشهاداء اذا  
 ما دعوا" يجب فرض ذلك على من دعى للاشهاد على الحقوق اذا لم يوجد غيره  
 فاما اذا وجد غيره فهو في الاجابة الى ذلك مخير ان شاء اجاب وان شاء  
 لم يجب۔ (جامع البيان للطبري ج ۳ ص ۱۲۴ سورة البقرة)

وقال الامام احمد مصطفی المراغي رحمه الله : في حق الشهادة - وهو فرض كفاية  
 لا يجب على من دعى اليه الا اذا لم يوجد غير يقوم مقامه۔

(تفسير المراغي ج ۳ ص ۱۲۴ سورة البقرة)

يقول لاطاعة للمخلوق في معصية الخالق قال نعم - (کنز العمال ج ۵ ص ۹۲ حدیث ۱۳۲۰) لہ

**ووٹ دیتے وقت شخصیت یا پارٹی کو ترجیح دینا** | سوال :- عصر حاضر میں انتخابات

نہید کو صالح اور نیک اور مدبر سمجھتے ہیں لیکن پھر بھی اس کے مقابلہ میں ووٹ بکر کو دیتے ہیں جو کہ مرتبہ میں زید سے تھوڑا سا کم ہے، اہل حلقہ کا یہ اقدام شرعاً کیسا ہے؟

**الجواب :-** انتخابات میں ووٹ دیتے وقت اہل اور صالح ترین آدمی کو ترجیح دینا ضروری ہے تاہم اگر صالح آدمی کے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ اسمبلی میں پہنچ کر صدارتی انتخابات یا وزارت عظمیٰ کے انتخاب میں کسی فاسق فاجر کو ووٹ دے گا تو اس صورت میں اسے ترجیح نہیں دی جائے گی بلکہ جو شخص آگے کسی دیندار صدارتی امیدوار کو ووٹ دے گا اس کو صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے انتخابات میں ترجیح دینی ضروری ہے۔

قال العلامة الحاکم نيسابوری : عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن استعمل رجلاً من عصابة وفي تلك العصابة من هو ارضی للہ منه فقد خان اللہ وخان رسوله وخان المؤمنین - (المستدک علی الصمیمین ج ۲ ص ۹۲) لہ

**بیہوی کو ووٹ ڈالنے سے منع کرنا** | سوال :- ووٹنگ کے دوران ایک شخص اپنی بیوی کو ووٹ ڈالنے سے منع کرتا ہے اور بیوی اپنے

لہ عن ابن جریر کوش عن علیؑ قال لاطاعة لبشر في معصية الله -

(کنز العمال ج ۶ ص ۶۶۶ حدیث ۱۳۹۱۱) لہ

وقال الامام شوکانی محمد بن علیؑ: وكل من كانت له ولاية شرعية لا ولاية طغوتية والمراد طاعتهم فيما يأمرون به وينهون عنه ما لم تكن معصية فلا طاعة لمخلوق في معصية الله - (تفسیر فتح القدیر للشوکانی ج ۱ ص ۲۸۱ سورة البقرة)

لہ وعن حذيفة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ايما رجل استعمل رجلاً على عشرة انفس علم ان في العشرة افضل ممن استعمل فقد غش الله وغش رسوله وعش جماعة المؤمنين - (کنز العمال ج ۶ ص ۱۹ حدیث ۱۳۶۵۳) لہ

ومثله في كنز العمال ج ۶ ص ۲۵ حدیث ۱۳۶۸۷ -



خاوند کے خوف کی وجہ سے ووٹ ڈالنے سے محروم ہو جاتی ہے، شریعت کی رو سے بیوی کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟

**الجواب :-** ووٹ ایک قسم کی شہادت ہے اور شہادت کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی فرض کفایہ، موجودہ حالات میں ووٹنگ کا جو نظام ہے اس میں ووٹ زیادہ ہوتے ہیں اس لیے ووٹ ڈالنا زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ کے حکم میں داخل ہوگا، اور فرض کفایہ میں یہ قاعدہ ہے کہ ضرورت کے تحت اگر چند لوگ ووٹ کا حق استعمال کریں تو اوروں کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگر خاوند بیوی کو ووٹ ڈالنے سے منع کرے تو شرعاً کسی پر مواخذہ نہیں، نہ خاوند پر اور نہ بیوی پر، بلکہ عورت کے لیے عزت اور حیاء اسی میں ہے کہ خاوند کی بات مان کر ووٹ ڈالنے سے احتراز کرے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصرى: ان الشهادة فرض كفاية اذا قام بها البعض سقط عن الباقيين وتتعين اذا لم يكن الا شاهداً - (المعراج في كتاب الشهادة) لہ  
**رشتہ داری کی بنیاد پر ووٹ دینے کا حکم** | سوال :- کسی امیدوار کو اچھے بڑے کی تمیز کیے بغیر محض برادری اور

رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ووٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اہل اور حقدار کے بجائے صرف رشتہ داری اور برادری کی وجہ سے کسی امیدوار کو ووٹ دینا عصبیت اور جاہلیت کے مترادف ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عصبیت کی دلدل میں پھنسنے والوں سے بے زاری کا اظہار فرمایا ہے۔

لما ورد في الحديث: وعن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات ميتة جاهلية.....

لہ وقال الامام عبدالرحمن بن علي الجوزي القرشي: انما يلزم الشاهد ان لا يابي اذا دعي لا قامته الشهادة اذا لم يوجد من يشهد غيره - فاما ان كان قد تحملها جماعة لم تتعين عليه وكذلك في حال تحملها لانه فرض على الكفاية كالجهاد فلا يجوز لجميع الناس الامتناع منه - (زاد المسير في علم التفسير ج ۱ ص ۳۳۹ سورة البقرة)

ومن قاتل تحت راية عمية يدعوا الى عصبية او يفضب لعصبية فقتل  
فقتله جاهلية - (سنن النسائي ج ۲ ص ۵۶ کتاب المحاربة، باب التغلظ فيمن قاتل تحت راية عمية) <sup>له</sup>

**دیندار امیدوار کے حق میں ووٹ دینے کی قسم توڑنا** | سوال :- زید نے انتخابات

کے موقع پر عمرو کے بارے میں توڑ سکتا ہوں یا نہیں؟  
قسم اٹھائی کہ میں اپنا ووٹ عمرو کو دوں گا، لیکن کچھ دن بعد عمرو کے مقابلہ میں بکر انتخابات  
کے لیے کھڑا ہو گیا اور تمام اہل محلہ کے نزدیک بکر، عمرو سے دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے  
اچھے کردار کا مالک ہے، اب زید کہتا ہے کہ میں نے جو قسم اٹھائی ہے اُسے بکر کے حق  
میں توڑ سکتا ہوں یا نہیں؟

**الجواب :-** بکر چونکہ دیندار اور دیندار ہونے کی وجہ سے ووٹ کا صحیح حقدار  
ہے اس لیے زید کو چاہیے کہ اپنی قسم توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کرے اور اپنا ووٹ  
بکر کے حق میں استعمال کرے تو شرعاً اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

لما روی امام نسائی <sup>رحمہ</sup> عن عدی بن حاتم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
من حلف على يمين فرأى غيرها خيراً منها فليأت الذي هو خير وليكفر عن  
يمينه - (سنن النسائي ج ۲ ص ۱۲۱ کتاب الایمان والنذور، باب من حلف على يمين فرأى خيراً منها) <sup>له</sup>

**مسلمانوں اور مرزاؤں کی متحدہ جماعت کو ووٹ دینے کی شرعی حیثیت** | سوال :-

پارٹی کا قادیانیوں سے انتخابی اتحاد ہوا ہے، ایسی متحدہ جماعت کو ووٹ دینا مسلمانوں

له لما في الحديث ، وعن قسيبة قالت سمعتُ ابي يقول سألت النبي صلى الله عليه وسلم  
فقلت يا رسول الله امن العصبية ان يحب الرجل قومه قال لا ولكن من العصبية ان  
يعين الرجل قومه على الظلم - (سنن ابن ماجه ص ۲۸۳ باب العصبية)

وَمَثَلُهُ فِي كُنُوزِ الْعَمَالِ ج ۳ ص ۵۱ رقم حديث ۷۶۵

له وقال الامام ابو البركات عبد الله بن احمد بن محمود النسفي ، ومن حلف على

معصية ينبغي ان يحنت ويكفر - (كنز الدقائق ص ۱۵۵ کتاب اليمين)

وَمَثَلُهُ فِي سَنَنِ النَّسَائِيِّ ج ۲ ص ۱۲۱ کتاب الایمان والنذور، باب من حلف على يمين فرأى خيراً منها -

مسلمانوں کے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** قادیانی چونکہ مرتد اور خارج من الاسلام ہیں، ان سے اتحاد کرنے سے اگرچہ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر کچھ معمولی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں، لیکن ان کے ارتداد اور کفر کی وجہ سے ان کے جو مذموم مقاصد ہیں اتحاد کی صورت میں وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، اس لیے قادیانیوں سے اتحاد کرنے میں فائدہ کم اور نقصان کا احتمال زیادہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ یہودیوں سے اتحاد کیا تھا لیکن اس سے کوئی اسلامی شعائر متاثر نہیں ہوئے تھے۔

تاہم صورتِ مسئلہ کے مطابق اگر مسلمان کسی نیک مقصد کی تکمیل کے لیے قادیانیوں سے اتحاد کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بنیادی طور پر کفار اور مشرکین سے اتحاد کرنا ممنوع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً وَّيَحْذَرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلٰى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ (سورة آل عمران آیت ۲۸)

لیکن جہاں کہیں مسلمانوں کو کفار اور مشرکین سے دینی اور دنیوی فائدہ ہو تو ایسی صورت میں ان سے اتحاد کرنا مخلص ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ منورہ میں آنے کے بعد یہودیوں کے دو مشہور قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ سے اتحاد کیا تھا، اور صلح حدیبیہ بھی اسی قسم کے اتحاد اور معاہدہ کی ایک کڑی تھی۔ اسی طرح آج بھی حالات کو دیکھا جائے گا کہ اگر مسلمانوں اور اسلام کو کفار کے ساتھ اتحاد کرنے میں کوئی معقول فائدہ ہو تو ان سے اتحاد کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

لما قال الامام شمس الدين السرخسي: ولان رسول الله صلى الله عليه وسلم صالح اهل مكة عام الحديبية على ان وضع الحرب بينه وبينهم عشرين فكان ذلك نظراً للمسلمين لمواطنة كانت بين اهل مكة واهل حيدر وهي معروفة ولان الامام نصب ناظراً ومن النظر حفظ قوة المسلمين اولاً فربما ذلك في المودة اذا كانت للمشركين شوكة - (المبسوط للسرخسي ج ۱۰ ص ۸۶ كتاب السير)

وقال الامام ابو بكر جصاص في تفسير هذه الآية: "وَ اِنْ جَعَلُوا لِلّٰسَلٰمِ قٰبِجِحْ لَهَا" قال



ابوبکر قد كان النبي صلى الله عليه وسلم عاهد حين قدم المدينة اصنافاً من  
المشركين منهم النضير وبنو قينقاع وقرينظة وعاهد قبائل من المشركين -

( احكام القرآن ج ۳ ص ۳۷۱ سورة الانفال )

فاسق وقابض کے حق میں ووٹ کا استعمال کرنا | سوال :- کسی فاسق اور فاجر شخص  
کے حق میں ووٹ کا استعمال شرعاً

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ووٹ ایک امانت اور سفارش ہے یا ایک قسم کی شہادت ہے، اس  
اعتبار سے کسی فاسق یا فاجر شخص کو ووٹ نہیں دینا چاہیے، ووٹ کسی دیانتدار، امانتدار  
اور دیندار یا ایسے شخص کو دینا چاہیے جو قوم اور ملک کے لیے مفید ثابت ہو۔ تاہم جہاں  
کہیں پارٹی کی بنیاد پر الیکشن ہو تو اس میں شخصیت کے مقابلہ میں پارٹی کے منشور کو مد نظر  
رکھنا زیادہ مناسب ہے۔

قوله تعالى: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا. (النساء آیت ۵۸)  
۲، مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ  
لَهُ كِفْلٌ مِّنْهَا. (النساء آیت ۸۵)

وَنَقَلَ الْإِمَامُ الْقُرْطُبِيُّ فِي تَفْسِيرِهِ هَذِهِ الْآيَةَ: هِيَ شَفَاعَةُ النَّاسِ بَيْنَهُمْ فِي حَوَائِجِهِمْ مَنْ يَشْفَعُ  
لِيَنْفَعُ فَلَهُ نَصِيبٌ وَمَنْ يَشْفَعُ لِيَضُرَّ فَلَهُ كِفْلٌ. (الجامع لاحكام القرآن ج ۵ ص ۲۹۵ سورة النساء ص ۳)

لہ قال فی الہندیۃ: واذ رأى الامام ان يصالح اهل الحرب او فريقاً منهم وكان ذلك مصلحة  
للمسلمين فلا بأس به وان رأى الامام موادة اهل الحرب وان يأخذ على ذلك مالا  
فلا بأس به لكن هذا اذا كان بالمسلمين حاجة اما اذ لم تكن فلا يجوز -  
(الفتاوى الہندیۃ ج ۲ ص ۱۹۶ الباب الثالث فی المواعظ والامان الخ)

لہ وقال الدكتور الزحلی: ثانياً، العدالة - ای الدیانة والاخلاق القاضلة وهی معتبرة  
فی كل الولاية وهی ان يكون صادق اللہجة ظاهر الامانة عقیفاً عن المحام - متوقياً الماثم - بعيداً من  
الريب - ماموناً فی الرضا والغضب - مستعملاً لمروءة مثله فی دینہ و دُنیاہ -

(الفقه الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص ۶۹۲ - ابای السادر نظام الحکم فی الاسلام،  
المبحث الرابع شرط الامام)

**ووٹ لینے کی غرض سے لوگوں میں رقم تقسیم کرنا** | سوال :- انتخابات کے موقع پر بعض امیدوار اپنے حلقہ کے

لوگوں میں کچھ پیسے یا کھانے پینے کی بعض اشیاء اس غرض سے تقسیم کرتے ہیں کہ کل ووٹنگ کے وقت یہ لوگ اپنا ووٹ ان کے حق میں استعمال کریں، شرعاً ان تقسیم شدہ اشیاء کی کیا حیثیت ہے؟

**الجواب :-** اگر امیدوار کا مقصد یہ ہو کہ میں پیسوں کے ذریعے لوگوں سے ووٹ خریدتا ہوں، تو اس غرض سے لوگوں کو پیسے دینا جائز نہیں، اس لیے ووٹ کی شرعی حیثیت یا تو شہادت و گواہی کی ہے یا سفارش کی، اور فقہاء کے نزدیک شہادت پر پیسے لینا جائز نہیں۔

لما قال الامام ابن الہمام رحمہ اللہ : بخلاف الشهادة فانها فرض يجب على الشهادة ادامها فلا يجوز فيها التعارض اصلاً۔ (فتح القدير ج ۳ ص ۱ کتاب الشهادة) اور اگر امیدوار کی غرض خرید و فروخت کی نہ ہو بلکہ ویسے لالچ دینے کے لیے ہو کہ پیسے دیکھ کر لوگ مجھے ووٹ دیں گے تو اس صورت میں تقسیم شدہ اشیاء کی حیثیت رشوت کی ہے اور رشوت لینا اور دینا شرعاً حرام ہے، اس لیے ووٹ کے عوض میں کچھ لینا اور دینا دونوں ناجائز ہے۔

لقوله عليه السلام : لعن الله الراشي والمرتشي والرائش الذي يمشي بينهما۔

دکنز العمال ج ۶ ص ۱۱۴۔ حدیث من ۱۵۰۸ ص ۱

**عورت کے لیے ووٹ کا حق استعمال کرنا** | سوال :- صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے انتخابات کے موقع پر عورت

اپنا حق رائے دہی (ووٹ) کا استعمال کر سکتی ہے یا نہیں؟  
**الجواب :-** ووٹ درحقیقت ایک قسم کی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے، ووٹ کے

۱۔ وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی فی الحکم۔ (ترمذی ج ۱ ص ۲۲۸ ابواب الاحکام، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی

ومثله فی سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۲۸ کتاب القضاء، باب فی کراہیۃ الرشوة۔

ذریعہ ووٹر امیدوار کی اہلیت کی گواہی دیتا ہے اور اسی طرح ووٹر اپنے حلقہ کے امیدوار کے حق میں رائے اور مشورہ دیتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے عورت کو اہل الرائے، اہل مشورہ اور اسی طرح اہل شہادت قرار دیا ہے۔

لِقَوْلِهِ تَعَالَى : فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ - (البقرة ۲۸۲)  
 خلفاء راشدین کے روشن دورِ خلافت میں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ختم ہوئی تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے لوگوں سے مشورہ اور رائے طلب کی تو اس موقع پر آپ نے پاکدامن عورتوں سے بھی مشورہ اور رائے طلب کی تھی۔

لما قال الامام ابن کثیر رحمہ اللہ : ثم نهض عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ يستشير الناس فيهما ويجمع رأي المسلمين بدائي روس الناس واقيا دهم جميعاً واشتاتاً مثني وفرادي ومجتمعين سراً وجهراً حتى خلت الى النساء المخدرات في حجابهن وحتى سئال الولدان في المكاتب وحتى سئال من يرد من الركبان والاعراب الى المدينة في مدة ثلاثة ايام بلياليها - ر البداية والنهاية ج ۱ ص ۱۵۱

تاہم ایک مسلمان عورت کے ووٹ ڈالنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ پردہ اور دیگر امورِ شرعیہ کا خیال کرتے ہوئے اپنے ووٹ کا حق استعمال کرے ورنہ معصیت کے ارتکاب سے ووٹ کا ترک کرنا افضل ہے۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”عورتوں کا ووٹ بنا ممنوع نہیں ہے، ہاں ووٹ دینے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا۔“

(کفایت المفتی ج ۹ ص ۳۷۱ کتاب السياسة)

عورت کی شہادت (گواہی) کے بارے میں علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وما سوى ذلك من المعاملات ای وكل ما سوى ذلك يقبل فيه رجلان أو رجل وامرأتان سواء كانت الحق مالا أو لا كالنكاح والطلاق والوكالة والوصية ونحو ذلك



كالعتق والوجعية والنسب - (فتح القدير ج ۶ ص ۲۵۱، ۲۵۲ كتاب الشهادة ۱)

**مروجہ مغربی طرز پر ہونے والے انتخابات میں علماء کا حصہ لینا** | سوال: مروجہ

مغربی طرز جمہوریت پر ہٹا کرتے ہیں علماء کرام ان انتخابات میں حصہ کیوں لیتے ہیں؟  
**الجواب:-** علماء کرام کے لیے لازم ہے کہ اپنے دینی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے سیاسی لائن پر منکرات کا سہارا نہ کریں اور برسر اقتدار طبقہ کو خلاف شرع امور کی نشاندہی کرتے ہوئے منکرات سے بچائیں۔ اور اس قسم کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انتخابات میں شرکت کیے بغیر صحیح طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتے، اسی لیے علماء کرام ضرورت کے تحت مروجہ طریقہ انتخابات کے ذریعہ ایوان اقتدار میں پہنچ کر حق کی آواز بلند کرتے ہیں۔

فقہ کا مشہور قاعدہ ہے جسے علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں: **من اُبتلی ببلیتین وهما متساویان یاخذ بایتھما شاء وان اختلفا یختار اھونھما لان مباشرة الحرام لا تجوز الا للضرورة ولا ضرورة فی حق الزیادة۔** (الاشباہ والنظائر مع شرح للمجہ ج ۱ ص ۲۸۶ القاعدة الخامسة الضرریة)۔  
**انتخابات میں مروجہ طریقہ کے تحت حصہ لینا ترک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے**

لہ وقال العلامة ابن حجر العسقلانی: عن مسروق... كانت عائشة أفقه لنا من واعلم الناس واحسن الناس رأياً في العامة۔ (الاصابة في تمييز الصحابة ج ۴ ص ۳۶ ذکر عائشة)  
 وقال العلامة عمر كماله في ترجمة شفاء بنت عبد الله: يقول الشفاء بنت عبد الله... صحابية جليلة ذات عقل وفضل وجوده رأى كان عمر بن الخطاب رضي الله  
 يقدمها في الرأي ويرضاها ويفضلها وربما ولاها شيئاً من امر السوق۔

(اعلام النساء لعمر كماله ج ۲ ص ۳)

لہ وقال الامام القرطبي في تفسير هذه الآية: "مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ" اي سلطانه...  
 عادتہ ای بظلم بلا حجة مجاہد فی حکمہ وهو استرقاق السراف۔  
 حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو روکنے کے لیے ملک مصر کے قانون کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر عمل فرمایا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۲۳۸ سورة یوسف)

آھون ہے، اس وجہ سے بھی علماء کرام مغربی طرز جمہوریت کے مطابق منعقدہ انتخابات میں حصہ لیتے ہیں۔

**انتخابی مہم میں مخالف امیدوار پر نازیبا الفاظ استعمال کرنا** | سوال: انتخابات کے دوران بعض

امیدوار انتخابی جلسوں میں لاؤڈ سپیکر پر اعلانیہ ایک دوسرے (مخالف امیدوار) کو گالی گلوچ اور نازیبا الفاظ کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں، از روئے شرع کسی پر نازیبا الفاظ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** شریعت مطہرہ نے کسی مسلمان کی بے جا تحقیر کرنے یا اس کے بارے میں نازیبا الفاظ زبان سے نکلانے کو ایک بری خصلت قرار دیا ہے، اسی طرح کسی مسلمان کو گالی گلوچ کرنا فسق و فجور کی علامت ہے، ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی زبان کو ہر وقت قابو میں رکھے اور کسی کی دلائل و براہین نہ کرے، جذبات کی زد میں بہہ کر اپنی مسئولیت کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہیے، اسلامی اقدار کا ہر میدان میں خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

لما روى البخارى: عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل اولى صمت - (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۹ کتاب الادب باب تعقرن جادة لجاتها) وايضاً: عن التبي صلى الله عليه وسلم قال سباب المسلم فسوق وقتاله كفر - (سنن النسائي ج ۲ ص ۱۵۲ کتاب المحاربة ۲ لہ

لہ لما فی الحدیث: عن ابى هريرة رضى الله عنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان العبد يتكلم بالكلمة ما يتبين فيها يزل بها في النار ابعد ما بين المشرق - (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۹ کتاب الرقاق - باب حفظ اللسان ومن كاذب عن الله الخ) ايضاً: عن عبد الله رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله كفر - (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۳ کتاب الادب باب ما ينهى عن السب واللعن ۲

**انتخابات میں خود امیدوار بننا** | سوال :- ایم این اے اور ایم پی اے کی مراعات اور اسے منافع بخش کاروبار سمجھتے ہوئے لوگ خود اس میدان میں اتر آتے ہیں، جن میں سے اکثر کا نہ تو کوئی منشور ہوتا ہے اور نہ ہی ملک کی بہتری کا کوئی پروگرام ان کے پیش نظر ہوتا ہے۔ تو کیا ذاتی طور پر انتخابات میں امیدوار بننا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** شریعت مطہرہ اصولی طور پر کوئی بھی عہدہ طلب کرنے کے خلاف ہے، امارت یا وزارت وغیرہ کے عہدہ پر فائز ہونے کے لیے مناسب یہ ہے کہ عوام میں سے دانشور لوگ کسی کو منتخب کریں اور جو کوئی خود اپنے آپ کو امارت و وزارت کے لیے پیش کرتا ہو تو شریعت ایسے اقدام کی نفی کرتی ہے۔

لقولہ علیہ السلام: انا والله لا نولی علیٰ ہذا العمل احدًا سألہ ولا احدًا حرص علیہ۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲ کتاب الامارۃ)  
 وایضاً: عن عبد الرحمن بن سمرہؓ قال: قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم لا تسأل الامارۃ فانک ان اعطیتها عن مسئلۃ وکلت الیہا وان اعطیتها عن غیر مسئلۃ اعنت علیہا۔ (السنن النسائی ج ۲ ص ۲۵۸ کتاب الامارۃ) لہ

تاہم جہاں کہیں نا اہل نمائندوں کی وجہ سے عوام کے حقوق ضائع ہوتے ہوں یا بے دین اور فاسق و فجار کے ممبر منتخب ہونے سے معاشرہ میں بے دینی کی ترویج کا خطرہ ہو تو فواجش اور مظالم کے انسداد کے لیے انتخابی میدان میں آنا کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ امیدوار خود کسی خلاف شرع امور میں ملوث ہونے کا خطرہ محسوس نہیں کرتا ہو، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا تھا: "اجعلنی علیٰ خدائن الامر من ائی حفیظ علیم" (یوسف) ورنہ جہاں کہیں ایسے میدان میں خود آنا بے دینی کا ذریعہ بننا یقینی ہو تو بے دینی کے لیے سبب بننا خود جرم ہے۔

لہ لما ورد فی الحدیث: عن ابی ذرؓ قال قلت یا رسول الله الاتستعملنی قال قضر بیدہ علیٰ منکبئ ثم قال یا ابا ذر انک ضعیف وانہا امانۃ وانہا یوم القیامۃ حزی وندامۃ الامن اخذها بحقہا وادّ الذی علیہ فیہا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲ کتاب الامارۃ)



## انتخابی وعدوں کا شرعی حکم | سوال :- انتخابی مہم کے دوران ایک امیدوار نے لوگوں سے قسم قسم کے وعدے کیے اور لوگوں نے

بھی اس سے عہد و پیمان لیا کہ کامیاب ہونے کے بعد آپ فلاں فلاں کام کریں گے، لیکن جب وہ کامیاب ہو گیا تو اسے نہ وہ وعدے یاد رہے اور نہ ہی کوئی کام کیا بلکہ اپنی عیشت و عشرت میں مصروف رہا، ایسے وعدے پورے نہ کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب :- شریعت میں کسی کے کام کرنے کے لیے دو قسم کے الفاظ مستعمل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک کو کہتے ہیں وعدہ اور دوسرے کو کہتے ہیں معاہدہ۔ اب شریعت مطہرہ میں معاہدہ پورا کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے اور کبھی کبھی تو معاہدہ قسم کی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے، اور اگر معاہدہ توڑ دیا جائے تو یمین یعنی قسم کا کفارہ لازم آئے گا۔

ساقال الامام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فی تفسیر قولہ تعالیٰ: "وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا" العہد ینصرف علی وجوہ فمنہا الامر۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَلَقَدْ عَاهَدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ" وقال: "أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يُبْنَىٰ آدَمَ" والمراد الامر وقد یکون العہد یمیناً ودلالة الآية علی ان المراد فی ہذا الموضع الیمین ظاہر لانه۔ قال: "وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا" ولذلك قال اصحابنا ان من قال علی عہد اللہ ان فعلت کذا انہ حالف وقد روى فی حدیث حذیفة: حین أخذہ المشرکون و أباه فاخذوا منه عہد اللہ ان لا یقاتلوا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما قدما المدینة ذکر اذ لك للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال تفی لهم بعہد ہم وتستنعین اللہ علیہم۔  
(احکام القرآن ج ۳ سورۃ النحل ۲۳۵)

دوسری قسم وعدہ کی ہے، وعدہ وفا کرنے کو شریعت مطہرہ نے مکارم اخلاق سے شمار کیا ہے، اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے کہ میں انشاء اللہ آپ کے لیے فلاں کام کروں گا، اور وعدہ کرتے وقت وہ کام کرنے کا ارادہ بھی تھا تو بعد میں کسی وجہ سے کام نہ کر سکنے پر گنہگار نہ ہوگا، تاہم وعدہ کو بروقت پورا کرنا ایک مستحسن فعل ہے اور

اور انسانی مروت کا شیوہ بھی ہے۔

لما روى ابو داؤد في سننه: عن زيد بن ارقم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا وعد الرجل اخاه ومن نيته ان يفي فلم يفي ولم يجئ للميعاد فلا اثر عليه۔  
(سنن ابى داؤد ج ۲ ص ۳۲۶ كتاب الادب باب في العداة)  
وقال العلامة فخر الحسن الجنجوهي في شرح هذا الحديث: قوله، قَلَّا اَتَمُّ عَلَيْهِ“ قيل فيه دليل على ان الوفاء بالوعد ليس بواجب شرعي بل هو من مكارم الاخلاق بعد ان كان نيته الوفاء۔ (تعليق المحمود على هامش ابى داؤد ج ۲ ص ۳۲۶ كتاب الادب باب العداة)  
ان دونوں میں دیکھنا ہوگا کہ اُمیدوار کا وعدہ کس قسم سے تھا، اگر معاہدہ کی قسم سے ہو تو اُسے اپنا معاہدہ پورا کرنا ہوگا ورنہ گنہگار ہوگا، اور اگر وعدہ کی تک ہو تو پھر بھی انسانی اخلاق و شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ وعدہ پورا کرے بصورتِ دیگر گنہگار نہ ہوگا، ہاں وعدہ کرتے وقت اسے پورا کرنے کی نیت کا ارادہ کرنا ضروری ہے ورنہ پھر نفاق کی علامت ہوگی۔

کیا عورت پارلیمنٹ کی رکن بن سکتی ہے؟ | سوال:- عصر حاضر میں انتخابات کے موقع پر مرد اور عورتیں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، کیا اسلام میں یہ جائز ہے کہ عورت کو قومی اسمبلی یا پارلیمنٹ کی رکن منتخب کیا جائے؟

الجواب:- اس پُرفتن دور میں حالات کے پیش نظر عورت کو اسمبلی یا پارلیمنٹ کی رکنیت حاصل کرنے سے احتراز کرنا چاہیے اس لیے کہ موجودہ حالات میں انتخابات

لہ وقال الامام ابن حجر العسقلاني: لان خلف الوعد لا يقدر الا اذا كان العزم عليه مقارناً للوعد۔ اما لو كان عازماً ثم عرض له مانع او بدأ له رأي فهداه توجده منه صورة التفاق۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۹۹ كتاب الايمان، باب علامات التفاق)  
وروى ابو داؤد: عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان للغادر ينصب له لواء يوم القيامة فيقال هذه غدرة فلان بن فلان۔  
(سنن ابى داؤد ج ۲ ص ۲۳ في الباب في الوفاء بالعهد)

کے لیے مہم چلانے کے دوران عورت کے لیے پردہ برقرار رکھنا مشکل نظر آتا ہے، تاہم اگر عورت انتخابات میں اس طرح حصہ لے کہ شرعی پردے کا خاص خیال رہے اور کسی غیر شرعی امور کا ارتکاب نہ کرے تو اس صورت میں عورت کے لیے انتخاب لڑنا اور پارلیمنٹ میں اس کو رکنیت دینا شرعاً جواز کی گنجائش ہے۔

اس لیے کہ ارکان اسمبلی و پارلیمنٹ عوام اور قوم کی طرف سے ان کے وکلاء ہوتے ہیں اور عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ کسی فرد کی وکیل بنے، فقہ حنفی کی کتابوں میں وکیل کی شرائط میں کہیں بھی ذکوریت کی شرط موجود نہیں، اور بدایتہ المجتہد کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک عورت کی وکالت صحیح ہے، صرف عقد نکاح میں امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عورت وکیل نہیں بن سکتی۔

لما قال الامام ابن رشد الحفید: و شروط الوکیل ان لا یكون ممنوعاً بالشرع من تصرفه فی الشئ الذی دکل فیہ فلا یصح توکیل الصبی ولا المجنون ولا المرأة عند مالک و الشافعی علی عقد النکاح۔ بدایتہ المجتہد و تہایتہ المقتصد ج ۳ باب اول کتاب الوکالت

اسی طرح ارکان اسمبلی و پارلیمنٹ کی حیثیت اہل حل و عقد کی ہے، ان ہی کے ووٹوں سے پھر وزیر اعظم اور صدر مملکت کا انتخاب ہوتا ہے۔ سیاست کے مشہور امام علامہ ماوردیؒ نے اہل حل و عقد کی شرائط میں ذکوریت کا ذکر نہیں کیا ہے، آپؒ فرماتے ہیں:-

فاما الاختیار فالشروط المعتبرة فیہم ثلاثة۔ ا۔ حدھا العدالة الجامعة لشروطھا۔  
والثانی: العلم الذی یتوصل بہ الی معرفة من یتحق الامامة علی الشروط المعتبرة فیھا۔  
والثالث: الرأی والحکمة المودیان الی اختیار من هو لامامة اصلم و بتدبیر المصالح اقوم واعرف۔ ( الاحکام السلطانیة للماوردی ص ۶ الباب الاول فی عقد الامامة )

لہ قال العلامة ابو یعلیٰ الموصلی رحمہ اللہ: أما اهل الاختیار فیوت برنیہم ثلاث شروط ا۔ حدھا: العدالة والثانی: العلم الذی یتوصل بہ الی معرفة من یتحق الامامة والثالث: ان یتدبیر المصالح اقوم واعرف۔ ( الاحکام السلطانیة ص ۱۹ فصول فی الامامة )





عموماً پارلیمنٹ میں عورتیں اجیاء حقوق نسواں کے نام سے بے دینی کے کام زیادہ کرتی ہیں اس لیے انہیں اسمبلیوں میں نہ بھیجنا زیادہ راجح ہے۔  
تاہم دلائل مذکورہ سے یہ بات کہیں ثابت نہیں ہوتی کہ عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے اس لیے عورت کی سربراہی کے بارے میں احادیث اور قرآن مجید میں واضح دلائل موجود نہیں، اس کے علاوہ جہاں بھی امامت کبریٰ کی شرائط بیان ہوئی ہیں وہاں ذکور کی شرط لازمی ذکر ہوئی ہے۔

**سوال :-** جمعیت علماء اسلام کجاعتی سیاہ و سفید رنگ کے جھنڈے کا ثبوت

جھنڈا جو کہ سیاہ و سفید رنگ پر مشتمل ہے، اس سے وابستہ علماء اس جھنڈے کو علم نبوی کی تشبیہ سمجھتے ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کا رنگ بھی ایسا ہی تھا، تاریخ یا غرواات کی روشنی میں یہ بات کہاں تک درست ہے؟

**الجواب :-** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جنگوں میں مختلف رنگ کے جھنڈے استعمال کئے ہیں، کسی ایک رنگ کے جھنڈے کا مستقل استعمال کرنا آپ سے ثابت نہیں۔ تاہم بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”نمرة“ کا جھنڈا استعمال کیا ہے جس کا رنگ سیاہ اور سفید تھا، کیونکہ ”نمرة“ سفید اور سیاہ رنگ سے مرکب ہوتا ہے۔

لما قال ابن منظور: والنمرة شملة فيها خطوط بيض وسود۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۲۹)

وعن يونس بن عبيد مولى محمد بن القاسم: قال بعثني محمد بن القاسم الى البراء بن عازب اسأله عن رؤية رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال كانت سودا مرتبة من نمره۔ (ترمذی ج ۱ ص ۲۹۷ ابواب الجهاد، باب في الرايات) ۱۷

۱۷ وعن يونس بن عبيد مولى محمد بن القاسم: قال بعثني محمد بن القاسم الى البراء بن عازب اسأله عن رؤية رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال كانت سودا مرتبة من نمره۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۹ كتاب الجهاد باب في الرايات والالوية)

**جنگ کے علاوہ جھنڈے کے استعمال کا حکم** | سوال :- آجکل لوگ گھروں اور بازاروں میں جھنڈے لگاتے ہیں

کیا خیر القرون میں جھنڈے کا اس قسم کا استعمال ہوتا تھا یا نہیں؟ اور شرعاً اس طرح جھنڈے استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنگ کے میدانوں میں جھنڈے کا استعمال کرتے تھے لیکن جنگ کے علاوہ صحابہ کرام سے جھنڈے کا استعمال قولاً فعلاً ثابت نہیں۔ تاہم آجکل جو لوگ گھروں، دوکانوں یا بازاروں میں جھنڈے لگاتے ہیں اگر بلا التزام ہوں تو اباحت پر محمول ہوگا، اس لیے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصرى رحمه الله: الاصل في الاشياء الاباحة -

(الاشباه والنظائر مع شرحه للحموى ج ۱ ص ۲۲۳) لہ

البتة اگر کسی جگہ دیندار لوگوں کی کثرت ظاہر کرنے کے لیے جھنڈے کا استعمال کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

**بے دین لوگوں کی مشابہت اختیار کرنا** | سوال :- ایک شخص خوردہ تو کمیونسٹ ہے

اور نہ ہی مغربی جمہوریت کو پسند کرتا ہے لیکن وہ اپنے گھر اور دوکان وغیرہ پر کمیونسٹ، سوشلزم یا مغربی جمہوریت پسند پارٹیوں کے جھنڈے لگاتا ہے اور کسی دینی یا اسلامی پارٹی کا جھنڈا نہیں لگاتا ہے، تو شرعاً اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے؟

**الجواب :-** شریعت مطہرہ نے غیر مسلم لوگوں کے شعار اپنانے سے منع فرمایا اس لیے مذکورہ بالا شخص کو ایسے امور کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے جس سے غیر مسلم اقوام کی

لہ ونقل الشيخ احمد بن محمد الحموى، عن قاسم بن قطلوبغا ان المختاران الاصل الاباحة عند جمهور اصحابنا - رغبزعيون البصائر ج ۱ ص ۲۲۳ قاعدة الاصل في الاشياء الاباحة (

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۶ ص ۱۲۷ باب المراجعة والتولية -



مشابہت ہوتی ہو، یا کسی بے دینی کو تقویت ملتی ہو۔

لما ورد في الحديث : عن ابن عمر رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۳ کتاب اللباس) لہ  
سوال :- اگر کسی ایسے علاقہ میں جہاں کوئی حکومت  
مرتد کا قتل کس کی ذمہ داری ہے | نہ ہو کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کے ساتھ کیا

معاملہ کیا جائے گا؟ اور اگر اس کو قتل کرنا ضروری ہو تو یہ کس کی ذمہ داری ہے؟  
الجواب :- مرتد کے بارے میں فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ حاکم وقت اگر مناسب سمجھے تو اسے تین دن کی مہلت دیدے تاکہ دین اسلام کے متعلق اگر اس کے ذہن میں کچھ شبہات ہوں تو وہ ختم ہو جائیں اور وہ دوبارہ اسلام قبول کر کے راہ راست پر آجائے لیکن اگر تین دن تک جملہ کاروائی کے بعد بھی مسئلہ جوں کاتوں رہے تو حاکم اس کے قتل کا حکم دے لیکن عوام میں سے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اسے قتل کرے، یہ حکومت کی ذمہ داری ہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے ذاتی طور پر مرتد کو قتل کر دیا تو اس سے باز پرس کی جائے گی۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري : تحت قول كذا الدقائق : قوله وكراهة قتله قبله " ای قبل عرض الاسلام لان اسلامه مرجو۔ قال في الهداية ومعنى الكراهة هنا ترك المستعيب یعنی فہی کراہت تنزیہ و هو مبني على القول باستيجاب العرض و اما من قال بوجوبه فہی کراہت تحريم كما في فتح القدير اطلقه فشمئ قتل الامام وغيره ولكن ان قتل غيرہ أو قطع عضوًا منه بغير اذن الامام اذ به الامام۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۸ کتاب الجہاد) لہ

لہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ليس منا من تشبه بغيرنا لا تشبهوا باليهود ولا بالنصارى۔ (ترمذی ج ۲ ص ۹۹ ابواب استئذان)  
لہ لما في الهنديّة : فان قتله قاتل قبل عرض الاسلام عليه او قطع عضوًا منه كره ذلك كراهة تنزیة فلا ضمان عليه لكنه اذا فعل بغير اذن الامام ادب على ما صنع۔ (الفتاوى الهنديّة ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب السير)  
ومثله في رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۳ کتاب السير۔

حدود اور قصاص میں حاکم وقت کا دائرہ اختیار | سوال :- کسی شخص پر قصاص

یا حدود کے ثبوت کے بعد حاکم وقت شرعاً اس میں کسی قسم کی ترمیم کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟ جبکہ عام طور پر قصاص کے موقع پر سربراہ مملکت مروجہ قانون کی رو سے رحم کی اپیل کرنے پر قصاص کی معافی کا اعلان کر دیتا ہے؟

الجواب، حدود اور قصاص ایسی سزائیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خود مقرر اور متعین کیا ہے، عوام الناس میں سے کسی فرد یا جماعت کو ان سزاؤں پر عملدرآمد کا حق نہیں، اسی طرح سربراہ مملکت کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان سزاؤں میں کسی قسم کی کوئی ترمیم یا رد و بدل کرے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الكاسانی رحمه الله : واما صفات الحدود فنقول وبالله التوفيق لاخلاف في حد الزنا والشرب والسكر والسرقۃ انه لايحتمل العفو والصلح والابراء بعد ما ثبت بالحجة لانه حق لله تعالى خالصاً لاحق للعبد فيه فلا يملك اسقاطه۔

البدائع الصنائع ج ۲، ص ۲۵۵ کتاب الحدود لہ  
البتہ قصاص میں مقتول کے اولیاء کو شریعت نے اختیار دیا ہے کہ وہ قاتل سے قصاص لیں یا دیت وصول کریں یا ویسے ہی قاتل کو معاف کر دیں، اس کے علاوہ کسی اجنبی شخص کو یا حاکم وقت کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مقتول کے اولیاء کی رضامندی کے بغیر قاتل کو معاف کر دے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الكاسانی رحمه الله : واما بيان ما يسقط القصاص

لہ وقال العلامة عبد القادر عوده : والحد هو العقوبة المقررة حقاً لله تعالى..... يعنون بذلك انها لا تقبل الاسقاط من الافراد ولا من الجماعة..... ولاتها عقوبات لازمة فلا يستطيع الفاضل ان ينقص منها او يزيد فيها كما انه لا يستطيع ان يتبدل بها غيرها۔  
التشريع الجنائي الاسلامي ج ۱ ص ۶۲۵ الفصل الاول، العقوبات المقررة لجرائم الحدود

بعد وجوبہ فالسقط لہ انواع .....! ومنها العفو..... واما شرائط فمئھا ان يكون العفو من صاحب الحق لانه استقاط الحق واستقاط الحق ولاحق محال فلا يصح العفو من الاجنبی لعدم الحق - (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۶۱ کتاب الحدود) لہ

**اصلاح کمیٹی کا دائرہ اختیار | سوال :-** علاقائی سطح پر اصلاح معاشرہ اور جرائم کے انسداد کے لیے اگر معززین علاقہ پر مشتمل کوئی ایسی اصلاحی کمیٹی قائم کی جائے جس کو حکومت کی طرف سے مکمل اختیار حاصل ہو تو کیا ایسی کمیٹی حدود و تعزیرات کے مقدمات کے فیصلے کر سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** شرعی نقطہ نظر سے حدود اور تعزیرات کے قیام کا حق صرف حکومت یا اس کے منتخب شدہ قاضی یا جج کو حاصل ہے، اس کے علاوہ شریعت رعایا میں سے کسی شخص یا ادارے کو یہ اجازت نہیں دیتی، اس لیے حدود و قصاص کے مقدمات کے فیصلے کرنا ایسی کمیٹی کے دائرہ اختیار سے خارج ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الكاساني رحمه الله: واما شرائط جواز اقامتها فمئھا ما يعمر الحدود وكلها ومنها ما يخص البعض دون البعض اما الذي يعمر الحدود كلها فهو الامامة وهو ان يكون المهيم للمعد هو الامام او من ولاة الامام وهذا عندنا - (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۶۱ کتاب الحدود)

وقال الامام سيّد سابق رحمه الله: والتعزير يتولاها الحاكم لان له الولاية العامة على المسلمين - (فقه السنة ج ۲ ص ۲۵ کتاب الحدود) لہ

لہ وقال عبد القادر عوده: تجيز الشريعة للمجتمعي عليه اولى دمه ان يعقوبن عقوبتي القصاص والدية - (التشريع الجنائي الاسلامي ج ۱ الباب السادس تقو العقوبة) ومثله في الهداية الاخرين ص ۵۵۶ کتاب الجنایات -

لہ وقال ابن الهمام: بخلاف الحدود فانها لم تثبت توليتها للولاة وبخلاف التعزير الذي يجب حقا للعبد بالقذف ونحوه فانه لتوقفه على الدعوى لا يقيمه الا الحاكم الا ان يحكم فيه - (فتح القدير ج ۵ ص ۱۱۳ فصل في التعزير) ومثله في رد المحتار ج ۳ ص ۱۹۸ باب التعزير -



## جموعہ و عیدین میں شرطِ سلطان کی وضاحت | سوال :- نسوانی دورِ اقتدار میں نمازِ جمعہ و عیدین کے وجوب پر

کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ فقہاء نے وجوبِ ادا کے لیے سلطان یا اس کے نائب کی شرط لکھی ہے جبکہ نسوانی دورِ اقتدار میں یہ شرط منفقود ہوتی ہے۔

**الجواب :-** جموعہ اور عیدین کی نماز کی صحت کے لیے سلطان کی شرط ہونا مقصود بالذات نہیں بلکہ ایسے مواقع پر اس اشتراط کا مقصد مسلمانوں کے باہمی معاملات کو سلجھانا ہے، عموماً ان حالات میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے باہمی طور پر نزاع پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے شریعت نے ایسے مواقع پر سلطان یا اس کے مقرر کردہ شخص کو اعتبار دیا ہے تاکہ کسی کو بات کرنے کا موقع نہ ملے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے لیے باہمی طور پر کہیں کسی کو خطیب مقرر کیا جائے تو پھر سلطان یا اس کا نائب نہ ہونے کے باوجود جمعہ و عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما فی الہندیۃ : ولو تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یرسل بہم الجمعة جائز۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۲۶ باب الجمعة)

وقال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : والسلطان هو الوالی الذی لا ولی فوقہ وانما کان شرطاً للصحة لانہا تقام بجمع عظیم وقد تقع المنازعة فی التقديم والتقدم وقد تقع فی غیرہ فلا بد منہ تسمیاً لامرہ..... ولولم یکن ثمہ قاض ولا خلیفۃ السیۃ فاجتمع العامة علی تقدیم رجل جائز للضرورۃ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۳ کتاب الجنائز)

## حکومت کے غیر شرعی اقدامات کی تردید کرنا | سوال :- بسا اوقات ارباب اقتدار کچھ ایسے فیصلے کرتے ہیں

جو قرآن و حدیث سے متصادم ہوتے ہیں، اس صورت میں رعیت میں سے کسی شخص کو اپنی

لما فی الہندیۃ : بلاد علیہا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعة ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین ویجب علیہم ان یلتمسوا والیاً مسلماً۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۲۶ باب الجمعة)

ذمہ داری کا احساس کہاں تک ہوتا چاہیے ؟

**الجواب :-** خلفاء راشدین کے دور خلافت میں جب کوئی کام اسلام کے خلاف ہوتا تو رعیت میں سے ہر شخص اور فرد کو باقاعدہ یہ حق حاصل تھا کہ حسب استطاعت اس غلط کام کا سدباب کرے، اگر بذات خود خلیفہ سے بھی بے خبری میں کوئی خلافت شریعت بات سرزد ہو جاتی تو رعایا میں سے کوئی نہ کوئی شخص ضرور اس کی نشاندہی کرتا اور خلفاء کی طرف سے اس شخص کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک تاریخی خطبہ میں رعیت کے عام افراد کو ہر حق دیتے ہوئے فرمایا: "أَمَا بَعْدَ أَيُّهَا النَّاسُ! فَإِنِّي قَدْ وُلِّيتُ عَلَيْكُمْ وَلَسْتُ بِمُخِيرِكُمْ فَإِنِ أَحْسَنْتُمْ فَأَعِينُونِي وَإِنِ اسَاءْتُمْ فَاقْوَمُونِي..... اطيعوني ما اطعت الله ورسوله فاذا عصيت الله ورسوله فلا طاعة لي عليكم" (البدایہ والنہایہ ج ۶ مناقب ابو بکرؓ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عورتوں کے حق مہر کے بارہ میں فرمایا کہ آئندہ حق مہر چار سو درہم سے زیادہ نہیں ہوگا، اس پر ایک عورت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں: "وَأَتَيْتُمْ أَحَدَهُنَّ قِنْطَارًا" اور دے چکے ہو ایک کو بہت سا مال۔ اس عورت کے اس طرح کہنے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بات سے رجوع کر لیا اور اس عورت کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

قال عمرٌو لا تغالوا في مهور النساء فقالت امرأة ليس ذلك يا عمرٌو! إن الله يقول: "وَأَتَيْتُمْ أَحَدَهُنَّ قِنْطَارًا" من ذهب... فقال عمرٌو إن امرأة خاصمت عمرٌو مخصمة - (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۶۷۱ - سورة النساء)

تاہم جہاں کہیں آدمی کو حق بات کہنے پر اپنی جان کے ضیاع اور گالی گلوچ کا خطرہ ہو اور اس پر صبر کرنے کی طاقت بھی نہ ہو تو اس کے لیے خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔

لما في الهدية: ولو علم باكب رأيه انه لو امرهم بذلك قد فوه وشتموه فتركه افضل وكذا لك لو علم انهم يضر بونه ولا يصبر على ذلك ويقع بينهم عداوة و يهيج منه القتال فتركه افضل - (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۳)

له قال عمرٌو احب الناس الى من رقع الى عيوني - (كنز العمال ج ۹ ص ۲۵۵)

## جمہوری حکومت کے خلاف آواز بلند کرنا | سوال :- آج کل پاکستان میں زیادہ تر مغربی طرز کا جمہوری نظام نافذ العمل

ہے، اگر عوام الناس میں سے کوئی جماعت یا کئی افراد جمہوری نظام کی بعض خامیوں کے خلاف جلسے جلوس نکالیں اور برسر اقتدار طبقہ کے خلاف ہو جائیں تو کیا یہ لوگ حکومت کے باغی شمار ہوں گے یا نہیں؟

**الجواب :-** مغربی جمہوری نظام میں حکومت کے خلاف آواز اٹھانا جمہوریت کا تقاضا ہے بلکہ جمہوری حکومت اپنے خلاف کسی رد عمل کو اپنی بقا کا ذریعہ سمجھتی ہے، اس لیے اس میں جلسہ جلوس یا اور کسی مناسب طریقہ سے حکومت کے خلاف آواز اٹھانا جمہوری نظام کا حصہ ہے، ایسا کرتا نہ بغاوت ہے اور نہ مخالفتیں باغی شمار ہوں گے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین انکاسانی: فالبغاة هم الخوارج وهم قوم من رأيهم ان كل ذنب كفر كبيرة كانت او صغيرة يخرجون على امام اهل العدل ويستحلون القتال والدماء والاموال بهذا التاويل ولهم منعة وقوة۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۲ کتاب السیر) لہ

## غیر اسلامی نظام کے خلاف تحریک چلانا | سوال :- موجودہ دور میں دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف غیر اسلامی نظام ہائے

زندگی مثلاً سوشلزم، کمیونزم وغیرہ کے قوانین چلتے ہیں، اور بعض مسلمان حکمران بھی اس قسم کے قوانین سے متاثر ہو گئے ہیں، اگر مسلمانوں میں سے کوئی گروہ یا جماعت اس قسم کے قوانین کے خلاف تحریک چلائے اور لوگوں کو اس کی قباحتیں بتائے تو شرعاً اس قسم کی تحریک کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** سوشلزم، کمیونزم اور مغربی جمہوریت یہ تمام نظام ہائے زندگی اسلام

لہ وقال العلامة الحصکفی: البغی لغة الطلب ومنه ذلك ما كنا نبغی وعرفا طلب ما لا یجوز من جور وظلم فتح وشرعاً هم الخارجون على الامام الحق یغیر حق فلو بحق فلیسوا ببغاة۔  
رالدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۸ کتاب السیر

وَمِثْلُهُ فِي احكام السلطانية للماوردی ص ۵۸ الباب الخامس فی الولاية حروب الصا۔



کے اصولوں سے متصادم ہیں، ایسے کسی بھی نظام کے خلاف آواز اٹھانا، جدوجہد کرنا یا کوئی تحریک چلاتا یہ سب امور موجب ثواب ہیں، اس لیے کہ یہ سب نظام ہائے زندگی منکرات میں داخل ہیں، خاص کر جب ان نظام ہائے زندگی میں دینی اقدار متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے ہوں اس وقت مسلمانوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ ان منکرات کا سدباب کریں۔ اور اگر منکرات کو ختم کرنے کے لیے کوئی جماعت مقرر ہو جائے یا کوئی خاص تحریک چلائی جائے تو یہ ایک مستحسن اور قابل فخر عمل ہوگا۔

لِقَوْلِهِ تَعَالَى: وَتَسْكُنُ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۴)  
وقال عليه الصلوة والسلام: من رأتى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الأيمان۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰ کتاب الایمان ۱)

وعن جرير قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول ما من رجل يكون في قوم يعمل فيهم بالمعاصي يقدمون على ان يغيروا عليه فلا يغيروا الا اصابهم الله بعقاب من قبل ان يموتوا۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲ کتاب الملاحم)

**پھانسی کی سزا کا شرعی حکم** | سوال :- پاکستان کے قانون میں قاتل کو پھانسی کی جو سزا دی جاتی ہے، شریعت کی رو سے یہ قصاص

شمار ہوتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** شریعت نے قصاص لینے کی جو شرائط مقرر کی ہیں موجودہ قانون کے مطابق پھانسی کی سزا میں وہ مفقود ہیں، اس لیے پھانسی کی سزا کو شرعاً تعزیر تو کہا جا سکتا ہے اسے قصاص کہنا صحیح نہیں، قصاص میں بنیادی تین شرطیں ہیں :-  
(۱) قاتل سے قصاص لینا حقیقتاً مقتول کے ورثاء کے سپرد ہے، ورثاء چاہیں تو قصاص

لہو فی الہندیۃ: یقال الامر بالمعروف بالید علی الامراء وباللسان علی العلماء وبالقلب لعوام الناس۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۵۳ کتاب الکراہیۃ)

وَمِثْلُهُ فِي جَامِعِ التِّرْمِذِيِّ ج ۲ ص ۲۰۰ باب الفتن۔

ہیں چاہیں تو دیت قبول کریں اور چاہیں تو معاف کر دیں۔

(۲) عین قصاص لینے کے وقت وراثت کا حاضر ہونا لازمی ہے۔

(۳) احناف کے نزدیک ایک شرط یہ بھی ہے کہ قصاص تلوار سے لیا جائے، جبکہ آج کل پھانسی کی صورت میں یہ تینوں شرطیں نہیں پائی جاتیں۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الکاسانی: قَوْلَايَةِ اسْتِيفَاءِ الْقِصَاصِ تَثْبِيتُ بَأْسِيَابِ مِنْهَا الْوَرَاثَةُ وَجَمَلَةُ الْكَلَامِ فِيهِ أَنَّ الْوَارِثَ لَا يَخْلُو..... فَاِنْ كَانَ الْكُلُّ كَيْسًا سَرَّاءً فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ وَكَلَايَةُ اسْتِيفَاءِ الْقِصَاصِ حَتَّى لَوْ قَتَلَهُ أَحَدُهُمْ صَادَرَ الْقِصَاصُ مَتَوَفَى..... الْآنَ حَضُورُ الْكُلِّ شَرْطٌ جَوَازٌ لِاسْتِيفَاءِ وَلَيْسَ لِلْبَعْضِ وَكَلَايَةُ الْاسْتِيفَاءِ مَعَ غَيْبَةِ الْبَعْضِ لِأَنَّ فِيهِ إِحْتِمَالُ اسْتِيفَاءِ مَا لَيْسَ بِحَقِّ لَهُ لِإِحْتِمَالِ الْعَفْوِ مِنَ الْغَائِبِ وَفِي فَصْلِ آخِرٍ - فَالْقِصَاصُ لَا يَسْتَوِي الْآبَالَسِّيْفِ عِنْدَنَا - (ردائع الصنائع ج ۷ ص ۲۲۳-۲۲۵ کتاب الجنایات)

تاہم قاتل کو پھانسی دینا اگر قصاص نہ بھی ہو تو بھیر بھی اس کا اجراء و نفاذ ناجائز نہیں بلکہ قاتل کو سزا دینے کے لیے پھانسی کا اقدام ایک مستحسن فعل ہے۔

**سوال :- سرکاری افسروں کو ماتحت (سلام) کرنے کی شرعی حیثیت**

سوال :- سرکاری افسروں کو ماتحت (سلام) کرنے کی شرعی حیثیت

اداروں میں پرچم کشائی کے موقع پر لوگ کھڑے ہو کر پرچم کو بھی سلام کرتے ہیں، کیا اس قسم کا سلام شرعی سلام میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت مطہرہ میں سنت سلام کے لیے سلام کے الفاظ زبان سے

لہ وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: "وللکبار القور" ای اذا قتل رجل له ولي كبير وصغير كان للكبير ان يقتل قاتله..... لو كان الكل كبايراً ليس للبعض ان يقتص دون البعض ولا ان يوكل باستيفائه لان في غيبة الموكل احتمال العفو فالقصاص ليحققه من يستحق ماله - (رد المحتار ج ۵ ص ۳۸۳ کتاب الجنایات)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتْاوى الْهِنْدِيَّةِ ج ۶ ص ۶ کتاب الجنایات، الباب الثالث۔

ادا کرنا ضروری ہے تاہم جہاں کہیں ایک آدمی دوسرے آدمی سے اگر کچھ فاصلے پر ہو جس میں ایک دوسرے کی آواز نہ سنی جاسکتی ہو تو زبان سے سلام کے الفاظ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ کرنا بھی مرنخص ہے۔

لما فی الہندیۃ : و فی التوازل رجل جالس مع قوم سلم علیہم رجل فقال السلام علیک فردہ بعض القوم ینوب ذلک عن الذی سلم علیہ المسلم ویسقط عنہ الجواب یرید بہ اذا اشار الیہم ولم یسلم لان قصده التسليم علی الكل ویجوز ان یشار الی الجماعۃ بخطاب الواحد هذا اذا لم یسلم ذلک الرجل فاما اذا سماہ فقال السلام علیک یا ترید فاجابہ غیر زید لایسقط الفرض عن زید وان لم یسلم و اشار الی ترید یسقط لان قصده التسليم علی الكل۔

الافتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۵ کتاب الکراہیۃ۔ (الباب السابع فی السلام)

سرکاری محکموں میں سلام کا جو طریقہ رائج ہے اس میں اصل دخل ہاتھ اور پاؤں کے اشارہ کو ہے چاہے سلام کرنے والے ایک دوسرے سے دور ہوں یا قریب، ہر حال میں سلام ہاتھ اور پاؤں کے اشارہ سے ہوگا، زبان سے سلام کے الفاظ کا ادا کرنا محض ضمناً ہوتا ہے۔ شریعت مطہرہ نے صرف ہاتھ وغیرہ کے اشارہ سے سلام کرنے کو مکروہ اور یہود و نصاریٰ سے مشابہت قرار دیا ہے۔

کما فی الحدیث النبوی صلی اللہ علیہ وسلم : عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس منّا تشبہ بغيرنا لا تشبہوا بالیہود ولا بالنصارى فان تسلیم الیہود الاشارة بالاصابع وتسلیم النصارى الاشارة بالاکف۔ (الجامع الترمذی ج ۲ ابواب الاستینان والادب ص ۹۹) رہی یہ بات کہ پرچم کشائی کے موقع پر لوگ کھڑے ہو کر ہاتھ کے اشارہ سے تعظیم کیلئے

لہ روی الامام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی : عن ابراہیم النخعی قال ترفع الایدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلوۃ و فی التکبیر للقتوت فی الوتر و فی العیدین و عند استلام الحجر و علی الصفار و المروۃ و مجمع عرفات و عند المقامین عند الجمرتین۔ قال ابو یوسف فاما فی افتتاح الصلوۃ و فی العیدین و فی الوتر و عند استلام الحجر فیکف و عند استلام الحجر فیکف و عند استلام الحجر فیکف۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۴۱۴ باب رفع الیدین)



پرچم کو سلام کرتے ہیں تو یہ محض ایک رسم ہے شریعتِ مطہرہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔  
خیر القرون میں بھی مجاہدین اسلام پرچم رکھتے تھے لیکن کسی سے پرچم کی اس طرح تعظیم کرنا  
ثابت نہیں، اس کے علاوہ شریعتِ مقدسہ میں جن مواقع پر ہاتھ اٹھا کر تعظیم کرنا ثابت  
ہے ان میں پرچم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

شرعی قوانین کے عدم نفاذ کی وجہ سے مجرم کی ذمہ داری | سوال :- جس ملک  
میں حدود و قصاص جیسی

سزاؤں کا اجراء نہ ہو وہاں اگر کوئی شخص کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرے جو موجب حد ہو اور  
یہ شخص اپنے آپ کو حد کے لیے پیش بھی کرتا ہو لیکن حدود کے عدم اجراء کی بنا پر کیا یہ شخص  
صرف توبہ پر اکتفا کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حدود اور قصاص کے اجراء کی ذمہ داری حکام پر ہے، اگر کسی ملک  
میں حکام حدود و قصاص وغیرہ شرعی سزاؤں کا اجراء عملاً نہ کرتے ہوں تو ایسے ملک میں مرتکبِ جرم  
کے صرف توبہ و استغفار پر اکتفا کرنا صحیح ہے، اس لیے کہ مجرم کا کام عذاب سے بچنے کے  
لیے توبہ کرنا ہے اور حکام صاحبان اور قضاة حضرات کا کام جرم ثابت ہونے کے بعد حدود  
و قصاص کو عملاً نافذ کرنا ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصرى رحمه الله ، والحاصل ان الواجب على العاصي في نفس  
الامر للتوبة فيما بينه وبين الله تعالى و الأناية ثم اذا اتصل بالامام ثبته ووجب  
اقامة الحد على الامام ولا يمتنع من اقامة بسبب التوبة -

(البحر الرائق ج ۵ ص ۱۰۰ کتاب الحدود) لہ

انگریزی قانون میں بیٹیوں کو وراثت محروم کرنے کا شرعی حکم | سوال :- انگریزی قانون  
کے مطابق باپ کی میراث

لہ و فی الہندیۃ : و رکنہ اقامۃ الامام و نائبہ فی الاقامۃ.... و اطہر من الذنب لیست  
بحکم اصلی لاقامۃ الحد لانہا تحصل بالتوبۃ لاقامۃ الحد و لہذا یقام الحد علی الکافر  
ولا طہرۃ لہ کذا فی التبیین - (الفتاوی الہندیۃ ج ۲ ص ۱۲۳ کتاب الحدود، الباب الاول)  
و مثله فی رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۲ کتاب الحدود -

میں سے بیٹیوں کو کوئی حصہ نہیں ملتا، تو کیا ایسے قانون کی آڑ لے کر بیٹیوں کو ان کے حق وراثت سے محروم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلامی قانون میں باپ کی میراث سے بیٹی کو باقاعدہ حصہ ملتا ہے، اس لیے مروجہ انگریزی قانون کا سہارا لے کر بیٹیوں کو ان کے حق سے محروم کر دینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، ایک مسلمان کے لیے یہ لازمی اور ضروری ہے کہ وہ کسی غیر اسلامی قانون کا سہارا لینے کی بجائے شریعتِ مقدسہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور گھر بچہ بظاہر اس کو نقصان ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔

قال الله تبارك وتعالى : يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْإُنثَىٰ  
فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا  
النِّصْفُ - (سورة النساء آیت ۷)

کسی چیز پر مدت دراز تک قبضہ مفید ملک نہیں | سوال :- ملک میں ایک ایسا

قانون رائج ہے کہ اگر اجارہ کی صورت میں کوئی زمین وغیرہ ساٹھ سال تک مستاجر کے پاس رہ جائے تو وہ زمین مستاجر کی ملک شمار ہوتی ہے، اس قانون کو ”زائد المیعاد“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تو کیا یہ قانون شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- انگریزی دور سے رائج ”زائد المیعاد“ نام کے اس ظالمانہ قانون کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں، شریعتِ مطہرہ نے اجارہ میں مدت کا تعین نہیں کیا ہے بلکہ اگر اجیر نے کوئی زمین وغیرہ کسی کو اتنی زیادہ مدت کے لیے مستاجری پر دی ہو کہ جس میں اجیر اور مستاجر کا زندہ ہونا بھی محال ہو تو ایسا اجارہ صحیح ہے، لیکن اتنی زیادہ مدت گزرنے کے باوجود بھی وہ زمین شرعاً مستاجر کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔

لہ وقال الامام سراج الدین محمد بن عبد الرشيد لسجا وتدي : واما البنات الصلب  
فاحوال ثلث، النصف للمواحدة والثلاثان للاثنتين فصاعداً ومع الابن للذکر مثل  
حِطُّ الْأُنثَىٰ وَهُوَ عَصَبُهُنَّ - (السراج ص ۷ کتاب الفرائض)  
وَمِثْلُهُ فِي شَرْفِيَّةٍ شَرْحِ سَرَاجِيَّةٍ ص ۲ الفرائض -





والحاصل ان المذهب عدم التعزیر باخذ المال۔

(۷۲ المختار ج ۳ ص ۱۹۵، ۱۹۶ فصل فی تعزیر بالمال کتاب الحدود)

تاہم جہاں کہیں مالی جرمانہ کے بغیر چارہ نہ ہو اور مالی جرمانہ سے جرائم ختم ہوتے ہوں تو ایسی حالت میں اگر نظریہ ضرورت کے تحت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ چونکہ تعزیر کا مسئلہ قضاء سے تعلق رکھتا ہے اور فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قضاء کے مسائل میں امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔

ما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : وكل فرع بالقضاء تعلقاً..... قول ابی یوسف

فیہ ینتقی..... الفتاوی علی قول ابی یوسف فیما یتعلق بالقضاء لزیادة تجریتہ۔

(مجموعۃ رسائل ج ۱ ص ۳۴-۳۵)

وقال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ : وسمعت من ثقة ان التعزیر

باخذ المال ان رأى القاضی والوالی جازو من جملة ذلك رجل لا یحضر الجماعة یجوز

تعزیرہ باخذ المال۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۲۴۳ کتاب الحدود، فصل فی التعزیر)

**اشیاء خورد و نوش کے نرخ مقرر کرنا** | سوال :- روزہ استعمال کی اشیا خورد و نوش کے نرخ مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے

تو یہ کس کو حق حاصل ہے؟

**الجواب :-** روزہ مرہ استعمال کی اشیا کی قیمتوں میں کمی یا زیادتی تجارتی منڈیوں میں

اتار چڑھاؤ کی حالت پر مبنی ہے جس کا سبب ماہرین معاشیات ملکی حالات کو قرار دیتے

ہیں جس کے نتیجہ میں افراط زر پیدا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان

کے اعمال کا نتیجہ ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث میں اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوئی

ہے، اس لیے کسی حاکم یا والی کو روزہ مرہ استعمال کی اشیا خورد و نوش کی قیمتیں مقرر

لہ وقال الامام سید سابق رحمہ اللہ : ویجوز التعزیر باخذ المال وهو مذهب ابی یوسف

وبہ قال مالک۔ وایضاً نقل عن معین الحکام ومن قال ان العقوبة المالية منسوخة

تقد غلط علی مذاہب الاثمة نقلًا واستدلالًا ولیس یسهل دعوی نسخها۔

(فقہ السنۃ ج ۲ ص ۲۹۹ کتاب الحدود، فصل فی التعزیر)

کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ هو المسعر القابض الباسط الرازق وانی لا رجوان الی اللہ و لیس احد منکم یطالبنی بمظلمة فی دم ولا مال۔  
(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۳۳ باب فی التسعیر)

تاہم جہاں کہیں تاجر عوام کی مجبوریوں سے غلط فائدہ اٹھا کر مصنوعی مہنگائی پیدا کرتے ہیں، ایسی صورت میں قاضی یا حاکم کے لیے اشیاء خورد و نوش کی قیمتیں مقرر کرنا اور پھر اس کی نگرانی کرنا بھی ضروری ہے۔

لما قال الامام علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: ولا ینبغی للسلطان ان یسعر علی الناس فان کان ارباب الطعام یتحکمون و یتعدون عن القيمة تعدیاً فاحشاً و عجز القاضی عن صیانة حقوق المسلمین الا بالتسعیر فینتذ لباؤس بہ بمشورۃ من من اهل الرأۃ والبصیرۃ۔ (الهدایۃ ج ۳ ص ۲۴۱-۲۴۲ کتاب الکراہیۃ۔ فصل فی البیع) لہ

**حکومت کی طرف سے لگائے گئے ٹیکسوں کی شرعی حیثیت** | سوال: بد آجکل ملک میں تقریباً

ہر طرف ٹیکسیشن کا نظام رائج ہے، کہیں انکم ٹیکس، ٹریڈ ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی، سیلز ٹیکس ہے تو کہیں آبکاری ٹیکس کی شکل میں یہ عوام پر نافذ ہے، تو کیا شریعت مطہرہ حکومت کو زکوٰۃ اور صدقات کے علاوہ رعایا پر مزید ٹیکس لگانے کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** شریعت مطہرہ میں صاف طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال خرچ کرنے کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ اغتیاء کے اموال میں فخر اور مساکین کا حصہ

لہ وقال الامام سید سابق رحمہ اللہ: الترخیص فیہ عند الحاجة الیہ علی ان التجار اذا ظلموا وتعدوا تعدیاً فاحشاً یضرب بالسوق وجب علی الحاکم ان یتدخل ویجدر السقر صیانة لحقوق الناس ومنعاً للاحتکار ودفعاً للنظم الرافع علیہم من جشع التجار۔ (فقہ السنۃ ج ۳ ص ۱۶، ۱۷ کتاب الکراہیۃ التسعیر)

ومثله فی تبیین الحقائق ج ۶ ص ۲۸ کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع۔

موجود ہے۔

قوله تعالى : وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ۔ (سورة الذریت آیت ۱۹)  
امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ  
بھی حق ہے اور انہوں نے اس بات پر اُمرت کا اجماع نقل فرمایا ہے، فرماتے ہیں :-

فقال ابن عمر والحسن والشعبي ومجاهد هو حق سوى الزكوة واجب في  
المال..... قال ابو بكر هذه الانبياء كلها مستعملة وفي المال حق سوى الزكوة  
باتفاق المسلمين۔ (احكام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۵۰۵، ۵۰۶ سورة الذریت)

اس کے علاوہ حکومت وقت پر لازم ہے کہ وہ اپنا دفاعی نظام مستحکم رکھے، اسی طرح  
رفاہ عامہ کے کاموں مثلاً ہسپتال، مسافر خانوں اور سڑکوں وغیرہ کے لیے مخصوص فنڈ مقرر  
کرے، فقراء و مساکین اور یتیموں کا خصوصی خیال رکھے، اگر بیت المال خالی ہو تو دفاعی  
نظام کے اخراجات کے لیے حکومت وقت اُغنیاء پر محدود انداز میں کچھ ٹیکس لگا  
سکتی ہے لیکن یہ ٹیکس اتنا زیادہ نہیں لگایا جائے گا کہ وہ ظلم کی حد تک پہنچ جائے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اما اذا دخلت الايدي من الاموال ولم يكن من  
مال المصالح ما بقى بخراجات العسكر ولو تفرق العسكر واشتغلوا بالكسب الخيف  
دخول الكفار بلاد الاسلام او خيف توران الفتنة من اهل العرامنة في بلاد  
الاسلام فيجوز للامام ان يوظف على الاغنياء مقدار كفاية الجند۔

المستصفى للامام غزالي ج ۱ ص ۳۰۲

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم وقت ضرورت کے تحت مالدار لوگوں پر ٹیکس لگا سکتا  
ہے، تاہم اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ موجودہ دور میں ٹیکسیشن کا سارا نظام صحیح  
ہے، اس لیے کہ آج کل ٹیکسوں کا جو نظام ہے اس میں بعض ٹیکس غیر شرعی ہیں اور  
اسی طرح عام طور پر ٹیکسوں کی شرح فیصدی اتنی زیادہ ہے کہ عام انسان کی قوت برداشت  
سے باہر ہے، شریعت مقدسہ نے ٹیکسوں کی شرح کو زکوٰۃ کی شرح مقدار سے زیادہ نہیں  
بڑھایا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ایک جگہ  
ٹیکس کی وصولی کے لیے بھیجا تو ان کو یہ حکم فرمایا کہ مسلمانوں سے چالیسواں حصہ اور ذمیوں



سے بیسواں حصہ اور حربیوں سے دسواں حصہ وصول کر لیا کرو۔

قال الامام ابو يوسف رحمه الله : فان عمر بن الخطاب وضع العشور فلا بأس باخذها اذا لم يعتد قبيها على الناس ويؤخذ باكثر مما يجب عليهم ..... قال وحدثنا ابو حنيفة عن القاسم عن انس بن سيرين عن انس بن مالك قال بعثني عمر بن الخطاب رضي الله عنه على العشور وكتب لي عهداً ان اخذ من المسلمين بما اختلفوا فيه لتجاراتهم ربع العشر ومن اهل الذمة نصف العشر ومن اهل الحرب العشر۔ (كتاب الخراج ص ۱۳۷ فصل في العشور) له  
 آجکل ملک کے ہر کونہ میں چوٹی ٹیکس وصول کیا جاتا ہے جسے ضلع ٹیکس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، شریعتِ مطہرہ میں اس قسم کے ٹیکس کا کوئی جواز نہیں ہے بلکہ صراحتاً اس کا عدم جواز نقل کیا گیا ہے۔

قاضی ابویعلیٰ رحمہ اللہ اس قسم کے ٹیکس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایک ملک کے اندر ایک علاقے سے دوسرے علاقے کو اشیاء منتقل کرنے پر جو ٹیکس وصول کیا جاتا ہے شریعت نے اس کو حلال قرار نہیں دیا ہے بلکہ اس قسم کا ٹیکس حرام ہے اور عادلانہ سیاست کے بالکل منافی ہے اور اکثر یہ ٹیکس ظالموں کے بلاد میں ہوتا ہے۔

قال العلامة قاضي ابى يعلى؛ فاما اعشارا لمنتقلة في دار الاسلام من بلد الى بلد فحرمه لا يبيحها شرعاً ولا يسوغها اجتهاد ولا هي من سياسيات العدل وقلما تكون الا في بلاد الجائرة ولذلك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يد نحل الجنة صاحب مكس وفي لفظ اخوان صاحب المكس في التاريخ العاشر وفي لفظ اخراذ القيتم عاشرًا فاقتلوه۔ (الاحكام السلطانية ص ۲۲۶ فاما اعشار الاموال)

له قال الامام ابن حزم النطا هري؛ قال ابو محمد وفرض على الاغنياء من اهل كل بلد ان يقوموا بفقرائهم ويحبرهم السلطان على ذلك ان لم تقم الزكوة بهم ولا فئس سائر اموال المسلمين بهم فيقام لهم بما ياكلون من القوت الذي لا بد منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلك ..... برهان ذلك قوله تعالى : "وات ذ الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمَسْكِينِ"۔ (المحلى ج ۲ ص ۲۵۲، ۲۵۳ رقم ۲۵) كتاب الزكوة - قسم الصدقات

تاہم ایک ملک سے دوسرے ملک میں مال اور اشیاء منتقل کرنے پر جو کسٹم ڈیوٹی عائد ہوتی ہے اس کے جواز کی گنجائش ہے، لیکن عصر حاضر میں بعض ممالک میں یہ کسٹم حد سے زیادہ وصول کیا جاتا ہے اس لیے اس کی مقدار میں اعتدال سے کام لینا چاہیے اور اس قسم کے کسٹم کو ظلم کی حد تک نہیں بڑھانا چاہیے۔

لما قال القاضي ابو يعلى: ان كان البلد تغراً يتأخض دار الحرب وكانت اموالهم اذا دخلت دار السلام معشورة عن صلح استقر معهم اثبت في الديوان عقد صلحهم وقد اماخود منهم من عشر أو خمس او زيادة عليه او نقصان منه وان كان يختلف باختلاف الامتعة والاموال فصلت فيه وكان الديوان موضوعاً لخراج رسومه والاستيفاء ما يرفع اليه من مقادير الامتعة المحمولة اليه - (الاحكام السلطانية ص ۲۲۵ تقدير العطاء - الفصل السادس) لہ

**اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی عبادت کا طریقہ کار** | سوال: کیا اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو یہ حق حاصل

ہے کہ وہ اپنے مذہب کی اعلانیہ تبلیغ کریں یا کوئی نئی عبادت گاہ تعمیر کریں یا اپنے مذہب کے مطابق جملہ رسومات ادا کرتے رہیں۔

الجواب :- ایک اسلامی مملکت میں مسلمان حاکم پر لازم ہے کہ غیر مسلم اقلیت کی جان و مال کا تحفظ کرے، لیکن شریعت نے غیر مسلموں کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ بازاروں اور حجروں اور دیگر پبلک مقامات میں اپنے مذہب کا پرچار کریں، غیر مسلموں کی عبادت اپنے گھروں اور اپنی قدیم عبادت گاہوں (مندروں، گرجا گھروں اور چرچوں) تک محدود رہے گی۔ اسی طرح غیر مسلم اپنے لیے کوئی نئی عبادت گاہ تعمیر نہیں کر سکتے اور نہ ہی کوئی نیا قبرستان یا اپنے مردوں کو جلانے کے لیے کوئی نئی جگہ تعمیر کر سکتے ہیں۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی رحمہ اللہ : ولا يجوز ان يبدت بيعة

لہ قال الامام قاضي ابو يوسف: اما العشور قرأت ان توليها قومًا من اهل صلاح والدين وتأمرهم ان لا يتعدوا على الناس فيما يعاملونهم به فلا يظلموهم ولا يأخذوا منهم الا ثمنًا يجب عليهم - (كتاب الخراج ص ۱۳۲ فصل في العشور)

ولا كنيسة ولا صومعة ولا بيت ناس ولا مقبرة ولا صنماً حاوي في دار الاسلام  
 ولو قرية في المختار - دار المختار على يامش رد المختار ج ۳ ص ۲۹۶ كتاب السير له  
 تاہم جہاں کہیں غیر مسلموں کی کوئی عبادت گاہ یا قبرستان وغیرہ اُن کی کثرت آبادی  
 اور مردم شماری کی زیادت کی وجہ سے ناکافی ہو جائے تو اس ضرورت کے تحت وہ نئی  
 عبادت گاہ اور قبرستان وغیرہ صرف ایسے دیہاتوں میں تعمیر کر سکتے ہیں جہاں پر جمعہ  
 اور عیدین کی نمازیں تہیں پڑھی جاتی ہوں۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الكاسانی رحمه الله : ولا يمكنون من اظهار  
 صليبهم في عيدهم لانه اظهرا شعائر الكفر فلا يمكنون من ذلك في  
 امصار المسلمين ولو فعلوا ذلك في كنائسهم لا يتعرض لهم وكذا لو  
 ضربوا الناقوس في جوف كنائسهم القديمة لم يتعرض كذلك لان  
 اظهرا التسعار لم يتحقق فان ضربوا به خارجاً منها لم يمكنوا منه  
 لما فيه من اظهار الشعائر----- وانما كنائس والبيع القديمة  
 فلا يتعرض لها ولا يهدم شيء فيها واما احداث كنيسة اخرى

له وقال الامام قاضي ابو يعلى رحمه الله : ويلزم الذمي ترك ما فيه ضرر  
 على المسلمين واحادهم في مال او نفس وهي ثمانية اشياء - الاجتماع على  
 قتال المسلمين وان لا يذني بمسلمة ولا يصيبها باسم نكاح ولا يفتن مسلماً  
 عن دينه ولا يقطع عليه الطريق - ولا يودي للمشركين عيناً اعق  
 جاسوساً - ولا يعا وتواعى المسلمين بدلالة اعنى لا يكتب المشركين  
 باخبار المسلمين - ولا يقتل مسلماً ولا مسلمة - وكذلك يلزم  
 ترك ما فيه غضاظة ونقص على الاسلام - وهي ثلاثة ذكر الله  
 تعالى وكتابه ودينه ورسوله بما لا يتبغى -

والاحكام السلطانية ص ۱۵۸ فصل في وضع الخراج والجزية



فیمنعون عنه فیما صار مصرًا من أمصار المسلمین -  
(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۱۳، ۱۱۴ کتاب السیر) لہ

حکومت کو زنا بالجبر اور بالرضاء کی تقسیم کا کوئی اختیار نہیں | سوال: حکمران  
طبقہ میں سے بعض

افراد نے زنا کی دو قسمیں بنا رکھی ہیں، یعنی زنا بالجبر کو قابل حد اور زنا بالرضاء کو جائز قرار  
دے کر زانی اور مزنیہ سے حد کو ساقط تصور کرتے ہیں، کیا شرعاً ان افراد کا یہ اقدام جائز  
ہے یا نہیں؟

الجواب: علماء اُمت اور فقہاء کرام نے قرآن اور احادیث کی روشنی میں جس  
زنا کو قابل حد قرار دیا ہے اس میں زنا بالرضاء یا زنا بالجبر کی کوئی قید نہیں لگائی، بلکہ فقہاء  
عبارت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو زنا رضامندی کے ساتھ کیا جائے وہ تو بطریقِ اولیٰ

لہ وفي الهندية: وليس للتصريف ان يضرب في منزله بالناقوس في مصر المسلمين ولا ان يجمع  
فيه بهم اتماله ان يصلى فيه ولا ان يخرجوا الصليب او غير ذلك من كنائسهم  
ولورفعوا اصواتهم بقراءة الزبور والانجيل ان كان فيه اظهارا لشرك منعوا  
عن ذلك وان لم يقع بذلك اظهارا لشرك لا يمتعون ويمنعون عن قراءة ذلك  
في اسواق المسلمين --- ولا بأس بانخراج الصليب وضرب الناقوس اذا  
جاوزوا اقلية المصر وفي كل قرية او موضع ليس من امصار المسلمين فانهم  
لا يمتعون عن ذلك وان كان فيها عدد من المسلمين يسكنون فيها -

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۵۱ کتاب الجهاد، الباب الثامن في الجزية)

وقال الامام علاؤ الدين الكاساني رحمه الله: لا يمتعون من اظهار شئ مما ذكرنا  
من بيع الخمر والخنزير والصليب وضرب الناقوس في قرية او موضع ليس من  
امصار المسلمين ولو كان فيه عدد كثير من اهل الاسلام وانما يكره ذلك  
في امصار المسلمين وهي التي بمقام فيها الجمع والاعياد والحدود -

(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۷ ص ۱۱۳ کتاب السیر)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۱۱۳ کتاب السیر -

حد کا مستحق ہے۔

چونکہ عورت اور مرد پر اپنی اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا حقوق اللہ میں سے ہے اس لئے کسی عورت یا مرد کو اپنی شرمگاہ شریعت کے مقرر کردہ طریقہ کے علاوہ دوسرے طریقہ سے استعمال کرنے کا قطعاً کوئی حق حاصل نہیں، اس لیے رضامندی سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا یہی وجہ ہے کہ اس کی سزا جب حد مقرر ہو جائے تو کسی کو معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں اور نہ ہی حد کو ساقط کرنے کے لیے زنا میں باجبر اور بالرضا میں تقسیم کر سکتا ہے، موجب حد زنا کی جو تعریف کی گئی ہے وہ دونوں کو شامل ہے :-

لما قال العلامة علاؤ الدین الكاسانی رحمه الله: اما الزنا فهو اسم للوطء المحرام في قبلة المرأة الحیة في حالة الاختیار في دار العدل ممن التزم احكام الاسلام العاری عن حقیقة الملك وعن شبهته وعن حق الملك وعن حقیقة التکاح وشبهته وعن شبهة الاشتباه في موضع الاشتباه في الملك والتکاح جميعاً۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۳ کتاب الحدود)

تاہم جہاں کہیں زانی اور مرتزبہ پر ایسی زبردستی کی گئی ہو جس سے انکار کی صورت میں جان کے چلے جانے کا خطرہ ہو تو ایسے اکراہ اور جبر میں زانی مکروہ یا زانیہ مکروہ سے حد ساقط ہو سکتی ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی: قال ومن اكرهه السلطان حتى زنى فلا حد عليه..... وان اكرهه غير السلطان حد عند ابی حنیفة<sup>۲</sup> وقال لا یجد لان الاكراه عندها قد یتحقق من غیر السلطان۔ (الهدایة ج ۲ ص ۴۹۹ کتاب الحدود، باب حد الزنا) لہ

لہ وقال الامام علی ابن ابی بکر المرغینانی: الوطی الموجب للحد هو الزنا، وانه في عرف الشرع واللسان وطی الرجل المرأة في القبلة في غیر الملك وشبهته الملك لانه فعل محظور والحرمۃ علی الاطلاق عند التعدی عن الملك وشبهته یؤید ذلك قوله علیه السلام ادرء والحدود بالشبهات۔

(الهدایة ج ۲ ص ۴۹۹ کتاب الحدود۔ باب حد الزنا)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۳ کتاب الحدود۔ باب حد الزنا۔

## غزبت کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان عدالتی کارروائی کا حکم | سوال: فقہ حنفی کی تمام

کتابوں میں لکھا ہے کہ شوہر کی غزبت اور افلاس کی وجہ سے قاضی یا حاکم خاوند اور بیوی کے درمیان نکاح فسخ نہیں کر سکتا ہے بلکہ خاوند کو مجبور کرے کہ کسی سے قرض لے کر بیوی کا نفقہ ادا کرے۔ آجکل چونکہ بہت سی عورتیں شوہروں کی غزبت و افلاس کی وجہ سے کئی قسم کے گناہوں کی مرتکب ہوتی جا رہی ہیں، لہذا موجودہ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے آجکل کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟

الجواب:- اس مسئلہ میں ہندوستان کے بڑے بڑے علماء نے حالات کے پیش نظر ضرورت کے تحت ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر عمل کرنے کو جائز قرار دیا ہے، اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ مذکورہ مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کا مسلک اور طریقہ کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کی کتب کے مطالعہ سے اس مسئلہ کا حل کچھ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند اس قدر غریب اور نادار ہو کہ وہ اپنی بیوی کو عام معمولی سی خوراک اور کپڑے وغیرہ نہیں دے سکتا، ہو تو عورت کو اختیار ہے کہ خاوند کے ساتھ اس مفلسی کی حالت میں رہے یا خاوند سے علیحدگی اختیار کر لے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

فلما كان من حقها عليه ان يعولها ومن حقه ان يستمتع منها ويكون لكل على كل ما للزوج على المرأة وللرأة على الزوج احتمال ان لا يكون للرجل ان يمسك المرأة يستمتع بها ويمنعها غيره تستغنى به ويمنعها ان تضطرب

لہ قال الامام البيهقي: عن ابى الزناد قال سألت سعيد بن المسيب عن الرجل لا يجد ما ينفق على امرأته قال يفرق بينهما قال ابو الزناد قلت سنة قال سعيد سنة قال الشافعي والذي يشبه قول سعيد سنة ان تكون سنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم - (السنن الكبرى ج ۷ ص ۶۹ کتاب النفاة باب الرجل لا يجد نفقة امرأته)

فان امتنع الزوج عن الاتفاق فالزوجة بالخيار ان شاءت بقتت على نكاحها وان شاءت

طلبت التفريق - (موسوعة فقه عمر بن الخطاب ص ۶۴۱ نفقة)



فراقه فهي فرقة بلا طلاق لانها ليست شيئاً او قعه الزوج ولا جعل الى احد  
 ايقاعه ..... ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه كتب الى امراء الاجناد في رجال غابوا  
 عن تساهمياً مرهم ان يأخذوهم ان ينفقوا أو يطلقوا فان طلقوا بعثو بنفقة  
 ما حبسوا - كتاب الام للشافعي ج ۵ ص ۹۱ باب الرجل لا يجد ما ينفق على امرته له  
 وقال الامام احمد بن محمد بن احمد الدرديري المالكي: فان اثبت الزوج عسر  
 عند الحاكم تلوم له اي امهل بالاجتهاد من الحاكم بحسب ما يراه من حال الزوج  
 لعله ان يحصل النفقة في ذلك الزمن والا يثبت عسره عند الحاكم امر الزوج  
 اي امره الحاكم بها اي بالنفقة او بالطلاق بلا تلوم بان يقول له اما ان تنفق  
 واما ان تطلقها فان طلق أو انفق فالامر ظاهر والاطلاق عليه بان يقول الحاكم  
 فسخت نكاحه أو طلقته منه أو يأمرها بذلك ثم يحكم به -

(الشرح الصغير ج ۲ ص ۴۵، ۴۶ باب وجوب النفقة على الغير)

تاہم تفریق کی صورت میں میاں بیوی شرعی عدالت سے رجوع کریں گے اور قاضی یا  
 حاکم وقت عورت اور اس کے شوہر کے درمیان تفریق کرے گا۔ قاضی یا مسلمانوں کی  
 بنائی ہوئی عدالت کے بغیر عورت اور خاوند کے درمیان تفریق نہیں ہو سکتی۔

لما قال الامام علاؤ الدین ابو الحسن علی بن سلیمان المرادوی الحنبلی: ولا يجوز الفسخ  
 في ذلك الا يحكم حاكم - راجع الانصاف ج ۹ ص ۳۹۱ کتاب النفقات

له وقال الامام ابو الحسن المرادوی الحنبلی رحمه الله: قوله (وَإِنْ عَسَرَ  
 الزَّوْجُ بِنَفْقَتِهَا أَوْ بَعْضِهَا أَوْ بِالْكَسْوَةِ) وكذا ببعضها خيرت بين فسخ النكاح  
 والمقام وتكون النفقة ديناً في ذمته يعني نفقة الفقير ومحلله اذا لم  
 تمتنع نفسها الصحيح من المذهب ان لها الفسخ بذلك مطلقاً  
 وعليه جماهير الاصحاب ونقله الجماعة عن الامام احمد رحمه الله  
 قال الزرکشی رحمه الله: هذ المشهور والمختار للاصحاب -

(الانصاف ج ۹ ص ۳۸۳ کتاب النفقات)

ومثله في مختصر المزني ص ۲۳۲ باب النفقة -



قطع السیر والجلب وسد باب التجارة ففصلنا بينهما سنة -

(الهدایة ج ۲ ص ۵۵ کتاب السیر فصل فی استئمان الکفار)

**سی آئی ڈی (جاسوسی) کی شرعی حیثیت** | سوال :- آجکل دنیا کے اکثر ممالک کے حکمران طبقہ کا یہ دستور ہے کہ اپنے آپ

کو حکومت مخالف سرگرمیوں سے واقف اور باخبر رکھنے کے لیے ایک ادارہ قائم کرتا ہے جسے عرف میں سی۔ آئی۔ ڈی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ایسے محکمے یا ادارے کا قائم کرنا شرعی نقطہ نظر سے صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب:** ملک کو انتظامی طور پر بہتر انداز میں چلانے کے لیے حکومتیں مختلف قسم کے ادارے بناتی ہیں، اسی طرح اگر حکومت کوئی ایسا ادارہ قائم کرے جو غیر ملکی جاسوسوں یا ملک کے اندر ایسے لوگوں کی تحقیق سرگرمیاں معلوم کرے جو کہ حکومت اور ملک کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہو، تو یہ ایک مستحسن اقدام ہے، حکومت کے قائم کردہ ایسے ادارے ملک کے استحکام کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانی: واذا استخلف الوالی رجلاً لیعلمته بكل داعی دخل البلد فهذا علی حال ولايته خاصة لان المقصود منه دفع شرکة او شر غیره یزجره فلا یفید فائدته بعد زوال سلطنته -

(الهدایة ج ۲ ص ۵۰۶ کتاب السیر)

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں آپ کو ملک کے اندرونی حالات و واقعات، عمال کی کارکردگی اور باغیوں کے خروج کا جس سرعت سے علم ہوتا تھا شاید دوسرے ممالک میں بہت کم ایسے ہوتا ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر علاقے میں اس قسم کے خفیہ حالات فراہم کرنے کے لیے پرجہ نویس مقرر کئے ہوئے تھے

له وقال العلامة ابن عابدین فی شرح هذه العبارة: "قوله لانه یصیر عیناً لهم" قال الرملي هذه العلة تنادی بحرمة تمکینه سنه بلا شرط وضع الجزية -

(منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج ۵ ص ۱۵ کتاب السیر، فصل فی تاخیر استئمان الکافر)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۱۰۲ کتاب السیر فصل فی تاخیر استئمان الکافر -



مملکتِ اسلامیہ کے جس حصہ میں بھی نھینہ کام ہوتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فوراً اس کی اطلاع پہنچ جاتی تھی۔

ما قال الامام طبری رحمه الله : وكان عمر لا يخفى عليه شيء في عمله كتب اليه من العراق بخروج من نجران ومن الشام بمائة من اجيز فيها تاريخ الامم والملوك للطبري ج ۲ ص ۶۷ ذكر خبر عزل خالد بن وليد ابي اسى طرح نعمان بن عدى رضى اللہ عنہ بليسان کے علاقہ کے گورنر تھے انہوں نے اپنی بیوی کو خط میں کچھ نازیبا اشعار لکھے جن میں سے بعض اشعار کا کسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم ہو گیا، اشعار سنتے ہی فوراً نعمان بن عدی کو خط لکھ کر گورنری سے معزول کر دیا۔

ما قال الامام دولابي رحمه الله : وكان النعمان اول وارث في الاسلام وكان ابوه اول موروث في قول واستعمله عمر بن الخطاب على ميسان ولم يستعمل من قومه غيره واراد امرأته على الخروج معه الى ميسان فابت فكتب اليها ابيات - شعر وهي -

فمن مبلغ الحساء ان حليلها بميسان يسقى في رجاج وحدثم  
لعل امير المؤمنين يسوءه تناد منا بالجوسق المتهدم  
فبلغ ذلك عمر فكتب اليه - اما بعد فقد بلغنى قولك -  
لعل امير المؤمنين يسوءه تناد منا بالجوسق المتهدم  
وايم الله لقد سئاني ثم عزله - (اسد الغابة في ذكر نعمان بن عدى ج ۵ ص ۶۷) لہ

لہ وقال الامام علامہ دولابی رحمہ اللہ : وحذيفة صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم في المنافقين لم يعلمهم احد الا حذيفة اعلمه بهم رسول الله صلى الله عليه وسلم وسأله عمر في عمالي احد من المنافقين قال نعم واحد قال من قال لا اذكرة قال حذيفة معزله كاتما دل عليه ر كان عمر اذا مات ميت يسأل عن حذيفة كان حضر الصلوة عليه صلى الله عليه وسلم وان لم يحضر حذيفة الصلوة عليه لم يحضر عمر - (اسد الغابة - ذكر حذيفة بن ايمان ج ۱ ص ۳۹۱)

**مخبری کرنے والے پر ضمان کا حکم | سوال :-** اگر کوئی شخص حکومت کی جانب سے

طرف سے لوگوں کے احوال اور اسمگٹنگ کے اموال کے بارے میں حکومت کو معلومات اور شکایات فراہم کرتا ہوں، تو اگر ایسے شخص کی مخبری کی وجہ سے لوگوں کا کوئی نقصان ہو جائے تو آیا اس شخص پر ضمان ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جو شخص حکومت کی طرف سے نفعیہ معلومات کی حکومت کو فراہمی پر باقاعدہ مامور نہ ہو اور وہ شخص لوگوں کے اموال وغیرہ کی حکومت کو سی آئی ڈی کرتا ہو تو وہ شرعاً مجرم شمار ہوگا اور جو مال وغیرہ اس کی شکایت کی وجہ سے بحق سرکار ضبط ہو چکا ہو اس کا ضمان اورتاوان اس شخص پر عائد ہوگا۔

لما قال العلامة سید محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز: اقول حاصله انه اذا شكاه بغير حق يضمن ما اتلفه الوالى او اعوانه من عضو او من مال دون النفس ..... افتى به المتأخرون على خلاف القياس زجراً عن السعاية. (فتاوى تنقيح الحامدية ج ۲ ص ۲۸۸ کتاب الجنایات) تاہم اگر کسی نے خوف اور خود کو ضرر پہنچنے کی وجہ سے کسی کی شکایت کی ہو تو پھر شکایت کرنے والے پر ضمان نہیں۔

لما قال الامام حافظ الدين محمد بن شهاب البزازی: السعى الى السلطان على ثلاثة ان كان بحق بان كان يوزيه ولا يمكنه الدفع الا بالرفع او فاستقلا يمتنع الا بالامر بالمعروف لا يضمن الساعي. (فتاوى يرازية على هامش الحنفية ج ۶ ص ۱۱۳ کتاب الاستصاء ابنا السادس في السعاية) لہ

لہ قال العلامة احمد بن محمد الحموی المصری: تحت قول الاشباہ والنظائر "الافتاء بتضمين الساعي وهو قول المتأخرين لغلبة السعاية" قیدہ قاری الہدایۃ بما اذا كان عادة ذلك الظالم ان من رفع اليه ويقول عنده ان يأخذ منه مالا مصادراً يضمن الساعي في هذه الصورة ما اخذة للظالم هذا هو المفتى به افتى به المتأخرون من علماءنا۔  
والاشباہ والنظائر مع شرحه للحموی ج ۱ القاعدة التاسعة عشرة (ص ۲۶۶)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۵ کتاب القضاء۔

سوال :- پاکستان کے قبائل میں سے ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو پاکستانیوں کے ساتھ لڑائی کو جہاد کہتے ہیں اور لڑائی میں مرنے والے اپنے ساتھیوں کو شہید اور زندہ رہ جانے والوں کو غازی تصور کرتے ہیں، اور پاکستانیوں سے اخذ شدہ مال کو مالِ غنیمت کہتے ہیں، اور اس گروہ کا امیر اس مال سے اپنے لیے خمس (۱/۵) لیتا ہے، شرعاً اس گروہ کا یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب :- مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہوئے مسلمانوں کے مال و جان کو مباح قرار دینا اور ان کے ساتھ قتال کو جہاد کے مترادف قرار دینا، یہ باغیوں اور قطاع الطریق کا کام ہے۔ فقہاء کرام نے باغیوں اور قطاع الطریق کی جو تعریفات ذکر کی ہیں وہ اسی قسم کے گروہوں پر حرف بحرف صادق آتی ہیں۔

لما فی الہندیۃ : اهل البغی کل فرقة لهم منعة يتغلبون ويجمعون ويقاتلون اهل العدل بتأویل وبقولون الحق معنا ویدعون الولاۃ۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۲ ص ۲۸۳ کتاب السیرۃ النبا العاشر فی البغاة) شریعت مقدسہ کی رو سے کسی مسلمان کا ناحق قتل کرنا اور اس کی رضا مندی کے بغیر لینا دونوں حرام اور ناجائز ہے۔

لقولہ علیہ السلام : لا یجزل دم امرئ مسلم یشہدان لا الہ الا اللہ واتی رسول اللہ الا باحدی ثلث، والنفس بالنفس والثیب الترائی والمفارق لدنیہ التارک الجماعۃ۔ (صحیح بخاری، دیات، ۲/۱۰۶۔ صحیح مسلم، قسامہ، ۲/۵۹۔ سنن النسائی ج ۲ ص ۱۶) وایضاً قال علیہ السلام : لا یجزل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۳۹۴۔ فردوس الدلیلی ج ۵ ص ۶۳۵ رقم ۲۱۵)

۱۔ وقال الامام فخرالدين الرازى: (في تفسير هذه الآية) "اتما جزاء الذين يجارون الله ورسوله ويسعون في الأرض فساداً"، المحاربون المذكورون في هذه الآية هم القوم الذين يجمعون ولهم منعة ممن ارادهم بسبب انهم يحمي بعضهم بعضاً ويقصدون المسلمين في ارواحهم ودمائهم۔ (التفسير الكبير ج ۱۱ ص ۲۱۲، ۲۱۵۔ سورة المائدة) ومثله في احكام السلطانية لابي يعلى ص ۵۴ اما قتال اهل البغی۔



**شریعت بل کا پس منظر** | سوال :- جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور حکومت میں شریعت بل کا شور و غوغا پورے ملک میں پھیلا ہوا

تھا۔ اس بل کی ابتداء، پس منظر اور بالآخر ایوانِ بالا (سینٹ) سے منظوری کے باوجود اس کے تعطل کا شکار ہونے کی وجوہات کیا ہیں؟

**الجواب :-** شریعت بل ان اسلامی دفعات کا مجموعہ ہے جس پر علماء کرام نے تشریح و روز محنت کی، علماء نے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے حکومتی ایوانوں میں یہ بل پیش کیا لیکن بد قسمتی سے نام نہاد جمہوری اداروں سے اس کو پذیرائی حاصل نہ ہوئی اور ۱۳ مئی ۱۹۹۰ء کو سینٹ سے متفقہ طور پر پاس ہونے کے باوجود ابھی تک یہ بل آئین کا حصہ نہ بن سکا۔ اس بل کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر یہ بل تمام قانونی مراحل سے پاس ہو جاتا تو ملک کے پورے نظام میں یکسر تبدیلی آجاتی۔ معاشی اور اقتصادی اور عدالتی امور میں اس سے انقلاب برپا ہو جاتا لیکن حکومتی ایوانوں پر قابض بے دین طبقہ نے علماء کی آواز کو دبا کر سرد خانہ میں ڈال دیا، یہی وجہ ہے کہ حالات جوں کے توں ہی ہیں۔

**شریعت بل کا خاکہ یہ تھا :-**

دفعہ ۱: (الف) یہ قانون نفاذ شریعت کے نام سے موسوم ہوگا۔

(ب) یہ قانون اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تمام علاقوں اور تمام باشندوں پر نافذ ہوگا، البتہ غیر مسلم باشندوں کے شخصی معاملات اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

دفعہ ۲: شریعت کی قانونی تعریف!

دالف) شریعت سے مراد دین کا وہ خاص طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اپنے بندوں کے لیے مقرر کیا ہے۔

(ب) شرعی قوانین کا اصل ماخذ قرآن کریم اور سنت رسول ہے۔

(ج) اجماع امت کو قرآن اور سنت نے حجت قرار دیا ہے، اس لیے جو قانون اجماع امت سے ثابت اور مانوڈ ہو وہ بھی شریعت کا قانون ہے۔

(د) جو احکام امت کے معتمد اور مستند مجتہدین نے قرآن و سنت اور اجماع کے قواعد و ضوابط معینہ کے مطابق مستنبط کر کے مدون کرائے ہیں وہ بھی شریعت ہی کے قوانین

ہیں اس لیے کہ قیاس اور اجتہاد کو (بشرطیکہ وہ قرآن و سنت اور اجماع کے خلاف نہ ہو) قرآن اور سنت نے حجت قرار دیا ہے۔

**دفعہ ۳:** شریعت کی بالادستی۔

مقننہ کوئی ایسا قانون یا قرارداد منظور نہیں کر سکے گی جو شریعت کے احکام کے خلاف ہو، اگر ایسا کوئی قانون یا قرارداد منظور کر لی گئی تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی اور اسے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جاسکے گا اور چیلنج کرنے کے فوراً بعد عدالت کے آخری فیصلہ تک اس پر عمل درآمد ملتوی ہو جائے گا۔

**دفعہ ۴:** ملک کی تمام عدالتوں میں ہر قسم کے مقدمات بشمول مالی وغیرہ کے شریعت کے مطابق نہ کئے گئے فیصلوں کی کوئی قانونی حیثیت نہ ہوگی۔

**دفعہ ۵:** وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ اختیار سماعت و فیصلہ بلا کسی استثناء ہر قسم کے مقدمات پر حاوی ہوگا، اور عبوری دستوری حکم ۱۹۸۵ء کی دستوری ترمیم کے ذریعہ لگائی گئی پابندیاں فوراً ختم کر دی جائیں گی۔

**دفعہ ۶:** انتظامیہ کا کوئی بھی فرد بشمول صدر مملکت اور وزیر اعظم شریعت کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکے گا اور اگر ایسا کوئی حکم دے دیا گیا ہو تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی اور اسے عدالت میں چیلنج کیا جاسکے گا۔

**دفعہ ۷:** حکومت کے تمام عمال بشمول صدر مملکت اور وزیر اعظم پر شرعی عدالت کا فیصلہ ملک کے تمام دوسرے باشندوں کی طرح یکساں طور پر نافذ ہوگا، اور کوئی بھی ملک کا باشندہ اسلامی قانون عدل کے مطابق عدالتی احتساب سے بالاتر نہیں ہوگا۔

**دفعہ ۸:** مسلم اسلامی فرقوں کے شخصی معاملات ان کے اپنے اپنے فقہی مسلک کے مطابق طے کئے جائیں گے۔

**دفعہ ۹:** غیر مسلم یا شدگان مملکت کو اپنے بچوں کے لیے مذہبی تعلیم اور اپنے ہم مذہبوں کے سامنے اپنی مذہبی تبلیغ کی آزادی ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون کے مطابق کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

**دفعہ ۱۰:** تمام عدالتوں میں حسب ضرورت تجربہ کار، جید اور مستند علماء دین کا بحیثیت جج اور معاونین عدالت تقرر کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۱: علوم شرعیہ اور اسلامی قانون کی تعلیم اور نجوں کی تربیت کا ایسا مؤثر انتظام کیا جائے گا کہ مستقبل میں علوم شرعیہ اور خصوصاً اسلامی قانون کے ماہر تیار ہو سکیں۔

دفعہ ۱۲: قرآن اور سنت کی وہی تعبیر معتبر ہوگی جو صحابہ کرامؓ اور مستند مجتہدین کے تمام عام اصول تفسیر اور علم حدیث کے مسلمہ قواعد اور ضوابط کے مطابق ہو۔

دفعہ ۱۳: انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ کے ہر فرد کے لیے فرائض شریعت کی پابندی اور محرّمات شریعت سے اجتناب کرنا لازم ہوگا۔

دفعہ ۱۴: تمام ذرائع ابلاغ کو خلاف شریعت پروگراموں، فواحش اور منکرات سے پاک کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۵: حرام طریقوں اور خلاف شریعت کاروبار کے ذریعہ دولت کماتے پر پابندی ہوگی۔

دفعہ ۱۶: شریعت نے جو بنیادی حقوق یا شندگان ملک کو دیئے ہیں ان کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جائے گا، اگر ایسا کوئی حکم دیا گیا تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی اور اسے عدالت میں چیلنج کیا جاسکے گا۔

(شریعت بل کا معرکہ ص ۴۵، ص ۴۶)

اسلام اور مغربی جمہوریت کا تقابلی جائزہ | سوال: دنیا کے اکثر ممالک میں جمہوری نظام رائج اور نافذ العمل ہے، کیا اسلام میں ایسی جمہوریت کی بقا کے لیے کوئی جگہ ہے یا اسلام اور جمہوریت دونوں الگ الگ نظام ہیں؟

الجواب: اسلام ایک ایسا نظام حیات ہے جو اپنی خصوصیات کی وجہ سے مستقل شخص کا مالک ہے، اس کا تعلق جمہوریت یا سوشلزم سے جوڑنا اسلامی نظام حیات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ مغربی طرز کی جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں، عوام جس طرح چاہیں ملک کے قانون پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، ملک کے کسی بھی رائج الوقت قانون کو محض اکثریت کے بل بوتے پر ختم کر سکتے ہیں، اور اگر چاہیں تو بے دینی، فحاشی اور خلاف انسانیت قانون کو راتوں رات پاس کر کے



ملک پر نافذ کر سکتے ہیں۔ ایسے نظام میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہی ہوتے ہیں جبکہ عوام کے نمائندے وزیر اعظم کو ملک کی قسمت سے کھیلتے کے لیے لامحدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں، ایسے فرسودہ نظام میں صرف افراد گنے جاتے ہیں، باطنی معافی اور علم و دانش کی کوئی قدر نہیں ہوتی، معاشرہ کی قابل فخر شخصیت اور ادنیٰ فرد کی رائے ایک شمار ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسی جمہوریت کے ذریعے قائم ہونے والی حکومت بظاہر اپنے آپ کو عوام کا ترجمان شمار کرتی ہے لیکن عوام کے حقوق سب سے زیادہ اسی کے ذریعہ پامال ہوتے ہیں۔ چنانچہ پاکستانی معاشرہ کے حوالہ سے یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ جمہوری نظام ہی میں قوم نے تباہی و بربادی اور ہلاکت کے کون سے مواقع نہیں دیکھے۔

جبکہ اس کے برعکس اسلام میں طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور خلیفہ صرف تشفیہ احکام الہی کے لیے تیابت کی ذمہ داری نبھاتا ہے۔

قوله تعالى: (۱) اِنْ الْحُكْمُ لِلَّهِ - (سورة الانعام آیت ۵۷) ، سورة يوسف آیت ۶۶/۲  
(۲) اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً - (سورة البقرة آیت ۳۱) - (۳) اَلَا لَهٗ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ  
(سورة الاعراف آیت ۵۴)

علاوہ ازیں جمہوری نظام میں طریقہ انتخاب بھی اسلام کے طریقہ انتخاب سے مختلف ہوتا ہے جس میں شوری کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کے خلاف کوئی فیصلہ کرے، شوری کی تمام سرگرمیاں دین کے ماتحت رہتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب تک خلیفہ اللہ تعالیٰ کے قانون کا تابع ہو تو اس کی خلاف ورزی ناجائز بلکہ بغاوت تصور ہوگی۔

قال الامام قاضي ابو يعلى: - وهم الذين يخرجون على الامام ويخالفون الجماعة وينفردون بذهب ابدعوه - (الاحكام السلطانية ص ۵۴ اما قتال اهل البغى)

بہر حال اسلام ایک مستقل نظام حیات ہے جو مروجہ مغربی جمہوریت سے جدا ہے، یہ الگ بات ہے کہ جمہوریت بعض امور میں اسلام کی خوشہ چین ہے، ووٹنگ کے مروجہ نظام کے مقابلہ میں اسلام میں شورائی اور استخلاف کا نظام موجود ہے۔

قوله تعالى: وَسَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ -

(سورة ال عمران آیت ۱۵۹)

سیاست اسلامیہ کے نامور امام ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب البغدادی الماوردی نے

خلافتِ اسلامیہ کے انعقاد اور خلیفہ مقرر کرنے کا تفصیلی نقشہ یوں کھینچا ہے :-

فصل: والامامة تنعقد من وجهين احدهما باختيار اهل العقد والحل - والثاني بعهد الامام من قبل اقامتها انعقادها باختيار اهل الحل والعقد فقد اختلف العلماء في عدد من تنعقد به الامامة منهم على مذاهب شتى فقالت طائفة لاتتعقد الا بجمهور اهل الحل والعقد من كل بلد ليكون الرضا به عاماً والتسليم لامامته اجماعاً وهو مذهب مدفوع ببيعة ابي بكر رضي الله عنه على الخلافة باختيار من حضرها ولم ينتظر ببيعة قدوم غائب عنها - وقالت طائفة اخرى اقل من تنعقد به منهم الامامة فممنه يجتمعون على عقدها او بعقدها احدهم برضاء الاربعة استدلالاً بامر من احدهما ان بيعة ابي بكر رضي الله عنه انعقدت بخمسة اجتمعوا عليها ثم تابعهم الناس فيها وهم عمر بن الخطاب والوعيدة ابن الجراح وأسيد بن حضير وبشر بن سعد وسالم مولى ابي حذيفة رضي الله عنهم - والثاني ان عمر رضي الله عنه جعل الشورى في ستة ..... وقالت طائفة اخرى تنعقد بواحد لان العباس قال لعلي رضوان الله عليهما امدد يدك بايكم فيقول الناس عم رسول الله صلى الله عليه وسلم بايع ابن عمه فلا يختلف عليك اثنان - ولانه حكم وحكم واحد ناذ - (الاحكام السلطانية للمواردى انا الاول عقد الامامة له

**سوشلزم اور اسلام کا موازنہ** | سوال :- سوشلزم (اشتراکیت) کیا چیز ہے، اور کیا اسلام اور سوشلزم میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب :- سوشلزم یا اشتراکیت یہ ایک کافرانہ نظام ہے اور اس کی تاریخ کا آغاز اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ہوا، سب سے پہلے ہیکل نامی ایک شخص نے اس نظریہ کو ایک علمی نظریہ کی شکل میں پیش کیا اور اسے اقتصادی امور میں کامیابی کی بنیاد قرار دیا بعد میں اسے اقتصادی زندگی بنیاد بنائے اور تمدنی پروگرام میں ڈھلنے والا شخص "کارل مارکس" ہے، اور یہی نظریہ آجکل "کیونزم" کی شکل میں روس پر حاوی ہے۔

اسی نظریئے کے بارے میں برصغیر کے مشہور مسلمان ماہر اقتصادیات حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

”کارل مارکس اور دوسرے اشتراکی راہنماؤں نے جس فلسفہ پر ”مارکسزم“ کی بنیاد قائم کی ہے اس میں خدا سے انکار اور الہیات کی نفی صفتِ اول میں درجہ پاتے ہیں۔۔۔ لہذا اس کے فلسفہ لادینیت کے ساتھ اسلام کا کوئی رابطہ اور تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔“

اس کے بعد مولانا سیوہاروی رحمہ اللہ اسلام اور سوشلزم کے اقتصادی نظام کے فرق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسلامی اقتصادی نظام کے اصول یہ ہیں :-

(۱) دولت و ذرائع دولت میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی حدود قائم کر دی جائیں۔

(۲) حقِ معیشت کی مساوات کے اعتراف کے ساتھ بلحاظِ معیشت اختلافِ مدارج تسلیم کرتے ہوئے احتکار کو روکا جائے۔

جبکہ اشتراکی اقتصادی نظام ان امور پر قائم ہے :-

(۱) دولت و ذرائع دولت سے انفرادی ملکیت کو مٹا دیا جائے۔

(۲) بلحاظِ معیشت اختلافِ درجات کا انکار کیا جائے اور معاشی لحاظ سے بھی سوائی میں مساوات تسلیم کی جائے۔ (اسلام کا اقتصادی نظام صفحہ ۲۳۳/۲۳۴)

**سوشلزم اور اسلام کا تقابلی جائزہ** | سوال :- سوشلزم کے بارے میں کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس میں انسانی

ضروریات کا تکفل ہے اور بغیر کسی معاوضہ کے حقوق دیئے جاتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اسلام میں سوشلزم کے مقابلے میں انسانی ضروریات کا خیال کیا جاتا ہے یا نہیں؟ کیا اسلام میں محنت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے یا صرف خیرات و صدقات پر بھروسہ کیا جاتا ہے؟

**الجواب :-** اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں انسان کی ضروریات کا حل اکل طریقہ سے موجود ہے، سوشلزم میں تو صرف چند لوگوں کو صفتِ روٹی، کپڑا اور مکان ملتا ہے، باقی سب لوگوں سے مزدوری زیادہ لی جاتی ہے اور معاوضہ تھوڑا دیا جاتا ہے اس لیے کہ پوری رعایا صرف حکومت کے لیے کام کرتی ہے، کوئی چیز کسی فرد کی ذاتی



ملکیت نہیں ہوتی، اس کے بالمقابل اسلام میں ضعفاء، فقراء اور مساکین کو زکوٰۃ، صدقہ اور عام رعایا کو بھی بیت المال سے باقاعدہ تنخواہیں ملتی ہیں۔  
 خلفاء راشدین کے دورِ خلافت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ملازمین کے علاوہ عام مسلمانوں کے لیے مجھے بیت المال سے وظائف مقرر کئے تھے۔

لما قال الامام حافظ ابن تیمیۃ رحمہ اللہ: كما فعل عمر بن الخطاب رضي الله عنه لما كثرت المال اعطاهم عامۃ المسلمين فكان يبيع اصناف المسلمين فرض في ديوان عمر بن الخطاب غنيهم وفقيرهم..... ومع هذا فالجواب تقديم الفقراء على الاغنياء الذين لا منفعة فيهم فلا يعطى غنى شيئاً حتى يفضل عن الفقراء۔

(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۸ ص ۵۶۴ الیاسۃ الشرعیۃ)

تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آدمی محنت مزدوری اور کسبِ معیشت کو ترک کر کے صرف حکومتی وظائف ہی کو اپنی بقاء کا ذریعہ سمجھے اور یہاں تک کہ دستِ سوال پھیلانے کی نوبت آجائے، جو شخص بدن اور اعضاء کے اعتبار سے تندرست و توانا اور محنت مزدور محص کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود صدقات و خیرات کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے، شریعت ایسے شخص کو کبھی بھی سوال کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی رحمہ اللہ محتسب کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

وان رأی رجلاً ان يتعرض لمسألة الناس في طلب الصدقة و علم انه غنی  
 اما مال او عمل انكره عليه و آدبه فيه وكان المحتسب بانكاره اتخص من  
 عامل الصدقة فعل عمر مثل ذلك بقوم من اهل الصدقة۔

(الاحکام السلطانیۃ للماوردی الباعشر<sup>۲۳۸</sup> فی احکام الحسبۃ)

قرآن کریم اور سنت نبوی کی تعلیمات قدم قدم پر انسان کو حلال روزی کمانے اور کسبِ معیشت کی ترغیب دیتی ہیں، مثلاً :-

قوله تعالى: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ۔

(سورة الجمعة آیت ۷)

وقال عليه الصلوة والسلام: طلب الحلال فريضة بعد الفريضة -  
 ركن العمال ج ۲ ص ۴۰۳ رقم ۹۲۰۳ الفصل الاول في فضائل الكسب الحلال  
 سيدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ تنخواہوں کی تفصیل امام ابوالحسن الماوردی  
 رحمہ اللہ نے کچھ یوں بیان فرمایا ہے:-

فلما وضع الديوان فضل بالسابقة فرض لكل من شهد بدمناً من المهاجرين  
 الاولين خمسة الاف درهم في كل سنة منهم علي بن ابي طالب و عثمان بن عفان  
 و طلحة بن عبيد الله و الزبير بن العوام و عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ و فرض  
 لنفسه معهم خمسة الاف درهم و الحق به العباس بن عبد المطلب و الحسن  
 و الحسين رضوان اللہ علیہم لِمَكَانِهِمْ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و قيل  
 بل فضل العباس و فرض له سبعة الاف درهم و فرض لكل من شهد بدمناً من  
 الانصار اربعة الاف درهم و لم يفضل على اهل بدمناً احداً الا ازوج رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم فانه فرض لكل واحدة منهن عشرة الاف درهم..... الخ  
 (الاحكام السلطانية للسماوردی ابواب الثامن عشر فی وضع الديوان الخ)

**بائیکاٹ اور ہڑتال کی شرعی حیثیت** | سوال :- آج کل حکومت سے اپنے مطالبات

طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ کیا شریعت مقدسہ میں اس قسم کی ہڑتالوں کی گنجائش ہے؟  
 الجواب :- عصر حاضر میں احتجاجات اور ہڑتالوں نے مختلف شکلیں اختیار کر  
 رکھی ہیں، بعض ہڑتالیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں لوٹ مار، سنگباری، توڑ پھوڑ اور چلتی  
 گاڑیوں کو آگ لگانے اور سرکاری املاک کو نقصان پہنچانے جیسے غلط اور ناروا افعال کو  
 اپنایا جاتا ہے جو کہ کسی بھی مہذب قوم کو زینب نہیں دیتا۔

ظاہر بات ہے کہ اس قسم کی ہڑتالیں کرنا اور جلسے جلوس نکالنا شرعاً ناجائز ہے۔  
 اسی طرح بعض تعلیمی اداروں میں طلباء ان اداروں کے نظم و نسق کے بارے میں ہڑتالیں  
 کرتے ہیں اور اسباق میں حاضر نہیں ہوتے۔

اس قسم کی ہڑتالوں کے بارے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے  
 عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ: "طلیئہ مدارس کی اسٹرائٹک منتظمین کے خلا قواعد شرعیہ

کی رو سے ناجائز ہے۔ اولاً اس لیے کہ اسٹرائٹنگ کا مقصد منتظمین پر دباؤ ڈال کر ان کو اپنے مطالبات کے ماننے پر مجبور کرنا ہے۔ اور طلبہ کو کسی حالت میں اس قسم کے دباؤ ڈالنے کا حق نہیں ہے کیونکہ طلبہ محکوم ہیں اور منتظمین حاکم، اور محکوم پر حاکم کی اطاعت اس وقت تک لازم ہے جب تک کہ ان کو کسی خلاف شرع امر کا حکم نہ دیا جائے۔ پس طلبہ کا منتظمین پر حکومت کرنا قلب موضوع اور شریعت کے حکم کو بدلتا ہے، لہذا اسٹرائٹنگ جائز نہیں ہو سکتی یا

(امداد الفتاویٰ ج ۶ ص ۲۰۳ کتاب العقائد والکلام)

تاہم اگر مطالبات جائز ہوں اور ہڑتال، بائیکاٹ اور جلسے جلوس پُر امن ہوں، اور غیر شرعی امور کا ارتکاب نہ ہو تو ایسی حالت میں ہڑتال کرنے اور جلسے جلوس نکالنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ شرعی اور جائز مطالبات منوانے کے لیے ایسا اقدام کرنا مستحسن عمل ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسے وقت میں احتجاج کے طور پر جیل سے نکلنے سے انکار کیا تھا۔

لَقَوْلِهِ تَعَالَى: وَقَالَ الْمَلِكُ اُتُوْنِي بِهٖ فَلَمَّا جَاءَ الرَّسُوْلُ قَالَ اَرْجِعْ اِلَى رَبِّكَ فَسْئَلُهُ مَا بِاَلِ النَّسُوَةِ الَّتِي قَطَعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيْ بَلِيْدٌ هُنَّ عَلِيْمٌ (سورة يوسف آیت ۲۵)  
وقال الامام القرطبي: في تفسير هذه الآية: "فَلَمَّا جَاءَ الرَّسُوْلُ" اي بامرہ بالخروج قال ارجع الى رَبِّكَ فاسئله ما بال النسوة۔ اي حال النسوة التي قطعن ايديهن فاني ان يخرج ان تصح برأته عند الملك مما قذف به وانه جلسن بلاجرم۔ (الجامع الاحكام القرآن ج ۹ سورة يوسف ص ۱۳۵)

اے قال الامام ابن جرير الطبري: يقول فلما جاءه الرسول الملك يدعوه الى الملك "قال ارجع الى رَبِّكَ" يقول قال يوسف ارجع الى سيدك "فاسئله ما بال النسوة التي قطعن ايديهن" واني ان يخرج مع الرسول واجابة الملك حتى يعرف صحة امره عندهم مما كانوا قد قوه به من شأن النساء فقال للرسول سئل الملك ما شأن النسوة التي قطعن ايديهن والمرأة التي سجت بسبها۔  
(جامع البيان للطبري ج ۷ ص ۲۳۴ سورة يوسف)

وقال الامام جلال الدين في تفسيره: اخبرني ابن المنذر عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله مَا بِاَلِ النَّسُوَةِ الَّتِي قَطَعْنَ اَيْدِيَهُنَّ قَالَ اراد يوسف عليه السلام العذراء قبل ان يخرج من السجين۔ (الدر المنثور في التفسير المأثور ج ۲ ص ۵۲۸ سورة يوسف)



**بھوک ہڑتال کی شرعی حیثیت** | سوال :- اپنے حقوق حاصل کرتے اور مطالبات منوانے کے لیے بھوک ہڑتال کا سہارا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** چونکہ آج کل اکثر ملکوں میں جمہوری حکومتیں ہیں اور بھوک ہڑتال کے ذریعہ حکومتیں عوام کے مطالبات کو تسلیم کر لیتی ہیں، اس لیے جائز مطالبات اور حقوق کے حصول کے لیے بھوک ہڑتال پر امن طریقہ سے ہونی چاہیے، کہیں میر نہ ہو کہ اس کی وجہ سے جان خطرے میں پڑ جائے ایسی ہڑتال کرتے ہیں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ تاہم اگر بھوک ہڑتال ایسی ہو کہ اس کی وجہ سے جان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا بھوک ہڑتال کو اتنا لبا کر دیا جائے کہ بھوک کی وجہ سے کوئی مر جائے تو ایسی بھوک ہڑتال نہ صرف ناجائز اور ممنوع بلکہ خودکشی کے مترادف ہے۔

لما فی الہندیۃ ، فان ترک الاکل والشرب حتی ھلک فقد عصى ..... ولا تجوز  
الریاضۃ بتقلیل الاکل حتی یضعف عن اداء الفرائض فاما تجویع النفس علی  
وجہ لا یعجز عن اداء العبادات فهو مباح وفيہ ریاضۃ النفس۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۶ کتاب لکرامیۃ - البنا الحادی عشر فی لکرامیۃ فی الاکل)

**عورتوں کا جلوس نکالنے کا حکم** | سوال :- جمہوری حکومت میں اپنے حقوق کیلئے جلوس نکالنا جمہوری عمل کا ایک حصہ ہے، تو کیا مردوں کی طرح عورتیں بھی اپنے حقوق کے لیے جلوس نکال سکتی ہیں یا نہیں؟

**الجواب :-** معاشرہ کی بقا مردوں کے باہمی اشتراک پر موقوف ہے، اس میں مردوں کی طرح عورتیں بھی حقوق رکھتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

(۱) لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبْنَ۔ (سورۃ النساء آیت ۳۲)  
(۲) وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۸)

اے وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : فان ترک الاکل والشرب حتی ھلک فقد عصى لان فیہ القاء النفس الی التھلکۃ وانہ متہمی عنہ فی حکم التنزیل۔  
(۲) دالمختار ج ۵ ص ۲۳۸ کتاب الخطر والاباحۃ)

وقال اللہ تعالیٰ : وَلَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۵)

اپنے حقوق کے حصول کے لیے لڑنے یا اس کا مطالبہ کرنے پر شرعاً کوئی پابندی نہیں ہے، جس طرح مرد اپنے حقوق کا مطالبہ کر سکتے ہیں اسی طرح عورتوں کو بھی اپنے حقوق کے مطالبہ کے لیے کوئی امر مانع نہیں، تاہم عورت کو اپنے حقوق کے احیاء کے لیے اپنی شخصیت کے تقدس کو پامال کرنا بددیانتی اور خیانت کے مترادف ہے۔ عورتوں کا جلوس نکلنے سے اگرچہ اپنے حقوق کا مطالبہ مقصود ہوتا ہے لیکن موجودہ حالات کی روشنی میں یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ اس میں عورتوں کا اپنے حقوق کے مطالبہ کے لیے نعرہ بازی کرنا یا اظہار نفرت کے لیے اپنے ایسے اعضاء کو ظاہر کرنا لازمی امر ہے جن کا بلا عذر شرعی کھولنا شریعت میں حرام ہے جو کہ عورت کے لیے جائز نہیں، اس لیے عورتوں کا جلے جلوسوں یا دوسرے اجتماعی طریقوں میں مذکورہ امور کا ارتکاب ناجائز اور حرام ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: قال مثل الراقلة فی الریئة فی غیر اہلھا کمثل ظلمة یوم القیامة لانور لھا۔ (جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۳۹ ابواب الرضاع، باب ملجاء فی کراہیة خروج النساء فی الریئة)

تاہم اگر عورتوں کے ایسے جلوس نکالنے سے کسی بے حیائی اور خلاف شرع امور کا ارتکاب نہ ہوتا، ہو بلکہ ایسے جلوسوں سے کسی دینی یا دنیوی حقوق کا احیاء مقصود ہو تو ان کے جواز کی گنجائش ہے۔

لما فی الحدیث: عن ایاس بن عبد اللہ بن ابی ذباب قال قال رسول اللہ علیہ وسلم لا تضر بوا أماء اللہ فجاء عمرؓ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ذموا النساء علی ازواجہن فرخص فی ضربہن فاطاف بال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نساء کثیر یشکون ازواجہن فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقد طاف بال محمدؐ نساء کثیر یشکون ازواجہن لیس اولئک بمخیار کھر۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۲ کتاب النکاح)

**عائلی قوانین کی شرعی حیثیت** | سوال :- فیلڈ مارشل ایوب خان مرحوم نے اپنے دور حکومت میں جو عائلی قوانین نافذ کئے تھے

ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: ایوب خان مرحوم نے جن عائلی قوانین کا آرڈیننس جاری کیا تھا اس کی بعض



دفعات قرآن کریم اور احادیث سے مثلاً :-

(۱) دفعہ ۱: قابل توجہ ہے جس کی رو سے اگر کسی شخص کے چند لڑکوں اور لڑکیوں میں سے کوئی ایک لڑکا یا لڑکی اس کی زندگی میں ہی فوت ہو جائے اور اس نے لڑکا یا لڑکی کی اولاد پھوڑی ہو تو اس دادا یا نانا کی وفات کے وقت شرعی قاعدہ کی رو سے صلیبی بیٹوں اور بیٹیوں کی موجودگی میں پوتے اور نواسے کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا، جبکہ اس قانون نے ان کو حصہ دلانے کے لیے مرنے والے بیٹے یا بیٹی کو زندہ فرض کر کے ان کا حصہ ان کی اولاد کو حصہ دلوا دیا ہے۔ حالانکہ صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے: "ولایرث ولد الابن مع الابن" یعنی کسی بیٹے کی موجودگی میں پوتا میراث نہیں لے سکتا۔

صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹ کتاب الفرائض

(۲) دفعہ ۲: اس دفعہ میں ایک سے زائد بیویاں رکھنے پر کڑی پابندی عائد کی گئی ہے اس دفعہ کی رو سے کوئی بھی شخص تالیقی کونسل کی تحریری اجازت کے بغیر نہ تو دوسری شادی کر سکے گا اور نہ ہی مذکورہ منظوری کے بغیر کسی شادی کو اس آرڈیننس کے تحت رجسٹرڈ کیا جائے گا۔ حالانکہ اس کے مقابلے میں قرآن مجید کا فیصلہ بہت واضح ہے۔  
قوله تعالى: فَإِنْ كُنْتُمْ مَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنًا وَثُلَّةً وَرُبْعًا (النساء ۳)  
اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر شخص کو بیک وقت چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔

(۳) دفعہ ۳: اس دفعہ میں طلاق اور عدت کے متعلق چند قوانین بیان کئے گئے ہیں اس دفعہ کی ذیلی دفعہ ۱ کے تحت کوئی طلاق اس وقت تک مؤثر نہ ہوگی جب تک کہ چیئرمین یونین کونسل کو دیئے گئے نوٹس کی تاریخ سے نوٹس دن نہ گزر گئے ہوں چاہے ایک طلاق ہو یا ایک سے زائد، چاہے مطلقہ غیر مدخول بہا ہو یا مدخول بہا۔ حالانکہ کتاب اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ جب کسی غیر مدخول بہا عورت کو طلاق دی جائے تو فوراً شوہر کے نکاح سے نکل کر بغیر عدت گزارے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ قوله تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا فَمَتَّعُوهُنَّ وَسَرَخُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (الاحزاب ۴۹)



اور یوب مدخول بہا عورت کو طلاق دی جائے تو اس صورت میں بھی طلاق کا اپنا اثر فوراً ظاہر ہو کر اس عورت کو مطلقہ کہا جاتا ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے عدت پوری کرے گی۔

قوله تعالى: وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (الن) وَبَعُولَتَهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا (سورة البقرة آیت ۲۲۸)

(۴) دفعہ ۱۲: اس دفعہ کی نشاندہی ہے کہ کسی لڑکی کا نکاح سو لہ سال اور لڑکے کا نکاح اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے کر ناجرم ہوگا۔ حالانکہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح فرمایا تو اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ کی عمر صرف چھ سال کی تھی اور رخصتی کے وقت آپ کی عمر نو سال کی تھی۔

لما فی الحدیث: عن عائشۃؓ قالت تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست سنین وبتی وبتی بی وانا بنت تسع۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۶) لہ  
یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے اس وقت اس قانون کے خلاف آواز اٹھا کر اپنی ذمہ داریاں پوری کیں اگرچہ اس وقت سے لے کر اب تک قائم ہونے والی ہر حکومت انہی قوانین پر عمل پیرا ہے۔

سوال: حضرت حسن  
حضرت حسنؓ کی خلافت خلافت راشدہ میں داخل ہے | ابن علی رضی اللہ عنہما

کا دورِ خلافت خلافت راشدہ میں داخل ہے یا نہیں؟ ورنہ بصورتِ دیگر حق چار یار کا نعرہ لگانے کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی، پھر اس کے بعد بادشاہت اور امارت ہوگی۔ فقہاء کرام اور متکلمین علماء نے خلفاء اربعہ (ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ) کا زمانہ خلافت اسی تیس سال اور چھ ماہ

لہ عن عدوۃ تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃؓ وہی ابنۃ سبت وبتی بہا وہی ابنۃ تسع ومکتب عندہ تسعاً۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۵) باب من بنی بامرأۃ وہی بنت تسع سنین۔ کتاب النکاح (

بتایا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلم اکثریت نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ چھ ماہ کے بعد آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرتے ہوئے خلافت آپ کے سپرد کر دی۔ اس بناء پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت خلافتِ راشدہ میں مشہور و بہا داخل ہے۔ حق چار یار کے نعرہ سے اہل سنت و الجماعت کا مقصد دوسروں کا انکار نہیں بلکہ ان چاروں کی حقانیت کا اعلان ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ: وخلافة النبوة ثلاثون سنة. منها خلافة الصديق سنتان وثلاثة اشهر وخلافة عمر عشر سنين ونصف وخلافة عثمان اثنتا عشرة سنة وخلافة علي اربع سنين وتسعة اشهر وخلافة ابنه ستة اشهر واول ملوك المسلمين معاوية وهو افضلهم لكنه انما صار اماماً حقاً لما فوض اليه الحسن بن علي الخلافة فان الحسن بايعه اهل العراق بعد موت ابيه ثم بعد ستة اشهر فوض الامر الى معاوية والقصة مشهورة وفي الكتب البسطة مسطورة. (شرح الفقه الاكبر ص ۶۸، ۶۹) لہ

لہ وقال الامام ابو جعفر الطحاوی رحمہ اللہ: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم یؤتی اللہ ملکہ من یشاء. وكانت خلافة ابي بكر سنتين و ثلاثة اشهر وخلافة عمر عشر سنين نصفاً وخلافة عثمان اثنی عشر سنة وخلافة علي اربع سنين وتسعة اشهر وخلافة الحسن ستة اشهر واول ملوك المسلمين معاوية وهو خير ملوك المسلمين لكنه انما صار اماماً حقاً لما فوض اليه الحسن بن علي الخلافة فان الحسن بايعه اهل العراق بعد موت ابيه ثم بعد ستة اشهر فوض الامر الى معاوية نظر صدق قول النبی ان ابني هذا سيّد وسيصلح اللہ بلم بيئت فئتین عظیمتین من المسلمین والقصة المشهورة في موضعها۔ (شرح العقيدة الطحاوية ص ۵۳۵ الخلافة والامارة) وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْعَقَائِدِ عَلَيَّ هَامِشٌ خِيَالِي ص ۱۵۱ الخلافة والامارة۔



عورت کا سربراہ مملکت بننا | سوال :- کیا اسلام میں عورت ملک کی سربراہ بن سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- دلائل شرعیہ کی رو سے عورت کو بادشاہ و سربراہ بنانا جائز نہیں ہے تفصیل درج ذیل ہے :-

شریعتِ اسلامیہ کا ایک ادنیٰ طالب علم آسانی سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ شرعاً کسی چیز کا جواز یا عدم جواز اسلام کے چار مشہور اصول اور دلائل ہی سے ثابت کیا جاسکتا ہے ان دلائل کے بغیر کسی چیز پر جواز یا عدم جواز کا حکم لگانا اور اسے شرعی حکم سمجھنا سراسر اجہالت ہوگی، اسلئے ضروری ہے کہ عورت کی سربراہی کو ان اصولوں کی روشنی میں دیکھا جائے تاکہ عورت کی سربراہی کے اصلی خدوخال اور اس کی شرعی حیثیت سامنے آجائے، اس سلسلہ میں ایک تفصیلی مضمون پیش خدمت ہے، امید ہے کہ اس سے صحیح صورتحال سامنے آسکے گی۔

(۱) قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: **الرِّجَالُ قَوُّمُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ**۔ (سورۃ النساء آیت ۳۴) اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ کرامی کے تحت ساتویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول اور معتبر مفسر علامہ ابن کثیرؒ اپنی مائتہ ناز تفسیر میں لکھتے ہیں:-  
يقول تعالى **الرِّجَالُ قَوُّمُونَ عَلَى النِّسَاءِ** أي الرجل قويم على المرأة أي هو رئيسها وكبيرها والحاكم عليها ومؤديها إذا عوجت ر بما فضل الله بعضهم على بعض أي لان الرجل افضل من النساء والرجل خير من المرأة ولهذا كانت التیوة مختصة بالرجال وكذلك الملك الاعظم لقوله صلى الله عليه وسلم " **لن يفلم قوم ولو امرهم امرأة**۔ (رواه البخاری من عند عبد الرحمن بن ابی بکر عن ابيه)۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۱ سورۃ النساء)

(ترجمہ) جناب باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ مرد عورت کا حاکم و رئیس اور سردار ہے، اُسے درست اور ٹھیک ٹھاک رکھنے والا ہے اس لیے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں یہی وجہ ہے کہ نبوت مردوں میں رہی اور اسی طرح شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ لوگ کبھی نجات نہیں پاسکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنائیں۔ (بخاری)

(۲) رالف، حدثنا عثمان بن المهدي قال حدثنا عوف عن الحسن بن ابی بکر قال لقد نفعني الله بكلمة سمعتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم ايام الجمل بعد ماكدت ان الحق يا صبيحة الجمل فاقتل معمم قال لما بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اهل فارس قد ملكوا



عليهم بنت كسرى قال لن يفلح قوم ولوا امرهم امراءاً۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۴، ص ۱۰۵۲ کتاب النبیؐ الی کسری و قیصر)

(ترجمہ) ہم سے عثمان بن ہشیم نے بیان کیا کہا ہم سے عوف نے انہوں نے امام حسن بصریؒ سے انہوں نے ابی بکرؓ سے انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے جنگِ جبل کے دن مجھ کو اس بات سے فائدہ دیا جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی ورنہ قریب تھا کہ میں جبل والوں کے ساتھ یعنی حضرت عائشہؓ کے لشکر میں شریک ہو کر مسلمانوں سے لڑتا، ابو بکرؓ نے کہا وہ بات یہ تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ ایران والوں نے کسری کی بیٹی ربوران بنت شبرویہ کو تخت پر بٹھا دیا ہے تو فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے (ملک کے) امور حاکم والی کسی عورت کو بنایا ہو۔

بخاری شریف کے حاشیہ میں حدیث ابو بکرؓ پر قسطلانی کے حوالہ سے لکھا گیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ عورت کی سربراہی جائز نہیں۔

اور اسی طرح محدث شہیر فقیہ تبیل ملا علی قاری رحمہ اللہ اپنی مشہور زمانہ تالیف "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :-

فی شرح السنة: لا تصلح المرأة ان تكون اماماً ولا قاضياً لانهما محتاجان الى الخروج للقيام بامور المسلمين والمرأة عورة لا تصلح لذلك۔ ولان المرأة ناقصة والتقصا من کمال المولات فلا يصلح لها الا الکامل من الرجال۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۷ ص ۳۱۵ کتاب الامارة والقضاء)

شرح السنۃ میں ہے کہ عورت کی سربراہی اور ریاست عامہ دو وجہوں سے جائز نہیں :-  
(۱) سربراہی قیام بامور المسلمین کے لیے آزادانہ چلتے پھرنے کا تقاضا کرتی ہے اور عورت کو قرار فی البیت اور حجاب کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) عورت عقل کے لحاظ سے ناقص ہے اور ریاست عامہ کمال ولایت ہونے کی وجہ سے کمال عقل کو چاہتی ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ اور ملا علی قاریؒ جیسے محدثین، مفسرین نے اس حدیث کو عام لیکر اس سے عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر استدلال فرمایا ہے، لہذا اس حدیث کو بنت کسری کے ساتھ مخصوص جانا سوائے غالی دعوے کے اور کچھ نہیں خود راوی حدیث صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ کے اسلوب کلام

سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی اس حدیث کو عام لے رہے ہیں۔ (کمالا یحفی علی المتامل)  
 (ب) ما رأیت من ناقصات عقل و دین اغلب لادی لب منکن قالت یا رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم ما نقصان العقل والدين قال اما نقصان عقلها فشهادة امرتین تعدل شهادة  
 رجل فهذا نقصان العقل وتمکت الیالی لا تصلی وتفطرقی رمضان فهذا نقصان  
 الدین۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳۵ سورۃ البقرہ)

(ترجمہ) میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل و دین کی کمی کے مردوں کی عقل مارنے والی تم سے  
 زیادہ ہو، اس نے پھر پوچھا کہ حضور! ہم میں دین کی اور عقل کی کمی کیسی ہے؟ فرمایا عقل کی کمی تو  
 اس سے ظاہر ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ  
 ایام حیض میں نہ نماز ہے نہ روزہ۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۳۳۵ سورۃ البقرہ)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ عورت ناقص العقل ہے اور ریاست عامہ نام ہے کمال  
 ولایت کا لہذا اس کے لیے کمال عقل کی ضرورت ہے اور یہ حدیث کی رو سے عورت میں منقود  
 ہے اس لیے عورت کی سربراہی اور ریاست عامہ جائز نہیں۔

(۳) شرح عقائد کی مشہور شرح نیراس میں ہے:-

قد اجمع الامۃ علی عدم نصبها حتی فی الامامة الصغری۔

والنیراس شرح شرح العقائد ص ۳۲۱ نصب الامام۔ یشرط ان ینبوا من اہل اللوایۃ (ترجمہ)  
 "امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ  
 عورت کی ریاست عامہ امامت کبریٰ اور ریاست خاصہ امامت صغریٰ دونوں جائز نہیں۔  
 ذیل میں مشہور محدثین و فقہاء اور متکلمین ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیے تاکہ مسئلہ کی مزید توضیح  
 ہو جائے۔

(۱) علامہ علاؤ الدین الحسینی فرماتے ہیں:-

ولیشترط کونہ حد اذکراً عاقلاً بالغاً قادراً۔ (رد المحتار علی ہامش رد المحتار ج ۱ باب الامامة ص ۲۰۵)

(ترجمہ) یعنی ریاست عامہ کیلئے مرد ہونا شرط ہے لہذا عورت کی سربراہی جائز نہیں۔

(۲) علامہ ابن عابدین عورت کی سربراہی کے عدم جواز کی تعلیل میں لکھتے ہیں:-

لان النساء امرن بالقرار فی البیوت فکان مینتی حالہن علی الستروالیہ اشار النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حیث قال کیف یفلح قوم تملککم امردۃ۔ (رد المحتار جلد ۱ ص ۲۰۵ باب الامامة)



(ترجمہ) "کیونکہ عورتوں کو قرآن فی البیوت کا حکم دیا گیا ہے، لہذا ان پر حجاب اور ستر میں رہنا لازم ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی سربراہی کے عدم جواز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہ پاسکے گی جس پر عورت حکومت کو رہی ہو۔"

(۳) علامہ تفتازانی رحمہ اللہ "مترجم مقاصد میں لکھتے ہیں: یشرط فی الامام ان یکن مکلفاً حرّاً ذکراً لی قولہ والنساء ناقصات عقل و دین ممنوعات عن الخروج الی مشاہد الحکم و معارک الحرب۔ (شرح المقاصد ج ۲ ص ۲۷۷)

(ترجمہ) "عورت کی سربراہی دو وجہ سے جائز نہیں ہے عورت عقل اور دین کے لحاظ سے ناقص ہے۔ ۱۔ اس کو پردہ میں رہنے کا حکم ہے۔"

(۴) علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لہتی مشہور زمانہ تفسیر "روح المعانی" میں اس آیت انی وجدت امرأۃ تمسککم (الآیۃ) کے تحت رقمطراز ہیں :-

ولیس فی الآیۃ ما یدل علی جواز ان تكون المرأة ملکہ ولا حجة فی عمل قوم کفرۃ علی مثل هذا المطلب۔ وفي صحیح البخاری من حدیث ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما بلغه ان اهل فارس قد ملکوا علیہم بنت کسری قال لن یفلح قوم ولوا امرؤا مردۃ۔ (روح المعانی ص ۱۸۹ ج ۱۰، الجزء ۱۹۔ الکلام علی نکاح الانس والجن)

(ترجمہ) "یعنی عورت کی سربراہی جائز نہیں کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسری کی بیٹی کو بنا دیا ہے تو آپ نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہ پاسکے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا۔"

(۵) حضرت علامہ مولانا آزادؒ الرجال قوام الخ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :-

"اللہ نے دنیا میں ہر گروہ کو دوسرے گروہ پر خاص خاص باتوں میں مزیت دی ہے اور ایسی مزیت مردوں کو بھی عورتوں پر ہے، مرد عورت کی ضروریات معیشت کے قیام کا ذریعہ ہے، اس لیے سربراہی و کارفرمائی کا مقام قدرتی طور پر انہی کیلئے ہو گیا ہے۔" (ترجمان القرآن ج ۱ ص ۳۱۱ سؤۃ النساء)

(۶) مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی معروف و مقبول تفسیر "معارف القرآن" میں لکھتے ہیں: "کیا کسی عورت کا بادشاہ ہونا یا کسی قوم کا امیر و امام ہونا جائز ہے؟"

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسری کی بیٹی کو بنا دیا ہے، تو آپ نے فرمایا :-



لن یفلح قوم ولوا امرهم امراً یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا۔ اس لیے علماء امت اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کو امامت و خلافت یا سلطنت و حکومت سپرد نہیں کی جاسکتی بلکہ نماز کی امامت کی طرح امامت کبریٰ بھی صرف مردوں کو سزاوار ہے۔ رہا بقیس کا ملکہ سبا ہونا، تو اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے خود نکاح کیا اور پھر اس کو حکومت و سلطنت پر قائم رکھا، اور یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں جس پر احکام شرعیہ میں اعتماد کیا جاسکے۔

(معارف القرآن ج ۶ سورۃ النمل ۵۷)

(۷) مشہور محدث حضرت مولانا عبدالحق دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں حدیث لن یفلح قوم الخ کی شرح میں فرماتے ہیں: ”ازیں معلوم می شود کہ زن قابل ولایت و امامت نیست۔“ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۳۰۹ کتاب الامارۃ والقضاء)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کی ریاست عامہ اور سربراہی جائز نہیں ہے۔

(۸) علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی ”مظاہر حق شرح مشکوٰۃ“ میں اس عنوان ”عورت کو اپنا حاکم بنانے والی قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی“ کے تحت حدیث لن یفلح قوم الخ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ”اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولایت و حکمرانی کا اہل مرد ہی ہو سکتا ہے، عورت حکمرانی و سربراہی کے منصب کی اہل نہیں۔“ (مظاہر حق ج ۳ ص ۶۷۲ کتاب الامارۃ والقضاء)

(۹) حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی اپنی مشہور زمانہ تفسیر مظہری میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی بما فضل اللہ بعضهم علی بعض کے تحت لکھتے ہیں:-

یعنی الرجال علی النساء فی اصل الخلقۃ بکمال العقدر و حسن التدبیر و بسطۃ فی العلم و الجسم و مزید القوۃ فی الاعمال و علو الاستعداد و لذک حضوا بالنبوۃ و الامامۃ و الولائیۃ و القضاء و الشہادۃ فی الحدود و القصاص و غیرها و وجوب الجہاد و الحجۃ و العیدین و الاذان و الخطبۃ و الجماعۃ و زیادۃ السہم فی الامرات و مالکیۃ النکاح و تعدد المنکوحات و الاستبداد بالطلاق و کمال الصوم و الصلوۃ من غیر فتور و غیر ذلک و ہذا امر وہمی۔

(تفسیر مظہری ج ۲ ص ۹۸ سورۃ النساء)

ترجمہ ”اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو یعنی مردوں کو بعض پر یعنی عورتوں پر تخلیقی برتری عطا فرمائی، یعنی اللہ تعالیٰ نے مرد کو کمال عقل، حسن تدبیر و وسعت علم، عظمت جسم، زیادتی قوت اور

صلاحیت و استعداد کی بیشی تخلیقی طور پر عطا کی ہے اتنی کہ عورت کو یہ چیزیں نہیں دی گئیں۔ اسی لیے مندرجہ ذیل خصوصیات و احکام مرد کے لیے ہیں عورتیں ان احکام و خصوصیات سے محروم ہیں۔ نبوت، امامت و حکومت، قضاء، تعزیری جرائم کی شہادت، وجوب جہاد، وجوب جمعہ، وجوب عیدین، اذان و خطبہ، نماز باجماعت، میراث میں حصہ کی زیادتی، نکاح کی مالکیت، تعدد ازواج، اختیار طلاق، پورے رمضان کے روزوں کی اور ہر زمانہ میں پوری نمازوں کی فرضیت وغیرہ، اور یہ عطا الہی ہے۔

(۱) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی مشہور اور بے حد مقبول تفسیر ”بیان القرآن“ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے پس بلیقہ کے حصہ سے کوئی شبہ نہ کرے، اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا، دوسرے اگر شریعت سلیمانہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں۔“

(بیان القرآن ج ۲ ص ۲۲۴)

(۱۱) تفسیر نسفی میں الامام الجلیل العلامة ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی رقمطراز ہیں:-

یعنی انما كانوا مسيطرين عليهن لسبب تفضيل الله بعضهم وهم الرجال على بعض وهم النساء بالعقل والعزم الى قوله والتبوة والخلافة والامامة. (المذرك ج ۲ ص ۲۲۳ اسوة النساء)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے بعض باتوں میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے عقل، عزم، جزم، رائے و قوت و جہاد و کمال، صلوة و صوم، نبوت و خلافت و امامت وغیرہ۔“

(۱۲) حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، حدیث ابن یفلح قوم الخ کی شرح میں لکھتے ہیں:-

قوله ولوا امرهم امردة في شرح السنة لا تصلح المرءة ان تكون اماما ولا قاضيا لان الامام والقاضي يحتاجان الى الخروج للقيام بامر المسلمين والمرءة عورة لا تصلح لذلك ولان المرءة ناقصة والقضاء من كمال الولاية فلا يصلح لها الا كمال الرجال. (التعليق الصبح ج ۱ ص ۱۰۰ کتاب الامة والقضاء)

(ترجمہ) شرح السنہ میں ہے کہ عورت کی سربراہی اور ریاست عامہ دو وجہ سے جائز نہیں۔ ۱۔ سربراہی قیام بامور المسلمین کیلئے آزاد چلنے پھرنے کا تقاضا کرتی ہے اور عورت کو قرار فی البیت اور حجاب کا حکم دیا گیا ہے ۲۔ عورت عقل کے لحاظ سے ناقص ہے اور ریاست عامہ کمال ولایت ہونے کی وجہ سے کمال عقل کو چاہتی ہے۔



علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی رحمہ اللہ اپنی مقبول ترین تفسیر "الجامع للحکام القرآن" میں لکھتے ہیں :-

العاشرة - روى البخارى من حديث ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم لما بلغه ان اهل قارس قد ملكوا بنت كسوى قال لن يفلح قوم ولوا امرهم امرأة قال القاضى ابو بكر بن العربي هذ انص في ان المرأة لا تكون خليفة ولا خلاف فيه - (تفسير قرطبي ج ۳ ص ۱۸۸ سورة النساء)  
 (ترجمہ) امام بخاری نے ابن عباس سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو تخت پر بٹھا دیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے ملک کے امور کا حاکم و والی کسی عورت کو بنایا ہو۔  
 قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ عورت خلافت کی اہل نہیں ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

الشیخ الامام بدرالدین ابن محمد محمود بن العینی بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں حدیث "لن یفلح قوم الخ" کی شرح میں لکھتے ہیں :-

قال الخطابی فی الحدیث ان المرءة لا تلی الامارة ولا القضاء - عمدۃ القاری ج ۸ ص ۵۹ کتاب الامارة والقضاء (ترجمہ) علامہ خطابی نے ارشاد فرمایا کہ عورت حکومت اور قضاء کی اہل نہیں ہے۔  
**ازالہ شبہات** | بعض حضرات کو حدیث "لن یفلح قوم الخ" کے متعلق خصوصاً شبہ ہوا ہے اس وجہ سے کہ بعض اقوام میں عورتیں ان کی سربراہ رہ چکی ہیں اور وہاں بجائے عدم فلاح کے فلاح دیکھا گیا ہے۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جن اقوام میں عورتیں سربراہ رہ چکی ہیں تو وہ ضرور کسی نہ کسی درجہ میں عدم فلاح کا شکار رہ چکی ہیں اور تاریخ اس کی شاہد ہے۔ اور بعض ایسی اقوام تو بڑے عبرتناک زوال اور عدم فلاح سے دوچار ہوئی ہیں۔ چنانچہ برطانیہ کی مثال لیجئے کہ ایک زمانہ لے اور یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ بعض اقوام کا زوال بغیر عورت کی سربراہی کے بھی آیا ہے اسلئے کہ زوال کے سبب مختلف وجوہ ہیں طرح کہ مو کے سبب مختلف ہوتے ہیں کوئی بخار سے مرتا ہے اور کوئی ہیضہ سے، اور اس کا یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ جائز ہے کہ ان بیگمات کی حیثیت واقعہً صرف مشیر کی ہوتی ہوگی بظاہر و صورتاً وہ حکمران تھیں اور اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ یہ بیگمات اگرچہ حکمران تھیں مگر التزاماً اپنی انفرادی اسلئے سے کام نہ کرتی تھیں، اور یہ دونوں صورتیں حد کے تحت داخل نہیں آتی۔ اسلئے کہ عورت اہل مشورہ ہے اور دوم اسلئے کہ علت عدم فلاح کا نقصان عقل ہے، اور جب مشورہ رجال سے اس کا انجبار ہوگا تو علت مرتفع ہوگی تو معلول یعنی عدم فلاح بھی منتفی ہوگی، تو ان وجوہ کی بنا پر یہ بعض اقوام عدم فلاح کا شکار نہ ہوئیں۔



میں برطانیہ کے قلمرو میں سورج نہ ڈوبتا تھا آج وہی عظیم برطانیہ دنیا کے ایک چھوٹے سے گوشے میں محصور ہو کر عظیم سے صغیر و حقیر برطانیہ بن گیا ہے۔ اور ان میں سے بعض اقوام میں یہ ظاہر جو فلاح نظر آتی ہے اس سے حدیث نبوی پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ فلاح کلی مشکک ہے اور اس کے مراتب مختلف ہیں، تو بظاہر کسی ایک مرتبہ فلاح کے وجود سے تمام مراتب فلاح کا وجود لازم نہیں آتا، حتیٰ کہ عدم فلاح متحقق نہ ہونے کی وجہ سے حدیث نبوی کے متاثر ہونے کا خدشہ لازم آجائے۔ اس کے علاوہ حدیث کے استقبالی صیغہ لن یفلم کے پیش نظر عین ممکن ہے کہ مستقبل میں یہ اقوام کسی خاص زوال اور ناکامی میں مبتلا بھی ہو جائیں اور تقدیر عدم ابتلاء کے جواب وہ ہے جو پہلے گذر چکا ہے۔ اس حدیث کو تمام اکابر امت سلفاء و خلفاء نے عموم کا درجہ دیتے ہوئے انشاء کے معنی میں لیا ہے، اور دوسرے نصوص کے علاوہ اس حدیث سے بھی عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے۔

(۲) بعض کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے عورت کی ریاست عامہ اور سربراہی کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ حضرات یا تو مولانا تھانویؒ کے مقصد کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے یا پھر تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں جو فتویٰ دیا ہے اس کی عبارت سے یہ واضح ہے کہ وہ دو صورتوں میں جواز کے قائل ہیں:-

۱۔ عورت صرف صوری سربراہ ہو، حقیقی نہ ہو بلکہ حقیقتاً صرف مشیرہ ہو اور حاکم اور حقیقی سربراہ پارلیمنٹ ہو، اور وجہ جواز یہ ہے کہ عورت اہل مشورہ ہے، لیکن ہمارے ہاں تو یہ صورت نہیں بلکہ یہاں حقیقی سربراہ وزیر اعظم ہوتا ہے اور پارلیمنٹ کی حیثیت صرف مشیر کی ہوتی ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عورت حقیقتاً حکمران ہو مگر التزاماً اپنی انفرادی رائے سے کام نہ کرتی ہو، اور اس صورت میں جواز میں راز یہ ہے کہ علت عدم جواز کا نقصان عقل ہے، اور جب مشورہ رجال سے اس کا انجبار ہو گیا تو علت مرتفع ہو گئی تو معلول یعنی عدم جواز و عدم فلاح بھی منفی ہو گیا، مگر سہارے ہاں یہ صورت بھی بلکہ یہاں وزیر اعظم مستبد بالرائے ہوتا ہے اور پارلیمنٹ کو صرف اپنی رائے کا تابع بناتا ہے۔

اور جبکہ عورت حقیقتاً حکمران اور سربراہ مملکت ہو اور اپنی انفرادی رائے سے کام نہ کرتی ہو تو اس صورت کو حضرت تھانویؒ بھی ناجائز اور داخل حدیث سمجھتے ہیں، لہذا حضرت تھانویؒ کے فتویٰ سے عورت کی مطلق سربراہی کا جواز نکالنا یقیناً حضرت تھانویؒ کے مقصد کو نہ جانتے یا تجاہل عارفانہ کا نتیجہ ہے۔

(تنبیہ) گذشتہ صفحات میں جو دو صورتیں جائز قرار دی گئی ہیں وہ بے ججائی سے اجتناب کے ساتھ مشروط ہیں، چنانچہ علامہ ابن عابدین کی تعلیل صراحت کے ساتھ اس پر دال ہے۔  
 (۳) بعض لوگ قرآن پاک میں مذکور ملکہ بلیقیس کے قصہ سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں کہ ان سے انتزاع سلطنت کیا گیا ہو، پس بظاہر حکایت سلطنت اور عدم حکایت انتزاع سے اس سلطنت کا بجا لہا باقی رہنا معلوم ہوتا ہے اور تاریخ صراحتاً اس کی مؤید ہے اور قاعدہ اصولیہ ہے اذ اقص الله ورسوله علينا امر من غير تكبير عليه فهو حجة لنا لهذا قرآن پاک سے ثابت ہوا کہ عورت کی سربراہی جائز ہے۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ملکہ بلیقیس کی حکومت کی صورت ان دو صورتوں میں سے ایک تھی جن کو حضرت تھانویؒ نے جائز قرار دیا ہے اور اس کا قرینہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عالی ہے: ما كنت قاطعة امر حتى تشهدون۔ (بلیقیس نے کہا) ”میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم لوگ میرے پاس موجود نہ ہو“

اور اس قرینہ سے صرف نظر کرنے ہوئے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مسلمان ہونے کے بعد ملکہ بلیقیس کی حکومت کی صورت وہ عیسوی صورت تھی جس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے تو پھر گذشتہ قاعدہ اصولیہ کی رو سے جواب یہ ہے کہ چونکہ اس صورت پر شریعت مقدسہ میں انکار آیا ہے لہذا یہ حجت نہیں بن سکتی۔  
 (۴) بعض صحابی حضرات نے حدیث لن یفلح قوم الخ کے متعلق ضعف کا دعویٰ کیا ہے جو سراسر جھوٹ اور بہتان عظیم ہے۔ امام ترمذیؒ نے اپنی مشہور کتاب سنن ترمذی میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

حدثنا محمد بن المثنی ثنا خالد بن الحارث عن حميد الطويل عن الحسن عن ابی بکرۃ قال قال عصمى الله بنتى سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم لما هلك كسرى قال من استخلفوا قالوا ابنته فقال النبي صلى الله عليه وسلم لن يفلح قوم ولوا امرهم امرأة فلما قدمت عائشة يعني البصرة ذكرت قول رسول الله عليه وسلم فعصمى الله به۔  
 قال الترمذی هذا حديث صحيح۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۵ ابواب الرؤيا)  
 (ترجمہ) حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (جنگ جمل کے دن) مجھ کو اس بات کی وجہ سے بچایا جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، وہ بات یہ تھی کہ جب کسری ہلاک ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایران والوں نے کس کو حکمران بنایا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کسری کی بیٹی کو خلیفہ و حکمران بنایا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے



ملک کے امور کا حاکم و والی کسی عورت کو بنایا ہو۔ توجب حضرت عائشہؓ بصرہ تشریف لے آئیں تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بن یفلح قوم الخ یاد آیا اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا اور میں جبل والوں کے ساتھ شریک نہ ہوا، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ بعض لوگ جنگِ جبل کے واقعات سے ناکام اور ناتمام استدلال کر رہے ہیں، اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس موقع پر ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امامت و خلافت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی امامت و خلافت کا مطالبہ کیا بلکہ وہ اور ان کے ساتھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔

دیکھئے یہ حضرات، حضرت قعقاعؓ کو کیا جواب دے رہے ہیں:-  
 ”اگر حضرت علیؓ کے یہی خیالات ہیں جو آپ نے بیان کئے اور وہ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو پھر پڑائی اور مخالفت کی کوئی بات باقی نہیں رہتی ہم اب تک یہی سمجھتے رہے کہ ان کو قاتلین عثمانؓ سے ہمدردی ہے۔“ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۳۹۶)  
 صحیح بخاری کا حاشیہ بھی ملاحظہ کیجئے:-

قوله ايام الجمل متعلق بقوله نفعتني الله وايام الجمل وقعة وقعت بالبصرة بين علي وعائشة رضي الله عنهما سنة ست ثلثين وكأعائشة يومئذ علي الجمل فسميت به اصحاب الجمل يعني عسكره - قاله الكرماني ولم تكن عائشة ولا غيرها طالبين الامارة والخلافة بل طلبوا دم عثمان من قتلته وكان علي رضي الله عنه كذا في الفتح -

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷ کتاب النبی الی کسریٰ و فیہر)

(ترجمہ) ”جنگِ جبل ۳۶ھ میں سیدنا حضرت علیؓ اور ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے درمیان رڑی گئی، اس دن ام المؤمنینؓ نبل داؤنٹ پر سوار تھیں اس لیے ان کے لشکر کا نام اصحاب الجمل پڑا، اور ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھی امارت یا خلافت کے طالب نہ تھے، یہ حضرات صرف اور صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔“

لہذا اس واقعہ سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس واقعہ میں امامت یا خلافت کی کوئی بات نہیں تھی، البتہ اس واقعہ کی سرپرستی کرنے کی وجہ سے صوتِ خلافت و امامت ضرور آئی تھی جو جائز نہیں مگر حقیقتِ خلافت و امامت بالکلیہ موجود نہ تھی کیونکہ اس موقع پر نہ تو خود



ام المؤمنینؓ نے امامت کا دعویٰ فرمایا اور نہ آپ کے ساتھیوں نے آپ کو امام و خلیفہ بنایا بلکہ یہ حضرات مشترکہ طور پر حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے کے لیے سعی و کوشش کر رہے تھے البتہ تحریک و سرپرستی حضرت ام المؤمنینؓ کی تھی، جیسے ایک گھر میں بچے ماں کی تحریک و سرپرستی میں کام کرتے ہیں، اس لیے اس واقعہ سے عورت کی سربراہی اور امامت و خلافت کا جواز پیش کرنا درست نہیں، مگر چونکہ اس سے صورت امامت تو آئی تھی اس لیے حدیث لن یفلح قوم الخ کے راوی حضرت ابو بکرؓ جیسے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حدیث لن یفلح قوم الخ ہی کی رو سے غایت تقویٰ اور خشیت الہی کی وجہ سے ام المؤمنینؓ کے لشکر میں شمولیت نہ فرمائی۔ اور خود ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بھی اس حدیث کی صوری مخالفت اور اس فساد کی وجہ سے جو اس واقعہ جمل میں واقع ہوا اتنی عملگین اور پریشان تھیں اور اکثر یہ فرمایا کرتیں :-

”کاش میں اس واقعہ کے پیش آنے سے بیس برس پہلے ہی مرجاتی“

(۶) بعض لوگ یہ بے بنیاد اور بے سرو پا الزام لگاتے ہیں کہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم کے مقابلہ میں جمعیتہ علماء اسلام کے اکابر علماء نے فاطمہ جناح کی حمایت کی تھی، اگر عورت کی سربراہی شرعاً ناجائز ہوتی تو شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ در خواستی، حضرت مولانا مفتی محمود، محدث کبیر حضرت مولانا عبدالحق اور حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی جیسے علماء فاطمہ جناح کی تائید و حمایت نہ کرتے۔

اس شبہ کا جواب صرف اور صرف یہ ہے: سُبْحٰنَكَ هٰذَا اِبْهَتَاتٌ عَظِيْمَةٌ  
 معترضین پر لازم ہے کہ دجل و فریب سے کام نہ لیں اور ماضی قریب کی تاریخ کی ورق گردانی کریں اور ایوبی دور کا سرکاری ریکارڈ ملاحظہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جمعیتہ علماء اسلام کے اکابر فاطمہ جناح کی مخالفت کرتے رہے یا حمایت! حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر جمعیتہ علماء اسلام کے اکابر نے ایوب خان اور فاطمہ جناح کی مخالفت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبید اللہ انور لاہوریؒ کو صدر ترقی امیدوار نامزد کیا تھا اور جمعیتہ کے اکابر فاطمہ جناح کی مخالفت اس لیے کر رہے تھے کہ عورت کی سربراہی شرعاً ناجائز نہیں۔  
 نتیجہ: شریعت مطہرہ نے عورت کو ریاست عامہ کی ذمہ داری سے مستثنیٰ کر کے اس پر عین شفقت اور مہربانی فرمائی ہے، کیونکہ عورت کے نازک اور ضعیف کندھوں پر ریاست عامہ کا عظیم بوجھ ڈالنا حکمت کا تقاضا ہے نہ عقل و دانش کا۔

**امامت کبریٰ (خلافت) کے مستحق کا حکم** | سوال :- مملکت اسلامیہ میں ایک شخص  
منتقی پرہیز اور عالم دین ہے لیکن انتظامی  
امور میں تجربہ نہیں رکھتا جبکہ اس کے برعکس ایک دوسرا شخص عالم اور منتقی و پرہیزگار تو نہیں ہے  
لیکن مملکت کے انتظامی امور میں وسیع تجربہ رکھتا ہے، تو شرعاً ان دونوں میں سے کون  
خلافت کا زیادہ مستحق ہے؟

**الجواب :-** کتب کلام میں مذکور ہے کہ امام (خلیفہ) کا معصوم ہونا شرط نہیں، اسی  
طرح اس کا اپنے ہم عصروں میں سب سے افضل ہونا بھی شرط نہیں، لہذا ایسا شخص جو کہ  
ماہر ہو اور مملکت کے انتظامی امور کا تجربہ رکھتا ہو اگرچہ غیر عالم اور غیر منتقی ہی کیوں نہ ہو  
اس کو امام (خلیفہ) بنا نا درست ہے، تاہم جو شخص حدود شرعیہ سے تجاوز کرتا ہو اس کی  
امامت (خلافت) ناجائز ہے۔

لما قال العلامة التفتازانی رحمہ اللہ : ولا يشترط في الامام ان يكون ولا ان يكون  
افضل من اهل زمانه لان المساوي في الفضيلة بل المفضول الاقل علماً وعملاً  
اي كان اعرف بمصالح الامامة ومفاسدها واقدر على القيام بمواجبها خصوصاً  
اذا كان المفضول ادفع للشّر وابعده عن اثاره الفتنه -

(شرح العقائد ص ۱۵۶ الخلافة والامارة)

**آئین پاکستان میں گستاخی رسول اکرم ﷺ کا حکم** | سوال :- جناب مفتی

صاحب پاکستانی آئین  
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے موت کی سزا تجویز کی گئی  
ہے جس میں اب ارباب اقتدار ترمیم کر کے اس سزا کو کم یا ختم کرنا چاہتے ہیں۔ تو کیا شرعاً  
ارباب اقتدار کو یہ سزا کم یا ختم کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور جو شخص کسی گستاخ رسول  
صلی اللہ علیہ وسلم کے کفر میں شک کرے تو اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں تازیبا الفاظ کہنا ایک

لما قال العلامة سليم رستم بازرحمہ اللہ : يعجز عن تقليد الفاسق وتنفيذ قضاياء  
اذا لم يجاوز فيها حد الشرع - (شرح المجلة ص ۱۱۶۴ المادة ۱۷۹۲ فصل في القضايا)  
ومثله في رد المحتار ج ۱ ص ۲۵۸ باب الامامة -



نا قابل معافی جرم ہے اس لیے علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مرتد اور واجب القتل ہے۔ فتاویٰ شامیہ میں ہے کہ اجمع المسلمون ان شاتمہ کافر (ج ۳ ص ۳۱۷ باب المرتد) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رنغوز باللہ کالی دینا بالاجماع کفر ہے۔ اور الدر المختار میں ہے، ص ۱۸۱ فی آخر المشافیان حکمہ کالمرتد۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کا حکم مرتد کا ہے اور اس پر مرتد کے احکام جاری کئے جائیں گے۔ الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۸ باب المرتد)

قال العلامة ابن عابدین: قال ابو بکر بن المنذر اجمع عوام اهل العلم على ان من سب النبي صلى الله عليه وسلم يقتل ومن قال ذلك مالك بن انس والليث واحمد واسحاق ومذهب الشافعي وهو مقتضى قول ابن بكر رضي الله عنه ولا تقبل توبته عند هؤلاء وبمثلہ قال ابو حنيفة واصحابه والثوري واهل الكوفة والاوزاعي في المسلم لكنهم قالوا هي ردة وروى مثله الوليد بن مسلم عن مالك وروى الطبراني مثله عن ابي حنيفة واصحابه فيمن ينقصه صلى الله عليه وسلم او برئ منه او كذب به - وحاصل انه نقل الاجماع على كفر سباب ثم نقل عن مالك ومن ذكر بعده انه لا تقبل توبته فعلم ان المراد من نقل الاجماع على قتله قبل التوبة ثم قال وبمثلہ قال ابو حنيفة واصحابه الخ قال انه يقتل يعين قبل التوبة لا مطلقا الخ۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۸ باب المرتد)

حاصل ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ بالاجماع کافر، مرتد اور واجب القتل ہے ہاں اختلاف اس میں ہے کہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم توبہ سے قتل سے بچ جاتا ہے یا نہیں! نیز رد المحتار میں ہے: اجمع المسلمون ان شاتمہ کافر و حکمہ القتل ومن شك فمأذابه وكفرة كفر۔ یعنی گستاخ رسول کافر ہے اور جو شخص اس کے کفر میں شک کرتا ہو وہ بھی کافر ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اہانت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالاجماع کفر اور ارتداد ہے۔ (ج ۲ ص ۲۶۳ باب المرتد) ان حوالہ جات مذکورہ اور عبارت مسطوں سے واضح ہوا کہ گستاخ رسول بالاجماع کافر اور مرتد ہے اس کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر اور خارج عن الاسلام ہے، اور مرتد کی سزا قتل ہے لہذا گستاخ رسول کی سزا بھی قتل ہی ہے۔ حدیث میں ہے: من



بدل دینے یا قتل ہو۔ (الدر المختار ج ۳ ص ۳۱۳ باب المرتد۔) (ردائع الصنائع ج ۱ ص ۱۳۲)  
 نیز اصحابہ العرب لما ارتدت بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجمعت  
 الصحابة على قتلهم (ج ۱ ص ۱۳۲) اور رسائل ابن عابدین جلد ۱ ص ۱۳۸ میں ہے  
 اعلم ان المرتد يقتل بالاجماع كما مر یعین اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ مرتد کی  
 سزا قتل ہی ہے۔

راقم الحروف کہہ رہا ہے کہ اس سے پہلے یہ گذر چکا ہے کہ امت کا اس پر بھی  
 اجماع ہے کہ گستاخ رسول کافر اور مرتد ہے۔ نیز العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی  
 الحامدیة میں ہے: فمن سب النبي صلی اللہ علیہ وسلم او احد من الانبياء  
 صلوات اللہ علیہم وسلامہ فانه يكفر ويوجب قتله شاتم النبي صلی اللہ علیہ  
 وسلم او نبي من الانبياء عليهم الصلوة والسلام كافر اور مرتد ہے اور دونوں  
 واجب القتل ہیں۔ (ج ۱ ص ۱۳۱ باب المرتد)

وقال ابن نجيم: كل من ابغض رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقبله كان  
 مرتداً فالسباب بطريق الاولي ثم يقتل حدا عندنا فلا تقبل توبته في اسقاطه  
 القتل الخ۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۵، ۱۲۶ باب المرتد) یعنی جو شخص پیغمبر اسلام  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض رکھے یا آپ کو سب سے شتم کرے تو وہ شخص کافر، مرتد اور  
 واجب القتل ہے۔ اور کفایت المفتی میں ہے کہ جناب رسالت مآب روحی فداہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم یا ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان رفیع میں گستاخی کرنے  
 والا یا کسی گستاخی کرنے والے سے ناراض نہ ہونے والا کافر ہے۔ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ  
 اجمعین اس پر متفق ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا  
 کافر ہے۔ الخ (جلد ۱ ص ۱۳۱ باب المرتد)۔ اور فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ جو شخص  
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ونعوذ باللہ، استغفر باللہ، گالی بکھے وہ مرتد  
 اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، اس کو چاہیے کہ فوراً توبہ اور تجدید اسلام و تجدید  
 نکاح لازم ہے اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے الخ (جلد ۱ ص ۱۲۲)  
 اور امداد الفتاویٰ میں ہے: "اہانت و گستاخی کردہ جناب انبیاء کفر است" (جلد ۵ ص ۳۹۱)  
 باب العقائد)۔ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۱ ص ۳۵۹ باب المرتد میں ہے کہ سب النبی

کفر ہے۔ اور الاشباہ والنظائر میں ہے: لا تصم ردة السكران الا الوردة بسبب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانه یقتل ولا یغنی عنده۔ کتاب فی المنازاة کل کافر تاب ذنوبہ مقبولہ فی الدنیا والآخرۃ الا جماعۃ الکافر بسبب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سائر الانبیاء یغنی۔ سبب النبی کفر ہے اگرچہ حالت سکر میں ہو اور سبب النبی کی توبہ قبول نہیں (جلد اول ص ۲۸۶) نیز فتاویٰ البرزازی علی ہامش الہندیہ میں ہے کہ استخفاف النبی کفر ہے۔ (جلد ۶ ص ۳۳۸)۔ اور فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ میں ہے: اذا عاب الرجل النبی علیہ السلام فی شیء کان کافرا۔ الی قولہ وتکر فی الاصل ان شتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقر۔ (رج ۳ ص ۵۷۳) یعنی استخفاف و اہانت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا کفر و ارتداد ہے۔

سیاسی جلسوں میں نعرہ بازی کا حکم | سوال: جناب مفتی صاحب! آج کل سیاسی جلسے اور جلسوں میں نعرے بازی ہوتی ہے، مثلاً مسلم لیگ زندہ باد، پیپلز پارٹی زندہ باد، بختونستان زندہ باد، جیسے سندھ وغیرہ کے نعرے بکثرت لگائے جاتے ہیں۔ تو کیا ایسی نعرہ بازی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ہر وہ نعرہ جس سے کسی خلاف شرع امر کی تائید و تاکید ہوتی ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور جن نعروں میں اس قسم کی خرافات نہ ہوں تو ان میں شرعاً کوئی قباحت نہیں تاہم جو نعرے تعصب اور قوم پرستی کی ترغیب دیتے ہوں موجب اجتناب ہیں۔

لما قال العلامة المفتی کفایت اللہ الدہلوی: قومی نعرہ ہندوستان زندہ باد، ہندوستان آزاد ہونا چاہیے " لگانا جائز ہے

{ کفایت المفتی ج ۹ ص ۲۹۱ کتاب سیاسیات }  
{ فصل چہارم: قومی ترانہ اور قومی نعرہ }



## مسلمان کی تعریف

مملکتِ خداداد پاکستان کے قومی اسمبلی میں جب عبوری آئین بنانے کے لیے کام ہو رہا تھا تو ایوان کے اندر اور باہر علماء کرام اور دینی جماعتوں کے قائدین نے حکومت سے پر زور مطالبہ کیا کہ آئین پاکستان میں جہاں صدر مملکت کے لیے مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے وہاں مسلمان کی تعریف بھی لازمی درج ہونی چاہیے۔ لیکن حکمران طبقہ نے علماء کرام کے اس جائز مطالبہ کو مسترد کر دیا جس پر مرزا، پرویزی اور دیگر لادین عناصر بہت خوش تھے، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم نے اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اور ”آئین پاکستان میں مسلمان کی تعریف مسلم اور غیر مسلم کا تشخص کیوں ضروری ہے؟“ کے نام سے ایک مضمون ماہنامہ الحق میں شائع کیا۔ مضمون کی اہمیت اور جامعیت کے پیش نظر ”فتاویٰ حقانیہ“ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

قومی اسمبلی میں عبوری آئین پر بحث کے دوران علماء کے مختلف مکاتب فکر نے متفق ہو کر پورے شد و مد کے ساتھ مطالبہ کیا کہ آئین میں جہاں ملک کی صدارت اور دیگر کلیدی آسامیوں کے لئے مسلمان کا ہونا لازمی قرار دیا جائے وہاں مسلم کی تعریف بھی ہونی چاہیے کیونکہ کسی چیز کی ماہیت اس کی جامع اور مانع تعریف ہی سے واضح ہو سکتی ہے۔ مسلمان قوم کی ایک مستقل تشخص ہے جو اسے دوسری اقوام اور مل سے ممتاز کرتی ہے۔ یہی انفرادی اور امتیازی تشخص ہی دو قومی نظریہ کی بنیاد تشکیل پاکستان کا ذریعہ بنا ہے۔ اور آج بھی کوئی اسلامی مملکت اور مسلم قوم اپنے وجود



کو صرف اس صورت میں برقرار رکھ سکتی ہے کہ وہ ایک واضح اور غیر مبہم مفہوم کے ذریعہ مار آستین اسلام نمائندوں اور کافروں سے اپنی ملت کی حفاظت کر سکے۔ برصغیر پاک و ہند کی مختلف الاقوام حیثیت پھر موجودہ حالات میں پاکستان کی نزاکتیں اس مطالبہ کو ایسا جائز اور معقول مطالبہ قرار دیتی ہیں۔ مگر حزب اقتدار نے جس زور شور سے اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا اس کی کوئی مناسب وجہ بجز ”مرزائیت نوازی“ اور الحاد پروری کے اور سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بالآخر وہی ہوا کہ چور کو داڑھی کا تنکا نظر آنے لگا۔ اور مرزائیوں نے اور کسی حد تک منکرین حدیث پر دیزیوں نے حکومت کے اختیار کردہ موقف پر خوشی اور مسرت کا طوفان اٹھایا۔ آج ان لوگوں کے پریس پر سطحی نظر ڈال کر بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

لیکن اس مطالبہ پر مرزائی جتنے بھی سیخ پا ہوں گے اور پرویزی یا منکر خدا اور رسول کیونست جتنی ناگواری ظاہر کریں گے اتنی ہی اس مطالبہ کی معقولیت اور گہرائی و دور رس ظاہر ہوتی چلی جائے گی جس سے اسمبلی کے حزب اقتدار نے محترم وزیر اطلاعات کی قیادت میں علماء کے باہمی اختلاف کی آڑ میں فرار اختیار کرنا چاہا، مگر علماء کی متفقہ پیش کردہ تعریف نے آئینی کمیٹی کے لئے یہ راستہ بھی مسدود کر دیا ہے۔

تعجب تو مرزائی گروہ پر ہے جو ایسے مطالبات کو مسلمانوں میں تفرقہ انگیزی سمجھ رہا

۱۰ قومی اسمبلی کے پہلے ہی اجلاس میں مولانا کوثر نیازی نے اختلاف علماء کی آڑ میں تعریف مسلم کے مطالبہ کو ٹالنا چاہا مگر علماء کے سامنے اپنے متفقہ موقف سے اس چیلنج کا جواب دے دیا اور اسی اجلاس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے تمام علماء اراکین اسمبلی کی تائید و تصویب سے مسلمانوں کی متفقہ تعریف پیش کر دی جسے بعد میں آئین کا حصہ بنا لیا گیا اور جو قادیانیوں کے سلسلہ میں ان حضرات کی پہلی دستوری فتح تھی۔ ”س“

ہے جب کہ اس گروہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے اسلام کے قلعہ اتحاد ختم نبوت میں شگاف ڈالنے کی گاتار سعی کی اور مسلمانوں میں اختلاف و انتشار اور نفاق کا بیج ڈالنے کے لئے ایک مستقل مذہب کھڑا کر دیا۔ اسلام اور کفر کے درمیان خط امتیاز کھینچنے پر یہ لوگ چلا رہے ہیں۔ جبکہ ان کے پیروں میں شدت پسندی کذاب قادیانی نے اپنے نہ ماننے والوں کو قطعی کافر، مرتد، جہنمی اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا، خواہ کسی نے اس کا نام تک بھی نہ سنا ہو مگر وہ ادلثک ہم الکافرون حقاً کا مصداق بنا جو اپنے نہ ماننے والے تمام عالم اسلام سے معاشرتی اور ازدواجی تعلقات قائم کرانا حرام سمجھتا ہو اور جو لوگ اس "جرم انکار" بانی پاکستان مسٹر جناح کو بھی مستحق جنازہ و دعائے سمجھے ہوں، جو گروہ اپنے دائرہ میں اپنے پیروؤں کے لئے ایک مستقل دین، مذہب اور انفرادی و امتیازی خصوصیات اور شخصیات کا طلبگار رہا ہو۔ دلائل مرزا قادیانی اور ان کے خلفاء وغیرہ کی تصانیف رسائل الفضل، آئینہ صداقت، کلمۃ الفصل وغیرہ مرزائی لٹریچر

ستم بالائے ستم مرزائیوں کے لاہوری ٹولے پر ہے جو آج اس واویلا میں قادیانیوں کا ہنوا ہے۔ اگر وہ صرف کلمہ کہنے کو اسلام کا سٹیفکیٹ سمجھتا ہے تو پھر وہ کس بنیاد پر قادیانیوں کو کافر قرار دیتا ہے اور قادیانی انہیں کیوں دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

اس وقت مرزائیت کا فتنہ جس انداز میں مسلمانوں اور بقایا پاکستان کے لئے خطرہ کا الارم بنا ہوا ہے۔ اس شجرہ خبیثہ کے ہاتھوں مستقبل میں جو خطرات پاکستان کو درپیش آ سکتے ہیں ہم اس پر بہت کچھ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں بہت سے درون خانہ اسرار و رموز کا علم ہے۔ اگر خدا نے اس بے بس ملک پر خاص نگاہِ کرم نہ فرمائی تو سازشوں کے شکار ہونے کا خطرہ یقین سے بدل سکتا ہے۔ دفاعی نقطہ نظر سے ہم دن بدن ان لوگوں کے بہن منت

بنتے جا رہے ہیں جو عقیدتاً جہاد کو حرام سمجھتے اور اس ملک کے باشندوں کو قطعی کافر سمجھتے ہیں۔ اقتصادیات میں ان کے عمل دخل کے نتیجہ میں ملک دو ٹکڑے ہوا۔ ایم ایم احمد ہی کی وجہ سے دونوں صوبوں کے درمیان نفرت کی خلیج بڑھتی رہی۔ معاشی لحاظ سے ملک کا دیوالیہ ہوا۔

سیاسی عیاریوں کی یہ حالت کہ ایک طرف استعماری اور سامراجی اغراض کی خاطر ہمیں کاسٹ گڈائی لے کر یورپ کی درپوزہ گری پر مجبور کر دیا گیا، ملک پر اربوں روپے کا بوجھ لدا چلا گیا۔ دوسری طرف چینی سفیر بذاتِ خود ربوہ کی یاترا کرنے جا رہا ہے، روس کانفرنس سیکریٹری تھیٹہ طور پر ربوہ جا چکا ہے۔ تھیٹہ سے تھیٹہ مذاکرات ہو رہے ہیں۔ مگر پریس میں نہ تو اس بارہ میں کوئی خبر شائع ہوتی ہے، نہ مرزائی اسے مصلحتاً ظاہر کرنے دیتے ہیں جبکہ چین آزادی اور حریت کا دعویدار ہے اور ربوہ سامراجی اور صیہونی سازشوں کا اڈہ۔ بانٹبر لوگ اس اجتماع تھین پر مروجہ حیرت ہیں۔ کیا یہ سب کچھ زیر زمین کسی سازش کی غمازی نہیں کرتا حکومت ان سب باتوں سے بانٹبر ہوگی مگر نوٹس تو کیا باہمی عہد و پیمانہ جیسا سلوک ہے۔ کہ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے ارکان مرزائیت کو کفر سے بچانے کے لئے اسمبلی میں ایڑھی چوٹی کا زرد لگانا چاہتے ہیں۔ ادھر مرزائی کن کن طریقوں سے اس احسان کا صلہ چکائیں گے۔ اخبارات میں آچکا ہے کہ لائل پور کے انتخاب میں پیپلز پارٹی کے افضل رندھاوا کے حق میں ”بوگس ووٹ“ بھگتے کے لئے ربوہ سے بھاری تعداد میں عورتیں آئی تھیں (جنگ یکم جون ۱۹۷۲ء) ان عورتوں کو ایک ٹورٹ کے مقابلہ میں پی پی پی کے متاوندہ سے دلچسپی تھی تو کیوں۔ یہ سب باتیں قوم کے لئے لمبے فکر یہ ہیں۔ اور ملت مسلمہ کے شجرہ طوبیٰ کے لئے یہ اکاش بیل دن بدن خطرہ ہلاکت بنتا جا رہا ہے ایسے حالات ہیں اگر اسلام اور کفر کے درمیان





ہنا رہے۔ پھر کیا وہ اپنے الگ شخص اور کسی انفرادی امتیاز کو قبول کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب دیتے ہیں علامہ اقبالؒ نے کتنی حقیقت بینی کا ثبوت دیا کہ:-

”ہمیں قادیانیوں کی حکمتِ عملی اور دنیا سے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے، بانی تحریک نے ملتِ اسلامیہ کو ٹرے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی تھی اور اپنی جماعت کتنازہ دودھ سے اور اپنے مقلدین کو ملتِ اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کا حکم دیا تھا۔ علاوہ بریں ان کا بنیادی اصولوں سے انکار اپنی جماعت کا بنیاداً مسلمانوں کے قیام نماز سے قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اور ان سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ تمام دنیا سے اسلام کافر ہے۔ یہ تمام امور قادیانیوں کی علیحدگی پر دال ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے اس سے کہیں زیادہ دور ہیں جتنے سکھ ہندوؤں سے، کیونکہ سکھ ہندوؤں سے باہمی شادیاں کرتے ہیں مگر وہ ہندوؤں کے مندروں میں پوجا نہیں کرتے۔“ (حرف اقبال ص ۱۳۷)

اس علیحدگی اور مقاطعہ و متنازعہ کے باوجود مرزائی ہم سے رواداری اور حسن ظن کی امید رکھتے ہیں۔ وہ تو ہمیں کافر سمجھیں مگر ادھر سے اسلام کی تعریف کا مطالبہ بھی تفرقہ انگیزی اور شرپسندی ہو، ان دو طرفہ مفادات کی آخروہ ملتِ مسلمہ سے کس بنیاد پر توقع رکھتی ہے؟ کیا اس وجہ سے کہ اس نے مسلمانوں کی آبرو بے دنیا و دین متنازع اولین و آخرین روح کائنات سرورِ عالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ردائے ختم نبوت اور خلعتِ ختم المرسلین پر ڈاکہ ڈالا اور ملتِ مسلمہ کی غیرتِ ایمانی کو مجروح کیا۔ کیا کسی ملت کے قلعہ وحدت کو پاش پاش کرنے کی جرأت کا اتنی فراخ دلی سے صلہ دیا جاسکتا ہے جس کی مرزائیت ہم سے طلبگار ہے اور کیا حصارِ اسلام میں پے درپے نقب لگانے کے بعد بھی مرزائیت مسلمانوں کی کسی حکومت کی اتنی کرم فرمایوں کی مستحق ہو سکتی ہے۔ کہنے کو تو بہت کچھ

ہے مگر اپنے بعض کرم فرماؤں کی آرزوہ دلی کو ملحوظ رکھتے ہوئے آج کی یہ تقریب اقبالؒ  
 ہی کے الفاظ پر ختم کر کے دوسری فرصت پر اٹھانا چاہتے ہیں۔

”میرے خیال میں قادیانی حکومت سے کبھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے میں پہل

نہیں کریں گے۔ ملتِ اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے کہ

قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ

کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب

کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ اس قابل نہیں کہ چوتھی

جماعت کی حیثیت سے مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا

سکے حکومت نے ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی طرف سے علیحدگی کے مطالبے

کا انتظار نہ کیا اب وہ قادیانیوں سے ایسے مطالبے کا کیوں انتظار

کر رہی ہے۔“ (حرف اقبال ص ۱۳۸) (جون ۱۹۴۷ء)





# بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## باب الاكل والشرب

(کھانے پینے کے آداب و احکام)

سوال: کم عمر اور عمر رسیدہ لوگ کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے میں کس کو مقدم کیا جائے؟

اکٹھے کھانا کھا رہے ہوں تو کھانا شروع کرنے سے قبل ہاتھ دھونے میں کس کو پہلے موقع دیا جائے گا؟

الجواب:۔ کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونا مسنون طریقہ ہے، چونکہ احادیث نبوی میں بچوں اور اپنے سے چھوٹوں پر شفقت اور محبت سے پیش آنے کا حکم آیا ہے، علاوہ ازیں بچے اکثر کھانے پینے کے زیادہ حریص اور مشتاق ہوتے ہیں اس لیے کھانا کھانے سے قبل پہلے بچوں کو ہاتھ دھونے کا موقع دیا جائے، اس کے بعد عمر رسیدہ بزرگوں کو موقع دیا جائے، اور کھانا کھانے کے بعد بزرگوں کا اکرام مد نظر رکھتے ہوئے پہلے انہیں موقع دیا جائے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصرى: وفي واقعات الناطفي اكد في غسل الايدي قبل الطعام ان يبدا به بالشيوان ثم بالشيوخ -

(البحر الرائق ج ۸ ص ۸۳ کتاب الکراہیۃ) لہ

سوال:۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونا وہ کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے کی بجائے صرف انگلیاں دھونے پر اکتفا کرتے ہیں، تو کیا صرف انگلیاں دھونے سے سنت ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

لہذا فی الہندیۃ: وآداب غسل الايدي قبل الطعام ان يبدا به بالشيوان ثم بالشيوخ وبعد الطعام على العكس۔ (الفتاوى الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۷ الباب الحادی عشر فی الکراہیۃ فی الاكل) ومثله فی الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۲۰۵ کتاب الخطر والاباحۃ۔



**الجواب:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھویا کرتے تھے، اب اگر کوئی شخص کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے کی بجائے صرف انگلیاں دھو لے تو بلاشبہ اس سے صفائی تو حاصل ہو جائے گی لیکن سنت ادا نہیں ہوگی، سنت کی ادائیگی کے لیے پورے ہاتھوں کا دھونا ضروری ہے جبکہ انگلیاں دھونا ہاتھ دھونا نہیں ہے۔

لما فی الہندیۃ: قال نجم الاثمة البخاری وغیرہ غسل الید الواحدة او اصابع الیدین لا ینفی للسنة غسل الیدین قبل الطعام: \* (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۴)

الباب الحادی عشر فی الکراہیۃ فی الاکل) لہ \* لانه المذکور غسل الیدین وذلك (لہ)۔

**دسترخوان پر روٹی رکھ کر سالن کا انتظار کرنا** | سوال: اگر دسترخوان پر روٹی

حاضر ہو لیکن تا حال سالن نہیں

لا یا گیا ہو تو روٹی کھانا شروع کی جائے یا سالن کا انتظار کیا جائے؟

**الجواب:** روٹی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے جس کا اکرام ضروری ہے، فقہائے تصریح کی ہے کہ روٹی حاضر ہونے کی صورت میں سالن کے انتظار میں نہ بیٹھے بلکہ روٹی کے اکرام کے پیش نظر روٹی کھانا شروع کی جائے جب سالن حاضر ہو تو وہ بھی استعمال کر لیا جائے۔

لما قال العلامة ابن نجیم: وینبغی ان لا ینتظر الادام اذا حضر الخبز ویأخذ فی الاکل قبل ان یأتی الادام - (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۳ کتاب الکراہیۃ) لہ

لہ قال العلامة ابن نجیم: ویستحب غسل الیدین قبل الطعام فان فیہ بركة وفي البرہانیۃ والسنة ان ینتظر الادام قبل الطعام وبعده -

(البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۳ کتاب الکراہیۃ. فصل فی الاکل والشرب)

لہ لما قال فی الہندیۃ: ومن اکرام الخبز ان لا ینتظر الادام اذا حضر۔ کذا فی الاختیار فی شرح المختار۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۴)

الباب الحادی عشر فی الکراہیۃ فی الاکل)

ومثله فی البرازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۶ ص ۳۶۵ کتاب الکراہیۃ۔

کھڑے ہو کر کھانا پینا مکروہ ہے | سوال ۱۔ آجکل لوگوں میں کھڑے ہو کر کھانے پینے کا رواج عام ہو چکا ہے، خصوصاً شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں بھی کھڑے ہو کر کھانا کھایا جاتا ہے، کیا کھڑے ہو کر کھانا پینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ہمارا موجودہ معاشرہ چونکہ مغرب سے زیادہ متاثر ہے اس لیے مغرب ہی کے عادات و اطوار ہم نے اپنا رکھے ہیں، کھڑے ہو کر کھانا پینا مغربی اقوام کا طریقہ ہے جو کہ سنت اور ادب کے خلاف ہے، تاہم فقہاء نے کھڑے ہو کر کھانے کو مکروہ تنزیہی کے درجہ میں ذکر کیا ہے۔

لما ورد في الحديث: عن قتادة عن النس عن النبي صلى الله عليه وسلم انه نهى ان يشرب قائماً فقلنا الأكل فقال ذلك اشروا خبت۔

(الصحيح المسلم ج ۲ ص ۱۴۳ باب في الشرب قائماً) لے

کھانا کھاتے وقت خاموشی کا حکم | سوال :- کھانا کھاتے وقت باتیں کرنا جائز ہے یا سکوت کرنا بہتر ہے؟ ہمالیوں

کے ساتھ بیٹھ کر کھانا افضل ہے یا اس کے خلاف کیا جائے؟

الجواب :- کھانا کھاتے وقت خاموش رہنے کو فقہاء کرام نے مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ مجوسیوں کی عادت ہے، اس لیے اچھی اور دینی باتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کھانا کھایا جائے۔ میزبان کے لیے مہمان کی جہان تواری اور عزت افزائی ضروری ہے، لہذا اگر مہمان ساتھ بیٹھ کر کھانے پر خوش ہوتا ہو تو ساتھ کھانا افضل ہے ورنہ مہمان کی ذاتی طور پر خدمت کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

لما في الهندية: يكره السكوت حالة الأكل لانه تشبه بالمجوس..... ولا يسكت

لے قال الامام محي الدين يحيى بن شرف النووي رحمه الله: ليس في هذه الأحاديث اشكال ولا فيها بحمد الله ضعف بل كلها صحيحة والصواب ان النهي محمول على التنزيهة۔ (شرح المسلم للامام النووي ج ۲ ص ۱۴۳ باب في الشرب قائماً) ومثله في كبرى ص ۳۶ آداب الوضوء۔

على الطعام ولكن يتكلم بالمعروف وحكايات الصالحين - (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۵)  
الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات ۱۰

**سوال :-** بعض لوگ تکیہ لگا کر کھانے پینے کے عادی ہوتے ہیں، آیا تکیہ لگا کر کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** کھانے پینے کے دوران اگر مسنون طریقہ مد نظر رکھا جائے تو ضرورت بھی پوری ہوگی اور ثواب بھی مل جائے گا۔ جہاں تک تکیہ لگا کر کھانے پینے کا تعلق ہے تو فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر تکبر کا خدشہ نہ ہو تو تکیہ لگا کر کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم خلافت ادب ہونے کی بناء پر اس طرح کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لمافی الہندیۃ: لا بأس بالأكل متكئاً اذا لم يكن بالتكبر وفي النظرة هو المختار -

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۳۴) ابن العاشق في الكراهية في الاكل ۲

**سوال :-** بعض لوگ کھانا کھاتے وقت ہاتھ کی پانچوں انگلیاں استعمال کرتے ہیں، تو کیا اس طریقے سے کھانا

جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تین انگلیوں سے کھانے کی تھی لہذا تین انگلیوں سے کھانا مستون طریقہ ہے، البتہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جہاں کہیں تین انگلیوں سے کھانے میں حرج ہو، تکلیف کی وجہ سے یا سالن نرم ہونے کی وجہ سے، تو کھانے میں تین سے زائد انگلیاں استعمال کرنا بھی مخص ہے۔

لمافی الہندیۃ: وينبغي ان يخدم الضيف بنفسه اقتداءً بما يراهيم علي بنينا  
وعليه السلام - (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۵) الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات -  
كتاب الكراهية -

قال العلامة ابن عابدين: لا بأس بالأكل متكئاً او مكشوف الرأس وهو المختار -  
(مراد المختار ج ۶ ص ۳۲۲) كتاب الكراهية - فصل في البيع -

ومثله في الخانية على هامش الہندیۃ ج ۲ ص ۲۰۵ کتاب الخطر والاباحۃ -



لاورد فی الحدیث: عن کعب بن مالک عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأکل بثلاث اصابع۔ (الصیحیح المسلم ج ۲ ص ۵۷) باب لعق الاصابع والقصعة الخ

سوال :- جناب مفتی صاحب! ایک سے زیادہ گلاس پانی پینے کا مستون طریقہ اگر جی کے موسم میں پیاس کی شدت

کے باعث انسان ایک ہی وقت میں کئی گلاس پانی پی جاتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں ہر گلاس کو تین سانسوں میں پینا ہوگا یا ہر گلاس کے بعد ایک مرتبہ سانس لینا کافی ہوگا اور اس سے سنت کی ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب :- مستون طریقہ یہ ہے کہ پانی کو تین سانسوں میں پیا جائے صورتِ مستولہ میں چونکہ ہر گلاس مستقل پانی پیتا ہے اس لیے ہر گلاس کو تین سانسوں میں پینے سے ہی سنت کی ادائیگی ہوگی۔

لما قال الشیخ اشرف علی التہانوی رحمہ اللہ: ہر گلاس کو تین سانسوں میں پیو کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرا تیسرا گلاس کچھ فصل سے پیوے تو وہ مجموعی طور پر کئی بار کا پینا ہوگا اور سانس لینا ایک بار کے پینے میں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۰۳ کتاب الخطر والاباحۃ۔ کھانے پینے کی حلال و حرام الخ)

سوال :- ایک شخص گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہے اور سودی لین دین کے علاوہ بعض

اوقات دیگر ناجائز ذرائع سے بھی مال حاصل کرتا ہے، تو کیا ایسے شخص کی دعوت میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

لہ قال الامام النووی رحمہ اللہ: واستحب اب الاکل بثلاث اصابع ولا یضم الیہ الرابعۃ والخامسة الا لعذر بان یكون مرقاً وغیره فلا یمکن بثلاث وغیر ذلک من الاعذار۔

{ شرح صحیح المسلم للامام النووی ج ۲ ص ۵۷ }  
{ باب لعق الاصابع والقصعة }

**الجواب :-** اگر یہ بات واضح اور یقینی ہو کہ اس شخص کا پورا مال حرام اور ناجائز ذریعہ سے کمایا گیا ہے تو دعوت میں شرکت نہیں کرنی چاہیے، البتہ اگر یہ بات یقینی نہ ہو یا یہ معلوم ہو کہ اس شخص کا کچھ مال تو حرام ہے لیکن مال کا اکثر حصہ حلال ہے تو پھر شرکت کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ موجودہ دور میں اکثر لوگوں کے مال میں کچھ نہ کچھ ملاوٹ پائی جاتی ہے۔

قال العلامة قاضی خان: وان كان غالب المهدى من الحلال فلا بأس بان يقبل الهدية  
ويأكل ما لم يتبين انه حرام لان اموال الناس لا يخلوا عن قليل حرام فيعتبر الغالب  
الفتاوى الخانية على هامش المهدية ج ۳ کتاب الخطر والباحة ص ۳۷

**سوال :-** بعض لوگ شادی بیاہ کے مواقع پر دعوتِ ولیمہ میں گانے بجانے اور لہو و لعب کا اہتمام ہو اس میں شرکت کا حکم

اجاب واقارب کو مدعو کیا جاتا ہے، تو کیا ایسی دعوتِ ولیمہ میں شرکت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** قبولِ دعوت کو علماء کرام نے ضروری قرار دیا ہے، لیکن آجکل چونکہ لادینیت اور فحاشی کا دور دورہ ہے لہذا اگر یہ بات یقینی ہو کہ وہاں گانے بجانے اور لہو و لعب کا پروگرام ہوگا تو ایسی دعوت میں نہیں جانا چاہیے، البتہ اگر وہاں پہنچ کر یہ بات معلوم ہو تو واپس نہ آنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن یاد رہے کہ یہ حکم عوام الناس کے لیے ہے اور جہاں تک خواص کے واپس آجانے کا تعلق ہے تو ان کے واپس آنے میں مصلحت یہ ہے کہ الدعویٰ پر ان کی ناراضگی واضح ہو کر وہ اپنے عمل بد سے باز آجائیں۔

لما قال العلامة ابن نجيم: اذا كان هناك لعب وغنا قبل ان يعضرو فلا يحضر

لما قال العلامة ابن نجيم: ولا يجوز قبول هدية امرء الجورن الغالب في مالهم الحرام الا اذا علم ان اكثر  
ماله حلال بان كان صاحب زرع او تجارة فلا بأس به لان اموال الناس لا تخلوا عن  
قليل حرام فيعتبر الغالب وكذا اكل طعامهم - الفتاوى المهدية ج ۵ ص ۳۲۲ الباب  
الثاني عشر في الهدايا والضيافات - كتاب الكراهية  
ومثله في النزاهة على هامش المهدية ج ۶ ص ۳۶ الباب الرابع في الهدايا والميراث -

لانه لا يلزمه الاجابة اذا كان هناك منكر۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۵ کتاب الکراهية) له  
چونا کھانے کا حکم | سوال: پان، نسوار وغیرہ میں چونا ملایا جاتا ہے، اس کے کھانے  
 کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: چونا بمقدار ضرورت پان وغیرہ میں ملا کر کھانا مرتخص ہے۔

لما قال العلامة محمد عبدالحی الکنہوی: یباح اکل النورة مع الورق الماکول فی  
 دیار الهند لانه قليل نافع فان الغرض المطلوب من الورق المذكور لا يحصل  
 بدونها۔ (نصاب الاحتساب بحوالہ مجموعۃ الفتاوی ج ۲ ص ۳۰۳) له

افیون کھانے کا حکم | سوال: افیون کھانا اور ادویات میں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟  
 الجواب: افیون مسکرا شیار میں سے ہے جس کا بغیر عذر شدید کے  
 کھانا حرام ہے تاہم اگر مباح و حلال اشیا اور ادویات میں کوئی تدوی کے لیے مفید نہ ہو اور مسلمان  
 طبیب نے بطور دوائی کے کھانے کا کہا ہو تو اس صورت میں کھانا مرتخص ہے۔

لما قال الشيخ محمد کامل بن مصطفی الطرابلسی: اتفق مشائخنا ومشائخ الشافعی علی تحريم  
 الحشيش وأفتوا باحراقه وأمر بتأديب بائعه والتشديد علی اكله فهو يذم مبتدع۔ (فتاویٰ الکاملية)  
 وفي الهندية: يجوز للتعليل شرب الدم والبول وأكل اذا اخبره طبيب مسلم ان شفاءه فيه  
 ولم يجد من لباح ما يقوم مقامه۔ (الفتاویٰ الهندية ج ۵ ص ۳۵۵) البنا الثامن عشر في التداوی المعالجات ۳

له لما في الهندية: هذا كله بعد الحضور ما اذا علم قبل الحضور فلا يحضر لانه يلزمه حق  
 الدعوة۔ (الفتاویٰ الهندية ج ۵ ص ۳۲۳) الباب الثاني عشر في الهدايا والمضيافات  
 ومثله في البرازية علی هامش الهندية ج ۶ ص ۳۶۲ کتاب الکراهية۔

له قال العلامة عبدالحی الکنہوی: نعم وفي نصاب الاحتساب یباح اكل النورة مع الورق  
 الماکول فی دیار الهند لانه قليل نافع فان الغرض المطلوب من الورق المذكور لا يحصل  
 بدونها وهو الحمره۔ (رفع المفتی والسائل ص ۹۳ کتاب الکراهية)

له قال العلامة ابن عابدین: (تحت قوله والنتن الذي حدث) وهو صرصر في حرمته  
 البنج والافیون لا لدواء۔ (مراد المختار ج ۶ ص ۲۵۴ کتاب الاشربة)

ومثله في نصاب الاحتساب بحوالہ مجموعۃ الفتاوی ج ۲ ص ۲۸۹ کتاب الکراهية۔



**سوال :- پیاز، لہسن اور دیگر بدبودار حلال اشیاء کھا کر مسجد میں جانا جائز ہے یا نہیں؟**

**الجواب :-** پیاز، لہسن وغیرہ اشیاء کھانا فی ذاتہ جائز اور مباح ہے تاہم مساجد اور ایسی مجالس جن میں خلق خدا کو ایذا پہنچنے کا خدشہ ہو کھا کر جانا جائز نہیں۔

لما قال الشيخ فضل الله الشهير بشيخنا احمد العثماني (رحمته الله) قوله صلى الله عليه وسلم من اكل من هذه الشجرة يعني الثوم فلا يأتين المساجد ليس في هذا تقييد النهي بالمساجد فيعتدل بعنونه على الحاق الجامع بالمسجد كصلى العيد والجنائزة ومكان الوليمة وجمهورية الاممة على اباحة اكلها۔ (فتح الملهم ج ۲ ص ۱۵۱/۱۵۲) باب نهى من اكل ثوماً له

**سوال :- بھنگ کا استعمال بطور نشہ اور تداوی کے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟**

**الجواب :-** بھنگ کا شمار جو نیک مسکر اشیاء میں ہوتا ہے اس لیے اس کا استعمال شرعاً ممنوع ہے تاہم بوقت ضرورت کسی مسلمان طبیب کے مشورے سے بقدر ضرورت استعمال مریض سے بشرطیکہ حلال اشیاء میں معالجے کے لیے کوئی شے نہ ہو۔

لما قال شيخ الاسلام ابو بكر علي بن محمد الحداد اليميني: ولا يجوز اكل البنج والحشيشة والافيون وذلك كله حرام۔ (الجوهرة النيرة ج ۲ ص ۲۸۱ کتاب الاشرية) ۲۷

۱۔ رواه الامام مسلم بن الحجاج القشيري: عن ابي سعيد الخدري قال لم نعدان فتحت خيبر فوقعنا اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم في تلك البقلة الثواق والناس جياحاً فاكلنا منها اكلًا شديدًا ثم رحنا الى المسجد فوجد رسول الله صلى الله عليه وسلم الريح من اكل هذه الشجرة الجذبة شيئاً فلا يقربنا في المسجد فقال لنا حرمت فبلغ ذلك النبي صلى الله عليه وسلم فقال ايها الناس انه ليس في تحريمه ما احل الله لي واكتتها شجرة اكره ربحها۔

(الصحيح المسلم ج ۱ ص ۲۰۹ باب نهى من اكل ثوماً الخ)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ مُسْلِمٍ لِلنَّوَوِيِّ ج ۱ ص ۲۰۹ بَابِ نَهْيِ مَنْ أَكَلَ ثَوْماً۔

۲۔ قال العلامة ابن عابدین: وهو صريح في حرمة البنج والافيون لاللدواد۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۲۵۴ کتاب الاشرية)

وَمِثْلُهُ فِي خُلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۲۰۵ كِتَابِ الْاَشْرِيَةِ۔

**بغیر اجازت کسی کے مال سے نفع لینا** | سوال :- کسی مسلمان کا مال اس کی اجازت کے بغیر لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مسلمان کا مال جان شرعاً معصوم ہے اور بغیر مالک کی اجازت کے لینا جائز نہیں اور نہ اس مال سے بغیر اجازت کے نفع اٹھانا جائز ہے۔

لما رواه الأمام علي بن عمر الدارقطني: عن عمرو بن يثرب قال شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع بمثي فسمعتة يقول لا يعجل الأمر من مال أخيه شيء إلا ما طابت به نفسه - سنن دارقطني ج ۳ ص ۲۵ کتاب البیوع - رقم حدیث ۸۹ م لہ

**کافر کے ساتھ کھانے کا حکم** | سوال :- کیا کسی غیر مسلم کے ساتھ ایک برتن میں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- غیر مسلموں کے ساتھ ایک برتن میں کھانے پینے کو معمول بنانا درست نہیں تاہم کبھی کبھار ایسا کر لینا مخصص ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: والاكل والشرب في اواني المشركين مكروه ولا بأس بطعام المجوس الا ذبيحتهم وفي الاكل معهم وعن الحاكم عبد الرحمن لو ابتلى به المسلم مرة او مرتين لا بأس به اما الدوام عليه فمكروه - (خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۳۲۶ کتاب الکراہیۃ) لہ

لہ لما ذكره الشيخ ولي الدين ابو عبد الله محمد بن عبد الله الخطيب: وعن ابي حرة الرقاشي عن عمه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا لا تظلموا الا لا يعجل مال امرء الا بطيب نفس منه - (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۵۵ باب الغصب والعارية، الفصل الاول) ومثله في نصب الراية ج ۲ ص ۱۶۹ کتاب الغصب -

لہ وفي الہندیۃ: الأكل مع المجوس ومع غيره من اهل الشرك انه هل يحل ام لا عن الحاكم عبد الرحمن الكاتب أنه ان ابتلى به المسلم مرة او مرتين فلا بأس به وامر الدوام عليه فيكرة - (الفتاوى الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۴ الباب الرابع عشر فی اهل الذمۃ... الخ) -

**خلافت شریعت و دعوت میں شرکت کا حکم** | سوال :- آجکل تبادلی بیاہ اور خوشی کی دیگر تقریبات

اور طور طریقوں کے خلاف کیا جاتا ہے جن میں غیر محرم مردوں اور عورتوں کا بے پردگی میں میل جول، ناچ گانا، ہندوؤں اور عیسائیوں کے مختلف طور طریقے قابل ذکر ہیں۔ اگر کسی کو ان خلاف شرع کاموں سے روکا جائے تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تو خوشی کا موقع ہے اس کے بغیر تو خوشی کا اظہار ہی نہیں ہو سکتا۔ جبکہ بعض اہل علم اور دیندار طبقہ سے تعلق رکھنے والے حضرات کو اس قسم کی تقاریب میں شرکت کرتے دیکھا گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ ان لغویات کو جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ کام ناجائز ہیں تو فلاں عالم یا دیندار شخص نے کیوں شرکت کی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کی تقاریب میں شرکت کرنا خصوصاً علماء اور دیندار طبقہ کا شرکت کرنا اور کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اس طرح کی تقریبات میں شرکت کرنا ناجائز ہے اور جہاں احکام شریعہ کی خلاف ورزی ہو رہی ہو اور منکرات موجود ہوں وہاں اکل و شرب یعنی کھانا پینا بھی ناجائز ہے۔ اسی طرح اس قسم کی تقریبات میں کسی عالم یا دیندار شخص کی شرکت کی بناء پر کوئی خلاف شرع کام جائز نہیں ہو سکتا۔

قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی رحمہ اللہ، دعی الی ولیمة وشمہ لعب او غنا قعد واکل لوللمنکر فی المنزل فلو علی المائدة لا ینبغی ان یقعد بل ینخرج معداً الی قوله فان قدر علی المنع فعل والا صیر ان لم یکن ممن یقتدی بہ فان کان مقتدی ولم یقدر علی المنع ینخرج ولم یقعد لان فیہ شین الدین الخ (الدر المختار ج ۵ ص ۲۲۵ کتاب المخطر والاباحۃ) لہ

لہ وفق الہندیۃ : ومن دعی الی ولیمة فوجد شمہ لعبا او غناء..... ولو کان ذلک علی المائدة لا ینبغی ان یقعد وان لم یکن مقتدی بہ وھذا کلمہ یعد

الحضور واما اذا علم قبل الحضور فلا یحضر الخ  
 { الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۳ کتاب الکراہیۃ  
 الباب الثانی عشر فی الهدایا والفضیفات }



## باب التداوی

(علاج معالجہ کے احکام و مسائل)

**انسانی اعضاء کی بیوند کاری کا حکم** | سوال :- دورِ حاضر میں انسانی اعضاء کی بیوند کاری کا دور دورہ ہے، کئی لوگ وصیت کر جاتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کے کچھ اعضاء مثلاً آنکھیں، گردے وغیرہ نکال کر کسی ضرورت مند کو لگا دیئے جائیں، تو کیا شریعت مقدسہ میں انسانی اعضاء کی بیوند کاری جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اپنے اعضاء کو معالجتاً استعمال کرنے کیلئے دوسرے انسان کیلئے وصیت کرنا اور ان اعضاء کی بیوند کاری کرنا شرعاً حرام ہے، اگرچہ یہ باہر آجکل کافی عروج ہے جس سے اجتناب لازمی ہے، تاہم متاخرین فقہاء نے حالتِ اضطرارِ شدیدہ کے وقت مرخص قرار دیا ہے۔

لما قال الامام محمد بن احمد السرخسی: لا يجوز الانتفاع به بحال ما والادى محترماً بعد موته على ما كان عليه في حياته كلما يحرور التداوى بشئ من الادوى المحترمة كرامالہ كذا لا يجوز التداوى بعظم الميت۔ (شرح کتاب السیر الکبیر ج ۱ ص ۱۲۸ باب دواء الجراحة) لہ

**انگریزی ادویات کے استعمال کا حکم** | سوال :- دورِ حاضر میں اکثر امراض میں بھی استعمال ہوتا ہے، شرعی نکتہ نگاہ سے ان ادویات کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** انگریزی ادویات کے بارے میں متاخرین علماء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر ان میں شراب یا دیگر محرم اشیاء کا استعمال یقینی یا ظن غالب سے ثابت ہو تو بغیر

لہ قال العلامة علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی: ولو سقط سنہ یکره ان یاخذ من الميت فیثدھا مکان الاوطی بالاجماع۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۱۳۲ کتاب الاستحسان)

ومثله فی الہندیۃ ج ۵ ص ۳۵۲ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات الخ۔

شدید ضرورت کے استعمال کرنا درست نہیں، ویسے انگریزی ادویات کا استعمال  
مخصوص ہے۔

ما قال العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزلیعی، وکوه شرب دردی الخمر  
والامتنشاط به لان فيه اجزاء الخمر فكان حراماً نجساً والانتفاع بمثله  
حراماً۔ (تبيين الحقائق ج ۶ ص ۲۹۷ کتاب الاشریة) لے  
پوسٹ مارٹم کا حکم | سوال:۔ عصر حاضر میں اگر کوئی قتل ہو جائے یا کسی حادثہ میں ہلاک  
ہو جائے تو ہسپتال میں اس کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے جس میں اعضا

کی قطع برید ہوتی ہے، تو شریعت مقدسہ میں اس عمل کا کیا حکم ہے؟  
الجواب:۔ جس طرح انسان کا احترام اس کی زندگی میں مسلم ہے اسی طرح موت  
کے بعد بھی قابل احترام ہے، جس طرح زندہ انسان کو ایذا دینا موجب جرم و گناہ ہے  
اسی طرح مردہ انسان کو بھی ایذا دینا موجب جرم و گناہ ہے اس لیے فقہاء کرام نے  
بعد الموت انسانی اعضاء کی قطع برید کو خلاف شرع قرار دے کر پوسٹ مارٹم کو ایک  
فبیح و ناجائز عمل کہا ہے۔

ما قال البیاضی: یرید ان لہ من الحرمة فی حال موته مثل مالہ منها  
حال حیاته وان کسر عظامہ حال موته یحرم کما یحرم کسرها حال حیاته  
(موطأ امام مالک حاشیة ص ۲۲ ما جانی الاختفاد و هو النیش) لے

لے قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: (وکوه شرب دردی الخمر) ای  
(والامتنشاط) بالدردی لان فيه اجزاء الخمر وقليله کثیره کما مر۔  
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۲۵۷ کتاب الاشریة)  
ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۲۱۹ کتاب الاشریة۔  
لے رواہ الامام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، عن عائشة ان  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت کسره حیاً۔  
(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۱۱ باب الحفار یجد العظم هل ینتکب ذلک المكان)  
ومثله فی سنن ابی ماجه مع حاشیة ج ۱ ص ۱۱۱ باب ماجاء فیمن مات مریضاً۔

خاندا فی منصوبہ بندی اور مانع حمل ادویات کا حکم | سوال :- آبجکل کے دور میں خاندا فی منصوبہ بندی

کی اشاعت بکثرت ہو رہی ہے، شرعی لحاظ سے خاندا فی منصوبہ بندی اور مانع حمل ادویات کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- خاندا فی منصوبہ بندی کے اہداف کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت کسی پر مخفی نہیں کہ یہ تمام تر پروگرام رزق کی تنگی کے خوف سے ہو رہے ہیں جو خالق کائنات جل مجدہ کی صفت خاصہ یعنی رزاقیت سے بغاوت کے مترادف ہے، اس لیے منصوبہ بندی کے بنیادی نظریہ (رزق کی تنگی کا خوف) کو مد نظر رکھتے ہوئے اس پر عمل کرنا شرعاً حرام ہے، تاہم کسی شرعی عذر کی بناء پر مانع حمل ادویات کا استعمال اور دیگر ذرائع اختیار کرنا مرنخص ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ : شرب الدواء لأجل إسقاط الحمل قبل ان یصیر صوریة یجوز عند الضرورة والكف عن هذا خیر اولی - (الفتاوی التاتاریخانیة ج ۳ ص ۲۱۶ کتاب النکاح الفصل لسان والعشرون) انجکشن کے ذریعے مادہ جانوروں کو حاملہ کرنے کا حکم | سوال :- افزائش نسل کے لیے گائے بھینس وغیرہ کو انجکشن لگوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ حیوانات میں نسب کا لحاظ رکھنا شرعی لحاظ سے ضروری نہیں اس لیے کہ ماں جانوروں میں اصل ہے اور بچہ بھی حلت و حرمت میں ماں کا

لما قال العلامة ابن عابدین : تحت قوله (ویکره ان تسقى لاسقاط الحمل ویجاز لعذس) کلمة رضعة اذا ظهر بها الحمل وانقطع لبنها ولیس لابى الصبی ما یتأجد به الظئر ویخاف هلاک الولد قالوا ینباح لها ان تعالج فی استنزال الدم مادام الحمل مضغفة أو علقة ولحق خلق له عضو وقد رو تلك الادة بمائة وعشرون يوماً - (رد المحتار ج ۶ ص ۲۲۹ کتاب الحظر والاباحة - فصل فی البیوع) ومثله فی الطحاوی علی الدر المختار ج ۴ ص ۲۱۲ کتاب الحظر والاباحة - فصل فی البیوع -



تابع ہے، بنا بریں جانوروں کو افزائش نسل کے لیے انجکشن لگوانا کوئی قبیح عمل نہیں۔

لما قال الامام السيد احمد بن محمد الحموي المصري: والمولود بين الاهلي والوحشي يتبع الام لان الاصل في التبعية الام حتى ان نذى الذئب على الشاة يضحى بالولد - (غمز عيون البصائر شرح الاشباه والنظائر ج ۱ ص ۳۳۴) لہ

**سوال:** بوقت ضرورت کسی بیمار کی جان بچانے کیلئے بیمار کو خون دینے کا حکم انسانی خون سے انتفاع کا شرعی حکم کیا ہے؟

**الجواب:** بوقت ضرورت (حادثہ یا شدید بیماری کی صورت میں) جان بچانے کے لیے انسانی خون سے استفادہ مخصص ہے۔

لما قال العلامة الشيخ محمد كامل بن مصطفى الطرابلسي المنفي: قال في التهذيب يجوز لعليل شرب البول والدم والميتة للتداوى اذا اخبره طبيب مسلم ان شفاؤه فيه ولو يجد من المباح ما يقوم مقامه - (الفتاوى الكاملة ص ۲۶۴ کتاب الکراہیۃ) لہ

**سوال:** دفع ضرر و جلب منفعت کے لیے قرآنی آیات اور ادعیہ مانور سے تعویذ کر کے پہننے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** غیر شرعی الفاظ کے علاوہ آیات قرآنی و ادعیہ مانورہ سے تعویذ کرنے یا کرانے میں کوئی شرعی قباحت نہیں بلکہ یہ ایک مسنون طریقہ ہے اور پہننا بھی جائز ہے۔

لما قال الامام اللغوی ابو الفتح ناصر الدين المطرزي: قال القتيبي وبعضهم يتوهم أن المعاذات هي التائم وليس كذلك انما التيممة الحرزة ولا بأس بالمعاذات

لہ لما قال الامام ابو بكر احمد بن علي الرازي الجصاص رحمه الله: ولو ولدت حمارة وحشية من حمارة هلي اكل ولدها فكان الولد تابعا لأمه دون ابيه - (احكام القرآن للجصاص ج ۵ سورۃ النحل)

لہ لما في الهندية: يجوز لعليل شرب البول والدم وأكل الميتة للتداوى اذا اخبره طبيب مسلم ان شفاؤه فيه ولو يجد من المباح ما يقوم مقامه -

(الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۳۵۵) الباب الثامن عشر في التداوى والمعالجات

ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۵ کتاب الکراہیۃ - فصل في البيع -

اذا كتبت فيها القرآن او اسماء الله تعالى - (المغرب في ترتيب المعرب ج ۱ ص ۱۰۷) لے  
 مردہ عورت کے پیٹ سے بچہ نکالنے کا حکم | سوال :- اگر کوئی حاملہ عورت فوت  
 ہو جائے اور طبی نقطہ نظر سے اس بات  
 کی تصدیق ہو جائے کہ عورت کے پیٹ میں بچہ ابھی زندہ ہے تو کیا اس کا پیٹ چاک کر کے بچہ  
 نکالنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام نے انتہائی مجبوری کے تحت مردہ عورت کے پیٹ کو چاک کر کے  
 بچہ نکالنے کو مخصص کہا ہے مگر اس شرط پر کہ بچہ پیٹ میں حرکت کر رہا ہو یعنی اس کا زندہ ہونا  
 یقینی ہو، چونکہ موجودہ دور میں سائنسی ترقی کی وجہ سے مذکورہ بالا صورت میں الٹراساؤنڈ کے  
 ذریعے بچے کا زندہ ہونا معلوم کیا جاسکتا ہے، لہذا جب الٹراساؤنڈ کے ذریعے معلوم ہو جائے  
 کہ بچہ واقعی زندہ ہے تو مردہ عورت کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکالنا شرعاً مخصص ہے۔

ما قال العلامة الحصكفي: حامل ماتت و ولدها يضطر شق بطنها و يخرج  
 ولدها - (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۳۸ باب الجنائز، مطلب في دفن الميت ص ۱۰۰)  
 شوہر کو راغب کرنے کے لیے تعویذات کا سہارا لینا | سوال :- بیوی شوہر کو اپنی  
 کسی تعویذ کا سہارا لے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- اصلاح بین الزوجین کے لیے عملیات یا دیگر تعویذات کا سہارا لینا شرعاً

لما اخرج ابوداؤد سليمان بن الأشعث السجستاني في سننه: عن عمرو بن شعيب عن أبيه  
 عن جده ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعلمهم من الفزع كلما اعوذ بكلمات الله التامة  
 من غضبه وشر عباده ومن همزات الشياطين وان يحضرون وكان عبد الله بن عمر يعلمهن من  
 عقل من بنيه ولم يعقل كتبه فاعلقه عليه - (سنن ابى داؤد ج ۲ ص ۵۲۳ باب كيف الرقى -  
 ومثله في رد المحتار ج ۶ ص ۳۶۳ كتاب الخطر والاباحة - فصل في الليس -

لے قال الشيخ اشرف على القفانوى: اس سے معلوم ہوا کہ پیٹ چاک کر کے بچہ نکال لینا اس وقت جائز  
 ہے جب بچہ زندہ حرکت کرتا ہو معلوم ہو ورنہ اگر بچہ بھی مر گیا تو پیٹ چاک کرنا جائز نہیں۔

(امداد الفتاوی ج ۲ ص ۲۰۶ کتاب الخطر والاباحة)

قیح نہیں بشرطیکہ شوہر کو اپنا غلام بنانا مقصود نہ ہو بلکہ بے اختلاقی سے بچنے کی نیت ہو، تاہم کتب فتاویٰ میں جو عدم جواز کا فتویٰ موجود ہے وہ غیر شرعی تعویذات و تسخیرات وغیرہ یا دیگر بدینتی پر محمول ہے۔

لما قال العلامة ابو الفتح ناصر الدین المطرزی: بعضهم یرتوهم ان المعاذات هی التائم وليس كذلك انما التمیمة الخرزة ولا یأس بالمعاذات اذا کتب فیها القران او اسماء الله تعالی..... وأما ما کات من القران وشئ من الدعوات فلا یأس۔

(المغرب فی ترتیب المعرب ج ۱ ص ۱۰۸) لہ

**تعویذات میں یا بدوح لکھنا** | سوال :- اکثر عالین تعویذات میں یا بدوح لکھتے لکھنا درست نہیں، کیا واقعی ایسا لکھنا جائز ہے؟

**الجواب :-** بدوح عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور تعویذات میں اسماء اللہ لکھنا جائز ہے لہذا تعویذات میں یا بدوح لکھنے میں کوئی قباحت نہیں۔

لما قال العلامة المفتی محمد شفیع: اعترفتی اپنے اتاذ محترم حضرت علامہ مولانا محمد نور شاہ صاحب الکتھیری سے سنا ہے کہ لفظ "بدوح" بلا تشدید دال عبرانی زبان میں اللہ کا نام ہے۔ (عزیز الفتاویٰ المعروف بہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۳۹) لہ

لہ لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وبعضہم یرتوہم ان المعاذات ہی التائم وليس كذلك انما التمیمة الخرزة ولا یأس بالمعاذات اذا کتب فیها القران او اسماء الله تعالی۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۶۳ کتاب الخطر والاباحة۔ فصل فی اللبس)

وَمِثْلُهُ فِي نِيلِ الْاوطار ج ۵ ص ۳۱۰ باب ماجاء فی الاجرة علی الضرب۔

لہ لما قال العلامة المفتی محمد شفیع: بدوح یہ لفظ عام طور پر بضم باء و تشدید دال مشہور ہے مگر یہ صحیح نہیں، صحیح لفظ بدوح بفتح باء و تخفیف دال ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ نہیں بلکہ عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

(امداد المفتیین المعروف بفتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۲۳۸ کتاب الکراہیة)



**غیر شرعی الفاظ سے تعویذات لکھنا** | سوال :- تعویذات میں غیر شرعی الفاظ مثلاً 'یا فرعون' یا ہامان وغیرہ لکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- تعویذات میں قرآنی آیات و ادعیہ ماثورہ کے علاوہ غیر شرعی الفاظ مثلاً جن، بھوت یا کسی بڑے کافر کا نام وغیرہ لکھنا شرعاً ناجائز ہے۔

لمارواه الامام مسلم بن الحجاج القشیری : عن عود بن مالک الاشجعی قال لنا نرقت فی الجاهلیة فقلنا یا رسول الله کیف توی فی ذلك فقال اعرضوا علی رواقم لا بأس بالرقی ما لم یکن فیہ شرک - (الصمیم المسلم ج ۲ ص ۲۲۲) باب جواز اخذ الاجرة علی الرقیة (۱) لہ

**بیماری کا علاج کرنا سنت ہے** | سوال :- بیماری کا علاج کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ اور اگر کوئی بیمار علاج نہ کرنے پر ہلاک ہو جائے تو

کیا وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- علاج ایک ظاہری سبب ہے اور سنت عمل ہے تاہم اگر کوئی بیمار اپنا علاج نہ کرنے کی وجہ سے مر جائے تو گنہگار نہیں ہوگا۔

لما قال الامام الفقیہ ابواللیث السمرقندی : ولو مرض ولم یعالج حتی مات لم یأثم بخلاف الجائع اذا لم یأکل حتی مات بالجوع یا ثمر به - (فتاویٰ نوانرل من کتاب الکراہیة) لہ

لہ قال العلامة الحسینی : التیمة المکروهة ما کان بغیر العربیة - قال العلامة ابن عابدین : (فی قوله

التیمة المکروهة) قول الذی رأیته فی المجتبى التیمة المکروهة ما کان بغیر القبران -

(رد المحتار ج ۶ ص ۳۶۳ کتاب الخطر والاباحة فصل فی اللیس)

وَمِثْلُهُ فِي حَاشِيَةِ الْجَامِعِ التِّرْمِذِيِّ لِلشَّيْخِ أَحْمَدَ عَلِيَّ السَّهَارَنِيِّ ج ۲ ص ۲۵ (باب جواز جرة علی التعویذ)

۲ قال العلامة ابن البرزاز الكردي : اُمتنع عن الأكل حتى مات جوعاً ثم وان عن التداوي حتى تلف مرضاً لان عدم الهلاك بالأكل مقطوع والشفاء بالمعالجة مطمئن -

الفتاوى البرزازیة علی هامش الهندیة ج ۶ ص ۳۶۴ نوع فی التداوی - کتاب الکراہیة (

وَمِثْلُهُ فِي الِاتِّعْيَارِ عَلَيَّ تَعْلِيلِ الْمُخْتَارِ ج ۲ ص ۱۴۴ کتاب الکراہیة -

## خاندانی منصوبہ بندی کا شرعی مطہرہ کی روشنی میں جائزہ | سوال: مکرّمی جناب شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب اسلام منون!

دنیا کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی ماہرین اقتصادیات و عمرانیات کے پیش نظر ایک ہولناک مسئلہ کی صورت میں جلوہ گر ہے، اگر اس مسئلے پر محض اقتصادی یا عمرانی نقطہ نظر سے بحث کی جائے تو تحدید النسل ناگزیر معلوم ہوتی ہے تاہم ایک مسلم معاشرے میں کسی تحریک کے آغاز سے پیشتر اس کی شرعی حیثیت کا تعین ضروری ہے۔

میں ایک تحقیقی ادارے سے وابستہ ہوں اور اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی کے موضوع پر کام کر رہا ہوں، میرے پیش نظر کوئی سیاسی مصلحت نہیں، بہر قسم کے دباؤ سے بے نیاز محض دین کی خدمت کے جذبے کے تحت میں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مجھے ہر وقت علماء کرام کی راہنمائی کی ضرورت ہے، اُمید ہے آپ اپنے قیمتی وقت میں سے چند لمحات نکال کر میری راہنمائی کے لیے مندرجہ ذیل امور پر روشنی ڈالیں گے۔

- الف۔ آپ کے خیال میں ”خاندانی منصوبہ بندی“ مذہبی نقطہ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟
- ب۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں عزل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟
- ج۔ فقہاء کرام نے کن صورتوں میں ایک شادی شدہ جوڑے کو عزل پر عمل پیرا ہونے کی اجازت دی ہے؟
- د۔ آیا تحریک کی صورت میں ضبط تولید کے مختلف طریقوں کی ہمہ گیر اشاعت شرعی نقطہ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟
- س۔ اگر نہیں تو اس سے کون سی خرابیوں کے پیدا ہونے کا احتمال ہے؟ نیز ان خرابیوں کے تدارک کے لیے آپ کی تجاویز؟
- س۔ عزل کے علاوہ ضبط تولید کے دیگر جدید طریقوں پر عمل کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ آنجناب کا سوال نامہ ملا، خاندانی منصوبہ بندی کے بارہ میں ہماری رائے جو شرعی نصوص اور فقہاء اُمت کی آراء پر مبنی ہے، حسب ذیل ہے۔

دنیا کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے ہولناک نتائج کی بناء پر تحدید النسل کرنا جبکہ جبر اور



حاکمانہ طور سے ہو یا تحریک کے طور سے ہو مسلمانوں کے شایان شان نہیں ہے، ایک موحد اور مسلم قوم کے لیے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ املاک اور تشدد کی خطرہ کی بنا پر مشرکین عرب کی طرح (خفی) میں مبتلا ہو، نیز جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین جنس کی عاقبت اندیشی، ہمدردی اور شفقت علی الخلق میں کوئی شبہ نہیں ہے انہوں نے عرب جیسے ریگستان اور بے آب و گیاہ ملک میں تحدید النسل کا حکم یا مشورہ نہ دیا حالانکہ وہاں قحط کا خطرہ بلکہ اس کا متحقق ہونا ان کو محسوس تھا بلکہ بجائے تحدید کے تکثیر نسل کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا: تزدوجوا الودود والود فانی مکا ثدیکم الامم۔ تو ایک مسلمان معاشرہ کے لیے یہ کب زیبا ہو سکتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتباع چھوڑ کر ہر معاملہ میں مغرب کی اندھی تقلید کرے اور تقلید بھی اس درجہ کی کہ اگر آج ہی مغرب کی طرف سے تکثیر نسل کا اشارہ ہو جائے تو فوراً اس کے صواب اور حق ہونے پر مصر ہوں گے۔

الغرض اس مسئلہ کا حل اقتصادی و عمرانی نقطہ نظر سے تحدید نسل نہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان رزاقیت پر اعتماد اور توجید کے خلاف ہے، بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین اور کائنات میں رزق و معاش کے جو بے انتہا اور بے حد و حساب خزانے ودیعت فرمائے ہیں خدا کی عطا کی ہوئی عقل و ادراک سے کام لے کر رزق پڑھانے اور زیادہ سے زیادہ پیداوار فراہم کرنے کے ذرائع اور طریقے اختیار کیے جائیں، بنجر زمین کو قابل کاشت بنایا جائے، زمینداروں کی زرعی ترقی کے لیے جدید طریقوں سے راہنمائی کی جائے، زمین کی غیر ضروری پیداوار از قسم تمباکو، افیون وغیرہ کی تحدید یا ان کا خاتمہ کیا جائے جس پر انسان کی بنیادی ضروریات کا کوئی مدار نہیں۔

اس تمہیدی بحث کے بعد بالترتیب آپ کے سوالوں کے جوابات مختصراً عرض

کئے جاتے ہیں۔

الف۔ حاکمانہ اور بھری طور سے، نیز ہمہ گیر اور اجتماعی تحریک کے طور سے ناجائز ہے۔ اور

بلا جبر و اکراہ انفرادی طور سے کسی شدید ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔

ب۔ جائز تو ہے مگر خلافتِ اولیٰ ہے لیکن یہ جواز بھی اس وقت ہے جبکہ یہ امر مفسد پر مشتمل ہو

جو مباحاتِ مفسد کا ذریعہ بنیں وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ناجائز ہیں، اسی طرح اسکے



حرکات اور بواعث بھی از روئے شرع مذموم نہ ہوں۔

ج۔ ضرورت مند اور معذور اشخاص کے لیے عزل جائز ہے اور اہل مقرب کی تقلید کی وجہ سے یا اقتصادی نقطہ نگاہ سے ناجائز ہے، ویسا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، اور جو لوگ اسے ایک تحریک کی شکل دے رہے ہیں ان کے نزدیک اس ایک معاشی مسئلہ کا حل ہونا ذہنی غلامی کا ثبوت ہے۔

د۔ ضرورت مند اور معذور کے لیے انفرادی طور پر بلا جبر و اکراہ جائز ہیں جبکہ مفسد پر مشتمل نہ ہوں، لیکن مفسد پر اشمال یقینی ہے، اس لیے اسے تحریک کی شکل میں چلانا بہر حال ناجائز ہے۔

س۔ اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت اور صفت تقدیر سے غفلت اور کثرت زنا کی لعنت اس کے اہم مفسد ہیں جن کا تدارک اگرچہ زبانی طور سے تو ممکن ہے لیکن عملی طور سے ناممکن ہے۔

س۔ صاحبِ عذر اور ضرورت مند کے لیے دوسرے طرق بھی انفرادی طور پر جائز ہیں البتہ جو طریقے مفسد پر مشتمل ہوں، جیسے نس بندی کی صورت یا مستقل طور پر قوت تولید زوج یا زوجہ کا خاتمہ کرانا جو از قبیل تغیر خلق اللہ بھی ہے، اس کا ارتکاب ناجائز ہے اس قسم کے مفسد پر اشمال ضروری ہے، لہذا ہم اس تحریک کے جواز کا فتویٰ نہیں دے سکتے ہیں۔ اور جو لوگ نصوص کتاب و سنت اور فقہائے کرام کے اقوال و آراء کو کھینچ تان کر اپنی مطلب برآری کے لیے اس تحریک کا جواز ڈھونڈنا چاہتے ہیں ان کی تحقیقات کا رجوکہ دراصل تاویل و تحریف ہے، کوئی اعتبار نہیں۔

جند بیدستر کو ادویات میں استعمال کرنا | سوال :- جند بیدستر جو کہ ایک دریائی جانور

اور طبی ماہرین اسے ادویات میں بکثرت استعمال کرتے ہیں، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام؟ جبکہ بعض اوقات اس کا استعمال تبادلہ دوائی نہ ملنے کی وجہ سے ناگزیر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ امداد الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ جند بیدستر پاک نہیں بلکہ ناپاک است اگرچہ حرام ہے۔ شریعت مقدسہ کی روشنی میں اس بارے میں تفصیل درکار ہے؟

**الجواب :-** دریائی جانور سب پاک ہیں، چھوٹے ہوں یا بڑے، مذبوح ہوں یا غیر مذبوح، البتہ ان میں سے سوائے مچھلی کے کسی اور کا کھانا مذہب حنفی میں درست نہیں مگر ادویات میں تمام دریائی حیوانات کا یا ان کے کسی بھی اجزاء کا قارجی استعمال درست ہے الا آنکہ مینڈک کا مارتا کراہت سے خالی نہیں۔ لو ورد النص فیہ۔ ہاں اگر مرل ہو تو قارجی استعمال میں کوئی حرج نہیں، یہ حکم صرف دریائی مینڈک کا ہے، جند بیدستر کا داخلی استعمال کسی کے نزدیک بھی درست نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک تو دو وجہ سے درست نہیں، ایک تو اس لیے کہ جند دریائی جانور ہے، دوسرے اس لیے کہ یہ خُصیہ ہے جس کی ممانعت حدیث میں منصوص ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک صرف اخیر وجہ سے اور بوجہ پاک ہونے کے خارجاً درست ہے، عطر میں ڈالنا جائز ہے۔ (اصلی طبی جوہر ص ۱۰۴ از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی)

وفی الہندیۃ: (واما حکمها) فطہارة المذبوح وحل اکلہ من الماکول و طہارة غیر الماکول للانتفاع لاجہتہ الاکل۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۲۰۶ کتاب الذبائح۔ الباب الاول) لہ

لہ وفی الہندیۃ: الحیوان فی الاصل نوعان نوع یعیش فی البحر ونوع یعیش فی البر، اما الذی یعیش فی البحر فجميع ما فی البحر عن الحیوان یحرم اکلہ الا السمک خاصة فانه یحل لکلہ الخ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۲۸۹ کتاب الذبائح۔ الباب الثانی فی بیان ما یوکل لحمہ الحیوان وما لا یوکل)

# باب اللباس

( لباس کے احکام و مسائل )

**سوتے چاندی کی گھڑی پہننا** | سوال :- سونے، چاندی یا لوہے اور تانبے کی

بنی ہوئی گھڑی پہننا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟  
الجواب :- گھڑی اگر خالص سوتے یا چاندی کی بنی ہوئی ہو تو مردوں کے لیے اس کا استعمال کرتا جائز نہیں لیکن اگر اندر سے سونیا یا چاندی کی ہو اور باہر سے لوہا وغیرہ کی ہو تو مردوں کے لیے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ لوہے وغیرہ کا استعمال صرف انگوٹھی میں ممنوع ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: (ولا يتحلى للرجل ربح وفضة مطلقاً.... ولا يتختم الا بالفضة لحصول الاستغناء بها في حرم (بغيرها كالحجر) وذهب وحديد و صفر و رصاص وغيرها لما مر فاذا ثبت كراهة لبسها للتختم -

والدالمختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۵۹ کتاب المخطر والاباحت. فصل في اللبس لـ

**عورتوں کے لیے سفید کپڑے پہننے کا حکم** | سوال :- خواتین کے لیے رنگین کپڑوں  
پہننے کا حکم کے علاوہ سفید کپڑے زیب تن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت اسلامیہ میں عورتوں کے لیے کسی خاص رنگ کے کپڑے پہننے کی کوئی پابندی نہیں تاہم ان کے لیے ایسے لباس سے اجتناب ضروری ہے جس سے مردوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہو۔

لما قال العلامة الحصكفي: وكره لبس المعصفر والمزعفر والأحمر صفر للرجال

لما قال العلامة ابوالبركات النسفي: ولا يتحلى للرجل بالذهب والفضة الا بالختام.... و حرم التختيم بالحجر والحديد والفضة والذهب - (كنز الدقائق ص ۲۲ کتاب النکاحية فصل في اللبس -

ومثله في الجوهرة النيرة ج ۲ ص ۳۸۳ کتاب المخطر والاباحت -



مفادہً انہ لا یکرہ للنساء روکلا یا سبائاً لوان - الخ (الدر المختار علی صدر المختار ج ۶ ص ۳۵۸ کتاب  
الخطرو والاباحۃ - فصل فی اللبس) لہ

**سوال :-** زمانہ حال میں اکثر خواتین اتنا باریک  
خواتین کا باریک لباس پہننا

لباس زیب تن کرتی ہیں جس میں ان کے جملہ اعضاء  
نمایاں نظر آتے ہیں اور بعض اوقات ان پر کسی غیر محرم کی نگاہ بھی پڑ جاتی ہے۔ از روئے شرع  
ایسے لباس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** اسلام نے خواتین کو پردے کا حکم دیا ہے اور ایسے ملبوسات کے  
استعمال سے منع فرمایا ہے جو بے حیائی کا موجب ہوں، لہذا خواتین کا ایسا لباس پہننا جس  
میں جسم کے پوشیدہ اعضاء کی وضاحت ہوتی، ہو حرام و ناجائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدین، اقول مفادہ ان رؤیة الثوب بحیث یصف حجم  
العضو ممنوعة ولو کثیفاً لا تری البشرة منه - (رد المحتار ج ۶ ص ۳۶۶ کتاب  
الخطرو والاباحۃ - فصل فی النظر واللمس) لہ

**سوال :-** خالص تیلہ جو سونے چاندی کا بنا  
مردوں کے لیے تیلہ کے استعمال کا حکم

ہو مردوں کے لیے استعمال کرنا شرعاً جائز  
ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** خالص تیلہ جو سونا چاندی کا بنا ہو اس سے بنی ہوئی اشیاء کا استعمال  
کرنا مردوں کے لیے ناجائز ہے، تاہم مروجہ تیلہ جو سونا چاندی پر مشتمل نہ ہو، کی بنی ہوئی

قال العلامة السید احمد الخطاوی، بقولہ والمزعر والاحمر والاصفر، یعنی ان المزعر یقسمیہ مکروہ، وأما الاصفر  
من غیر الزعفران فلا کراہۃ فیہ ولا بأس بسائراً لوان من الابيض والازرق والاشقر - الخ  
(خطاوی حاشیۃ الدر المختار ج ۶ ص ۱۸ کتاب الکراہیۃ - فصل فی اللبس)

۲۰ رواہ الامام محمد بن اسماعیل البخاری، عن ام سلمة قالت استقیظ النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم فقال..... فرُب کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرة -  
(الصیحیح البخاری ج ۱ ص ۲۲ باب العلم والعظمة باللیل)

وَمِثْلُهُ فِي تَبْيِينِ الْحَقَائِقِ ج ۶ ص ۱ کتاب الکراہیۃ - فصل فی اللبس -

اشیاء کا استعمال مردوں کے لیے درست ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: یکره ان ینبیس الذکور قلنسوة من الحریر  
او الذهب والفضة او الکرباس۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۵۲ کتاب الخطر والاباحة۔  
فصل فی اللبس) لے

دانت جوڑنے کے لیے سونا، چاندی استعمال کرنا | سوال: ٹوٹے ہوئے دانت کو  
استعمال ہوتا ہے، تو کیا اس طرح سونا، چاندی کا استعمال مردوں کیلئے جائز ہے یا نہیں؟  
الجواب: ٹوٹے ہوئے دانت کو جوڑنے کے لیے سونے کا استعمال ناجائز ہے  
اس لیے کہ سونا مردوں کے لیے حرام ہے، تاہم صرف چاندی کا تھول چڑھانے میں کوئی  
قیاحت نہیں ہے۔

لما قال الامام المجدد محمد بن حسن الشیبانیؒ: ولا تشد الا سنان بالذهب  
وتشد بالفضة۔ (الجامع الصغیر ص ۳۱۹ کتاب الکراہیة) لے

لوہے کی انگوٹھی پہننے کا حکم | سوال: مرد وزن کو لوہے وغیرہ کی انگوٹھی پہننا جائز ہے  
یا نہیں؟ نیز سونے چاندی کی انگوٹھی کا شرعاً کیا حکم ہے؟  
الجواب: لوہے کی انگوٹھی مرد وزن کو پہننا مکروہ ہے اور سونے کی انگوٹھی صرف  
مردوں کیلئے پہننا حرام ہے جبکہ چاندی کی انگوٹھی بمقدار مازون جائز ہے اور خواتین کے لیے مطلقاً جائز  
ہے تاہم محتاج الیہ کے علاوہ مردوں کو انگوٹھی پہننا مستحسن نہیں۔

لما قال الامام عبد اللہ بن محمود الموصلیؒ: ویجوز للنساء التحلی بالذهب والفضة

لے لما فی الہندیة، یکره ان ینبیس الذکور قلنسوة من الحریر والذهب والفضة  
والکرباس۔ (الفتاویٰ الہندیة ج ۵ ص ۳۳۲ الباب التاسع فی اللبس۔ الخ)  
وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى السَّرَاجِيَّةِ ص ۷۵ کتاب الکراہیة۔

لے قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: ویشد الانسان بالفضة ولا یشدھا  
بالذهب۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۶ ص ۳۷ کتاب الکراہیة۔ الفصل السابع فی اللبس)  
وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْكَامِلِيَّةِ ص ۲۶۱ کتاب الکراہیة۔

ولا يجوز للرجال الا الخاتم..... من الفضة (وقال في شرح كتابه) ثم التعم سنة لمن  
يحتاج اليه كالسلطان والقاضي ومن في معناها ومن لا حاجة له اليه فتركه افضل..... و  
يكروه التعم بالحديد والصفير للرجال والنساء لانه حلية اهل النار وقد نهى عنه -  
(الاختيار لتعليق المختار ج ۱ ص ۱۵۹ كتاب الكراهية. فصل في اللباس) ۱۵

**عورت کیلئے پازیب پہننے کا حکم** | سوال :- جناب مفتی صاحب! آج کل بڑے گھرانوں  
کی خواتین میں پازیب پہننے کا رواج ہے، عورت

جب پازیب پہن کر راستے میں چلتی ہے تو اس کی چھن چھن کی آواز کانوں میں پڑتی ہے جس  
کی وجہ سے آوارہ قسم کے لڑکے ایسی عورتوں پر آوازے کسے لگتے ہیں جو کہ فساد کا ذریعہ ہے  
کیا شرعاً عورت کے لیے پازیب کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اسلام نے عورت کو حجاب (پردہ) کا حکم دیا ہے اور اسے ہر اس عمل سے  
منع کیا ہے جو بے حیائی کا باعث بنتا ہو، چونکہ عورت کے پازیب پہننے میں ایک قسم کی بے حیائی  
ہے اور اس کی وجہ سے بعض اوقات بڑے بڑے فتنے و فساد پیدا ہو جاتے ہیں اور دوسرا  
یہ کہ پازیب حجاب شرعی کے بھی منافی ہے اس لیے اس کا استعمال ہر چھوٹی بڑی خاتون  
کے لیے ناجائز و حرام ہے -

لما قال الله تعالى: وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ -

(سورة النور آیت ۳۱) ۱۵

۱۵ لہذا قال الامام ابوالبركات ابو عبد الله بن احمد النسفي: ولا يتجلى الرجل بالذهب  
والفضة الا بالخاتم والمنطقة حلية السيف من الفضة والا لغير سلطان والقاضي ترك التعم بالمجر  
والحديد والصفير - (كنز الدقائق ص ۴۲۳، ص ۴۲۴ كتاب الكراهية)

۱۶ وَمَثَلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْهِنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۳۳۵ الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة -

۱۷ وعن بنانة مؤيدة عبد الرحمن بن جبان الانصاري كانت عند عائشة إذ دخلت عليها  
بجارية وعليها جلاجل يصوتن فقالت لا تدخلنها على الا ان تقطعن جلاجلها  
سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تدخل الملائكة بيتا فيه جرس - (رواه ابو داود)

(مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۷۹ کتاب اللباس - باب النعال)

۱۸ وَمَثَلُهُ فِي اِمْدَادِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۱۳۷ کتاب الخطر والاباحة -



**بدن پر خال یا نام لکھوانا جائز نہیں** | سوال :- پیشانی یا جسم کے کسی عضو پر خال بنانا یا نام لکھو دوانے کا شریعت میں کیا حکم ہے ؟

**الجواب :-** بدن پر نام لگانا یا پیشانی پر خال بنانا تخلیقِ خداوندی میں تغیر کے مترادف ہے جو کہ ناجائز عمل ہے اس لیے بدن پر نام لکھو دینے یا خال بنانا حرام ہے لیکن اگر ایک دفعہ نام لکھا گیا ہو تو اس کو مٹانے کے لیے چمڑا کا ٹنا بھی ضروری نہیں اور اس سے وضو اور غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

لما رواه الامام محمد بن اسماعيل البخاري: عن عون بن ابي جحيفة عن ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الدم و ثمن الكلب و كسب البغى و لعن اكل الربو و مؤكله و الواشمة و المستوشة و المصور.

(الصحيح البخاري ج ۲ ص ۸۸۱ باب من لعن المصور له

**بالوں کو سیاہ خضاب لگانا** | سوال :- سفید بالوں کو سیاہ خضاب لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

**الجواب :-** سفید بالوں خصوصاً داڑھی کو سیاہ خضاب لگانے کے متعلق فقہاء کرام کی عام روایات سے ممانعت کا رجحان غالب معلوم ہوتا ہے، جبکہ صوفیاء کے نزدیک حرام ہے اس لیے اس سے اجتناب ضروری ہے، تاہم دشمن پر رعب ڈالنے کے خاطر مجاہدین کے لیے زہمت موجود ہے۔

لما قال العلامة علي بن سلطان محمد القاري: ذهب اكثر العلماء الى كراهة الخضاب بالسواد و جنع النووي الى

انها كراهة تحريم وان من العلماء من رخص فيه في الجهاد ولم يرخص في غيره - (مرقاة المفاتيح ج ۸ ص ۳۲۲)

له رواه الامام ابو الحسين مسلم بن الحجاج القشيري: عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن الواصلة

والمستوصلة والواشمة والمستوشمة - (الصحيح المسلم ج ۲ ص ۲۰۲ باب تحريم فعل الواصلة الخ)

وَمِثْلُهُ فِي سُنَنِ النَّسَائِيِّ ج ۲ ص ۲۸۰ وصل الشعر بالخرق -

له قال العلامة ابن عابدین: ر قوله ويكره بالسواد اي لغير الحرب قال في الذخيرة

أما الخضاب بسواد للغزو ليكون اهيب في عين العدو فهو محمود بالا تفاق -

(مد المختار ج ۶ ص ۲۲۲ كتاب الخطر والاباحة - فصل في البيع)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْهَنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۳۵۹ الباب التاسع عشر في الختان والحضار -

**بچوں کے کانوں میں سونے کی بابیاں ڈالنا** | سوال :- بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ بچوں کے کانوں میں سونے کی بابیاں پہنائی جاتی ہیں، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

**الجواب :-** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لیے سونے اور ریشم کا استعمال ممنوع و حرام قرار دیا ہے، البتہ عورتوں کے لیے یہ جائز ہے۔ اس لیے سونے کا استعمال جیسے بالغ مردوں کے لیے ممنوع و حرام ہے، اسی طرح نابالغ بچوں (لڑکوں) کے کانوں میں سونے کی بابیاں ڈالنا بھی ممنوع و حرام ہے اور اس کا وبال والدین یا سرپرست کے ذمہ ہوگا۔

لما ورد في الحديث: عن ابي موسى الاشعري ان النبي صلى الله عليه وسلم قال احل الذهب والحديد للاناث من امتي احرم علي ذكورها۔

(رواه مشكوة عن الترمذی ج ۲ ص ۳۷۵ کتاب اللباس الفصل الثاني) لہ

**پگڑی کے شملے کی مقدار کا تعین** | سوال :- شریعت مطہرہ میں پگڑی کے شملے کی مقدار کیا ہے اور کہاں چھوڑنا چاہیے، یعنی آگے کی طرف

ہو یا پیچھے کی طرف ہو؟

**الجواب :-** عمامہ رگڑی، باندھنا سنت نبوی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ مبارک کا شملہ اکثر پیچھے کی طرف دونوں کندھوں کے درمیان ہوتا تھا، اور شملہ کی مقدار میں فقہاء کرام کی آراء مختلف ہیں، بعض کی رائے ایک شبر ہے اور بعض کی رائے نصف النظہ ہے، اور بعض نے موضع الجلوں تک رکھنے کا قول فرمایا ہے۔

کما في الهندية: ندب لبس السواد وارسال ذنب العمامة بين الكتفين الى الى وسط الظهر، كذا في الكنف: واختلفوا في مقدار ما ينبغى ذنب العمامة منهم

لہ قال العلامة علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی رحمہ اللہ: ومنها الذہب لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الذہب والحریق فی التحریم علی الذکور۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۲ کتاب الاستحسان)

لما قال العلامة القمی، وکرۃ الباس القصبی ذہباً او حریراً فان ما حرم لبسه وشربه حرم الباسه وشرابه۔ (تنویر الابصار علی مدرد المختار ج ۶ ص ۳۶۲ کتاب انکراہیۃ)



من قدر شبراً ومنهم من قال الى وسط الظهر ومنهم من قال الى موضع الجلوس -  
(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۳ الباب التاسع في اللبس) لہ

مسلمانوں کے لیے ٹائی باندھنا جائز نہیں | سوال :- بعض جڈت پسند مسلمانوں

معاشرہ میں ٹائی کا استعمال بڑے شوق سے کرتے ہیں، تو کیا ایک مسلمان کے لیے  
ٹائی باندھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ٹائی کا استعمال مسلمان کے قطعاً شایان شان نہیں، علماء کرام  
فرماتے ہیں کہ ٹائی صلیب کی نشانی ہے اور صلیب چونکہ نصاریٰ کا مذہبی شعار ہے، لہذا  
مسلمان کے لیے اس کا استعمال کفار سے مشابہت کے مترادف ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم نے مسلمان قوم کے لیے غیر مسلموں سے مشابہت کو ممنوع قرار دیا ہے، اور نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے دن آدمی اسی قوم کے ساتھ اٹھے گا دنیا  
میں جس کی مشابہت اختیار کی ہوگی، لہذا ٹائی کا استعمال جائز نہیں۔

لما قال الله تبارك وتعالى: وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمْ  
النَّارُ - (سورة هود آیت ۳۱) لہ

دانتوں کے ارد گرد چاندی کا نول لگانا | سوال :- بعض لوگ اپنے دانتوں کو  
مضبوط اور خوبصورت بنانے کے لیے

لہ لما قال العلامة ابن البرزاز الكردي: وليستحى ارسال ذنب العمامة  
بين كتفيه إلى وسط الظهر وقيل إلى موضع الجلوس وقيل مقدار شبر -  
(البرزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۶۸ کتاب الکراہیۃ ایما السابغ فی اللبس)

ومثله في رد المحتار ج ۶ ص ۳۵۵ کتاب الکراہیۃ، فصل فی اللبس۔

لہ لما ورد في الحديث: عن ابن عمر قال قال النبي صلى الله عليه وسلم من  
تشبه بقوم فهو منهم - (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۳ کتاب اللباس)

والضحاك عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يترك في

بيته شيئاً فيه تصليب الاقصية - (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۴ باب في الصليب في الثوب)



ان کے ارد گرد سونے چاندی کا نول لگاتے ہیں اور وہ نول اس طریقہ پر لگایا جاتا ہے کہ اسے دوبارہ دُور نہیں کیا جاسکتا، تو کیا اس طرح چاندی کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟  
**الجواب:-** اسلام میں مردوں کے لیے سونے کا استعمال خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو ممنوع قرار دیا ہے، اور جہاں تک چاندی کا تعلق ہے تو شریعت نے مردوں کے لیے اس کا استعمال جائز قرار دیا ہے، لہذا دانتوں کی مضبوطی کے لیے چاندی کا استعمال شرعاً جائز ہے۔

لما قال العلامة ابی بکر الكاسانی: اما شد السن المتحرك بالذهب كالجوهر...  
 ولو شدها بالفضة يجوز بالاجماع - (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۵ کتاب الاستحسان) لہ  
**سوال:-** بعض لوگ سفید ڈارٹھی پر ہندی لگاتے ہیں،  
**ڈارٹھی پر ہندی لگانا** تو کیا ڈارٹھی پر ہندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:-** سر یا ڈارٹھی کے سفید بالوں پر ہندی یا سرخ خضاب لگانا شرعاً نہیں ہے بلکہ فقہاء نے اسے مستحکم قرار دیا ہے۔

لما في الهندية: وعن الامام ان الخضاب حسن لكن في الخناء والكتف والوسمة  
 واراد به اللحية وشعر الرأس - (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۹) الباب التاسع عشر  
 في الخنات والخضاب لہ

**سوال:-** بعض لوگ شلوار یا پاجامہ ٹخنوں  
**شلوار یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا** سے نیچے رکھنے کے عادی ہوتے ہیں البتہ

لہ قال العلامة ابن نجيم: ولا يشد الاسنان بالذهب ولو وجد ع انفه لا يتخذ  
 انفاً من الذهب ويتخذها من الفضة - (البحر المرائق ج ۳ ص ۱۸۶ کتاب الكراهية)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْهِنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۳۳ الباب التاسع في اللبس... الخ

لہ قال العلامة قاضي خان: والخضاب يا الخناء والوسمة حسن -

(فتاوى قاضي خان علي هامش الهندية ج ۳ ص ۳۱۲ کتاب الكراهية)

وَمِثْلُهُ وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَأَخْرَجَتْ

اليناسعراً من شعر النبي صلى الله عليه وسلم مخضوباً. (الصحيح البخاري ج ۲ ص ۸۴۵) باب ما يذكر في الثيب

نماز کے دوران اوپر اٹھالیتے ہیں، تو کیا شلوار یا پاجامہ کا اٹھانا صرف نماز تک خاص ہے یا ہر وقت ٹخنوں سے اوپر رکھنا ضروری ہے؟

الجواب :- تجر چونکہ باری تعالیٰ کا خاصہ ہے لہذا بندوں کے لیے متکبر نہ چالیں اور لباس کا استعمال مناسب نہیں، شلوار، پاجامہ یا چادر وغیرہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا عام طور پر تجر اور غرور کی نشانی ہوتی ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، شلوار اور پاجامہ وغیرہ جس طرح نماز میں ٹخنوں سے نیچے رکھنا حرام اور ممنوع ہے ویسا ہی نماز کے باہر بھی حرام اور ممنوع ہے۔

ماوردی الحدیث : عن ابی ہریرۃ (رضی اللہ عنہ) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما أسفل من الکعبین من الارض الا فی النار۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۳۹۵ کتاب اللباس)۔  
**ریشمی لنگی استعمال کرنے کا حکم** | سوال :- بعض علاقوں میں ریشمی لنگیاں (بطور کپڑی) استعمال کی جاتی ہیں، تو مردوں کے لیے ریشمی لنگیاں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم اور سونا اپنی امت کے مردوں پر حرام فرمایا ہے اس لیے ریشم کا استعمال خواہ کپڑوں کی شکل میں ہو یا لنگی کی شکل میں ہو، حرام میں یکساں ہے۔

ماوردی الحدیث : عن ابی موسیٰ الأشعریؓ ان النبی صلی علیہ وسلم قال احل الذہب والحیر واللانات من اُمتی واحرم علی ذکورہا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۳۷۵ کتاب اللباس۔ الفصل الثانی) ۲۔

۱۔ لما فی الہندیۃ : ینبغی ان یکون الازار فوق الکعبین الی تصف الساق وهذا فی حق الرجال واما النساء فیرخین ازوارهن اسفل من کعب یشترظہرقہ مہن۔  
 (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۳ الباب التاسع فی اللبس)

۲۔ ومثله فی الصحیح البخاری ج ۲ ص ۸۶ کتاب اللباس باب من جر اذارہ من غیر خیل۔  
 ۳۔ قال ابن نجیم المصریؒ : حرم للرجل کالمرءۃ لبس الحریر الا قدر رابع اصابع۔  
 (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۹ کتاب الکراہیۃ، فصل فی اللبس)

۴۔ ومثله فی تنویر الا بصار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۵۱ کتاب الکراہیۃ۔ فصل فی اللبس۔

**سونا چاندی کے برتن استعمال کرنا** | سوال :- آجکل بعض لوگ کھانے پینے

چاندی یا سونے کے بنے ہوئے ہیں، کیا از روئے شریعت ایک مسلمان کے لیے ایسے برتنوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سادگی اور بے تکلفی کا مظہر ہیں، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا تکلف اور تکبر کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے لہذا ایسے برتنوں کا استعمال جائز نہیں۔

عن حذیفة قال نهانا النبي صلى الله عليه وسلم ان تشرب في انية الذهب والفضة وان ناكل فيها وعن لبس الحرير والديبا ج وان تجلس عليه -  
 {الصحيح البخارى ج ۲ ص ۸۶۸ كتاب اللباس }  
 {باب من الحرير من غير لبس }

**سوال :-** بعض عورتیں

زیورات کے علاوہ لوہے یا دیگر دھاتوں کے زیورات مثل انگوٹھی وغیرہ بھی استعمال کرتی ہیں، کیا عورتوں کیلئے لوہے وغیرہ کی انگوٹھی استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اسلام میں خواتین کے لیے سونے چاندی کے زیورات کا استعمال اگرچہ مشروع ہے لیکن اس کے علاوہ لوہے، پتیل وغیرہ دھاتوں کی انگوٹھی اور دیگر زیورات کا استعمال کرنا جائز نہیں؟

قال العلامة التمرناشى: ولا يتختم بغيرها كحجر وذهب وحديد و صفر و رصاص و زجاج و غيره مما مر - (تنوير البصائر على صدر المختار ج ۶ ص ۳۶ کتاب الکراهية - فصل فى اللبس) ۲

قال العلامة ابن نجيم: ذكره الاكل والشرب والادها والتسطيب في انا ذهب فضة للرجال والنساء - (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۵ کتاب الکراهية) - ومثله في بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۱ کتاب الاستحسان -

قال في الهنديّة: والتختم بالحديد والصفرة والنحاس مكروه للرجال والنساء فافهم -  
 الفتاوى الهنديّة ج ۵ الباب العاشر فى استعمال الذهب والفضة - ومثله فى البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹۱ کتاب الکراهية - فصل فى اللبس -



کپڑوں میں سونے کے بٹن استعمال کرنا | سوال :- کپڑوں میں اگر عام بٹن کی بجائے سونے کے بٹن استعمال کیے جائیں تو

کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام میں مردوں کے لیے سونے اور ریشم کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے مردوں پر ان دونوں ریشم اور سونے کا استعمال حرام قرار دیا ہے، لیکن فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ مرد اگر حریر یعنی ریشم یا سونے کے بٹن کپڑوں میں استعمال کرے تو اگرچہ یہ اسراف ہے لیکن حرام نہیں ہے۔

ما قال العلامة المحقق: وفي التاتارخانية عن السيرالكبير لياس باذراء الديباج والذهب - الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۵ کتاب المحظر والاباظة - فصل في اللبس

مرد کے لیے سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا | سوال :- بعض علاقوں میں مرد بھی سونے کی انگوٹھی استعمال کرتے ہیں، خصوصاً

شادی کے موقع سسرال والوں کی طرف سے لڑکے کو بطور تحفہ سونے کی انگوٹھی دی جاتی ہے تو کیا مردوں کے لیے ایسی انگوٹھی کا استعمال مشروع ہے یا نہیں؟

الجواب :- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کو اپنی امت کے مردوں پر حرام قرار دیا ہے، سونا خواہ انگوٹھی کی شکل میں ہو یا دیگر زیورات کی شکل میں ہو مردوں کے لیے حرام ہے، لہذا اسلام میں مردوں کے لیے سونے کے استعمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لما قال في الهندية: التخنم بالذهب حرام في الصحيح كذا في الوجيز لكردي.

الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۳۵ الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ولا بأس بمسار الذهب يجعل في حجر الفضة في ثقبه لانه تابع كالعلم في الثوب فلا يعد لباساً له -

الهداية ج ۲ ص ۴۵ کتاب الکراهية - فصل في اللبس

لما قال العلامة ابن نجيم: التخنم بالذهب حرام - البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹ کتاب الکراهية، فصل في اللبس

ومثله في البرازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۶۸ کتاب الکراهية فصل في اللبس -

چاندی کی انگوٹھی کا بلا ضرورت استعمال مناسب نہیں | سوال :- بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ

یا حاکم ہے ہر شخص کے لیے اس کی اجازت نہیں، کیا واقعی چاندی کی انگوٹھی صرف حاکم اور قاضی کے لیے مشروع ہے یا ہر شخص اس کو استعمال کر سکتا ہے ؟

الجواب :- حاکم اور قاضی کو چونکہ دستاویزات وغیرہ پر مہر لگانے کی ضرورت ہوتی ہے اور پہلے زمانے میں یہ مہریں انگوٹھی میں ہو کرتی تھیں اسلئے وہ ایسی انگوٹھی استعمال کرتے تھے لیکن فقہار نے فرمایا ہے کہ قاضی اور حاکم کے علاوہ دوسرے لوگ بھی استعمال کر سکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ بلا ضرورت استعمال نہ کیا جائے اور استعمال کی صورت میں نیت اور کبر نیت سے بھی احتراز کیا جائے۔

قال العلامة ابن عابدین : وان تختم بالفضة قالوا ان قصد به يكره وان قصد به الختم ونحوه لا يكره - رد المحتار ج ۶ ص ۳۵۹ کتاب الکراهية - فصل في اللبس به

سبیل اور لوہا وغیرہ کے زیورات کا استعمال کرنا | سوال :- آج کل بعض لوگ سونے چاندی کے علاوہ سبیل، لوہے اور حصے وغیرہ کے

زیورات استعمال کرتے ہیں، کیا اس قسم کے زیورات کا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب : بے نیت، مہر میں عورتوں کے لیے سونے اور چاندی کے ہر قسم کے زیورات استعمال کرنا جائز ہے جبکہ مردوں کے لیے صرف چاندی کا استعمال مشروع قرار دیا گیا ہے اور سونا چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کے زیورات کا استعمال مکروہ ہے لہذا ایسے زیورات استعمال نہیں کرتے چاہئیں۔

لما قال في الهندية : والتختم بالحديد والصقر والنحاس مكروه للرجال والنساء فافهم - الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۳۵ الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة ( ۲

لہذا ما في الهندية : يجوز التختم بالفضة اذا كان على هيئة الرجال اما اذا كان على هيئة النساء يكره ..... ويكره للرجل بما سوى الفضة -

الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۳۵ الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة ( ومثله في البرازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۶۸ کتاب الکراهية السابع في اللبس -

لہذا ما قال العلامة التمر تاشي : ولا يتختم بغيرها كالحجر وذهب وحديد وصفر ورمال وارجاج وغيرها بما مر - (تعمير الا بصار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۶۸ کتاب الکراهية فصل في اللباس

ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹۱ کتاب الکراهية - فصل في اللبس -



**عورتوں کا مردوں جیسے بال بنانا** | سوال :- آجکل بعض خواتین مردوں جیسے بال بنواتی ہیں اور اسے ایک فیشن سمجھا جاتا ہے، تو کیا

عورتوں کے لیے ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

**الجواب :-** اسلام نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ اور عورتوں کو مردوں کے ساتھ مشابہت سے منع کیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو لعنت کا مستحق قرار دیا ہے، اس لیے خواتین کا ایسی ہیئت بنانا جس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہونا جائز و حرام ہے۔ اسی طرح خواتین کا ایسے بال بنانا بھی حرام اور موجب لعنت ہے جس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہو۔  
 ماوردی الحدیث : عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸ کتاب النکاح۔ باب الرجل) لہ

**بڑے بڑے ناخن رکھنا** | سوال :- آجکل بڑے بڑے ناخن رکھنے کا رواج ہے، خصوصاً خواتین فیشن کے طور پر بڑے بڑے لیے

ناخن رکھتی ہیں۔ تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** شریعت مقدسہ نے ناخن وغیرہ کٹوانے کو امور فطرت میں شمار کیا ہے اور اس کے لیے دن بھی مقرر کیے ہیں، یعنی ہفتہ میں ایک بار کٹوانا مستحب اور پندرہ دنوں کے بعد جائز جبکہ چالیس دن سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ ہے، جس کی وجہ سے انسان گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس لیے خواتین اور مردوں کے لیے فیشن کے طور پر لمبے ناخن رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامة التمر تاشی رحمہ اللہ : (ولیستحب قلم اظافیرہ یوم الجمعة) وكونه بعد الصلوة افضل الا اذا اخرة اليه تاخيراً فاحشاً فيكون لان من

لہ وفي صحیح البخاری : عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال۔

صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۴ کتاب اللباس۔ باب المتشبهین بالنساء والمتشبهات بالرجال

ومثله فی سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۱ کتاب اللباس۔ باب فی لباس النساء۔



كان ظفره طويلاً كان رزقه ضيقاً الخ - (تنوير الابصار مع شرحه لدر المختار ج ۵ ص ۲۸۴ كتاب الخطر والاباحة - فصل في النظر والمس) له

غیر ضروری بالوں کی صفائی کے بال صفا پاؤڈر استعمال کرنا | سوال: کیا مردوں کے لیے غیر ضروری بال اُترے سے صاف کرنا ضروری ہے یا بال صفا پاؤڈر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- مردوں کے لیے غیر ضروری بال اُترے سے صاف کرنا لازمی ہے اور یہی مسنون طریقہ ہے، اس مقصد کے لیے ایسے کیمیکل پاؤڈر استعمال کرنا رجن سے بال صاف ہو جائیں، اگرچہ متخصص ہے مگر کراہت سے خالی نہیں، تاہم خواتین کو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

قال العلامة عبدالحی الکنہوی: هل يجوز قطع شعرا العانة بالمقراض؟ الاستبشار هو خلاف السنة - قال الملا علی القاری فی المرقاة: قال ابن الملک لو ازال شعراً بغير الحلق لا يكون علی وجه السنة وفيه ان ازالته قد يكون بالنورة وقد ثبت انه علیه لصلوة والسلام استعمل النورة علی ما ذكره السيوطی فی رسالته نعم لو ازالها بالمقراضة لا يكوت آتيا للسنة علی وجه الكمال - والله اعلم

(رفع المفتی والسائل ص ۱۳، ۱۴ کتاب الخطر والاباحة - ما يتعلق بالنوم والقيام... الخ) ۲

له وفي الهدية: لا فضل ان يقلم اظفاره ويخفى شاربہ ويحلق عانته ويتنظف يده بالاغتسال في كل أسبوع مرة فان لم يفعل ففي كل خمسة عشر يوماً ولا يعذر في تركه وراى الاربعين في الاسبوع هو الافضل الخ - الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۴ كتاب الكراهية - الباب التاسع عشر في الختان والخصاء الخ - ومثله في فتاوى قاضى خان على هامش الهدية ج ۳ ص ۳۵۴ كتاب الخطر والاباحة فصل في الختان - له الافضل ان يقلم اظفاره ويخفى شاربہ ويحلق عانته... وبعد اسطر قال ويبتدئ في حلق العانة من تحت السرة ولوعالج بالنورة في العانة يجوزها -

الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۴ كتاب الكراهية - الباب التاسع عشر في الختان والخصاء الخ - ومثله في الدر المختار ورد المحتار ج ۵ ص ۲۸۸ كتاب الخطر والاباحة - فصل في البيع -

مصنوعی بھنویں (ابرو) بنانے کا حکم | سوال :- آجکل بعض خواتین زیبائش کے لیے مصنوعی بڑے بانوں کو کسی طریقہ سے نکال دیتی ہیں، کیا ان کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے بدن کو گوندتی ہے یا اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے بال لگاتی ہے، چونکہ زیب و زینت کے لیے بھنویں بنانے میں بھی ان امور کا ارتکاب ہوتا ہے اس لیے خواتین کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

لما ورد في الحديث : عن ابن عمر رض قال لعن النبي صلى الله عليه وسلم الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة - (الصحيح البخاري ج ۲ ص ۸۷۹ کتاب اللباس) لہ  
عورتوں کے چہرے پر سیاہ بال نکل آنے کا حکم | سوال :- اگر کسی عورت کے چہرے پر وہ ان کو صاف کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر کسی عورت کے چہرے پر غیر معتاد بال نکل آئیں جس کی وجہ سے اس کا حسن و جمال متاثر ہوتا ہو تو فقہاء کرام نے اس کی اجازت دی ہے کہ وہ اپنے چہرے سے غیر معتاد سیاہ بال صاف کر سکتی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : تحت قوله (النامصة التي تنتف الشعر من الوجه) ولعله محمول على ما اذا فعلته للتزين للجانب والافلوكان في وجهها شعر ينقرن وجهها عنها بسببه ففي تحريم ازالته بعد ان الزينة للنساء مطلوبة للتحسين لان يحمل على ما لا ضرورة اليه لما في تنفقه بالتماس من الايداء وفي تبين المحام ازالة الشعر من الوجه حرام الا اذا نبت للمرأة لحية او شوارب فلا تحرام ازالته بل تستحب الخ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۶۳ کتاب الحظر والاباحة فصل في النظر والمس) لہ

لہ قال المحقق رحمہ اللہ : ووصل الشعر بشعر لادمي حرام سواء كان شعرا او شعرا غير لقول صلى الله عليه وسلم لعن الله الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة والواشمة والمستوشمة والنامصة والمتمصصة الخ (رد المحتار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۶۳، ۲۶۴ کتاب الحظر والاباحة - فصل في النظر والمس) ومثله في الهندية ج ۵ ص ۳۵۸ کتاب الکراہیة۔ البنا التاسع عشر في الحنا والخصا وقلم الاظفار الخ لہ قال العلامة عبدالحی الکنہوی رحمہ اللہ : الاستفسار: لو نبتت للمرأة لحية ماذا تفعل؟ الاستفسار يستحب تنفها وحلقها الخ - (رفع المفتي والسائل ص ۱۰۶ کتاب الحظر والاباحة - ما يتعلق بالنساء من الحيض والنفاث)



وسمہ استعمال کرنے کا حکم | سوال: جناب مفتی صاحب! میں بائیوٹرسکاوٹس خارا ملاکنڈ ایجنسی کے شعبہ تعلیمات سے وابستہ ہوں، ۱۱ جون ۱۹۶۵ء

کو جمعہ کی نماز کے مسائل بیان کرتے ہوئے ایک عالم دین نے خضاب روسمہ کی ممانعت شرعی کے بارہ میں بھی فرمایا، بعد میں ایک آدمی نے اس کی دلیل قطعی اور حوالہ کتاب کے بارے میں پوچھا۔ ہم نے اپنی معلومات کے مطابق جلالین شریف کے حاشیہ سے کسی حد تک ثابت کیا (بارہ ۵ رکوع ۱۸) مگر قطعی جواب کے لیے آنجناب سے رجوع کر رہے ہیں۔ امید واثق ہے کہ آنجناب اس بارے میں شرعی فیصلہ حکم سے آگاہ فرمائیں گے۔

(۲) انگریزی طرز کے بال کٹوانے، داڑھی منڈانے یا کتروانے کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: علماء محققین کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ خضاب کرنا سرخ یا ندو یا اور کسی رنگ کا سوائے سیاہی خالص کے مستحب ہے، اور خضاب نہ کرنا اور سفیدی قائم رکھنا بھی جائز ہے اور سیاہ خضاب ممنوع اور گناہ ہے۔ فتاویٰ قاضیخان میں ہے۔ الخضاب بالحناء حسن۔ انتہی۔ اور صحیح مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ غیر واھذا الشیب واجتنبوا السواد۔ یعنی تغیر کر و سفیدی کو اور اجتناب کر و سیاہی سے۔ اور سنن ابی داؤد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: یکون فی آخر الزمان قوم یغضبون بالسواد کحوصل الحمام لایجدون راتحة الجنة۔ یعنی آخر زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب کریں گے مثل رنگ کبوتر کے سینہ کے، وہ لوگ جنت کی خوشبو کو بھی نہ پائیں گے۔ اور معجم الطبرانی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے: من غضب بالسواد سود الله وجهه یوم القیمة انتہی۔ یعنی جو شخص سیاہ خضاب کرے گا قیامت کے روز وہ رو سیاہ مشور ہوگا۔ اور شیخ محثب دہلوی نے شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: خضاب بجناب اتفاق جائز است ومختار در سواد حرمت است۔ انتہی۔ اور مؤطا امام محمد میں ہے: لا نزی بالخضاب بالوسمة والحناء والصفرة یا ساء وان ترکہ ابیض فلا یأس بذلك کل ذلك حسن۔ انتہی

(۲) داڑھی کی مقدار کے بارہ میں بعض قوی اور مشہور روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ



داڑھی کو اپنی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔ حدیث شریف میں ہے: عن ابن عمر ان رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اعفوا اللہی واحفوا الشوارب۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۱)  
 یعنی داڑھی کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹو اور۔ اس کے علاوہ ابن عمر کی دوسری روایت  
 میں ہے۔ عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر باحفاء الشوارب  
 واعفاء اللہی۔ امام ترمذی نے دونوں روایات کو حسن اور صحیح کہا ہے اور ان کے  
 رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ احادیث داڑھی کی مقدار کے بارہ میں مطلق ہیں اور مطلق  
 اعفاء (بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے) جس سے داڑھی لمبی کرنے کا مسنون اور مامور بہ ہونا  
 معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں امام ترمذی نے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے: ان  
 التبی صلی اللہ علیہ وسلم یاخذ من لحيته من عرضها وطولها۔ (الحديث)  
 جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی کو طول و عرض سے کٹواتے تھے۔  
 اس روایت کو امام ترمذی نے حدیث غریب کہا ہے کہ اس کی سند پر جرح بھی کی ہے۔ اس  
 کے علاوہ خود ابن عمر اور ابو ہریرہ کے بارہ میں بھی منقول ہے کہ وہ مٹھی سے زیادہ کٹواتے  
 تھے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ابی شیبہ)

بہر حال ان تمام روایات و اقوال کو سامنے رکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی داڑھی کو کٹوانا بھی  
 چاہے تو مٹھی بھر سے زیادہ کٹوا سکتا ہے اور مٹھی بھر سے کم کرتا بالاتفاق حرام ہے۔ اور اگر کوئی  
 حضرت ابن عمر کی مذکورہ بالا روایات پر عمل کرنا پسند کرے تو مٹھی سے بڑھا بھی سکتا ہے، دونوں  
 صورتیں سنت کے خلاف نہیں ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں مٹھی بھر سے زیادہ یا کٹوانے کے  
 بارہ میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص داڑھی کو مٹھی سے زیادہ کاٹ دے تو جائز ہے، کیونکہ حضرت  
 ابن عمر سے ایسا کرنا ثابت ہے۔

امام شعبی اور امام ابن سیرین بھی اس کو پسند کرتے تھے جس سے مٹھی سے زیادہ کا کٹوانا جائز  
 معلوم ہوتا ہے۔ دوسری طرف بعض سلف داڑھی بڑھانے اور لمبا کرنے کو پسند کرتے تھے۔  
 جیسے حضرت حسن بصری، حضرت قتادہ، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ کرام کے بارہ میں بھی منقول  
 ہے۔ یہاں تک کہ امام غزالی نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں تصریح کی ہے: دکان  
 یعنی لحيته و یاخذ شاربہ، کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی مبارک بڑھاتے تھے۔

اور مویچھ مبارک کٹواتے تھے۔ (احیاء العلوم جلد ۲ ص ۳۸۳)  
 شیخ ابوبکر مالکی شرح ترمذی میں فرماتے ہیں، ان ترک لحيته، فلا حد ج عليه۔  
 (شرح ابی بکر مالکی ج ۱۰ ص ۲۱۹)

ملا علی قاری جو احناف کے بلند پایہ امام ہیں نے ابن الملک کی ایک روایت میں داڑھی بڑھانے  
 کو مختار اور بہتر کہا ہے: قال ابن الملك اما لاخذ من اطراف اللحية من طولها و  
 عرضها لتناسب محسن لكن المختار ان لا يأخذ منها شيئا رقع قوت المغتذی  
 حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۲۱۹

اسی طرح شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بارہ میں بھی حاشیہ مذکور میں ہے:  
 قال عندی اخذ اللحية ما فوق القبضة جائز لكن اکاوی تو کہا۔

**خلاصہ** یہ کہ ان روایات اور اقوال سے داڑھی کا بڑھانا اور لمبا کرنا ہی افضل اور  
 بہتر و سنون معلوم ہوتا ہے۔ اور جن روایات سے مٹھی سے زائد کا کٹوانا معلوم ہوتا ہے وہ بھی  
 اپنی جگہ صحیح ہیں، روایات میں تعارض نہیں ہے۔ حضرت الاستاذ شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب  
 لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز اعفاء اللحیة کو اطلاق پر حمل کر کے اس کو بڑھانا ہی افضل  
 اور بہتر سمجھتے تھے اور مٹھی بھر سے زیادہ نہیں کٹواتے تھے۔ کئی صحابہ کرامؓ، تابعینؓ اور مشائخ  
 کا نمونہ ان کے سامنے موجود تھا۔ جس کی وجہ سے بعض علماء کرام نے مٹھی بھر ہی کو قدر  
 مستون کہہ کر اسے افضل قرار دیا ہے مگر انہوں نے بھی بڑھانے کو ناجائز نہیں کہا۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ من تشبه بقوم فهو منهم۔ آپ  
 کے اس فرمان کے مطابق انگریزی بال رکھنا ناجائز ہے کیونکہ اس میں غیر مسلم قوم کے ساتھ  
 تشبہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

**سوال :-** جناب مفتی صاحب! بندہ پی ای ایف  
 پی ٹی (P.T) میں نیکر پہننے کا حکم (P.A.F) رسالہ پور میں ملازم ہے جہاں تمام ملازمین  
 نیکر پہن کر پی ٹی (فوجی مشقیں) کرتے ہیں جس سے ران وغیرہ ننگے ہوتے ہیں۔ میں نے افسران بالا کو  
 درخواست دی کہ چونکہ نیکر میں پردہ نہیں رہتا اور اسلام کا حکم ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک  
 مخفی ہونا چاہیے، اس لیے مجھے پی ٹی (P.T) کے موقع پر پتلون پہننے کی اجازت دی جائے۔  
 جواب میں مجھے یہ کہا گیا کہ اس کے لیے قرآن مجید یا حدیث شریف سے حوالہ پیش کروں۔ آپ سے



استدعا ہے کہ جلد از جلد قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں اور اگر مناسب سمجھیں تو ایک سے زائد احادیث کا حوالہ بھی دے دیں۔ واضح ہو کہ نیکر ہم اپنی خوشی سے نہیں پہنتے بلکہ کھیل کود یا بعض دیگر فوجی مشقوں میں نیکر پہننا گورنمنٹ نے لازمی قرار دے رکھا ہے۔ امید ہے اس اہم شرعی مسئلہ میں آپ ضرور راہنما فرمائیں گے۔

**الجواب:**۔ مسلمان کے لیے ستر عورت کا چھپانا ہر حالت میں فرض ہے اور بلا عذر شرعی اس کے خلاف کرنا قانون اسلامی کی رو سے سخت گناہ ہے، قرآن و حدیث کی نصوص اس پر شاہد ہیں۔ منجملہ ان نصوص کے خداوند قدوس کا ارشاد گرامی ہے: *خذوا زینتکم والایۃ ای مایواری عورتکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔* عن عبد الرحمن بن ابی سعید الخدری عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل ولا المرأۃ الی عورۃ المرأۃ ولا یفشی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا تفضی المرأۃ الی المرأۃ فی الثوب الواحد۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۵۲) مسلم شریف کے ستر عورت کے باب میں جتنی احادیث رسولؐ مذکور ہیں اس کی شرح میں علامہ نووی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس باب میں جتنی احادیث رسولؐ ہیں ان سے یہ حکم ثابت ہوا: *فقیہ تحریم نظر الرجل الی عورۃ الرجل والمرأۃ الی عورۃ المرأۃ وھذا الاخلاف فیہ وکذا لک نظر الرجل الی عورۃ المرأۃ والمرأۃ الی عورۃ الرجل حرام بالاجماع۔* آدمی کا آدمی کے عورت رستر کو دیکھنا اور عورت کا عورت کے عورت رستر کو دیکھنا حرام ہے اور اس میں کچھ خلاف نہیں ہے، اسی طرح آدمی کا عورت کے عورت رستر کو دیکھنا اور عورت کا آدمی کے عورت رستر کو دیکھنا بالاجماع حرام ہے۔

اب آدمی کے عورت کی تحدید کیا ہے، یعنی اس کے بدن کا کتنا حصہ عام حالات میں عورۃ ہے جس کا چھپانا اس پر فرض ہے؟ تو یہ احادیث سے بھی ثابت ہے اور فقہاء اسلام نے بھی اس کی تحدید کی ہے۔ قال علیہ السلام: *عورۃ الرجل بین سرتہ الی ركبته۔* (الحدیث) *راخرجه الحاكم فی المستدرک۔* نیز امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: *واما ضبط العورۃ فعورۃ الرجل مع الرجل ما بین السرة والركبة۔* اور الدر المختار میں ہے: *وجوبہ عام ولو فی الخلوة علی الصحیح الی قولہ وھی للرجل ماتحت ركبته۔* علامہ شامی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ *رکبتہ (گھٹنہ) بھی عورت*



پردہ ہے، چنانچہ کہتے ہیں: فالركبة من العورة لرواية الدارقطني ماتحت  
السرة الى الركبة من العورة ولحديث عليؑ قال قال رسول الله صلى الله  
عليه وسلم الركبة من العورة۔

ان نصوص اور فقہاء کرام کی عبارات کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کو ستر عورت  
کا چھپانا فرض ہے اور کسی حالت میں بھی اس کو ظاہر نہیں کرنا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم

مردوں کے لیے زرد رنگ کے لباس کا حکم | سوال: جناب مفتی صاحب!  
اجل بعض نوجوان زرد رنگ کا لباس  
پہنتے ہیں، اسلامی نقطہ نظر سے اس کا کیا حکم ہے؟ وضاحت کے ساتھ جواب عنایت فرما  
کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:- بعض الوان درنگ، ایسے ہیں کہ اسلام نے ان کے استعمال سے  
مسلمان مردوں کو منع فرمایا ہے، ان میں سے ایک زرد رنگ بھی ہے۔ احادیث نبویہ  
علاء الصلوٰۃ والسلام میں اس رنگ کے استعمال کی ممانعت آئی ہے، اس لیے فقہاء اسلام  
نے مردوں کے لیے زرد رنگ کے کپڑے استعمال کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وكره لبس المعصفر والمزعفر  
الاحمر والاصفر للرجال: الخ الدر المختار على صدره المختار ج ۶  
كتاب الكراهية، باب اللبس، لہ



لما نقل العلامة المفتي عبد القادر الرافعي، عن عبد الله بن عمرو بن العاص  
قال رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم عليؑ ثوبين معصفرين فقال ان هذا  
من ثياب الكفار فلا تلبسها۔ الخ  
وفي رواية المسلم رأى عليؑ ثوبين معصفرين فقال أ أمك أمرك  
بهذا قلت اغسلها قابل احرقها۔ الخ

التقريرات للرافعي ج ۲ ص ۳۰۶ فصل في اللبس

## باب التصاویر (تصویر کے احکام و مسائل)

خواتین کی تصاویر کو دیکھنا اور رکھنا حرام ہے | سوال :- آجکل بازاروں، دکانوں اور حجروں میں خواتین کی تصاویر لگی ہوتی ہیں، تو کیا ان تصاویر کو دیکھنا اور ان سے لطف اندوز ہونا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟  
الجواب :- جب ذی روح اشیاء کی تصاویر اتارنا اور ان کو دیکھ کر لطف اندوز ہونا حرام ہے تو پھر اجنبی عورتوں کی تصاویر کو دیکھ کر لطف اندوز ہونا تو بعینہ اس خاتون کو دیکھنے کے مترادف ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔

لما رواه الامام محمد بن اسماعيل البخاري: عن عبد الله بن مسعود قال قال النبي صلى الله عليه وسلم لا تباشر المرأة المرأة فتنعتها لزوجها كأنه ينظر اليها - (الصحيح البخاري ج ۲ ص ۸۸) باب لا تباشر المرأة المرأة (لے کسی جاندار کی تصویر کا حکم | سوال :- کسی جاندار کی تصویر بنانا اور کھینچنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ذی روح اشیاء کی فوٹو گرافی کرنا یا شبیہ بنانا تخلیق خداوندی کا مقابلہ کرنے کے مترادف ہے جو کہ گناہ کبیرہ ہے، اس لیے جاندار اشیاء کی تصاویر بنانا شرعاً حرام و ناجائز ہے۔

لما رواه الامام محمد بن اسمعيل البخاري: عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اصحاب هذه الصور

لما رواه الامام ابو داود سليمان بن اشعث السجستاني: عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تباشر المرأة المرأة لتتنعتها لزوجها كما نما ينظر اليها - (سنن ابى داود ج ۱ ص ۲۹۲) باب ما يومر به من غض البصر (وَمِثْلُهُ فِي مَشْكُوتِ الْمُصَابِيحِ ج ۱ ص ۲۶۸) كتاب النكاح، الفصل الاول -

يعذبون يوم القيامة ويقال احيوا ما خلقتكم وقال ان البيت الذي فيه الصور  
لا تدخله الملكة - (الصحيح البخاري ج ۲ ص ۸۸) باب من يدخل بيتاً فيه صورة ثم له  
بٹوہ میں رکھی ہوئی تصویر کے ساتھ نماز پڑھنا | سوال :- ایک شخص کے پاس  
بلکہ آدھی ہے اور بٹوہ میں بند کر کے جیب میں رکھی ہوئی ہے، تو کیا جیب میں رکھی ہوئی  
تصویر کے ساتھ نماز ادا ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کشی سے ہر حال میں منع فرمایا ہے  
جہاں کہیں دیواروں پر جاندار اشیاء کی تصاویر لٹکائی گئی ہوں وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہوگی،  
لیکن جب تصویر چھوٹی ہو اور بٹوہ وغیرہ میں بند کر کے جیب میں رکھی گئی ہو تو اس سے  
نماز کی صحت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

لما قال شيخ الاسلام علاؤ الدين الحصكفي: ولا يكره لو كانت تحت قدميه  
او في يده او في بدنه لانها مستورة بثيابه او على خاتمه بنقش غير مستبين -  
الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۱۱ مكرهات الصلوة

کسی پیر یا بزرگ کی تصویر تبرکاً لٹکانا | سوال :- ایک شخص نے اپنی دوکان  
اپنے مرشد کی تصویر لگا رکھی ہے، کیا ایسا کرتا جائز ہے یا نہیں؟

لما رواه الامام مسلم بن الحجاج القشيري: عن نافع ان ابن عمر اخبره ان رسول الله  
صلى الله عليه وسلم قال الذين يصنعون الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم احيوا  
ما خلقتكم - (الصحيح المسلم ج ۲ ص ۲۰۱) باب تحريم تصوير صورة الحيوان

وَمِثْلُهُ فِي مَشْكُوتِ الْمَصَابِيحِ ج ۲ ص ۳۱۵ بَابُ التَّصَاوِيرِ - الْفَصْلُ الْأَوَّلُ -  
قال ابراهيم الحلبي: اما اذا كانت مقطوعة الرأس يعني به اذا لم يكن له رأس او كان فحاه بخرط  
او كانت صغيرة لا تبدو للناظر اذا كان قائماً وهي على الارض اي لا تبين تفاصيل  
اعضائها فلا يكره حينئذ - (كبيرى ص ۳۵۹ مكرهات الصلوة)

وَمِثْلُهُ فِي الْمَهْدِيَةِ ج ۱ ص ۱۶۱ الْفَصْلُ الثَّانِي فِي مَا يَكْرَهُ فِي الصَّلَاةِ -



**الجواب:** حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسے بزرگ کی تصویر لگانے میں کسی قسم کی خیر و برکت نہیں بلکہ معصیت میں عام آدمی کی تصویر کے ساتھ برابر ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس گھر یا دوکان میں (عام آدمی یا کسی بزرگ کی) تصویر ہو اس گھر میں رحمت کا فرشتہ داخل نہیں ہوتا۔ لہذا مذکورہ بالا مقصد کے لیے کسی بزرگ کی تصویر لگانے سے اجتناب ضروری ہے۔

ماوردی الحدیث: عن عائشةؓ قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا مستترۃ بقراۃ فیہ صورة قتلون وجہہ ثم تناول السترفہتکہ ثم قال ان اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ الذین یشبهون بخلق اللہ۔ (الصیحح المسلم ج ۲ ص ۲۰۲)  
باب تحریم صورۃ الحيوان ۱۷

**آرائش کے لیے گھر میں نصف فوٹو لگانا | سوال:** - ضرورت کے تحت اگر نصف تصویر بنائی جائے اور پھر اس قسم کی دوسری تصویروں کو گھر کی سجاوٹ کے لیے دیواروں پر لگایا جائے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟  
**الجواب:** - متاخرین فقہاء کرام نے ضرورت کے تحت نصف تصویر بنانے کے اجازت دی ہے لیکن ضرورت کے لیے بنائی گئی تصویر کو اسی ضرورت میں ہی استعمال کیا جاسکتا ہے، ایسی تصویروں کو گھر کی دیواروں پر بغرض زیب و زینت لگانا جائز نہیں،  
ماوردی الحدیث: عن ابی طلحۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل المملکۃ بیتاً فیہ کلبٌ ولا صورۃ۔ (الصیحح المسلم ج ۲ ص ۲۰۲) باب تحریم تصویر صورۃ الحيوان ۱۷

ماوردی الحدیث: عن ابی ہریرۃؓ قال استاذن جبریل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادخل فقل کیف ادخل وفي بیتک سترفیہ تصاویر فاما ان انقطع رؤسہا وتجعل بساطاً یوطا فاما معتز المملکۃ لا تدخل بیتاً فیہ تصاویر۔ (سنن النسائی ج ۲ ص ۳۰۱ ذکر اشد الناس عذاباً) ومثله فی فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۲۲ باب لا تدخل المملکۃ بیتاً فیہ صورۃ۔  
۲ قال الامام النووی: قال العلماء سبب امتناعہم من بیت فیہ صورۃ کونہا معصیۃ فاحشۃ وفيہا مضاہاة لخلق اللہ۔ (شرح المسلم للامام النووی ج ۲ ص ۲۰۲) باب تحریم تصویر ومثله فی سنن النسائی ج ۲ ص ۳۰۱ ذکر اشد الناس عذاباً۔





جس کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں، لہذا اس قسم کے کتبے مساجد اور گھروں میں  
 آویزاں کرنے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر پڑتا ہے۔  
 لما قال العلامة الحصكفي: ولا يكره لو كانت تحت قدميه اوفى بدنه اوفى بدنه  
 لانها مستورة بثيابه اوعلى خاتمه بنقش غير متبين۔

رد المحتار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۰ مكرهات الصلوة

**جدید آلات ری وی، وی سی آر، کام حکم | سوال :- آلات جدیدہ یعنی ٹیلیوژن،**  
**ٹیپ ریکارڈر، وی سی آر وغیرہ سننا**

اور دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** آلات جدیدہ کا استعمال بذاتِ خود مخصص ہے لیکن ٹی وی اور وی سی آر میں  
 چونکہ تصویر بینی کے علاوہ بعض فحش پروگراموں کی نمائش بھی ہوتی ہے جن کا دیکھنا ایک شریف  
 آدمی کے لیے بہت مشکل ہے، لہذا ٹی وی اور وی سی آر وغیرہ کے دیکھنے سے اجتناب ہی لازم ہے۔  
 لما قال العلامة ابن عابدین: قوله كل لهوم أي كل لعب وعبث فالشائنة بمعنى  
 واحد كما في شرح التاويلات والأطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية  
 والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبريط والرياب والقانون والمزمار والصنع  
 والبوق فانها كلها مكروهة لأنها زى الكفار واستماع ضرب دف والمزمار وغيره  
 ذلك حرام۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۹۵ کتاب الخطر والاباحة - فصل في البيع) ۱۰

۱۰ قال الشيخ ابراهيم الحلبي: اما اذا كانت مقطوعة الرأس يعني به اذا لم يكن له رأس او كان فمحاة بجنيط  
 او كانت صغيرة لا تبدد واللتاظر اذا كان قائماً وهي على الارض اي لا تبين تفاصيل اعضائها  
 فلا يكره حينئذٍ - (حلبی کبیر ص ۳۵۹ مکرهات الصلوة)  
 ومثله في الهدية ج ۱ ص ۲۶ مكرهات الصلوة۔

۱۱ رواه الامام محمد بن اسماعيل البخاري: عن عبد الله بن مسعود قال  
 سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول ان اشد الناس عذاباً عند الله  
 لصورون - (الصحيح البخاري ج ۲ ص ۱۸۱ باب عذاب المصومين يوم القيامة)  
 ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۲۰۴ كتاب الكراهية - فصل في البيع۔



تصویر والی گھڑی کے ساتھ نماز پڑھنا | سوال :- اگر کسی شخص کی گھڑی یا انگوٹھی

میں اتنی چھوٹی تصویر ہو جو کہ انتہائی نور سے دیکھے بغیر نظر نہیں آتی ہو تو کیا اس قسم کی گھڑی یا تصویر کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام میں تصاویر رکھنا، دیکھنا اور بنانا سب ممنوع ہے ایسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، لیکن اس سے مراد وہ تصاویر ہیں جو ظاہر اور مستبین ہوں، صورتِ مشولہ میں یہ تصویر صاف طور پر دکھائی نہیں دیتی لہذا اس سے اگرچہ نماز متاثر نہیں ہوتی لیکن پھر بھی ایسی گھڑی رکھنا مناسب نہیں۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی: ولا یکرہ لو کانت تحت قدمیہ اوقی یداً اوقی بدنہ لانہا مستورۃ بتیابہ اوعلیٰ خاتمہ بنقش غیومستبین۔  
الدہ المختار علی ص ۳۷۳ المختار ج ۱ ص ۶۰۴ فصل فی مکروہات الصلوٰۃ (۱)

سوال :- جناب مفتی صاحب! گائے بھینس بچھڑے کی کھال سے تصویر بنانا رکھنے والوں میں یہ رواج ہے کہ جب ان کی

گائے یا بھینس کا بچہ مر جائے تو اس کی کھال اتار کر اس میں بھوسہ بھر لیتے ہیں جسے گائے یا بھینس اپنا بچہ تصور کر کے دودھ آسانی سے دیدیتی ہے، تو کیا شرعاً یہ تصویر کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورتِ مشولہ میں بچھڑے کی کھال پر تصویر کی تعریف صادق نہیں آتی اور نہ یہ تصویر کے حکم میں ہے بلکہ ضرورت کی وجہ سے قدرتی پیدا کردہ جسم کو ایک گونہ محفوظ رکھا جاتا ہے اس لیے یہ تصویر کے حکم میں داخل نہیں ہے بلکہ بوقتِ ضرورت ایسا کرنا مخصص ہے۔

قال الشيخ ابراہیم الجلی: اما اذا كانت مقطوعة الرأس یعنی بہ اذا لم یکن لہ رأس او کان فحاً بخیط او كانت صغیرۃ لا تبدوا للناظر اذا کان قائماً وھی علی الارض ای لا تبتین تفاصيل اعضائها فلا یکرہ حیثی۔ (جلی کبیر ص ۳۵۹ مکروہات الصلوٰۃ)  
ومثله فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۰۶ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ۔

## باب الملاہی

(کھیل کود کے مسائل و احکام)

**نخوشی کی تقریبات میں ناچ گانے کا حکم** | سوال: شادی بیاہ اور دیگر نخوشی کی تقریبات میں ناچ گانا اور ڈھول و سرور کا شرعاً کیا حکم ہے؟

**الجواب:** نخوشی کی تقریبات ہوں یا عام تقریبات ان تمام مواقع پر ناچ گانا اور ڈھول وغیرہ بجانا شرعاً حرام ہے تاہم شادی بیاہ کے موقع پر صرف دف بجانا جو بغیر غنا کے ہو، مرنصہ ہے۔

لسا قال العلامة ابن البزاز الكردي، استماع صوت الملاهي كالضرب بالقضيب ونحوه حرام لقوله عليه السلام استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفرای بالنعمه۔ (الفتاویٰ البزازية علی هامش الهندية ج ۶ ص ۳۵۹)

الباب الثالث فيما يتعلق بالمناهي (۱)

**کیرم بورڈ کھیلنا** | سوال: آجکل بعض نوجوان جمع ہو کر کیرم بورڈ نامی کھیل بڑے شوق سے کھیلتے ہیں، کیا ایسا کھیل کھیلنا جائز ہے؟

**الجواب:** وہ امور جن میں نہ دنیا کا فائدہ ہو اور نہ آخرت کا حکم وقت اور دولت کا ضیاع ہو جیسا کہ کیرم بورڈ وغیرہ! کہ اس میں نہ تو صحت کا فائدہ ہے اور نہ دنیا و آخرت کام تو ایسے بے معنی اور بلا ضرورت کاموں پر اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا کوئی دانشمندی کا کام نہیں اور شریعت مقدسہ نے بھی ایسے لہو و لعب سے منع فرمایا ہے۔

قال العلامة ابن نجيم: ويكره اللعب بالشطرنج والنرد والامر بعة عشر لقوله

له رواه الامام محمد بن اسماعيل البخاري، عن ابن عباس: **اَوَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوًا مُّحَدِّثًا** (رسوۃ لقمان ۶) قال الغناء واشباهه۔ (ادب المفرد ص ۲۰۲ باب الغناء واللہو ومثله في المختار علی مدر المختار ج ۶ ص ۳۲۹) کتاب النخطر والاباحۃ۔

عليه السلام كل لعب حرام الا ملاعبة الرجل مع زوجته وقوسه وفرسه لانه يصد عن  
الجمع والجماعات وسبب لوقوع في فواحش الكلام۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۹ کتاب الکراہیۃ) لے  
**شطرنج کھیلنا** | سوال :- بعض لوگ شطرنج کھیلنے کے عادی ہوتے ہیں، تو کیا شطرنج  
کھیلنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جس کام میں دین اور دنیا کا فائدہ نہ ہو بلکہ قیمتی وقت ضائع ہوتا ہو  
تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کاموں سے مسلمانوں کو منع فرمایا ہے، شطرنج چونکہ  
ایسا ہی ایک کھیل ہے جس میں سوائے تفریح اور خواہش پرستی کے اور کچھ بھی  
حاصل نہیں ہوتا لہذا اس قسم کے کھیل سے بچنا چاہیے۔

لما قال العلامة ابن نجيم: ويكره اللعب بالشطرنج والنرد والادبعة عشر لقوله عليه  
السلام كل لعب حرام الا ملاعبة الرجل زوجته وقوسه وفرسه لانه يصد عن الجمع  
والجماعات وسبب لوقوع في فواحش الكلام۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۹ کتاب الکراہیۃ) لے  
**جوڈو کرائے کھیلنا** | سوال :- آجکل بعض مقامات میں جوڈو کرائے سیکھنے کے مراکز  
کھلے ہوئے ہیں، اس کے سیکھنے سے بدن کو قوت اور مضبوطی ملتی ہے  
اس کھیل میں اگر آدمی اس غرض سے حصہ لے کہ صحت اور جسم کو مضبوط بنا کر جہاد میں حصہ  
لے سکوں تو کیا اس کا کھیلنا جائز ہوگا؟

**الجواب :-** انسان پر دیگر حقوق کے علاوہ اپنی صحت کا بھی حق ہے، اگر انسان کی صحت  
ہی خراب ہو تو باطل قوتوں کا مقابلہ تو درکنار عبادات بھی بطریق احسن ادا نہیں کر سکے گا،

لے قال العلامة الترمذی رحمہ اللہ: وکرہ کل لہو لقولہ علیہ السلام کل لہو حرام الا  
ثلاثۃ۔ الخ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۹۵ کتاب الکراہیۃ)  
وَمِثْلُهُ فِي الْبِدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۵ ص ۱۲۸ کتاب الاستحسان۔

لے قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: والشطرنج وانما کرہ لان من اشتغل بہ ذهب غناؤہ  
الدنیوی وجارہ الغناء الاخری فهو حرام وکبیرۃ عندنا۔

(رد المحتار ج ۶ ص ۳۹۲ کتاب الخطر والاباحۃ۔ فصل فی البیع)

وَمِثْلُهُ فِي الْبِدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۵ ص ۱۲۸ کتاب الاستحسان۔



جوڑو کرائے میں چونکہ صحت کا فائدہ ہے، لہذا اگر پردہ اور شرعی حدود قیود کا اہتمام کرتے ہوئے اس میں حصہ لیا جائے تو جائز ہے بلکہ ثواب کی بھی امید ہے کیونکہ باطل قوتوں اور دشمنان اسلام کے مقابلے میں تیاری پر مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔

لما قال الله تبارك وتعالى: **وَاعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ** (سورة الانفال آیت ۷۱) لے

**کھیل کود میں رانوں کو کھلا رکھنے کا حکم** | سوال :- بعض کھیلوں مثلاً پی ٹی اور کبڈی وغیرہ میں عورت غلیظہ کے علاوہ رانوں کو ننگا رکھنا

پڑتا ہے جس پر لوگوں کی نظریں پڑتی ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟  
الجواب :- مرد کے لیے ناف سے گھٹنوں تک عورت (پردہ) ہے جس کا چھپانا شرعاً لازمی ہے، ان حدود کو کھلا رکھنا اور لوگوں کو دکھانا معصیت ہے اس لیے کھیل کود کے وقت اس کے چھپانے کا خاص طور پر خیال رکھنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة شيخ الاسلام ابو بكر بن علي الحداد اليميني: قوله ينظر الرجل من الرجل الى جميع البدن الاما بين سرتة الى ركبته لقوله عليه السلام لعلي لا تنظر الى فتحذحي ولا هيئت - راجوهرة النيرة ج ۲ ص ۳۸۵ باب الحظر والاباحة ۲ لے

لے قال العلامة ابن نجيم المصرى رحمه الله: ويكره اللعب بالشطرنج والنرد ولا ربة عشر لقوله عليه السلام كل لعب حرام الا ملاعبة الرجل زوجته وقوسه وفرسه لانه يصد عن الجمع والجماعات وسبب لوقوع في فواحش الكلام -

البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۹ کتاب الکراہیۃ

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۵ ص ۱۲۸ کتاب الاستحسان -

لے قال العلامة علي بن سلطان محمد القاري: تحت قول النبي صلى الله عليه وسلم لا ينظر الرجل الى عورة الرجل ولا المرأة الى عورة المرأة الخ فيه بيان تحريم النظر الى ما لا يجوز وعورة الرجل ما بين سرتة وركبته - مرقاة شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۱۹۵ باب النظر الى المخطوبة وبيان العورات

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمَخْتَارِ عَلَى صَدْرِهِ دَا الْمَخْتَارِ ج ۶ ص ۳۶۲ تا ۳۶۶ کتاب الکراہیۃ فصل في البيع

**ورزش کرنا | سوال ۱۔** ورزش کی نیت سے کھیل کود کا شرعاً کیا حکم ہے؟  
**الجواب:** جس کھیل کود میں دینی یا دنیوی منفعت ہو تو اس کھیل میں شرعاً کوئی قباحت نہیں لیکن اگر نیت جہاد کی تیاری ہو تو موجب اجر و ثواب ہے۔ تاہم ایسے کھیل سے اجتناب ضروری ہے جس میں کشفِ عورت رے پردگی، یا کسی دوسرے حرام کا ارتکاب ہو۔

لما روى الامام مسلم بن الحجاج القشيري: عن عائشةؓ قالت رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يستترني بردائه وانا انظر الى الحبيشة وهم يلعبون۔ (الجامع الصحيح المسلم ج ۱ ص ۲۹۱ کتاب صلوة العیدین) لہ

**تاش کھیلنے کا حکم | سوال ۲۔** جناب مفتی صاحب! آجکل ڈیروں اور پبلک مقامات میں لوگ تاش کھلتے ہیں جسے وہ تریپ کہتے ہیں، اگرچہ یہ کھیلنا صرف تفریح کے لیے ہوتا ہے اور اس پر عموماً کوئی خاص شرط وغیرہ بھی نہیں لگائی جاتی لیکن بسا اوقات اس میں چائے، حلوا وغیرہ کی شرط لگائی جاتی ہے جو کہ بازی ہار جانے والے کے ذمہ ہوتا ہے، کیا شرعاً ایسا کھیل جائز ہے؟

**الجواب:** اگر دینی ورزش یا تفریح کیلئے تاش کھیلا جاتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ ہارجیت پر شرط لگانا صحیح نہیں، اس صورت میں یہ کھیل قمار کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔

لما قال العلامة مولانا اشرف علی التھانوی: اگر ہارجیت (پر شرط) نہ ہو تو جائز ہے۔

{ رآمد الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۵۲ کتاب الخطر والایاحۃ  
 غناء، مزامیر اور لہو و لعب کے احکام }



لما رواه الامام ابوداؤد سليمان بن اشعث السجستاني: عن عائشة انها كانت مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر قالت فسبقته فسبقته علي رجلي فلما حملت اللحم سابقته فسبقتي فقال هذه بتلك السبقة۔ (سنن ابی داؤد ج ۱ باب السبق علی الرجل) ومثله في رد المحتار ج ۶ ص ۴۰۴ کتاب الخطر والایاحۃ، فصل فی الیبع۔

# بَابُ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ

امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا بیان

تبلیغ دین فرض کفایہ ہے | سوال :- کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہے یا فرض کفایہ ؟

الجواب :- خلق خدا کو اوامر کی دعوت دینا اور نواہی سے منع کرنا شرعاً فرض کفایہ ہے جو کہ بعض کے انجام دینے سے کل کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، فرض عین کی رائے رکھنا خطا پر محمول ہے، تاہم اپنے آپ کو رذائل سے پاک کرنا فرض عین ہے۔

لما قال حجة الاسلام ابو بكر احمد بن علي الرازي الجصاص: قال ابو بكر قد حوت هذه الآية معنيين احدهما وجوب الامر بالمعروف والنهي عن المنكر والاخر انه فرض على الكفاية ليس بفرض على كل احد في نفسه اذا قال به غيره لقوله تعالى (ولتكن منكم امة) وحقيقته تقتضي البعض دون البعض فدل على انه فرض على الكفاية اذا قام به بعضهم سقط عن الباقيين - (احكام القرآن ۳۱۵ باب فرض امر بالمعروف والنهي عن المنكر)

مستورات کی تبلیغی جماعات کا حکم | سوال :- دو رجائز میں تبلیغی جماعت والے مستورات کی اصلاح اور تبلیغ دین کے لیے نواتین کی جماعتیں نکالتے ہیں جبکہ نواتین کے سامعہ انکے اپنے محارم اور دیگر حدود شرعیہ و پردے کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے، کیا ان شرعی حدود و قیود کی پابندی کرتے ہوئے مستورات کا تبلیغ دین کے لیے نکلنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- مروجہ تبلیغ کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ اور تعلیم و تعلم ہے جس کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت کی شرعی ذمہ داری ہے اور دونوں کو تبلیغ دین کا حق حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ

لہ قال العلامة شهاب الدين الآكوسى: منشاء الخلاف في ذلك ان العلماء اتفقوا على ان الامر بالمعروف والنهي عن المنكر من فروض الكفايات - (روح المعاني ج ۲۱ سورة آل عمران) ومثله في الاكليل في استنباط التنزيل ص ۵۶ سورة آل عمران -



بیشمار نیک خواتین قرآن و حدیث کے علوم کی ماہر گزری ہیں، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں خواتین اسلام کا جہاد میں شریک ہونا بھی ثابت ہے، اس لحاظ سے خواتین کی جہاد میں شرکت کی بناء پر تبلیغی جماعات میں خواتین کی شرکت جائز معلوم ہوتی ہے۔ تاہم پردہ، محارم اور دیگر حدود شرعی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

لما رواه الامام محمد بن اسماعيل البخاري: عن انس قال لما كان يوم أحد انهزم الناس عن النبي صلى الله عليه وسلم ولقد رأيت عائشة بنت ابي بكر وأم سليم وانهما مشمرتان اري خدم سوقهما تنفران القرب وقال غيره تنقلان القرب على متونهما ثم تفرغانه في افواه القوم ثم ترجعان فتملانها ثم تجيان فتفرغانه في افواه القوم۔  
 والصحيح البخاري ج ۱ ص ۲۰۳ باب غزوة النساء وقتانهم مع الرجال له

**سالانہ چلہ لگانے کا حکم** | سوال :- اگر کوئی شخص اپنی اصلاح و تحصیل علم کے لیے تبلیغ میں سالانہ چلہ لگانا ہے تو کیا تحصیل علم و اصلاح کے لیے مزدوری چھوڑ کر چلے کے لیے نکلنا بہتر ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** چوبیس گھنٹے زندگی کو شریعت اسلامیہ کے مطابق گزارنے کے لیے ضروری احکامات کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و زن پر فرض ہے، اس کے علاوہ دیگر علوم کی تحصیل نفلی عبادات سے افضل ہے، لہذا اگر کوئی شخص ضروری علوم کے علاوہ مزید علم کی تحصیل اور اصلاح نفس کے لیے سالانہ چلہ لگانا چاہے اور اس سے اہل و عیال کا نان و نفقہ متاثر نہ ہوتا ہو تو اس کے لیے تبلیغ میں سالانہ چلے پر جانا بہتر ہے۔

لما قال العلامة ابن البرزاز الكردي: طلب العلم والفقہ اذا صحت النية افضل اعمال البر وكذا الاشتغال بزيادة العلم اذا صحت النية لأنه اعم نفعاً لكن بشرط أن لا يدخل النقصان في فرائضه۔ (الفتاوى البرزانية على هامش الهدية ج ۶ ص ۳۷۸ کتاب الكراهية) له  
 ما ورد في الحديث: وعن انس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغزوا بأسليم ونسوة من الانصار معه اذا غزوا فيسقين الماء ويؤدون الجرحى۔ (الصحيح المسلم ج ۲ ص ۱۱۶ باب غزوة النساء مع الرجال) ومثله في شرح كتاب السير الكبير ج ۱ ص ۱۸۵ باب قتال النساء مع الرجال۔

قال العلامة ابن عابدين: طلب العلم والفقہ اذا صحت النية افضل من جميع اعمال البر وكذا الاشتغال بزيادة العلم اذا صحت النية لأنه اعم نفعاً لكن بشرط أن لا يدخل النقصان في فرائضه۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۲۰۶ کتاب الخطر۔ الاشارة في البيع)

مروجہ طریقہ تبلیغ میں انچاس کروڑ کا ثواب | سوال: تبلیغی جماعت وقت لگانے پر ایک نیکی پر انچاس کروڑ نیکیوں کا ثواب ملنے کا بتایا

جاتا ہے، شرعاً اس کا ثبوت کیا ہے؟

الجواب:- تبلیغ کے لیے وقت لگانے پر انچاس کروڑ تک تضاعفِ اعمال کا مسئلہ دو احادیث کے ضرب دینے سے ثابت ہے لیکن یہ زیادت مطلقاً فی سبیل اللہ لگانے سے وابستہ ہے اس کو محض تبلیغی جماعت میں وقت لگانے کے ساتھ خاص کرنا مناسب نہیں۔

لمارواہ الامام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی فی سننہ: عن سہل بن معاذ عن ابيہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الصلوة والصیام والذکر تضاعف علی النفقة فی سبیل اللہ عزوجل بسبع مائة ضعف۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۳۸)

ورواہ ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ فی سننہ:- عن علی ابن ابی طالب و ابی الدرداء و ابی ہریرة و ابی امامة الباہلی و عبد اللہ بن عمر و جابر بن عبد اللہ و عمران بن الحصین کلہم یحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه قال من ارسل بنفقة فی سبیل اللہ و اقام فی بیتہ فلہ بكل درہم سبع مائة درہم و من غزى بنفسہ فی سبیل اللہ و انفق فی وجہ ذلک فلہ بكل درہم سبع مائة الف درہم ثم تلا هذه الآية واللہ یضاعف لمن یشاء۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹۸ باب من جہن غازیاً لہ

لہ وقد ذکرہ الشیخ العلامة جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ:- عن عمران بن الحصین عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ارسل بنفقة فی سبیل اللہ و اقام فی بیتہ فلہ بكل درہم سبع مائة درہم و من غزى بنفسہ فی سبیل اللہ و انفق فی وجہہ ذلک فلہ بكل درہم يوم القيامة سبع مائة الف درہم ثم تلا هذه الآية واللہ یضاعف لمن یشاء۔

وعن النس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم النفقة فی سبیل اللہ تضاعف سبع مائة ضعف۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۳۶ سورة آل عمران) ومثله فی تفسیر القرآن لابن کثیر ج ۱ ص ۳۱۴ سورة آل عمران۔



تبلیغی جماعت کو فرقہ جبریہ سے تعبیر کرنا درست نہیں | سوال: تبلیغی جماعت

تعبیر کرنا کیسا ہے، اور کہنے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: تبلیغی جماعت فی زمانہ ایک فعال دینی جماعت ہے، اس کی ہر کوشش خلق خدا کو راہِ راست پر لانے کے لیے ہے، اس کو فرقہ جبریہ و کفریہ وغیرہ سے تعبیر کرنا ضلالت اور گمراہی ہے اور ایسا کہنے والے پر کفر کا خطرہ ہے جو موجب لعنِ برہ ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی: اذا قذف مسلماً بغير الزنا فقال

يا فاسق او يا كافر او يا خبيث او يا سارق لانه اذا ه والحق الشين به ولا مدخل

مقياس في الحدود فوجب التعزير۔ (الهداية ج ۲ ص ۱۸۳ کتاب الحدود) لہ

تبلیغی چلے کی حقیقت | سوال: آج کل تبلیغی جماعت والے تبلیغ میں چلہ لگانے پر

بہت زور دیتے ہیں، کیا تبلیغ کے لیے دنوں کی یہ تعداد قرآن و سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: روحانی امراض سے شفا کیلئے ضروری ہے کہ طبیعت میں تبدیلی پیدا ہو جائے،

چونکہ تبلیغ میں چلہ یعنی چالیس دن لگانے والے میں کافی تبدیلی آجاتی ہے اسلئے تبلیغ والے چلہ لگانے

پر زور دیتے ہیں، یہ کوئی واجب سنت یا فرض نہیں بلکہ صرف روحانی علاج کیلئے چلہ مقرر کیا گیا

ہے، جس طرح چالیس دن تک تکبیر اولیٰ سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے تبدیلی رونما ہوتی

ہے اسی طرح تبلیغ میں چلہ لگانے سے بھی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔

لما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى الله اربعين يوماً في جماعة يدرك التكبيرة

الاولى كتب له برأتان برأة من النار وبرأة من النفاق۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۱ باب ما

على المأموم من المتابعة وحكم المسبوق۔ الفصل الثاني)

لہ قال العلامة سراج الدین علی بن عثمان: اما اذا قال لآخر يا فاسق او

بليد او يا اكل الربوا۔۔۔۔۔ او يا كافر او يا خبيث او يا فاجر يعز وخيار التعيين

إلى الامام۔ (الفتاوى السراجية ص ۶ کتاب الحدود)

وَمَثَلُهُ فِي الْجَوْهَرَةِ النِّيْرَةِ ج ۲ ص ۲۵۳ کتاب الحدود۔ فصل في التعذير۔



سوال - (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان  
 شرع متین موجودہ طریقہ تبلیغ کے بارے

تبلیغی جماعت کا طریقہ بدعت نہیں

میں کہ کیا اس طریقہ سے تبلیغ بدعت سیئہ ہے۔ یا ناجائز ہے ہمارے علاقے میں ایک مولوی سے  
 جو موجودہ طریقہ تبلیغ کو بدعت سیئہ کہتا ہے۔ اور لوگوں کو اس سے منع کرتا ہے۔ اور تبلیغ والوں  
 کو مسجد سے نکالتا ہے۔ اس مولوی کا یہ عمل اور قول خلاف شرع ہے یا موافق شریعت ہے۔ اگر  
 خلاف شریعت ہو۔ تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کیا تبلیغی جماعت اہل سنت والجماعت میں نہیں ہے کیا تبلیغی جماعت ضال اور مضل ہے اور  
 گمراہ فرقہ ہے۔ ہمارے علاقے میں عالم موصوف تبلیغی جماعت کو اہل سنت والجماعت میں شمار نہیں  
 کرتا ہے۔ اور تبلیغی جماعت کو فرقہ گمراہ کہتا ہے اور ضال اور مضل تصور کرتا ہے۔ کیا اس عالم کا یہ  
 کہنا شریعت کی رو سے صحیح ہے یا غلط؟ اس کے مقابلے میں دیگر علماء تبلیغ والوں  
 کے احترام کرتے ہیں۔ اور اس طریقہ سے تبلیغ کو جائز کہتے ہیں اور تبلیغی جماعت کو اہل سنت والجماعت  
 میں شمار کرتے ہیں؟

الجواب: دین کی اشاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے سعی اور کوشش کرنا امر خداوندی ہے  
 اس کی تعمیل لوگوں کے ذمے لازمی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اندر کئی مقامات پر اس  
 ذمہ داری کا مسلمانوں کو احساس دلایا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(۱) ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینہون عن  
 المنکر واولئک ہوا المفلحون (الایۃ)

(۲) دوسری جگہ ارشاد ہے:

قل ہذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی (الایۃ)  
 (۳) اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحاً (الایۃ)

ان آیات کے علاوہ بھی آیات موجود ہیں جن سے اس امر کی ذمہ داری کا پتہ چلتا ہے، اس  
 لیے حضرات مفسرین نے وضاحت کے ساتھ اس کو فرض کفایہ لکھا ہے، کما قال العلامۃ  
 محمود الوسی: ان العلماء اتفقوا علی ان الامر بالمعروف والنہی عن المنکر من  
 فروض الکفایات ولم یخالفوا ذلك الا لندر روح المعانی ۲/۲۰

اور علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں۔

فی هذه الآية وفي التي بعدها وهي قوله تعالى (كنتم خير أمةٍ أُخرجت للناس) دليل على ان الامر بالمعروف والنهي عن المنكر فرض على الكفاية -  
(احكام القرآن ۲/۲۹)

اسی طرح علامہ ابوبکر الجصاص الرزنی لکھتے ہیں۔

قال ابوبکر قد حوت هذه الآية معنيين احدهما وجوب الامر بالمعروف والنهي عن المنكر والاخر انه فرض على الكفاية (احكام القرآن ۲/۲۱۵)  
اور یہ امر بالمعروف والنهي عن المنكر سب کے لیے ہے چاہیے کفار ہو یا مسلمان یہی حکم اکابر مفسرین کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے، چنانچہ علامہ سید محمود الالوسی فرماتے ہیں۔  
يدعون الى الخير: المراد من الدعاء الى الخير الدعاء الى ما فيه صلاح ديني او دينوي: روح المعاني ۲/۲۱  
ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

دعاء الى الله اى الى توحيد الله تعالى وطاعته والظاهر العموم في كل داع اليه  
تعالى روح المعاني ۱۲/۱۸۸۔

اسی طرح علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔

يدعون الى الخير اى خير العقائد والاخلاق والاعمال التي فيها صلاح الدين والدنيا! تفسير مظهرى ۲/۱۱۴۔  
اور ہذہ سبیلی کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

الدعوة الى التوحيد والاعداد للمعاد: تفسير مظهرى ۵/۲۰۶  
اسی طرح دعا الى اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وما الى الله اى الى عبادة الله وتوحيد الله۔ (تفسير مظهرى ۸/۲۹۴)

ان کے علاوہ تفسیر بیان القرآن، تفسیر عثمانی، اور تفسیر معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی وغیرہ تفاسیر میں بھی اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ دعوت الى اللہ مسلمان اور کافروں کے لیے ہے، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں۔  
پھر دعوت الى الخير کے بھی دو درجے ہیں، پہلے یہ کہ غیر مسلموں کو خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت

دنیا ہے، مسلمانوں کا ہر فرد عموماً اور یہ جماعت خصوصاً دنیا کے تمام قوموں کو خیر یعنی اسلام کی دعوت دے .... دعوت الی الخیر کا دوسرا درجہ خود مسلمانوں کو دعوت خیر دینا ہے کہ تمام مسلمان علی العموم اور جماعت خاصہ علی الخصوص مسلمانوں کے درمیان تبلیغ کرے اور فریضہ الی الخیر انجام دے۔

(معارف القرآن ۲/ ۱۴۰، ۱۴۱)

اور نہ ہی طریقہ کار کوئی انوکھا ہے بلکہ سلف صالحین اور در صحابہ میں اس طرز عمل کی مثالیں موجود ہیں، چنانچہ حضرت اقدس مولانا مجددیوسف لدھیانوی شہیدؒ نے لکھا ہے تبلیغی جماعت جس طرز پر دعوت الی اللہ کا کام کر رہی ہے یہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ سلف صالحین کے عین مطابق ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۹/ ۳۶۳)

مفتی دارالعلوم دیوبند مفتی محمود حسن گنگوہی کے جواب سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے چنانچہ جب آپ سے تبلیغ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا۔

الجواب: حامداً ومصلياً. تبلیغ دین ہر زمانے میں فرض ہے، اس زمانہ میں بھی فرض ہے لیکن فرض علی الکفایۃ ہے، جہاں جتنی ضرورت ہو اسی قدر اس کی اہمیت ہوگی اور جس جس میں جیسی اہمیت ہو اس کے حق اسی قدر ذمہ داری ہوگی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صراحت قرآن کریم میں ہے، سب سے بڑا معروف ایمان اور سب سے بڑا منکر کفر ہے، ہر مومن اپنی اپنی حیثیت کے موافق مکلف ہے کہ خدا سے پاک کے نازل فرمائے ہوئے دین کو حضرت رسول مقبول کی ہدایت کے موافق پہنچا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۴۶)

اسی بنا پر اکابر علماء دیوبند نے اس کام کی تعریف کی اور اس کو ضروری قرار دیا ہے۔

مفتی ہند مفتی کفایت اللہ صاحب نے لکھا ہے۔

کہ یہ تحریک تبلیغی جماعت، اصل حقیقت کے اعتبار سے تو اسلام کی بنیادی چیز ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں کو پہنچایا اور ان کے گھروں پر جا کر خود پہنچانا اصل تبلیغ ہے کفایت المفتی ۲/ ۴۹

حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے آخر میں مولانا محمد الیاس کے اس تحریک کو ان الفاظ سے سراہا ہے۔

کہ مولانا الیاس نے یاس کو اس سے بدل دیا ہے۔

(مولانا الیاس اور ان کی دعوت، ۱۱۲)



شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ میرے محترم بزرگ یہ جماعت تبلیغیہ نہ صرف ایک ضروری اور اہم فریضہ کی حسب استطاعت انجام دہی کر رہی ہے بلکہ اس کی بھی سخت محتاج ہے کہ ان کی ہمت افزائی کی جائے اور ان کو خود بھی مسلمانوں سے رابطہ قوی پیدا ہو اور مسلمانوں میں اتحاد و یکگانگت کا قوی جذبہ پیدا اور ان کو مذہبی احساسات کی سرگرمی کی طرف چلایا جائے جس سے مستقبل میں نہایت اعلیٰ درجے کے نتائج اور ثمرات کی قومی امیدیں پیدا ہوتی ہیں۔ بنا بریں میں امیدوار ہوں کہ آئندہ اس میں پوری جدوجہد کو کام میں لایا جائے اور ان کی ہمت افزائی کی صورتیں عمل میں لائی جائیں والسلام حسین احمد غفرلہ ۱۶ صفر ۱۳۶۱ھ

(تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۴۴)

ایک اور مکتوب میں (جو آپ نے پہلی بار تبلیغی باہت کو جو افغانستان جا رہی تھی اپنے تلامذہ کے نام دیا تھا) فرماتے ہیں

عرض ان کہ حاملین عریضہ ہمارے چند احباب خدمات عالیہ میں حاضر ہو رہے ہیں ان کا مقصد کوئی سیاسی اور ملکی نہیں ہے فقط خدمات دینیہ اور فرائض تبلیغیہ ادا کرتا ہے اور مسلمانان افغانستان کو وہ مقصد یاد دلانا جس کو عام مسلمانوں نے بھلا دیا ہے مقصود ہے، امید ہے کہ آپ حضرات ان کی امداد و اعانت میں کوتاہی روا نہ رکھیں گے اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے ممکن تسہیلات سے درگزر نہ فرمائیں گے والسلام ننگ اسلام حسین احمد غفرلہ تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۴۵

ان کے علاوہ شاہ عبدالقادر رائی پوری، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا منظور احمد نعمانی مولانا مفتی محمد شفیع مولانا محمد ذکریا، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی وغیرہ نے بھی اس کی افادیت کا اعتراف کیا ہے اور اس کو اشاعت دین کا اہم ذریعہ قرار دیا ہے ان کے اجتماعات میں شریک ہوئے اور اس میں بیانات کیے، لوگوں کو اس جماعت میں شامل ہونے کی تلقین فرمائی، تو اس کے باوجود بھی اس کو بدعت سنیہ لکھنا جہالت اور نا سمجھی کی دلیل ہے، بدعت سنیہ پر نوا سجاد امر کو نہیں کہا جاتا بلکہ بدعت سنیہ پر وہ امر ہوتا ہے جس کے لیے شریعت مقدمہ میں کوئی اصل و بنیاد نہ ہو، اکابرین امت نے بدعت کی یہ تعریف کی ہے اور یہ تعریف چاروں مذاہب کا متفقہ تعریف ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجرؒ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والبدعة اصلها ما احدث على غير مثال سابق وتطلق في الشرع في مقابل

السنة فتكون مذمومة رفتح الباری ۲/۲۱۹)

اور علامہ زبیدی حنفی فرماتے ہیں۔

كل محدثة بدعة انما يريد ما خالف اصول الشريعة ولم يوافق السنة۔

(تاج العروس ۵/۲۷۱)

علامہ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں۔

المراد بالبدعة ما احدث مما لا اصل له في الشريعة يدل عليه واماما  
كان له اصل من الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعاً وان كان بدعة  
لغة رجا مع العلوم والحكم ص ۱۹۳)

اسی طرح علامہ قرطبی اور شیخ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں۔

كل بدعة صدرت من مخلوق فلا يخلو ان يكون لها اصل في الشرع ام  
لا فان كان لها اصل فهي في خيز المدح ويعقده قول عمر نعت البدعة هذا  
والا فهي في خيز الذم والذم نكار۔ (تفسیر قرطبی ۲/۸۷ و تفسیر صابونی ۱/۹۲)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ تبلیغ کرنا مسلمانوں کو دین کی دعوت دینا ان کو نمازی، حاجی اور پابند  
صوم و زکاۃ بنانا اور اس کے لیے کوشش کرنا قرض کفایہ اور دینی ضروریات میں سے ہے، سلف  
صالحین اور صحابہ کرام سے ایسا کرنا ثابت ہے اس لیے اس کو بدعت سیئہ کہنا ضرور عناد یا جاہلیت و  
نا سمجھی کے سوا کچھ نہیں یہ کام نہ بدعت ہے اور نہ اس میں بدعت ہونے کا کوئی شبہ ہے ورنہ کبھی بھی  
اکابر علماء اس کو سراج نام نہ دیتے، لہذا ان لوگوں کو مساجد سے روکنا اور ان کو منع کرنا ان کو مسجد سے  
نکلانا وغیرہ گناہ ہے اور مانع عن الخیر کی قبیح صفت سے موصوف ہونے کے مترادف ہے، اس امر  
کا ترکیب شخص فاسق و فاجر ہے اس لیے اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں۔

(۲) گذشتہ تفصیل سے خوب واضح ہوا ہے کہ یہ جماعت اہل السنۃ والجماعۃ میں داخل جماعت  
ہے اس کو ضال اور مضل کہنا جاہلیت کی دلیل ہے یہ ایک حق جماعت ہے جو دین کی اشاعت کے لیے  
مصروف عمل ہے، ان کا احترام کرنا چاہیے اور ان کی حوصلہ افزائی ہر مسلمان کا فریضہ مذہبی ہے،

واللہ اعلم و علمہ

## باب مسائل المتفرقة

(متفرق مسائل کے بیان میں)

والدین کو گالی دینے والے کا حکم | سوال :- والدین کو گالی دینے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اسلام میں جب کسی عام مسلمان کو گالی دینا موجب فسق ہے تو والدین کو گالی دینا تو بدرجہ اولیٰ اعظیم گناہ ہے، اس فعل بکا از کتاب قرآن مجید کے صریح حکم کی خلاف ورزی ہے۔

قال الله تعالى: وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَيَالِ لِلَّذِينَ إِحْسَانًا... وَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرُهُمَا - (سورة الاسراء آیت ۲۱) لہ

گالی کلوج کرنے والے کا حکم | سوال :- کسی مسلمان کو گالی دینے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- کسی مسلمان کو بے عزت اور سب و شتم کرنا موجب فسق و گناہ کبیرہ ہے اور گالی دینے والا فاسق و گنہگار ہو جاتا ہے۔

لما رواه الامام ابو عيسى محمد بن عيسى الترمذی عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سب اب المسلم فسوق وقاله كفر - راجع الترمذی ج ۲ ص ۱۹ باب ما جاء في الشتم لہ

لما رواه الامام ابو عيسى محمد بن عيسى الترمذی عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اكلب اتران يشتم الرجل والديه قالوا يا رسول الله وهل يشتم الرجل ولديه قال نعم يسب ابا الرجل فيسب اياه ويشتم امه فيشتم امه - راجع الترمذی ج ۲ ص ۱۲ باب ما جاء في عقوق الوالدين

ومثله في مشكوة المصابيح ج ۲ ص ۱۹ باب البتر والصلوة، الفصل الاول -

لما رواه الامام محمد بن اسمعيل البخاری عن عياض بن حماد قال قلت يا رسول الله الرجل يسبني قال النبي صلى الله عليه وسلم المستبتان شيطانان يتها تيران ويتكاذبان - راجع المفرد باب سب المسلم

ومثله في شرح المسلم للنووي ج ۲ ص ۳۲۱ باب النهي عن السباب -



والدین میں سے کسی ایک کے حکم سے دوسرے سے حسن سلوک نہ کرنا

سوال :- ایک شخص کے ماں باپ کسی وجہ سے ایک دوسرے سے ناراض ہیں، باپ بیٹے کو ماں سے حسن سلوک بند کرنے پر مجبور کرتا ہے جبکہ درمیان میں کوئی شرعی مقاطعہ بھی نہیں، تو کیا بیٹے کے لیے باپ کے حکم سے ماں کے ساتھ حسن سلوک بند کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت نے اولاد کے لیے والدین کو حسن سلوک اور تعاون میں برابر کے شریک قرار دیئے ہیں جبکہ بعض احادیث کی روشنی میں والدہ زیادہ حسن سلوک کی مستحق ہے، لہذا والد کے کہنے سے بیٹے کے لیے والدہ سے حسن سلوک سے پیش نہ آنا مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مختلف مقامات پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں کسی ایک کی تخصیص نہیں فرمائی ہے لہذا دونوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور فرمانبرداری کرنا ضروری ہے۔

لما قال الله تبارك وتعالى: وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا يَا هُ وَبِالْوَالِدَيْنِ

إِحْسَانًا۔ (سورة بنی اسرائیل آیت ۲۱) لہ

سوال :- ایک شخص بلا کسی شرعی عذر کے والدین کے حکم سے بیوی کو طلاق دینا

اپنی بیوی کی طلاق کا مطالبہ کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کی بیوی رہائش کے لیے علیحدہ مکان چاہتی ہے اور اپنے شوہر کے والدین سے جدا ہونا چاہتی ہے، تو کیا یہ شخص اپنی بیوی کی بات مان کر والدین سے جدا ہو جائے یا والدین کی بات مان کر بیوی کو طلاق دے دے؟

الجواب :- واضح رہے کہ ہر انسان پر والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری اور ان کی خوشنودی حاصل کرنا لازمی ہے اور حتی الامکان اپنے والدین کی فرمانبرداری کرنا ضروری ہے، لیکن بعض اوقات اگر والدین خواہ مخواہ سخت مزاجی سے پیش آئیں اور

لہ قال الله تبارك وتعالى: فَلَا تَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا وَلَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا۔ (سورة بنی اسرائیل آیت ۲۱)

بغیر کسی شرعی عذر کے بیٹے کو مجبور کریں کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو والدین کی یہ بات نہ مانتے میں شرعاً کوئی مواخذہ نہیں اور جہاں تک مذکورہ معاملہ میں والدین کے مطالبہ پر بیوی کو طلاق دینے کا تعلق ہے تو شریعت نے عورت کو علیحدہ رہائش اور نفقہ کے مطالبہ کا حق دیا ہے اور اس کی حق تلفی کرنا گناہ ہے، لہذا بیوی کے حقوق پورا نہ کرنے میں والدین کی بات ناناگناہ ہے اور معصیت خالق (نافرمانی) میں اطاعت مخلوق کی کوئی گنجائش نہیں لہذا شخص بذکور کے لیے بیوی کے حقوق پورے کرنا لازمی ہے اور اس کے والدین کو بھی نرمی کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

لما فی الہندیۃ : تجب السکنیٰ لہا علیہ فی بیت خال عن اہلہ و اہلہا الا ان تختار ذلک - ر الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۵۵۶ الباب السابع عشر فی النفقات - الفصل الثاني فی السکنیۃ

**سوال :-** ایک آدمی اپنے بوڑھے اور ضعیف والدین کی نافرمانی بدترین جرم ہے والدین کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا بلکہ ان کی نافرمانی، توہین اور سب و شتم بھی کرتا ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** والدین کی نافرمانی اور ان کی گستاخی کرنا شریعت میں بدترین جرم اور دنیوی و اخروی تباہی و بربادی کا باعث ہے اور ان کی خوشنودی اور تابعداری جنت میں داخلے کا ذریعہ و سبب ہے، بلکہ حضور سید دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کو تحت اقدام الأممات قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی باپ کی خوشنودی سے جوڑ رکھی ہے۔ تو والدین کا نافرمان یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا مجرم ہے اور ایسا شخص سزا کے قابل ہے، البتہ دنیا میں زجر و سزا راہی الامام کے حوالے ہے وہ جتنا اور جیسا مناسب سمجھے وہی بہتر ہوگا۔

لہ قال العلامة طاہر بن عبدالرشید البخاری : تجب السکنیٰ لہا علیہ فی بیت خال عن اہلہ و اہلہا الا ان تختار ذلک - (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ کتاب النکاح - الفصل الخامس عشر فی الحظر والامتنع) ومثله فی الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۲۲۲ باب النفقۃ۔



لما قال الله تعالى: وَلَا تَقْتُلْ لَهُمَا آفٍ وَلَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۲۱) لے

علم دین کے حصول کے لیے والدین کی اجازت کا حکم | سوال:۔ ایک شخص کو علوم دینیہ حاصل کرنے

کا بڑا شوق ہے، جبکہ اس کا کچھ نہ کچھ کاروبار بھی ہے اور کاروبار کے علاوہ بھی اُسکی مالی حالت اچھی ہے، تو کیا یہ شخص بلا اجازت والدین حصول علم کے لیے جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور نکلنے سے والدین کی نافرمانی تو نہیں ہوگی؟

الجواب:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق علم دین کا حصول ہر مسلمان مرد و عورت کی ذمہ داری ہے، کم از کم اتنا علم ہو کہ دین کی بنیادی ضرورتوں سے آگاہ ہو سکے اور اس کے لیے والدین کا منع کرنا کوئی شرعی عذر نہیں بلا اجازت والدین بھی بالغ بیٹا حصول علم کے لیے سفر کر سکتا ہے اور صورت مذکورہ میں والدین کے ضعف اور محتاج نہ ہونے کی وجہ سے یہ بیٹا عاق اور نافرمان بھی نہ ہوگا

لما فی الہندیۃ: رجل خرج فی طلب العلم بغیر اذن والدیہ فلا یأس بہ ولم یکن ہذا عقوباً۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۶۱ الباب السادس والعشرون فی الرجل یرجع الی السفر... الخ) لے

لے ماورد فی الحدیث: عن ابی بکرۃ (رضی اللہ عنہ) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کُلُّ الذَّنُوبِ یَغْفِرُ اللہُ مَتَهَا مَا شَاءَ اِلَّا عَقُوقَ الْوَالِدِینِ فَانہُ یُعْجَلُ لِصَاحِبِہِ فِی الْحَیْوۃِ قَبْلَ الْمَمَاتِ۔

رمشکوۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۲۱ باب البر والصلۃ (ومثله رواه انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مشکوۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۲۱ باب البر والصلۃ) لے قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: ولو خرج لطلب العلم بلا اذن البویہ لا یرعاقا کما ذکرنا فی الخزانة۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۲۴ کتاب الکراہیۃ)

ومثله قال العلامة شبیر احمد العثماني في الفتح الملمح ج ۱ ص ۲۵۲ باب الكبار والكبرها۔



کسی مسلمان کو بُرے القابات سے پکارنا | سوال :- اگر کوئی شخص بلا کسی شرعی وجہ کے دوسرے مسلمان کو فاسق اور

فاجر کے القاب سے متہم کرے تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟  
 الجواب :- ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عزت اور اُبرو کی حفاظت لازمی ہے اور ایسے بُرے القاب اور بیہودہ کلمات جن سے مسلمان کی عزت پر حرف آتا ہو، اس سے بھی پرہیز ضروری ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایسے فسق و فجور والے القابات سے کسی کو متہم کرنے سے منع فرمایا ہے، کسی مسلمان کو فاسق اور فاجر کہنے والا شخص قابلِ تعزیر ہے، اس بارے میں فقہاء نے فرمایا ہے کہ یہ سزا حاکم کی صوابدید پر ملتی ہے وہ جیسا مناسب سمجھے سزا دے سکتا ہے البتہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں، اور اگر واقعی یہ فاسق اور فاجر ہو تو یہ بہت بُرا کام ہے لیکن ایسا کہنے والے پر تعزیر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

لما قال الله تبارك وتعالى: وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ  
 الْأِسْمُ الْفُسُوقَ يَعْدُ الْأَيْمَانَ - (سورة الحجرات آیت ۱۲) لہ

مسلمان کی توہین اور استہزاء کرنا | سوال :- ایک شخص بلا کسی وجہ کے مسلمان

ان کا تمسخر اڑاتا ہے، ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے ؟  
 الجواب :- قرآن و حدیث کی رو سے ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کا استہزاء اور تمسخر کرنا سخت گناہ ہے، خواہ عالم ہو یا جاہل ہو، گناہ گار ہو یا پرہیزگار۔ اس کا مذاق اڑانا شرعاً ممنوع ہے۔ سورة الحجرات میں جو اخلاقی تعلیمات بیان

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: لو قال لآخر یا دیوث یا فاسق یا فاجر لا یجب الحد لکن یعزر ہذا اذا قال للصلح اما اذا قال للفاسق یا فاسق حذف یسیر لا یجب شیء واختیار التعزیر الی رأی الامام من واحد الی تسع وثلاثین -

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۲۳ کتاب الحدود)

ومثله فی بدائع والصنائع ج ۷ ص ۶۲ کتاب الحدود۔

کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی مسلمان کا مذاق نہ اڑایا جائے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمان کو مسلمان کا بھائی قرار دے کر اس کے تمسخر اور مذاق سے منع فرمایا ہے، ایسے شخص کے لیے بروز قیامت سخت سزا ہوگی۔

قال الله تبارك وتعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا قَوْمٍ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءً مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ۔

(سورة الحجرات آیت ۱۱) لہ

**استمناء بالید کا حکم** | سوال :- استمناء بالید رہا تم سے جنسی تسکین حاصل کرنا کے مرتکب کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب :- قرآن و سنت کی تصریحات کے مطابق استمناء بالید بدون عذر شدید کے حرام و ناجائز ہے اور ایسا کرنے والا مستحق تعزیر ہے تاہم اگر کسی فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اھوں البلیتین کی رو سے رخصت کا امکان ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: الاستمناء حرام وفيه التعزير۔ وقال العلامة ابن عابدین: رخصت قوله الاستمناء حرام ای بالكف اذا كان الاستمناء بالشهوة اما اذا غلبته الشهوة وليس له زوجة ولا أمة ففعل ذلك لتسكينها فالرجاء انه لا وبال عليه۔  
(رد المحتار ج ۲ ص ۲۰۷ کتاب الحدود، فصل في التعزير) لہ

لہ لما ورد في الحديث: عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تحاسدوا ولا تناجسوا ولا تباغضوا ولا تباروا ولا يبيع بعضكم على بعض وكونوا عباد الله اخوانا المسلم اخ المسلم يظلمه ولا يخذله ولا يحقره التقوى ههنا ويشير الى صدره ثلاث مراتب يحسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه۔

والصحيح المسلم ج ۲ ص ۳۱۷ باب تحريم ظلم المسلم

۲ قال العلامة السيد محمود الآلوسی: وكذا اختلف في استمناء الرجل بيده ويسمى الخفضة وجلد عميرة فجمهور الائمة على تحريمه وهو عندهم داخل فيما وراء ذلك قال ابن الهمام: يحرق فان غلبته الشهوة ففعل ارادة تسكينها به فالرجاء الا يعاقب۔ (روح المعاني ج ۱ ص ۱۸ سورة المؤمنون)

ومثله في تفسير المظهر ج ۷ ص ۳۶۵ سورة المؤمنون۔

**ہاتھ پاؤں پونے کا حکم** | سوال :- کسی قابل تعظیم شخص کے ہاتھ پاؤں چومنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** قابل تعظیم شخصیات کی دست بوسی میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ بوسہ دیتے وقت رکوع یا سجدہ کی کیفیت پیش نہ آئے۔

لما قال العلامة الحصکفی: (ولا بأس بتقبیل ید) الرجل (العالم) المتوسر علی سبیل التبرک (الدر المختار علی صدد المختار ج ۶ ص ۳۸۳ کتاب الخطر والاباحۃ، فصل فی الاستبوا، وغیرہام) کہ  
**کفار سے مصافحہ کرنے کا حکم** | سوال :- آج کل مسلمان حکمران غیر ملکی دورے کے دوران وہاں کے کفار سے مصافحہ کرتے ہیں، تو کیا اسلام میں کفار سے مصافحہ کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** کفار کی عزت و تکریم کی نیت سے ان سے مصافحہ کرنا ایمانی غیرت کے منافی ہے، تاہم اگر مواسات کے درجہ میں ہو یا کفار کی اسلام میں رغبت کے لیے ہو تو ان سے ہاتھ ملانے میں کوئی حرج نہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ ہاتھ ملاتے وقت السلام علیکم نہ کہا جائے۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البغاری: ویکرہ مصافحۃ اهل الذمۃ۔  
ر خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۳۲ کتاب الکرہیۃ، نوع منہ فی السلام) کہ  
**مرشد کے قدموں پر گرنے کا حکم** | سوال :- بعض مریدین اور چھوٹے بپتے بڑوں یا مرشد سے ملاقات کرتے وقت ان کے قدموں پر گر جاتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

لہ لہارواہ الامام محمد بن اسماعیل البغاری: عن صہیب قال رأیت علیاً یقبل ید العباس ورجلیہ۔ (ادب المقر ص ۲۵۴) باب تقبیل الید والرجل۔

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۸ ص ۱۹۸ کتاب الخطر والاباحۃ۔

لہ قال العلامة الحصکفی: کما کرہ للمسلم مصافحۃ الذمی۔

(الدر المختار علی صدد المختار ج ۶ ص ۳۱۲ کتاب الخطر والاباحۃ، فصل فی البیع)

وَمِثْلُهُ فِي الْمَهْنَدِيَةِ ج ۵ ص ۳۲۸ الباب الرابع عشر في اهل الذمۃ الخ۔



الجواب ۱۔ ماسوی اللہ کے کسی کی ایسی تعظیم کرنا جس میں رکوع کی طرح جگان مسجدہ  
بغیر اللہ کے مترادف ہے جو شرعاً ممنوع و ناجائز ہے، اس لیے فقہاء کرام نے اس قسم کی  
تعظیم کو مکروہ لکھا ہے۔

لما فی الہندیۃ : ویکرہ الانحناء عند التَّحیَّۃ ویدہ ورد النہی ۔

والفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۶۹ ابواب الثامن والعشرون فی ملاقا الملوک ہلہ

حشرات الارض کو جلانے کا حکم | سوال :- حشرات الارض یعنی کھٹل، پتو وغیرہ کو  
جلانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ذی روح اشیاء کو آگ سے جلانا یا ان پر گرم پانی ڈالنا ایک مکروہ عمل ہے  
اس لیے کہ تغذیب بالنار خالق حقیقی (اللہ تبارک و تعالیٰ) کا خاصہ ہے اس لیے اس عمل سے  
اجتناب ہی بہتر ہے۔

لما قال العلامة علی بن سلطان محمد القاری : وأما فی شرعنا فلا یجوز احراق  
الحيوان بالنار الا با لاقتصاص وسوائقی منع الاحراق بالنار القمل وغیره للحدیث  
المشہورہ لا یعذب بالنار الا اللہ تعالیٰ ۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۱۳۹ باب ما یحل اکلہ وما یحرم اکلہ)

مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا | سوال :- مسجد میں گم شدہ اشیاء کا  
اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں، عبادت الہی  
کے علاوہ دوسرا کوئی بھی دنیاوی عمل کرنا سود ادب ہے اور خصوصاً کسی گم شدہ چیز کے  
اعلان کے بارے میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے منع فرمایا  
ہے، تاہم اگر کوئی چیز مسجد ہی میں گم ہوئی ہو تو اس کا اعلان کرنا مرتضیٰ ہے لیکن

لہ قال العلامة عبد الرحمن بن شیخ محمد المدعو بشیخ زادہ : ویکرہ الانحناء لانه یشبہ فعل  
الجوس ۔ (مجمع الانہر شرح ملتقى الابحار ج ۲ ص ۵۲۲ کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع )

لہ لما فی الہندیۃ : واحراق القمل والعقرب بالنار مکروہ ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۶۱  
الباب الحادی والعشرون فیما یسع من جراجات الخ)

پھر بھی پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

لمارواه الامام ابو الحسن مسلم بن الحجاج القشیری: عن شہاد بن الہادانہ سمع  
ابا ہریرۃ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سمع رجلاً ینشد بضالۃ فی  
المسجد فلیقل لا ردها للہ علیک فان المساجد لمرتبہن لہذا۔

الصیحیح المسلم ج ۱ ص ۲۱۱ باب نشد الضالۃ فی المسجد  
مسجد میں سوال کرنے کا حکم | سوال ۱۔ مسجد میں سوال کرنا اور سائل کو کچھ دینا  
جاڑ ہے یا نہیں؟

الجواب: مساجد کی تاسیس اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کی گئی ہے، اس لیے  
اللہ تعالیٰ کی عبادت کے علاوہ دیگر اعمال کرنا مناسب نہیں، تاہم سائل کو بدون ایذار  
کے دینے میں کوئی حرج نہیں، البتہ مسجد کی ضروریات، مدرسہ اور جہاد وغیرہ کے لیے  
چندہ کرنا بھی مرنخص ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کاموں کے لیے چندہ  
کرنا ثابت ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحسینی: ویحرم فیہ السؤل۔ وقال العلامة  
ابن عابدین: یکرہ اعطاء سائل المسجد الا اذا لم یخطر قاب الناس فی المختار۔  
الدر المختار علی ص ۲۱۱ المختار ج ۱ ص ۲۵۹ مکروہات الصلوٰۃ ص ۲

لما قال العلامة محمد یوسف البنوسی: وأما نشاد الضالۃ فله صوتان أحدهما وہی اقبح واشنع بأن  
یضل شیء خارج المسجد ثم ینشدہ فی المسجد لأجل اجتماع الناس فیہ والثانیۃ أن یضل  
فی المسجد نفسه فینشدہ فیہ وھذا ایجوز اذا کان من غیر لقط و  
شغب۔ رمعارف السنن ج ۳ ص ۳۱۳ باب ما جاء فی کراہیۃ البیع والشراء ونشاد الضالۃ الخ  
ومثله فی سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۶۸ باب فی کراہیۃ الشراء والضالۃ فی المسجد۔  
قال العلامة علی بن سلطان محمد القاری: ویدخل فی ہذا کل أمر لمریدین لہ المسجد من  
البیع والشراء ونحو ذلک وكان بعض السلف لا یرئی ان یتصدق علی السائل المعترض فی  
المسجد۔ رمرقاۃ المفاتیح ج ۲ ص ۱۹۹ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ۔  
ومثله فی الاختیار لتعلیل المختار ج ۲ ص ۱۷۱ کتاب الکراہیۃ۔ فصل الکسب۔

**مسجد میں سونے کا حکم** | سوال :- جناب مفتی صاحب! مسجد میں بلا عذر شرعی سونا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** مساجد کی تائیس عبادت اور ذکر اللہ کے لیے کی جاتی ہے لہذا ان میں علاوہ عبادت اور ذکر اللہ کے اور کام مثلاً نوم (نیند) وغیرہ بلا عذر شرعی کے کرنا فقہاء کرام کے ہاں مکروہ ہے، تاہم اگر کسی شرعی عذر کی بنا پر مسجد میں سو گیا تو اس میں کوئی قباحت نہیں، البتہ مسافر، معتکف اور طلباء علوم دینیہ کے لیے مسجد میں سونا جائز ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی: (یکرہ) وأکل ونوم الا لمعتکف وغریب۔ (الدر المختار علی صدرہ المختار ج ۱ ص ۶۱ مکروہات الصلوٰۃ)

لما ورد فی الحدیث: وعن ابن عمر قال کنا ننام فی المسجد علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ابن ماجہ ص ۵۲ باب تنشید المساجد) ۲

**بار بار چھینک آنا** | سوال :- ایک شخص کو زکام لگا ہوا ہے اور بار بار اس کو چھینک آتی ہے، تو ایک دفعہ چھینک آنے پر اس کا جواب دینا تو سننے والے مسلمان کا حق ہے، لیکن اگر بار بار چھینک آئے تو کیا پھر بھی جواب میں یرحمک اللہ کہنا ضروری ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** شریعت اسلامیہ میں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کسی حقوق مقرر کیے گئے ہیں ان حقوق میں سے ایک چھینکنے والے کو الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا بھی ہے، لیکن اگر اس کو بار بار چھینکیں آتی ہوں تو تین دفعہ سے زائد پر جواب نہ دینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، کیونکہ بار بار جواب دینے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔

لما قال الشیخ عبدالغنی المجدی الدہلوی: (تحت قوله کنا ننام) وهذه رخصة بن السبیل والمسافر فان ابن عمر ما کان له حینئذ اهل واما لغيره فیکره الاعتیاح بالنوم فیہ (حاشیة ابن ماجہ ص ۵۲ باب تنشید المساجد)

وَمِثْلُهُ فِي مَرْقَاةِ الْمَفَاتِيحِ ج ۲ ص ۱۹۸، ۱۹۸ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ۔



لما في الهندية : فان عطس اكثر من ثلاث مرات فالعاطس يحمد الله كل مرة فمن كان بحضرتہ ان شمتہ فی كل مرة فحسن وان لم يثمت بعد الثلاث تحسن ايضاً - ر الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۳۶ الباب السابع في السلام وتشميت العاطس ( ل )

زانی کا سوشل بائیکاٹ کرنا اور نماز جنازہ پڑھنے کا حکم | سوال : ایک شخص

اجنبی عورت کو بغیر نکاح کے اپنے پاس رکھتا ہے جبکہ پورے معاشرے پر اس کی یہ بیچ حرکت واضح ہے جبکہ اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے اجراء حد مشکل ہے، تو ایسے حالات میں اس شخص کے ساتھ سماجی تعلقات قائم کرنے یا لین دین کرنے اور نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- بشرطِ صحتِ سوال اگر شخص واقعی زانی ہو اور محسن بھی ہو تو شرعی شہادت کے ثابت ہونے کے بعد قابلِ رحم ہے لیکن یہ رحم کرنا قاضی اور حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے، عوام الناس کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں اور نہ ہی اس سے مالی جبرمانہ لینے کی عوام کو اجازت ہے، البتہ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اسلامی مملکت میں بسا اوقات مالی تعزیر (جبرمانہ) کے بغیر کسی کی اصلاح ممکن نہ ہو اور قاضی مناسب سمجھے تو مالی تعزیر بھی دے سکتا ہے لیکن عوام کے لیے ایسا کرنے کی اجازت ہرگز نہیں ہے، عوام الناس کو چاہیے کہ ایسے شخص کا بائیکاٹ کر کے اس سے تمام تر تعلقات اور لین دین بند کر دیں اور اس کے غم و خوشی میں بھی شریک نہ ہوں تاکہ وہ اپنے اس خلافِ شریعت فعل کے ارتکاب سے باز آنے پر مجبور ہو، اور جہاں تک نماز جنازہ کا تعلق ہے تو علماء اہل سنت کے نزدیک ایک مسلمان گناہوں کا ارتکاب کرنے سے ایمان سے

لہ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری : وفي العطاس فوق الثلاث ان شمتوه فحسن وان لم يفعلوا فلا بأس به والعاطس يحمد الله -

(خلاصہ الفتاوی ج ۲ ص ۳۳۲ کتاب الکراہیۃ، نوع منہ فی اسلام)

وَمِثْلُهُ فِي الْخَانِيَةِ عَلِي هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ۳ ص ۲۲۲ کتاب الکراہیۃ فصل التَّبِيحِ وَالتَّسْلِيمِ الخ -

خارج نہیں ہوتا خواہ کبیرہ گناہ ہوں یا صغیرہ! البتہ گنہگار اور قابلِ سزا ہے، مذکورہ صورت میں جنازہ بھی پڑھایا جائے گا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی کیا جائے گا۔

لما قال العلامة التمرقاشی: التعزیر هو التادیب دون الحد... لا يأخذ مال فی المذهب۔ (تویر لابصار علی صدر المختار ج ۲ ص ۶۱ باب التعزیر) لہ

کسی کو ظلم و ستم سے بچانے کیلئے جھوٹ بولنے کا حکم | سوال ۱۔ اگر کسی

ہو جبکہ کذب بیانی کے بغیر اس کا دفع ہونا ناممکن ہو تو اس کو ظلم و ستم سے بچانے کے لیے کذب بیانی کی شریعت میں اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب :- جھوٹ اور کذب بیانی ایک ایسی عادت ہے جو کہ ہر وقت ناجائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے اور احادیث نبوی میں بھی اس کے بارے میں وعیدیں وارد ہیں۔ لیکن بسا اوقات اگر کسی انسان پر ظلم و ستم کا ایسا اندیشہ ہو کہ کذب بیانی کے علاوہ اس کی تلافی ناممکن ہو تو ایسے حالات میں تو یہ کہنا مباح ہے جو کہ حقیقتاً جھوٹ نہیں اگرچہ بظاہر جھوٹ ہی لگتا ہو یا دین پر چوٹ لگنے کا خطرہ ہو جبکہ ظاہری کذب بیانی کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ ہو تو ایسی صورت میں جھوٹ بولنا مخص ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی رحمہ اللہ: الکذب مباح لاجیاء حقہ و دفع الظلم عن نفسه والمراد التعریض لان عین الکذب حرام۔  
الدر المختار علی صدر المختار ج ۶ کتاب المظنر والاباحۃ، فصل فی البیع ص ۲

لما قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ، ولا نکفر مسلماً بذنب من الذنوب وان كانت کبیرة اذا لم يستحلها۔ (شرح الفقہ الاکبر الکبیرۃ لا تخرج المؤمن عن الایمان)  
لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: جوز الکذب فی ثلاثۃ مواضع فی الصلح بین الناس و فی الحرب ومع امرئہ۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۲۶ الفصل الثالث فیما يتعلق بالمعاصی، کتاب الکواہیۃ)۔

ومثله فی البرازیة علی هامش المہندیۃ ج ۶ ص ۳۹۵ ب لث البنا الثانی فیما يتعلق بالمناہی۔



زلزلہ کے وقت گھروں سے باہر نکلنا | سوال :- بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ زلزلہ کے وقت کمروں اور گھروں سے فوراً باہر نکل آتے ہیں، کیا شریعت مقدسہ میں بوقت زلزلہ ایسا کرنا جائز ہے؟  
الجواب :- زلزلہ کے دوران چونکہ عمارتوں کے گرنے یا اور کسی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے، اور اپنی جان کی حفاظت کرنا بھی انسان پر لازم ہے اس لیے اس لیے ایسے اوقات میں گھروں سے باہر نکلنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے کیونکہ نہ نکلنے کی صورت میں اپنی جان کو ہلاکت اور خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

لما قال الله تبارك وتعالى: وَلَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (البقرة آیت ۱۹۵) لہ

گانے بجانے کو ذریعہ معاش بنانا | سوال :- فحاشی اور بے دینی کے اس دور میں بعض لوگوں نے گانے بجانے کو اپنا ذریعہ معاش بنایا ہوا ہے یعنی فلموں اور ریڈیو وغیرہ کے لیے گانے لکھ کر اور گانا بجا کر رقم حاصل کرتے ہیں، تو کیا گانے بجانے کو ذریعہ معاش بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- گانے بجانے کے ذریعے کمائی کرنا اور اس کو ذریعہ معاش بنانا جائز نہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ گانے بجانے سے دل میں سختی اور دین سے دوری پیدا ہوتی ہے لہذا اس کے ذریعے کمایا ہوا مال حرام ہوگا۔

لما قال العلامة ابن الہمام رحمہ اللہ: ویکرہ کسب المغنیۃ والنائحة کذا

لہ لما قال العلامة ابن البزاز الکردی رحمہ اللہ: واذا تزلزلت الارض وهو فی بیتہ لہ الفرار الی الصحراء۔ (الفتاویٰ البزازیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۶ ص ۳۷۱ الباب التاسع فی المتفرقات)

وَمِثْلُهُ فِي الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۴ ص ۲۶۱ کتاب الکراہیۃ۔



فی الجوامع الفقہ علی ان التغنی للہمو اوجع المال حرام۔ <sup>۲۵۸</sup> فتح القدیر ج ۳ کتاب بکراہیۃ ما لہ  
 بغیر طہارت کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا | سوال :- ایک شخص نجاست حکمی سے  
 پاک ہے لیکن با وضو نہیں جیسا کہ نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے، تو کیا اس شخص کے لیے قرآن پاک کو چھونا جائز ہے یا نہیں؟  
 الجواب :- قرآن پاک چونکہ کلام الہی ہے اس لیے اس کا مقام و مرتبہ بھی بلند و  
 بالہ ہے اس کو ہاتھ لگانے کے لیے ظاہری اور باطنی ناپاکی دور کرنا ضروری ہے کیونکہ  
 قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ناپاک آدمی قرآن پاک کو مس نہیں کر سکتا  
 اس لیے بے وضو انسان کے لیے قرآن پاک کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے، البتہ غلاف کی  
 موجودگی میں چھونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مصحف سے لگا ہوا غلاف نہیں بلکہ  
 وقایہ سے غیر محیط کپڑا مراد ہے۔

لما قال اللہ تبارک و تعالیٰ : لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنْزِيلُ مِثْقَلِ رَيْبٍ  
 الْعَالَمِينَ ۝ (سورة الواقعة آیت ۷۹، ۸۰) ۲۷

قاری یا سامعین تلاوت پر سلام کرنا | سوال :- ایک قاری قرآن پاک  
 کی تلاوت کر رہا ہو اور لوگ آسکے  
 ارد گرد بیٹھ کر قرآن پاک سن رہے ہوں تو کیا ان کو سلام کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور  
 حاضرین مجلس (سامعین) پر اس سلام کا جواب دینا لازم ہے یا نہیں؟  
 الجواب :- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مقامات میں افشاء السلام کی

لہ لافی الہندیۃ : امرۃ نائحة او صاحب طبری او مزمارا کتسب مالا.... بازا الیناحۃ  
 .... او بازا الغناء فکان الاخذ معصیۃ و السبیل فی المعاصی مردھا۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۹ ابنا الخامس عشر فی الکسب)

و مثلہ فی مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۹ کتاب الخطر والاباحۃ۔

لہ قال العلامة ابن عابدین : و مسہ اتی مس القرآن و لوح او درہم او حائط  
 .... الا بغلافہ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۱۲ باب الحيض)

و مثلہ فی الفوائد العثمانیۃ ص ۱۲ للعلامة شبیر احمد عثمانی۔

تاکید فرمائی ہے لیکن بعض مقامات ایسے ہیں کہ ان میں سلام کرنا مکروہ ہے، ان مقامات میں ایک مجلس تلاوت قرآن پاک بھی ہے، قرآن پاک کی عظمت کا خیال رکھتے ہوئے تلاوت کے وقت سلام نہیں کرنا چاہیے، اور فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ ایسی محفل پر سلام کرنے سے جواب لازم نہیں آتا۔

لما فی الہندیۃ: ویکرہ السلام عند قرأۃ القرآن جہراً وکذا عند مذاکرۃ العلم وعند الاذان والاقامۃ والصحیح انہ لا یرد فی ہذہ المواضع۔  
 (افتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۵ الباب السابع فی السلام)

**غائب کو سلام پہنچانے کا حکم** | سوال :- بسا اوقات کسی آدمی کے ذریعے پر غائب کو سلام بھیجا جاتا ہے تو کیا اس آدمی پر غائب کو سلام پہنچانا ضروری ہوگا یا نہیں؟

**الجواب :-** فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی کو سلام کہنا مسنون عمل ہے لیکن اس کا جواب دینا واجب اور ضروری ہے اور کسی کو اگر کسی غائب کو سلام پہنچانے کی ذمہ داری سونپی جائے تو اس پر سلام پہنچانا واجب ہے اور جس کو سلام پہنچایا جائے اس کو چاہیے کہ پہلے مبلغ سلام کو جواب دے اور پھر سلام بھینے والے کو سلام کا جواب دے یعنی جواب میں وعلیک وعلیہ السلام کہنا چاہیے۔

لما ورد فی الحدیث: عن اسماعیل عن غالب قال اتانا لجلوس بباب الحسن اذ جاہرا رجل فقال حدثنی ابی عن جدی قال بعثنی ابی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتتہ فاقراءہ السلام قال فایتتہ فقلت ان ابی یقرئک السلام فقال علیک وعلی

لہ قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: ویکرہ علی عاجز عن الترد حقیقۃً کاکلی او شرعاً مکصل او قاریء ولو سلم لایستحق الجواب وهو الصحیح۔

الدر المختار علی ہامش رد المختار ج ۵ ص ۲۱۵ کتاب الخطر والاباحۃ  
 ومثلہ فی فتاویٰ قاضیخان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ کتاب الکراہیۃ۔ فصل فی التبیح والتیم۔



ابیک السلام۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۶۳ باب فی الرجل یقول فلان یقرئک السلام) لے  
**تنگے سر نماز پڑھنا** | سوال :- بعض لوگ بغیر ٹوپی کے نماز پڑھتے اور یہ ان  
 کی عادت ہوتی ہے، کیا تنگے سر نماز پڑھنا شرعاً  
 جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر کوئی شخص محض سستی اور غفلت کی وجہ سے تنگے سر نماز پڑھتا ہو  
 اور ٹوپی یا پگڑی استعمال کرنے اور سر ڈھانپنے کا خیال نہیں رکھتا تو مکروہ ہے  
 البتہ اگر عاجزی اور تذلل کی وجہ سے تنگے سر نماز پڑھتا ہے تو اس میں کوئی گناہت  
 نہیں اور اگر اس کام کو حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھے تو اس کے بفر کا خطرہ ہے۔  
 لما قال العلامة الحصکفی: ویکرہ صلاتہ حاسراً ای کاشفاً رأسہ  
 للتکاسل ولا بأس به للتذلل اما الالهانة بیہا فکفر ولو سقطت قلت سوتہ فاعادتها  
 افضل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۴۲ مکروہات الصلوٰۃ) لے

**مونچھیں کاٹنے کا حکم** | سوال :- کیا مونچھوں کا حلق اولیٰ ہے یا انہیں کاٹ کر کم  
 کرنا اولیٰ ہے؟ بعض لوگ بلیڈ کے ذریعے کاٹنا مناسب نہیں  
 سمجھتے، کیا یہ صحیح ہے؟

**الجواب :-** مونچھوں کے بارے میں علماء کرام نے قصر اور حلق دونوں پر قول کیا ہے  
 حلق کرنے میں یا قصر کرنے میں کوئی ترجیح نہیں، لیکن اکثر علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ کاٹنے  
 میں اتنا مبالغہ کیا جائے کہ گویا حلق نظر آئے، تو اس طرح کرنے سے حلق اور قصر دونوں پر

لما فی الہندیۃ: واذ امر رجلاً ان یقرء سلامہ علی فلان یمجب علیہ ذلک۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۶ الباب السابع فی السلام الخ)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمَخْتَارِ عَلَى صَدْرِ رَدِّ الْمُحْتَارِ ج ۶ ص ۲۱۵ باب الحظر والاباحة۔

۲ قال الشيخ ابراهيم الحلبي: يكره ان يصلي حاسراً اي حال كونه كاشفاً رأسه تكاسلاً  
 اي لاجل الكسل وبسببه ان استقل تغطيته ولم يرها امراً مهماً في الصلوٰۃ ولا بأس به اذا فعل  
 به تذلاً وخشوعاً۔ (حلبی کبیر ص ۳۳۸ مکروہات الصلوٰۃ)

وَمِثْلُهُ فِي الْخَانِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَّةِ ج ۱ ص ۱۳۵ كتاب الصلوٰۃ فصل في مكروها الصلوٰۃ



عمل ہو جائے گا۔

لما قال العلامة الشيخ أحمد الطحاوی: ويستحب احفاء الشوارب ونراه  
افضل من قصها وفي شرح شرعة الاسلام - قال الامام الاحفاء قريب من  
الحلق - (الطحاوی ص ۲۸۷ باب الجمعة له

عورتوں کا سر کے بال کٹوانا | سوال: آجکل بعض فیشن ایبل عورتیں سر کے بال کٹواتی  
ہیں، تو کیا عورتوں کے لیے سر کے بال کٹوانا یا کم کروانا  
شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عورتوں کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردوں سے  
مشابہت ممنوع قرار دی ہے، چونکہ سر کے بال کم کرنے یا کٹوانے کا معمول مردوں  
کا ہوتا ہے اس لیے عورتوں کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا مردوں سے مشابہت کی وجہ  
سے حرام ہے، البتہ کسی بیماری یا عذر ہونے کی صورت میں عورتوں کے لیے بھی بال  
کاٹنے یا کم کروانے کی شرعاً اجازت ہے، حج اور عمرہ میں عورتوں کے لیے بھی قصر  
کی اجازت ہے۔

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: واذا حلقت المرأة شعر رأسها فان كان  
لوجع اصابها فلا بأس به وان حلقت تشبيهاً بالرجال فهو مكروه -  
دالبحر الرائق ج ۸ ص ۲۰۵ کتاب الكراهية، فصل في البيع له

له لما في الهندية: ويأخذ من شاربته حتى يصير مثل الحاجب... قص الشارب  
حسن..... وتقصيران يأخذ حتى تنقص من الاطار -

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۸ الباب التاسع عشر في الختان والخصاء)

ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۲۰۵ كتاب الكراهية، فصل في البيع)

له لما في الهندية: ولو حلقت المرأة رأسها فان فعلت بوجع اصابها لا بأس به  
وان فعلت ذلك تشبيهاً بالرجال فهو مكروه -

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۸ ابواب التاسع عشر في الختان والخصاء)

ومثله في الدر المختار على صدر ج ۶ ص ۲۰۷ كتاب الخطر والاباحة -

مغربی فیشن کے مطابق سر کے بال کٹوانا | سوال ۱۔ اگر کوئی مسلمان اپنے سر کے بالوں کا بعض حصہ زیادہ کٹوائے اور بعض حصہ کم کٹوائے یا دیگر مغربی فیشن کے مطابق سر کے بال کٹوائے، تو کیا اس طریقے سے سر کے بال کٹوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو سر کا حلق کیا ہے اور یا تین طریقوں سے یعنی وفرہ، لمہ اور جتہ، سر کے بال رکھے ہیں۔ لہذا اگر سر کے بعض بال زیادہ کاٹ دیئے جائیں اور بعض رکھے جائیں تو یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ہٹ کر غیر مسلم اقوام کی مشابہت ہے اس لیے ان غیر مسلم اقوام کی وجہ سے اس قسم کے بال بنانے سے اجتناب ضروری ہے۔

ماوردی الحدیث: عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۳ کتاب اللباس) لہ  
غیر ضروری بالوں کی صفائی کا حکم | سوال :- زیر ناف بالوں کے ازالہ کے لیے مستحسن طریقہ کیا ہے؟

الجواب :- مرد و زن کے لیے کسی بھی طریقے سے اپنے بدن کے غیر ضروری بالوں کا ازالہ ضروری ہے، ان کے ازالہ کے لیے کسی دوائی یا آلہ کا سہارا لینا جائز ہے تاہم خواتین کے لیے انگلیوں سے نکلانا مستحسن ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری: قالوا الاولى للمرأة التتف لانه انظف و ابعدهنقو الخلیل من بقايا اثر الحلق وان شهوة المرأة اضعا شهوة الرجل اذ جاء ان لها تسعا وتسعين جزءا منها وللرجل جزء وان تنف يضعفها والحلق يقويها فامر كل منها بما هو النسب به۔ (مرقاة شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵) لہ

لہ ما فی الہندیۃ: ان السنة فی شعر الرأس اما الفرق واما الحلق و ذکر بطحاوی ان الحلق سنة۔  
الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص ۳۵۷ الباب التاسع عشر فی الحتان والخصاء  
لہ قال العلامة ابن عابدین: (قوله ويستحب حلق عانتہ) قال فی الہندیۃ ویبتدی من تحت السرة ولوعالج بالنورة یجوز، کذا فی الغرائب و فی الاشباہ و السنة فی عافة المرأة التتف۔  
(رد المحتار ج ۶ ص ۴۶ کتاب الخطر والاباحة، فصل فی البیع)

**زیرِ ناف بالوں کی صفائی کی حد** | سوال :- از روئے شریعت زیرِ ناف بالوں کی کہاں سے کہاں تک صفائی کرنا ضروری ہے ؟

**الجواب** :- عام شراح حدیث و فقہاء کے بقول شرمگاہ کے ارد گرد بالوں کا صاف کرنا ضروری ہے ناف تک صاف کرنا لازمی نہیں ہے ۔

لما قال الامام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی : المراد بالعانة الشعر الذی فوق ذکر الرجل وحوالیہ وکذا لک الشعر الذی حوالی فرج المرأة ۔

(شرح صحیح المسلم للنووی ج ۱ ص ۱۲۸ باب خصال الفطرة) لہ

**زیرِ ناف بالوں کی صفائی کا مستحب وقت** | سوال :- زیرِ ناف بالوں کی صفائی کا مستحب وقت کیا ہے ؟

**الجواب** :- زیرِ ناف بال ہفتے میں ایک بار صاف کرنا مستحب ہے اور چالیس دن تک تاخیر کرنا مکروہ ہے ۔

قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی : (ویستحب) حلق عانة وتنظيف بدنه بالاغتسال فی کل اسبوع مرة) والافضل یوم الجمعة وجاز فی کل خمسة عشر وکره ترکہ وراء الاربعة بعین ۔ (الذم المختار علی صدر المختار ج ۲ ص ۲۳۶ کتاب الخطر والاباحة فصل فی الیبس) لہ

لہ قال الشیخ القاضی محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ : والمراد بالعانة الشعر فوق ذکر الرجل وحوالیہ وکذا لک الشعر الذی حول فرج المرأة ۔

(نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۲۳ باب الختان)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْمَلْهُمِ ج ۱ ص ۴۱۹ باب خصال الفطرة ۔

لہ وفي الهندية : والافضل أن يقلم اظفاره ويحفي شاربه ويحلق عانته وينظف بدنه بالاغتسال فی کل السبوع مرة فان لم يفعل ففي كل خمسة عشر يوماً لا يعذر ما في تركه وراء الاربعة فالاسبوع هو الافضل والخمسة عشر الاوسط والاربعون الابعد ولا عذر فيما وراء الاربعة ويستحق الوعيد ۔

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۴ الباب التاسع عشر في الختان والحضاء الخ)

ومثله في مجمع الانهر في شرح ملتقى الابرار ج ۲ ص ۵۵۶ كتاب الكراهية ۔



پیدائشی طور پر مختون بچے کے ختنہ کا حکم | سوال :- اگر کوئی بچہ مختون پیدا ہو یعنی اس کا حشفہ پوست سے باہر نظر آتا ہو اگرچہ

مکمل طور پر باہر نہ ہو تو کیا اس کا دوبارہ ختنہ کیا جائے گا یا نہیں ؟  
الجواب :- مختون بچے کے بارے میں اہل الرائے سے مشورہ کیا جائے، اگر اس کا مختون ہونا یقینی ہو تو دوبارہ ختنہ کرنا ضروری نہیں۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: الصبی اذا كانت حشفته ظاهرة ولا يمكن ان يمد جلد ذكره الا بتشدید وظهور حشفته بحاله لو رآها انسان يريها كأنه انختن لا يتشدد عليه ويترك ولا يتعرض - (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۳۲ کتاب الکراهية، جنس آخر) لہ

بعد البلوغ ختنہ میں شرمگاہ پر نگاہ پڑنے کا حکم | سوال :- بالغ ہونے کے بعد ختنہ کرنے کی صورت میں نگاہ شرمگاہ

پڑنے کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب :- ختنہ شعائر اسلام میں شمار ہوتا ہے جو شرعاً ہر مسلمان کے ذمے لازمی ہے، اس لیے ضرورت کے تحت ڈاکٹر یا حجام کی نگاہ کا عورت غلیظہ پر پڑنا مریض ہے۔

لما قال العلامة الكاساني: فلا بأس ان ينظر الرجل من الرجل الى موضع الختان ليختنه او يداويه بعد الختن - (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۵ ص ۱۲۳ کتاب الاستحسان) لہ

لہ وفي الهدية: الصبی اذا لم يخنن ولا يمكن ان يمد جلدته لتقطع الا بتشدید وحشفته ظاهرة اذا رآه الانسان يراه كأنه ختن ينظر اليه الثقات واهل البصر من الحجامين فان قالوا هو على خلاف ما يمكن الاختتان فانه لا يشدد عليه ويترك - (الفتاوى الهدية ج ۵ ص ۳۵۴ الباب التاسع عشر في الختان والخصاء)

لہ قال العلامة ابن البرزاز الكردي: يجوز النظر الى فرج الرجل للختن -

والفتاوى البرازية على هامش الهدية ج ۶ ص ۳۴۲ کتاب الکراهية - الباب التاسع في المتفرقات

ومثله في رد المحتار ج ۶ ص ۳۴۲ کتاب الخطر والاباحة، فصل في النظر والس -

چہرے کے زائڈ بال دور کرنے کا حکم | سوال :- چہرے سے داڑھی کے علاوہ

زائڈ بالوں کا دور کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- داڑھی کی حدود کے علاوہ چہرے کے زائڈ بالوں کے دور کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے تاہم اس میں اتنا مبالغہ نہ کیا جائے کہ مخنث سے مشابہت ہو جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدین : ولا بأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنث - (مراد المختار ج ۶ ص ۲۰۴ کتاب الخطر والاباحة ، فصل فی البیع) لہ

سوال :- جناب مفتی صاحب ! شریعت مقدسہ میں داڑھی رکھنے کی کوئی حد مقرر ہے یا نہیں ؟

الجواب :- داڑھی انبیاء علیہم السلام کی سنت قدیمہ ہے اور شعائر اسلام میں اس کا شمار ہوتا ہے ، فقہاء کرام کی تحقیقات کی روشنی میں داڑھی کا رکھنا واجب جس کی مقدار ایک مشت ہے اس سے کم داڑھی رکھنا خلاف سنت ہے۔

لما رواه امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری : عن ابن عمر انه كان يقبض على لحيته فيأخذ منها ما جاوذا القبضة - (کتاب الآثار للامام ابو یوسف ص ۲۳۲ فی الخضاب والاخذ من اللحية ، رقم حدیث ۱۰۳۹) لہ

لہ قال العلامة الاستاد محمد الشہیر بالطوری فی تكملة البحر : ولا بأس بان يأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنث - (البحر الرائق ج ۸ ص ۲۰۲ کتاب الکراهية ، فصل فی البیع) لہ

لہ قال العلامة علی بن سلطان محمد القاری : وفي الاحياء قد اختلفوا فيما طال من اللحية ان قبض الرجل على لحيته وأخذ ما تحت القبضة فلا بأس به وقد فعله ابن عمر من التابعين واستحذنه الشعبي وابن سيرين -

(مرقاة المفاتيح ج ۸ باب الترحيل - الفصل الاول) لہ

ومثله في كتاب الآثار للمحمد ص ۱۹۸ باب حفا الشعر من الوجه -

**مصافحہ کے بعد ہاتھوں کو چومنا** | سوال :- جناب مفتی صاحب! بعض لوگوں کو

دیکھا گیا ہے کہ جب وہ کسی سے ملتے ہیں تو مصافحہ کے بعد اپنے ہاتھ چومتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت مصافحہ کرنے کے بعد اپنے ہاتھ چومنا مکروہ ہے، شریعت منہدسہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

لما قال العلامة المحقق: وكذا ما يفعله الجهال تقبيل يد نفسها اذا لقي غيره فهو مكروه فلا رخصة فيه۔

رد المحتار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۲۵ کتاب الکراہیۃ (

**بے دین خواتین سے پردہ کرنے کا حکم** | سوال :- جناب مفتی صاحب! بعض خواتین

گندے اخلاق اور کبردار والی ہوتی ہیں، شرفاً اور دیندار گھرانوں میں ان کے آنے جانے سے فتنہ اور فساد کا خطرہ ہر وقت رہتا ہے۔ تو کیا شرعاً اس بات کی اجازت ہے کہ دیندار گھرانوں کی باپردہ خواتین ان سے پردہ کریں؟

**الجواب :-** اسلام انسان کی عفت و عصمت اور عزت و آبرو کا خیال رکھتا ہے، اور جن عوامل سے اس کی عفت و عصمت پامال ہوتی ہو وہاں سے منع کرتا ہے، جیسا کہ دیندار

اور باپردہ گھروں میں برے اور گندے اخلاق والی خواتین کے آنے جانے سے معصوم بچوں خصوصاً عفت مآب خواتین کے متاثر ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ لہذا فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے بے دین اور برے اخلاق والی عورتوں سے عقیف اور دیندار خواتین کو پردہ کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ، ولا ينبغي للمرأة الصالحة ان تنظر اليها المرأة الفاجرة لانها تصفها عند الرجال فلا تضع

جليابها ولا خمارها۔ رد المحتار ج ۵ ص ۲۳۸ کتاب الخطر والاباحة۔ فصل في البيع۔)





## ٹیلیوژن کے بُرے اثرات اور مسلمانوں کی ذمہ داری | سوال: مخدوم حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ!

یہاں کلیرنس سٹریٹ بولٹن یو کے میں گھر گھر دل بہلانے کے لیے ٹیلیوژن نصب ہیں جس کے پروگرام عموماً یہ ہیں کہ برہنہ یا نیم برہنہ لڑکیاں رقص و سرود کرتی ہیں۔ گانا بجانا، بوس و کنار، دھینکا مستی اور فحاشی کی اشاعت ہوتی ہے، عیسائیت کا پرچار اور عالمی حسیناؤں کے انتخاب کے دخرات مناظر اور مختلف فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ غیر محرم مرد و عورتیں اور خاندان کے افراد باہر بیٹا، بہن بھائی، باپ بیٹی اکٹھے بیٹھ کر ان فلموں کے جیاء سوز مناظر کو دیکھتے ہیں، تعلیم اور دنیاوی روبا سب کاموں میں اس سے رکاوٹ اور پیداوار میں کمی واقع ہو رہی۔ رنگون کے ایک مفتی صاحب نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ آنجناب ہمیں اسکی شرعی حیثیت سے مطلع فرمائیں، ہم آپ کی تحریر کی کاپیاں سائیکلوٹائل کر کے انگلینڈ میں آباد تمام مساجد میں فریم کرا کے رکھ دیں گے تاکہ مسلمانوں کو انتباہ ہو سکے اور وہ اس کے بُرے اثرات اور تباہ کاریوں سے بچ سکیں؟

**الجواب:** ٹیلیوژن کے بارہ میں آپ کے خیالات بالکل صحیح ہے۔ تصویر پرستی اور تصویر کشی اسلام میں حرام ہے، پھر جبکہ ٹیلیوژن پر فحاشی اور عربیانی کا غلبہ ہو تو اس کا نتیجہ سوائے اخلاقی بے راہروی، مادہ پرستی، خدا فراموشی، پچیائی اور وقت ضائع کرنے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہو سکتا، خاص کر یورپی ممالک میں تو ایسی چیزوں کی ہلاکت آفرینی اور بھی زیادہ ہے۔ تصویر کشی غلط تاویلات سے جائز نہیں ہو سکتی اور نہ مرد و عورت کا نامحرموں کی طرف دیکھنا خواہ آئینہ یا تصویر کی شکل میں ہو جائز ہو سکتا ہے۔ الغرض اس کے مفاسد اور قبائح یقینی ہیں اس لیے تمام مسلمانوں کو اس لعنت سے احتراز کرنا ضروری ہے، خصوصاً یورپ میں رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری تو بہت نازک ہے، ان میں سے ہر ایک کو اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ اور مبلغ بننا چاہیے نہ کہ خود یورپی تہذیب میں ضم ہو کر اپنی اسلامی حیثیت ہی ختم کر دی جائے۔ افسوس کہ یہ برائی اب ہمارے ملک میں بھی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ افراد خانہ اور بیوی بچوں کے اخلاق اور نفسیات پر اس کے جو قبیح اثرات پڑ رہے ہیں پوری مسلم قوم اس سے غافل ہے۔ نتیجہ عام خرابی اور وسیع بربادی کی شکل میں ظاہر ہوگا مگر اس وقت تدارک انتہائی مشکل ہوگا۔

## ٹیلیوژن اور وی سی آر کا شرعی حکم

سوال: کیا ٹیلیوژن اور وی سی آر پر غیر محرم مرد و زن کو دیکھنا اور غیر محرم عورت کا نغمہ اور ترنم سننا اور ٹیپ ریکارڈز وغیرہ سے سرود سننا جائز ہے یا ناجائز؟  
الجواب: ٹی وی اور وی سی آر پر غیر محرم مرد و زن کو شہوت کے طور سے دیکھنا اور غیر محرم عورت کا نغمہ اور ترنم سننا اور ٹیپ ریکارڈز وغیرہ سے سرود سننا ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ جو شیطانی لذت اصل کو دیکھنے اور سننے سے حاصل ہوتی ہے تو اس جیسی لذت اس کے عکس اور صوت سے بھی حاصل ہوتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تصویر اور عکس میں فرق ہے، وہ یہ کہ جو شکل دھات، تار، زنگ، پلاسٹک وغیرہ ذی جرم اشیاء سے بنائی جائے اس کو تصویر اور صورت کہا جاتا ہے اور وہ قدرتی طور سے یقیناً اور ثبات رکھتی ہے، اور جو شکل آئینہ وغیرہ سے تقابل کے وقت دکھائی دے اس کو عکس کہا جاتا ہے، یہ عکس صرف انتقائش ہوتا ہے ذی جرم اور ذی جسد نہیں ہوتا اور طبعی طور سے بقا اور ثبات نہیں رکھتا بلکہ تقابل کے زوال سے وہ بھی زائل ہو جاتا ہے البتہ اس کو مصنوعی طور سے باقی اور برقرار رکھا جاتا ہے اور تصویر جیسا دکھائی دیتا ہے بلکہ عرف عام میں اس کو بھی تصویر کہا جاتا ہے، جیسا کہ عرف عام میں اصل آواز کے عکس اور آواز بازگشت کو مصنوعی طور سے باقی رکھنے کے بعد اصل آواز کہا جاتا ہے، اور شرعی اصول کی بنا پر صورت اور عکس میں دیگر فرق بھی موجود ہے وہ یہ کہ زندہ اور جاندار اشیاء کی تصویر کشی شرعاً ناجائز ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

جس نے کسی زندہ چیز کی صورت بنائی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو مکلف اور مجبور کرے گا کہ وہ اس میں روح ڈالے اور وہ اس میں روح نہیں ڈال سکے گا۔

من صور صورة في الدنيا كلف يوم  
القيامة ان ينفخ فيها الروح وليس  
بنافع - صحيح بخاری ج ۲ ص ۸۸  
باب من لعن المصور

اور آئینہ وغیرہ کو دیکھنے سے عکس بنانا ناجائز نہیں ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ دیکھتے تھے۔  
فیض القدير میں بحوالہ سنن ابن ماجہ، طبرانی اوسط، بیہقی مسطور ہے:-

كان اذا نظرت في المرأة قال الحمد لله - | یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب آئینہ دیکھتے تو اللہ کی حمد بیان کرتے۔

واضح رہے کہ عکس کی طرح بت اور تصویر کو دیکھنا بذات خود ناجائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (الاعراف ۷۷) | اور تو دیکھے کہ تکتے ہیں تیری طرف اور حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:-

انہا اشترت نمرقة فيها تصاوير فلما داراها رسول الله صلى الله عليه وسلم قام على الباب فلم يدخل. (صحيح بخاری ج ۲ باب ۸۸۱ من لم يدخل بيتا فيه صورة) | یعنی عائشہ صدیقہ نے ایک تکیہ خریدا جس میں تصاویر تھیں، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور اندر تشریف نہ لائے۔

توان دلائل کی رو سے عکس، تصویر، بت کو دیکھنا ممنوع نہیں ہے البتہ اگر ان کو دیکھنے میں مفسدہ موجود ہو، مثلاً یہ دیکھنا شیطانی تفریح اور شیطانی لذت حاصل کرنے کیلئے ہو تو ممنوع ہوگا، بخاری شریف کی ایک حدیث میں وارد ہے کہ:-

لا تباشرا المرأة المرأة فتنتعتها لزوجها كأنه ينظر إليها. (صحيح بخاری ج ۲ ص ۷۸۸) | یعنی کوئی عورت کسی عورت کے ساتھ نہ لیٹے حتیٰ کہ اس کے بعد یہ عورت اپنے خاوند کو اس دوسری عورت کے اعضاء کی ترجانی کرے گویا کہ یہ خاوند اس کو دیکھ رہا ہو۔

اس حدیث شریف کی روشنی میں جب بیوی کی ترجانی سے اس کے خاوند کے دماغ میں اس اجنبی عورت کی خیالی تصویر سے لذت حاصل کرنا شینع اور منکر ہوا تو آنکھوں سے دکھائی دیتے والے عکس اور تصویر سے یہ لذت حاصل کرنا بطریق اولیٰ شینع اور منکر ہوگا، کیونکہ اس میں اس مفسدہ کا خطرہ زیادہ ہے۔

اور جب اجنبی عورت کا نغمہ اور ترنم سنا حرام ہے کیونکہ اس سے غیر محرم عورت کا



میلان پیدا ہوتا ہے تو اس کے نغمہ اور ترنم کا عکس سننا بھی حرام ہوگا کیونکہ یہ مفسدہ اور جاذبیت اس میں بھی موجود ہے اور یہی حکم ٹیپ ریکارڈ وغیرہ سے سرود کے عکس کے سننے کا ہے۔  
تو اس تفصیل کی بناء پر واضح ہوا کہ اگر چہ ٹی وی اور وی سی آر پر اصل شے نظر نہیں آتی بلکہ ان پر عکس دیکھا جاتا ہے جو کہ جدید صناعت کی وجہ سے قائم اور ثابت ہوتا ہے لیکن یہ عکس اصل کے اعضاء اور محاسن کی بلاخیانت ترجمانی کرتا ہے، اور اس عکس کے دیکھنے سے اصل کے دیکھنے کی طرح شیطانی لذت اور خواہش پوری کی جاتی ہے تو لازمی طور پر ان آلات پر صفت مخالف کے عکس کو دیکھنا ناجائز اور حرام ہوگا، اسی طرح غیر محرم عورت کے ترنم اور نغمہ کے عکس کا سننا اور سرود کے عکس کا سننا بھی حرام ہوں گے۔

**سوال :** داڑھی کی مقدار مسنون اور اس کے بڑھانے کے بارہ میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

### داڑھی کی مسنون مقدار

**الجواب۔** داڑھی کے مقدار کے بارہ میں بعض قوی اور مشہور روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال احقوا الشوارب واعفوا الدخی۔ یعنی مونچھوں کو کٹو اور داڑھی کو بڑھاؤ ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۰۰ اس کے علاوہ ابن عمرؓ کی دوسری روایت میں ہے عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر باحفاء الشوارب واعفاء الدخی امام ترمذی نے دونوں روایات کو حسن و صحیح کہا ہے اور ان کے رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے احادیث داڑھی کے مقدار کے بارہ میں مطلق ہیں اور مطلق اعضاء بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے جس سے داڑھی بلبا کرنے کا مسنون اور یہ ہونا معلوم ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں امام ترمذی نے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یأخذ من لحية من عرضا وطولها جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی مبارک کو طول و عرض سے کٹواتے تھے کہ اس روایت کو امام ترمذی نے حدیث "غریب" کہہ کر اس کی سند پر جرح بھی کی ہے اس کے علاوہ خود ابن عمرؓ اور ابی ہریرہؓ کے بارہ میں بھی منقول ہے کہ وہ مٹھی سے زیادہ کٹواتے تھے (ابوداؤد و نسائی، ابن ابی شیبہ) بہر حال ان تمام روایات و اقوال کو سامنے رکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اگر داڑھی کٹوانا چاہے تو مٹھی بھر سے زیادہ بال کٹوا سکتا ہے مٹھی سے کم کٹوانا بالاتفاق حرام ہے اور اگر مذکورہ بالا ابن عمرؓ کے روایات پر عمل کرنا پسند کرے تو مٹھی سے زیادہ بڑھا سکتا ہے دونوں صورتیں سنت کے خلاف نہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمحات شرح مشکوٰۃ میں مٹھی بھر سے زیادہ کٹوانے کے بارہ میں

فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دارطھی کو مٹھی سے زیادہ کٹا دے تو جائز ہے کیوں کہ ابن عمر سے ایسا ثابت ہے امام شعبی ابن سیرین بھی اس کو پسند کرتے تھے جس سے جائز ہونا معلوم ہوتا ہے دوسری طرف بعض سلف دارطھی بڑھانے اور لمبا کرنے کو پسند کرتے تھے جیسے حسن بصری اور حضرت قتادہ نیز صحابہ کرام کے بارے میں بھی حضرت عثمان یہی منقول ہے یہاں تک کہ امام غزالی نے خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں تصریح کی ہے کہ وکان یعنی لحیتہ ویأخذ شاربہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دارطھی مبارک بڑھاتے تھے اور مویجہ مبارک کٹواتے تھے (اجیاد العلوم ج ۲ ص ۳۸۳)

شیخ ابوبکر مالکی مشرح ترمذی میں فرماتے ہیں ان ترک لحیتہ فلا حرج علیہ۔  
(شرح ابوبکر مالکی ج ۱ ص ۲۱۹)

حضرت ملا علی قاری نے ابن الملک کی ایک روایت میں دارطھی بڑھانے کو مختار اور بہتر کہا ہے۔  
قال ابن الملک اما لجن من اطراف اللحیة من طولها و عرضها للتناسب فحسن  
لکن المختاران لا یأخذتنها شیئاً رافع قوت المعتدی حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۱۱۱ اسی  
طرح شاہ محمد اسحاق المحدث دہلوی کے بارے میں حاشیہ مذکور میں ہے قال عندی اخذ اللحیة  
ما فوق القبضة جائز لکن الادوی حوالہ تذکرا۔ خلاصہ یہ کہ ان روایات واقوال سے دارطھی  
کا بڑھانا اور لمبا کرنا ہی افضل اور بہتر و مسنون معلوم ہوتا ہے اور جن روایات سے مٹھی سے زائد  
کٹوانا معلوم ہوتا ہے وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہیں روایات میں تعارض نہیں ہمارے حضرت الاساذ شیخ  
التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز اعفاء اللحیة کو اطلاق پر حمل کر کے اس کو بڑھانا  
ہی افضل اور بہتر سمجھتے تھے اور مٹھی بھر سے زیادہ نہیں کٹواتے تھے کئی صحابہ و تابعین اور مشائخ کا نمونہ ان  
کے سامنے موجود تھا۔ جس وجہ سے بعض علماء نے مٹھی بھر ہی کو قدر مسنون کہہ کر اسے افضل قرار دیا مگر  
انہوں نے مٹھی بھر بڑھانے کو ناجائز نہیں کہا۔ والسلام

## عورتوں کے حقوق

اسلام کامل اور مکمل نظام حیات ہے، اس میں ہر ایک کے حقوق کا خیال رکھا گیا ہے، چاہے مرد ہو یا عورت، اور خصوصاً عورت کو تو اسلام نے وہ مقام دیا ہے جو اسے پہلے حاصل نہ تھا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ فتنہ و فساد اور بے حیائی کے روک تھام کے لیے ان کو پردے اور حجاب کا حکم دیا جو کہ موافق فطرت ہے۔ لیکن عصر حاضر میں یورپ جس طرح دوسرے امور میں خلافت فطرت کا کام کرتا ہے اسی طرح عورتوں کے حقوق کے آڑ میں عورتوں کی غیر فطری آزادی اور بے حیائی کو عام کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے جبکہ بعض نام نہاد مسلمان بھی یورپ کی ذہنی غلامی سے مرعوب ہو کر اس نظر کو عام کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے ”عورتوں کے حقوق، آزادی اور بے حیائی کا مسئلہ“ کے عنوان سے ایک وقیع مضمون لکھا جو ماہنامہ الحق کی زینت بنا۔ مضمون کے افادیت کے پیش نظر فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

یورپ کی غلامی میں آ کر جب عالم اسلام کے ذہن و منکر اور تہذیب و اخلاق کو اپنی پیٹ میں لے لیا اور جن دینی علمی اور اخلاقی فتنوں نے اسلامی تہذیب و معاشرت پر یلغار کی۔

مسادات مردوزن۔ تہذیب مغرب کا اہم فتنہ | اس میں سرفہرست ایک اہم فتنہ تحریک آزادی نسوان اور مسافات مردوزن ثابت ہوا، اسلام کے نظام سترو حجاب اور عورتوں کے مقدس اور محترم مقام و منزلت اور اس پر مبنی ایک پاکیزہ خاندانی نظام کو تہ و بالا کرنے کیلئے مستشرقین یورپ، غیر مسلم مصنفین اور ہمارے ہاں کی یورپی کو میاں و حق و انصاف سمجھنے والے نام نہاد



مسلمین اور ترقی پسندوں نے اس نظام کو نشانہ تضحیک بنایا، مسلمانوں میں مغرب سے مرعوب، اذہان نے مغرب کی لے میں لے ملائی کبھی تعدد ازواج کی بنی اڑائی گئی، پردہ کو مشق تحقیق بنایا گیا اور کبھی مسلمان عورتوں کی مظلومیت اور قید و بند کا ماتم شروع کیا۔ اس طرح مسلمان عورت کی ایک نہایت بھیانک قابلِ رحم تصویر بنا دی گئی، برصغیر کے عہدِ غلامی سے طرح طرح کی آوازیں باٹھتی رہیں۔

بے حیائی کا عروج | قیامِ پاکستان کے بعد عورتوں کی بے پردگی اور بے حیائی میں بہت اضافہ ہوا، عورت کو اس کے مقامِ حیا و عفت سے ہٹانے کی مساعی ہوتی رہی۔ مگر ایک دعوت اور تحریک کی شکل میں یہ کام بھی کچھلے دو ایک سال سے بڑی تیزی سے بڑھنے لگا پچھلے سال کو خواتین کا عالمی سال کہا گیا۔ پاکستان بھی اس مہم میں یورپی اقوام سے پیچھے نہ رہا یہاں تک کہ پاکستان کی اعلیٰ خواتین کے ایک وفد نے میکسیکو کی ایک تقریبِ خواتین میں شرکت کی جس میں پیشہ ور عورتوں نے پیشہ کو قانونی حق دینے اور ایک عورت کو کئی مردوں سے شادی نہ چاہئے جیسے مطالبے بھی کئے گئے۔ قومی اسمبلی میں خواتین کے عالمی سال کے متعلق ایک قرارداد پیش کی گئی اور سال بھر آزادی نسواں اور حقوقِ نسواں کی تائید میں تقریریں ہوتی رہیں۔

وزیر اعظم بھٹو کی دعوتِ بے حیائی | مگر اس مسئلہ کا نقطہ عروج وہ تھا جب پاکستان کے محترم وزیر اعظم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ مقدسہ سے متعلق کانگریس کی آخری تقریبِ کراچی کے استقبال میں دنیا بھر کے مفکرین کے سامنے پردہ کے بارہ میں اظہارِ خیال فرمایا اور یہ ہماری رائے میں اس کانگریس کا خاتمہ نہیں سو، خاتمہ تھا۔ جب آپ نے فرمایا کہ ہمیں اقتصادی مشکلات کی وجہ سے پردہ جیسے فرسودہ خیالات پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ پھر جناب وزیر اعظم نے ایک اور عملی قدم اٹھانے ہوئے بلوچستان کی ایک تقریب میں عورتوں کو پردے سے باہر آجانے کی دعوت دی اور فرمایا کہ یہ مساوات نہیں کہ عورتیں گھروں کی قید و قفس میں محصور رہیں، انہیں سیاسی اور اجتماعی میدانوں

میں سلنے آنا چاہیے اور یہ فرسودہ روایات ہیں۔ یہ صرف ایک رائے اور اظہار خیال نہ تھا، بلکہ ایک مسلم اور ریورڈ جو قوم کو عملی دعوت تھی، اور یہ بطور لکھتے وقت اسلام آباد میں عورتوں کی حیثیت کے بارہ میں آر سی ڈی کے سینار میں صدر مملکت سمیت کئی اعیان سلطنت کے ایسے ہی خیالات اور بیانات سامنے آ رہے ہیں۔ پس جب قوم کھلے دل سے ایک اہم مسئلہ پر اپنے عمائدین کے ایسے خیالات سن رہی ہے تو اسی طرح خدا و رسول کی مسئولیت اور ذمہ دالیوں کے ہمیشہ نظر ہمیں کچھ گزارشات پیش کرنے کا بھی حق ہے اور جب مسئلہ زیر بحث کا تعلق سیاسی نظریات اور سیاست سے نہیں، ملک کی اخلاقی، معاشرتی قدروں اور اسلام کے ایک مستقل نظام عصمت و عفت سے ہے تو ہر درد مند مسلمان کو قرآن و سنت کی روشنی میں اظہار خیال کا حق ملنا چاہیے اور کھلے دل سے اسے سننا چاہیے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق | اصولی طور پر پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا واقعی اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق کے تعین کا مسئلہ مبہم چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور کیا واقعی اسلام نے عورت کو اس کا جائز مقام نہیں دیا اور یہ کہ اس بارہ میں دشمنان اسلام کا بد و پیگندہ واقعی صحیح ہے؟ اس بارہ میں ہمیں تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالنی ہوگی۔ اس بارہ میں کیا عرب اور عجم اقوام و ادیان عالم کی تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب العلم بھی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اسلام ہی وہ دین فطرت اور دین رحمت تھا جس نے عورت کو تحت الشریٰ سے اٹھا کر اور جہاں تک پہنچا دیا۔

ظہور اسلام سے قبل عورت کا مقام | ظہور اسلام سے قبل دنیا بھر کے اقوام و ملل اور انسانی رسوم و رواج میں عورت جس ظلم و ستم اور اتبدال و تحقیر کی حالت میں مبتلا تھی اسے قرآن نے ایک اعجازی لفظ جاہلیتِ اولیٰ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ جاہلیت کیا تھی تاریخ شاہد ہے کہ اسے ایک بتذل چیز سمجھا جاتا تھا جانوروں کی طرح اس کی خرید و فروخت عام بات تھی وہ کسی چیز کی مالک نہ سمجھی جاتی نہ وہ اپنے مال و متاع میں مردوں کی مرضی کے بغیر کوئی تصرف کر سکتی تھی نہ وہ کسی کی

وراثت کی حد ارتقی نہ اسے کسی قسم کی وصیت کرنے کا حق تھا۔ اس کے قتل ہو جانے کی صورت میں ویت اور قصاص کا وہ مردوں کے برابر نہ تھی۔ نکاح میں اس کی مرضی تو بڑی بات ہے مرد جب چاہتا اسے پیشہ کرانے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔

عمدت اور جاہل اقوام کے نظریات | عورت کے بارہ میں جاہل اقوام کے عجیب روح فرسا نظریات تھے، روم جیسے متمدن اقوام میں ایک عرصہ تک سرے سے یہ مسئلہ بھی محل نظر رہا کہ عورت انسان بھی ہے یا جانوروں کی طرح کوئی اور مخلوق۔ رومی ادوار میں اسے ایک نجس جانور قرار دے کر فیصلہ کیا گیا کہ اسے بات چیت کرنے کا بھی حق نہیں، باؤ لے کتے یا اونٹ کی طرح اس کے منہ پر غلاف، باندھا جائے گا۔ مغربی اقوام میں ایک رائے یہ بھی تھی کہ عورت ذی روح ہی نہیں اس بارہ میں یہ بھی اختلاف تھا کہ عورت عبادت اور بندگی کی اہلیت بھی رکھتی ہے یا نہیں بعض اقوام میں شہودوں کی طرح عورتوں کے پورے طبقہ کو مقدس مذہبی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے کی قانونی ممانعت تھی۔ اس طرح ادائگی عبادت کی بھی، کئی قبائل اور اقوام بلکہ خود ساختہ ادیان میں والد کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنی بیٹیاں بیچ سکتا ہے یہاں تک کہ بعض عرب قبائل میں اسے بیٹی کو زندہ درگور کر دینے کا ”سماجی حق“ حاصل تھا۔ اور یہ کوئی معیوب بات نہ سمجھی جاتی۔

دوسری طرف اس جاہلی دور میں جسے جاہلیتِ اولیٰ اور تبرج جاہلیت میں اشارہ کیا گیا ہے، عورت کو محض ایک اڑتیل اور ذریعہ استلذاذ بنا کر رکھ دیا گیا تھا اس کی حیثیت مردوں کی ایک شاملات ایک وقت اور ایک مشترکہ قومی ملکیت کی تھی کہ وہ مردوں کے مفاد عامہ کی ایک مخلوق اور تفریح طبع کا ایک سامان ہے۔ اس کا فریضہ ہے کہ غلاموں کی مانند مردوں کے آرام و راحت میں لگی رہے، اور نت نئی اداؤں، عشوہ طرازیوں اور نمود و نمائش کے نئے نئے طریقوں سے مردوں کو سامانِ تسکین فراہم کرتی رہے، کئی جاہلانہ رسومات میں عورت کئی مردوں کی مشترکہ متاعِ نشاٹ بن سکتی تھی۔ شوہر کے ہوتے ہوئے اس کا عاشق بھی برابر کا ہوتا سمجھا جاتا اور ایک مرد بلا لحاظ عدل و



انصاف اور بلا لحاظ تعداد جتنی بھی چاہے عورتوں کو نکاح یا تمتع میں رکھ سکتا تھا۔  
 عورت پر اسلام کے احسانات | اب اسلام نے آکر ایک طرف تو اس ضعیف و ناتواں  
 جسم سے ظلم و استبداد کی ساری بیڑیاں توڑ ڈالیں، اسے مقام انسانیت میں مردوں کے ہمسر  
 قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یا ایہا الناس اتنا خلقناکم من ذکر و انثیٰ - حضورؐ نے  
 فرمایا عورتیں مردوں کا جڑواں نصیب ہیں۔ پھر اسے نہ صرف خطاباتِ خداوندی کا ملک اور  
 مخاطب بنایا بلکہ یہ بھی کہ وہ عبادات کی اہلیت رکھتی ہے اور احکامِ دین کی تعمیل و امتثال میں  
 اجر و ثواب اور قدر و منزلت کے اعتبار سے مردوں سے بھی سبقت لے جا سکتی ہے۔ ویسے  
 الذکر کا الائنٹی۔ قرآن کریم نے عبدیت و عبادات میں بلا تفریق اگر مردوں کو مسلمین، مؤمنین  
 نائتین، صادقین، صابریں، خاشعین، متصدقین، صائمین، حافظین، ذاکرین کے خطابات دیئے تو  
 اسی کے ساتھ عورتوں کو بھی مسلمات، مؤمنات، نائتات، صادقات، صابرات، خاشعات،  
 متصدقات، صائمات، حافظات اور ذاکرات کے تمنوں سے نوازا اور بلا امتیاز ایسے دونوں  
 طبقوں کو منفرت اور اجرِ عظیم کی بشارت دی۔ فوزِ عظیم جناتِ خلد اور رضوان و خوشنودی کی بشارت  
 دیتے ہوئے دونوں فریقوں کو کہا گیا، وعد اللہ المؤمنین و المؤمنات جنت (الذکر قولہ)،  
 ذلک هو الفوز العظیم۔

دینی، ذنبوی، انفرادی، اجتماعی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ | اسلام نے نہ صرف اس کا حق ملکیت تسلیم  
 کیا بلکہ اپنے مال و دولت میں ہر طرح جائز عقد و تصرف، بیع، شراہ، عاریت، صدقہ اور ہبہ وغیرہ تصرفات  
 کا اختیار دیا گیا اسے وصیت کرنے کا حق دیا میراث کا اسے مستحق قرار دیا۔ فرمایا، وللنساء  
 نصیب مما ترک الوالدان والاقربون۔ عورتوں کا والدین اور رشتہ داروں کی وراثت  
 میں حصہ ہے۔ دیت اور قصاص میں وہ مردوں کے برابر ہے۔ انہیں قتل کرنا تو بڑی بات  
 مارنا پیٹنا بھی ممنوع ہے۔ ان کی پاکدامنی اور عفت پر غلط انگلی اٹھانے والے اور تہمت لگانے

و اے دنیا اور آخرت میں لعنت کے سزاوار ہیں اور انہیں عذابِ عظیم کی وعید ہے۔  
 ان الذین یرمون المحصنات الفاضلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا والآخرۃ ولہم عذابٌ  
 عظیم۔ (الآیۃ) اگر چاہے تو اپنے شوہر کے غلط بہتان پر اس سے لعان کر سکتی ہے اور  
 اس سے الگ ہو سکتی ہے شریعت نے پاک دامن خواتین کی بہتان تراشی کی سخت سزا  
 حدِ قذف مقرر کر دی ہے۔ الغرض وہ ہر طرح اپنے جائز حقوق کا دفاع کر سکتی ہے۔ اسلام  
 نے اس کی انفرادی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی ہر ناجائز بندش توڑ دی ہے۔ نکاح میں اسے  
 اپنی مرضی اور اختیار کا حق دیا گیا کہ جسے چاہے قبول کرے، چاہے مسترد کر دے۔ پھر اسلام  
 نے نکاح کی حدود بھی متعین کر دیں کہ وہ مالکیت اور ملکیت کا رشتہ نہیں تو جین کے باہمی  
 تعلق اور ربط کا نام ہے اس عقد سے وہ مرد کی غلام نہیں بن جاتی، بلکہ یہ ایک ایسی تمدنی اور  
 معاشرتی ضرورت ہے جس کے مرد اور عورت دونوں محتاج ہیں۔ اور یہ دونوں کے فطری  
 تقاضوں کی تکمیل ہے۔ البتہ فریقین کی خلقی اور فطری ضرورتوں سے شوہر کو اس پر ایک گونہ برتری  
 حاصل ہے۔ ولله جال علیہ من درجۃ۔ اور الشہ جال تو آمنون علی النساء  
 کہ اس میں عورت ہی کا تحفظ اور بھلائی ہے۔ اور اس ادنیٰ برتری کے صلہ میں بھی مرد کو مہر کا پابند  
 بنا دیا گیا ہے، نہ صرف یہ بلکہ اس کی تمام ضروریاتِ زندگی نان و نفقہ اور لباس و سکونت کا بھی  
 ذمہ دار مرد ہی ہے خواہ عورت کتنی بڑی مالدار اور ذمی استطاعت کیوں نہ ہو مرد طرح طرح کی مشقتیں  
 اٹھا کر اس کی اولاد کی ضروریات کی کفالت کا پابند ہے۔ اس کے علاوہ بھی مرد کو  
 ہر قسم کے حسن سلوک کی تلقین کی گئی۔ فرمایا دعائے شہ و ہن بالمرءوت۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
 نے فرمایا تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جس کا سلوک اپنی بیوی سے بہتر ہے۔

حقوق والدین کی وصیت کی گئی تو بار بار ماں کے بارہ میں زیادہ تاکید کی گئی فرمایا جنت ماں  
 کے قدموں کے نیچے ہے، فرمایا جو شخص لڑکیوں کی کفالت کرے گا دوزخ کی آگ اس پر

حرام ہوگی۔ فرمایا جو شخص دو بیٹیوں کی بلوغت تک نگہداشت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ اتنا قریب ہوگا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں قریب ہوتی ہیں۔ فرمایا ما احرام النساء الاکسایہ و لہا ہانہن الا لئیہ۔ عورتوں کی عزت و کرم شرف کا اور ان کی اہانت و تحقیر زلیلوں کا شیوہ ہے۔

اسی طرح تعدد و ازدواج میں جاہلیت کی غیر محدود تعداد اور مردوں کی کھلی چھٹی کو چار تک محدود کر دیا گیا اور یہ بھی اس شرط سے کہ جب عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکے۔ اب مرد استطاعت مالی کے باوجود بھی پہلے تو چار سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکے گا۔ اس طرح طلاق میں بے تحاشا اسرار اور دعاندلی کا سلسلہ تھا۔ اس اسراف اور اتبدال کو روکنے کے لئے مرد بہ طرح طرح کے تدبیریں لگائے گئے۔ فرمایا: فان کسہتم و ہن فعضلی ان تکرہوا شیئاً و یجعل اللہ فیہ نمیراً کثیراً۔ ان کے ساتھ نیکی کی معاشرت کرو اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تب بھی تم کسی چیز کو ناپسند کرو گے اور خدا اس میں بہت بھلائی رکھ دے گا۔ پھر جوع کی شکل میں اس مبنغوض الی اللہ عمل کی تلافی کا موقع بھی مردوں کو دیا گیا۔ اسلام سے قبل بیواؤں کی حالت نہایت قابل رحم تھی اسلام نے نہ صرف عقیدہ بیوگان کو جائز قرار دیا بلکہ حضور اقدس نے اپنے پہلے نکاح میں عمل نمونہ پیش فرمایا اور بیواؤں کی مشکل حل کر دی گئی۔ عورت کو یہ حق بھی اسلام نے بخش دیا کہ وہ نکاح کی شکل میں اس باہمی معاہدہ کو با امر مجبوری اور نامساعد حالات میں فریقین کی مرضی سے نسخ اور منسوخ بھی کر سکتی ہے۔ الغرض دنیا کا کوئی دستور و نظام اور رسم و رواج ایسا نہیں جس نے عورت کو وہ مقام دیا ہو جو اسلام نے دیا۔

عورت کی عصمت و آبرو کا احترام | اسی طرح عورت کی اُس بے کسی کا معاملہ ہے جسے قرآن نے جاہلیت ادنیٰ سے تعبیر کیا ہے جس میں عورت ایک باز بچہ اطفال اور کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔ اور اس وجہ سے یہ صورت حال خانگی اور تمدنی زندگی کے درہم برہم ہو جانے اور معاشرہ کی تباہی کا باعث بن رہی



تھی۔ اسلام نے ان حالات کو اس طرح ختم کر دیا کہ مرد کی دست درازیوں اور شیطان صفت انسان نما درندوں سے اس کی حفاظت کے تمام وہ طریقے اختیار فرمائے جو عورت کو اس کی حیثیت اور مقام سے ہٹانے والے تھے خواہ وہ عملی وجوہات تھے یا نظر پاتی یا پھر تصوراتی ہی کیوں نہ تھے۔ اسلام نے اسے حفاظت کے قابل ایک بیش بہا خزانہ ایک قیمتی اور انمول موتی اور ایک نازک آبگینہ قرار دیا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا، ان المرأة عورة مستورة (فی رواية خدر مخدرة) فاذا خرجت استشرفها الشيطان۔ "بلاشبہ عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے جب وہ باہر نکل جاتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے کہ اب کسی کو دام میں پھنساؤں گا۔"

مردوں کو انہیں بڑی نگاہ اٹھانے سے بھی روکتے ہوئے غضب بصر کا حکم دیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: زنا العین النظر۔ نگاہ بازی آنکھ کا زنا ہے کہ جیسی نگاہ ہو ویسے اس کے اثرات ہوتے ہیں۔

آزاد می نسواں تبرج جاہلیت کا دوسرا نام | مگر آج کا بیدور آزادی نسواں اور حقوق اور مساوات کے نام سے اس مقدس اور محترم معنی نازک کو دوبارہ اسی جاہلیت اولیٰ کی طرف لوٹانے کی سعی مذموم کر رہا ہے کہ مسلمانوں کی یہ شرافت مآب دولت اور قیمتی خزانہ پھر ایک بار گھر کی دہلیز سے نکل کر سرباز ارتماشاٹے عالم بن جائے۔ رونق خانہ بننے کی بجائے شمع محفل ہو، آلات و صنائع اور حقیر سے حقیر مصنوعات کی تشہیر کا ذریعہ بن جائے۔ وہ سیرگاہوں، پارکوں، ہوٹلوں، کلبوں، جلسوں، جلوسوں، اسمبلیوں اور عدالتوں، کارخانوں اور فیکٹریوں، ٹھیٹروں اور سینماؤں، سرکسوں اور میلوں میں اور سیاست کی اسٹیج پر پھینکتی ہوئی، رسوا ہوتی ہوئی، مشتقیں اور مصیبتیں اٹھاتی ہوئی مردوں کی نشاۃ طبع کا سامان بن جائے اور یہ وہی قاسقانہ تبرج، جاہلیت اولیٰ (جاہلیت کی نمود و نمائش)

ہے جو اس آگینہ عصمت و حیا کو سر بازار پاش پاش کرنا چاہتی ہے۔  
آزادی نہیں غلامی کی دعوت | یہ دعوت و تحریک اسے مرد کا کھلونا اور لعبۃ لاعبین بنانے  
 کی دعوت ہے۔ یہ دعوت درحقیقت عورت کی آزادی کی نہیں اسے پھر سے غلام اور بے بس  
 بنا دینے کی دعوت ہے۔ اور جاہلیت کی وہی شکل ہے جسے اسلام نے تہ و بالا کر کے رکھ  
 دیا تھا۔ اس صورت حال کا جاہلیت ماضی سے موازنہ کیجئے تب حضرت عمرؓ کے اس ارشاد  
 کی قدر و قیمت معلوم ہو سکے گی، فرمایا اس عظیم مصلح اور مفکر اور سیاستدان اسلام نے:  
 اتما تنقص عری الاسلام عروۃ عروۃ اذ نشأ فی الاسلام من لم یعرف الجاہلیۃ  
 جو شخص اسلام میں رہتے ہوئے جاہلیت کے طور پر بقوں سے ناواقف ہے۔ اس  
 سے خطرہ ہے کہ وہ اسلام کو ایک ایک کڑی کر کے توڑ بیٹھے۔

اسلام کا نظام عفت و عصمت | اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو کیسے اس جاہلیت  
 اولیٰ کی ظلمتوں سے نکال کر نور کے اجالوں میں کھڑا کر دیا اسلام نے عورتوں کے حقوق کی رعایت و  
 نگہداشت، عصمت و عفت کی حفاظت، تہذیب و تربیت کا ایک ایسا مستقل نظام پیش فرمایا  
 جو اصول و جزئیات، جلی اور خفی، علمی اور نظری، عملی اور خیالی، تمام گوشوں پر ایسا حاوی ہے کہ اس  
 نظام عصمت پر فحشاء اور فواحش کا سایہ تک بھی نہیں پڑ سکتا۔ دوائی اور اسباب فحاشی کو بھی  
 فواحش کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ خیال اور تصور کی لامحدود وسعتوں کو بھی عصمت و  
 عفت کے دائر میں محدود و محصور کر دیا گیا ہے۔ اس نظام میں حالات و مصلح، علل و  
 بواعت اور جلی اور نظری تقاضوں کی ہر طرح رعایت رکھی گئی ہے جس کے بغیر نہ سیاست  
 مدنیہ درست ہو سکتی ہے نہ تہذیب اخلاق ممکن ہے نہ مدنیہ منزل کارگر ہو سکتی ہے۔ اور جس  
 کے بغیر ایک پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر، اخلاقی قدروں کی حفاظت، خاندانی نظام کا قیام و استحکام  
 اور تہذیب و تمدن کا کوئی مثالی نمونہ قائم کرنا قطعی ناممکن ہے۔ آئیے ہم اس سلسلہ میں

قرآن و سنت پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ مردوزن کا خالق حکیم خداوند کریم اور بتی نوع انسان کے رحمت مجسم نبی الرحمة علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہماری رہنمائی کس طرح فرمائی ہے۔ اس کے بعد ایک انصاف پسند اور جو یائے حق طبیعت خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ خدا اور رسول کا منشاء کیا ہے؟  
پردہ کے احکام | ارشادِ ربانی ہے:-

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ  
 اور گھروں میں ٹھہری رہو اور پھیلی  
 جاہلیت کی زینت اور نمائش ترک

کردو۔

پھلتے پھرتے پابندی عائد کی کہ وہ ایسے لباس میں رہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ اور عضو نہ کھلے اور نہ مخفی محاسن کی نمائش ہو۔ فرمایا۔

وليض بن بنمہن علی جیو بہت اپنے سینوں اور گریبانوں پر دوپٹوں کا آنچل ماریں۔  
 دوسری جگہ ازواج مطہرات، بنات اطہار اور تمام مسلمان خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔  
 یدین علیہن من جلابیہن وہ بسی چادریں اپنے اوپر ڈھانک لیں۔

جلباب | مفسرین نے جلاب کی تفسیر میں لکھا ہے:-

هو الاء فوق الخمار۔ جلاب دوپٹے کے اوپر اوڑھنے والی بسی چادر کا نام ہے۔  
 حضرت عکرمہ فرماتے ہیں: تغطي ثغرة نحرها بجلبا بہا تدنيه علیہا۔ وہ اپنے سینہ کو اوپر تک ڈھانپ لیتی تھی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: الذی لیستر من فوق الی اسفل۔ وہ کپڑا جو اوپر سے نیچے تک ڈھانپ لے۔

اس آیت کا مفہوم صحابیات نے ہی سمجھ لیا تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں انصاری عورتوں پر خدا رحم کرے کہ انہوں نے حکیم حجاب سنا تو بڑی چادروں کو پھاڑ کر اپنے اوپر لپیٹ لیا۔



شققن مس وطہن فاعتجنن منها اب اگر دینی اور دنیوی ضرورت کی وجہ سے انہیں باہر نکلنا بھی پڑجاتا تو بقول حافظ ابن حجر - فقد کت یعجن ویطفن وھن مستترات الابدان حضور کے وصال کے بعد ازواج مطہرات حج اور طواف بھی کرتیں تو اپنے جسموں کو ڈھانپے ہوئے ہوتیں۔ ایک اور موقع پر جسم کی عام زینتوں کو چھپائے رکھنے کے لئے مزید تاکید کی حکم دیا گیا۔ فرمایا۔

قل للمؤمنات یغضضن من  
ابصارھن ویحفظن فروجھن  
ولایبدین زینتھن الا ما ظہر  
منھا۔ (الآیۃ)

مومنات کو حکم دو کہ نگاہیں نیچی رکھیں  
شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اپنے  
بناؤ سنگھار کو نہ کھولیں مگر یہ کہ  
بجبوری اور بلا قصد خود ظاہر ہو

جائے۔ اس پر وہ اس میں گرفت نہیں۔

اس پردہ اور حجاب کا مزید واضح اور غیر مبہم حکم ان الفاظ میں دیا گیا۔

آیت حجاب | واذا سألتموھن متاعاً فسلوھن من دراء حجاب۔ بغیر ضرورت کے پردہ کے پاس بھی مت آؤ۔ اگر جبجوری کوئی ضرورت پڑ جائے تو گھر میں جھانکنے اور داخل ہونے کی بجائے پس پردہ مانگ لیا کرو۔ گویا گفتگو بھی پس پردہ ہوگی اور ضرورت بھی بڑے بڑے معاملات تجارتی لین دین کی نہیں، دوکانوں اور سٹوروں میں ماڈل گرل بن کر تجارت کے سودے چکانے کی نہیں، فٹ پاتھوں پر اور سرکسوں سے باہر ڈگڈگی بجا کر لوگوں کو کھینچنے کی نہیں بلکہ صرف کوئی معمولی چھوٹی موٹی چیز جسے لفظ متاعاً میں اشارہ کر دیا۔

حایبان بے پردگی کی مغالطہ انگیزی | اس آیت حجاب کا مقصد واضح ہے کہ اجنبیوں کیلئے نہ صرف عورت کا عام جسم بلکہ اس کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں بھی حجاب کے حکم میں شامل ہیں۔ بعض روایات میں آیت بالا کے استثناء الا ما ظہر منها۔ کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ اس جملہ سے چہرہ، ہاتھ

اور پاؤں مستثنیٰ کر دیئے گئے کہ عورت ان اعضاء کے چھپانے کی پابند نہیں، ایسی روایات کو مخالفین پر وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں بے پردگی کا سرٹیفکیٹ مل گیا ہے، حالانکہ یہ ناجہی ہے یا جان بوجھ کر دجل و تبلیس سے کام لیتے ہوئے مغالطہ دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ لوگ ان تمام روایات و نصوص کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن میں ہاتھ پاؤں اور چہرہ کے ڈھلپنے کا صریح حکم دیا گیا ہے۔

ستر اور حجاب میں فرق | حالانکہ درحقیقت دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں دونوں اپنے اپنے دائرہ میں واجب العمل ہیں۔ ایک کا دائرہ ستر اور دوسرے کا حجاب ہے۔ ایک ہے ستر عورت اور ایک ہے حجاب یعنی مردوں سے پردہ کرنا۔ ستر عورت مرد اور عورت دونوں پر یکساں فرض ہے۔ مرد کے جسم کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔ یعنی وہ یہ حصہ جسم کا کسی کے سامنے نہیں کھولے گا۔ جسم کا اس کے علاوہ حصہ ستر سے خارج ہے۔ اور عورت کے جسم کا ستر والا حصہ اتنا نہیں بلکہ گردن سے لے کر سینہ، پیٹ، پیچھ، رانیں، ٹانگیں، بونٹوں اور گٹھ تک چھپائے رکھنا فرض ہے جس طرح مرد جسم کا حصہ ستر، نہ گھر میں کسی کے سامنے کھولے گا نہ باہر، خواہ اس کا والد بھائی، بیٹا کیوں نہ ہوں، اسی طرح عورت اپنے جسم کا مذکورہ سارا حصہ اپنے گھر میں محارم سے بھی چھپائے رکھے گی، البتہ چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کا چھپانا باپ بھائی بیٹے اور محارم سے چھپانا ضروری نہیں، اگر ان تین اعضاء کے علاوہ اکیلے میں بھی نماز کے دوران چوتھائی حصہ جسم کا کھل گیا یا مرد کے حصہ ستر کا ایک چوتھائی بھی کھل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ وہ حقیقی ستر ہے جو بذاتہ مردوں عورتوں پر یکساں لازم ہے، فرق ہے تو جسم کی حدود میں۔ اور جس طرح مرد اپنے ہم جنس مردوں سے بھی حصہ ستر چھپانے کا پابند ہے اسی طرح عورت اپنی ہی ہم صنف عورتوں سے بھی سوائے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے باقی سارا جسم چھپائے رکھے گی، یہاں تک کہ بلا ضرورت تنہائی میں بھی مرد یا عورت کو ستر کے حصے کھولنا مکروہ ہے۔ اور ایک ہے حجاب یعنی تمام اجنبی مردوں سے

پردہ جو صرف عورتوں پر لازم ہے، مردوں پر نہیں۔ اس میں سر سے پاؤں تک بشمول چہرہ سارا حصہ ڈھانپنا ضروری ہے، حجاب اور ستر کے مختلف دائروں کو غلط ملط کر کے بے پردگی کا جواز نکلنے والے عموماً دھوکہ دیتے ہیں، اگر چہ سر اور ہاتھ پاؤں ستر نہ ہوتے تو پس پردہ گفتگو یعنی من و راء حجاب کے قید نگانے کی ضرورت نہ ہوتی نہ ادناء ہلا برب یعنی سر سے پاؤں تک لمبی چادر اوڑھنے کی۔ پس اگر بعض روایات میں کچھ استثنیات ہیں تو ستر کے متعلق ہیں نہ کہ حجاب میں، جسے ہمارے ہاں عرف عام میں پردہ کہا جاتا ہے لہ

بات چیت میں احتیاطی تدبیر | اسی طرح آیت استیذان میں مردوں پر لازم کیا گیا کہ کسی بھی گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں۔ اور اگر پس پردہ بھی مجبوراً کسی نامحرم سے گفتگو کی نوبت آجی جائے تو ہدایت کی گئی کہ سریلی آواز اور نرم و نازک لہجہ میں عورت گفتگو نہ کرے۔ بلکہ شائستگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے روکھے پھیکے طرز میں جواب دے دے تاکہ کسی بدنیت اور خبیث الطبع شخص کے دل میں فتور نہ آجائے۔ فلا تخضعن یا القول فیطمع الذی فی قلبہ مرض و قلن قولاً معروفاً۔ (الآیۃ)

خاص حالت میں باہر نکلنے کی اجازت | او ویلا ہے کہ اس طرح تو عورت ایک قیدی کی طرح قفس میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے کہ اس کے لئے گھر سے باہر قدم رکھنا بھی جرم ہے، حالانکہ آیات و نصوص اور روایات ممانعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کسی دینی یا دنیوی ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے بھی باہر نہیں نکل سکتی۔ وہ بلاشبہ دینی و دنیوی ضروریات کے لئے باہر نکل سکتی ہے۔ حج و زیارت کے لئے، عبادات کے لئے، تعزیت اور تیمارداری کیلئے

۱۰ مضمون کے بعض فقہی اور حدیثی حصوں میں علامہ سید رشید کھانا مہرئی اور قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے موضوع سے متعلق مضامین کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔



والدین اور قرابت داروں سے ملاقات کے لئے، علاج معالجہ کے لئے جاسکتی ہے۔ مگر اس کا یہ جانا کئی شرائط اور تقیدات کے ساتھ ہوگا۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ عورت بلا ضرورت باہر نہ نکلے اور اس لئے طرح طرح سے خروج کی حوصلہ شکنی کی گئی کہ یہ نقل و حرکت کم سے کم رہ جائے اور جب خروج کی نوبت آجھی جائے تو یہ چیز عریانی، بے پردگی، محاسن و نمائش کی تشہیر اور جذبات بھڑکانے کا ذریعہ نہ بنے اور اس کی چال میں، ڈھال میں، لباس اور گفتار میں فحاشی کا کوئی داعیہ اور عنصر شامل نہ ہو۔

خروج کے شرائط اور قیودات | یہ خروج شرائط کے ایک دائرہ میں محصور ہے۔ مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی غصق بھر کا حکم دیا گیا۔ اسے سفر کی ضرورت پڑے تو خواہ یہ سفر حج ہی کیوں نہ ہو جس کی ادائیگی ایک فریضہ ہے۔ وہ باپ بیٹے، بھائی، شوہر اور محارم کے بغیر نہیں جاسکتی۔ جب عبادت کے سفر کا یہ حال ہے تو کیا عادت اور سیاحت کے اسفار میں اکیلے جانا جائز ہوگا؟ جو لوگ عورتوں کی قید کا رونا رو کر عورتوں کو دیس دیس کی سیاحت اور تنہا گھومنے پھرنے کا راستہ کھولنا بھاہتے ہیں ان پر ایک اخبار کے مراسلاتی کالم میں ایک گنام خاتون نے بہت سادہ الفاظ میں اس طرح طنز کی ہے کہ خدارا ہمیں ان فقیرنیوں کی طرح نہ بنائیں جو ننگے سر، ننگے پاؤں ننگے جسم کے ساتھ سامان سفر کا تھیلا پیٹھ پر لادے ہوئے، بھیک مانگتے ہوئے فٹ پاتھوں اور سڑکوں پر گھوم پھر رہی ہیں۔

یہی خروج، تبرج جاہلیت نہیں تو اور کیا ہے۔ ٹیڈی باریک اور چست لباس پہن کر یا مٹی سکرٹ پہن کر سڑکوں پر آوارہ گردی کرنا، اس خروج کی اجازت اگر اسلام سے مطلوب ہے تو اسلام ایسی سیاحت عاریات (برائے نام لباس والی مگر حقیقت ننگی) پر لعنت بھیجتا ہے اور انہیں عذابِ جہنم کی وعید سناتا ہے۔

یہی حال حج کے علاوہ نماز یا جماعت کا ہے جو افضل ترین عبادات میں سے ہے صحابیؓ

کی خواہش ہوتی کہ جماعت میں شریک ہوں۔ مسجد نبوی کی نماز اور حضور اقدسؐ کی اقتداء میں باجماعت نماز، کہ ساری متاع کائنات اس کے سامنے بیچ، اس سے بڑھ کر سعادت کیا ہو سکتی ہے۔ نفسی اجازت تو دی گئی مگر یہاں بھی قیودات کے ساتھ کہ ماحول اور زمانہ فساد کا نہ ہو عورت کی عزت اور عصمت خطرہ میں نہ ہو۔ اور خواتین سر سے پاؤں تک ڈھکی بھنپی ہوں جس کی طرف ”متلفعات بسر و طہق“ میں یہی اشارہ ہے۔ اور صفوں میں بھی ان کی صفت سب سے آخر میں ہوں۔ کہ سب سے آخر میں آکر سب سے پہلے چلی جائیں، اس طرح مردوں اور عورتوں کی نگاہوں کے تصادم کی نوبت ہی نہ آئے۔ اور بعض فقہاء و آئمہ نے تو جماعت میں مردوزن کے محاذات کو مفید نماز قرار دیا۔ غرض طرح طرح کی رکاوٹیں اس معاملہ میں بھی ملحوظ رکھی گئیں۔

ایک صحابیؓ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا گھر کی کوٹھڑی میں تمہارا نماز ادا کرنا اس نماز سے افضل ہے جو تم گھر کے دالان میں پڑھو۔ اور گھر کے برآمدہ میں نماز اس نماز سے افضل ہے جو تو گھر کے صحن میں ادا کرے۔ اور گھر کے صحن میں جو نماز پڑھے وہ مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ اور گھر کی اس نماز کی یہ افضلیت اس مسجد کی نماز پر دی گئی جہاں کی ایک نماز دیگر مسجد کی نماز پر ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ اور پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقتداء میں نماز کہ دنیا و آخرت کی ساری دولتیں اس کے سامنے بے وقعت ہیں۔ اور وہ اس عہد سعادت میں جب کہ عفت و تقویٰ کا چار سو دور دورہ تھا۔ اور سلیم و انقیاد کی کیفیت خود عورتوں میں بھی ایسی تھی کہ آیت حجاب کے نازل ہونے پر جس خاتون نے راہ چلتے ہوئے اعلان حجاب سنا، اس کے وہیں قدم جم گئے۔ جو جہاں تھیں وہیں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئیں اور دوسرا قدم تب اٹھایا کہ اپنے آپ کو چادر میں چھپا لیا تھا۔ مسجد جانے کے ضمن میں اجازت بھی دی گئی تو ایک آیت

میں اسے رات کی تاریکی سے مقید کر دیا گیا کہ جانا بھی چاہیں تو تاریکی شب میں جانا بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں فرمایا کہ جب مسجد جانے کا قصد کرے تو خوشبو نہ لگائے بلکہ ممانعت بھی وارد ہوئی کہ جو عورت خوشبو لگائے وہ ہمارے ساتھ نمازِ عشاء میں شرکت نہ کرے۔ خوشبو کے علاوہ ایسا بناؤ سنگھار بھی منع ہے جو مسجد میں نمازیوں کے لئے فتنہ سامانی کا باعث بن جائے۔ فرمایا ولینضر جن تفلات مسجد جانے کے لئے میلی کچیلی ہو کر نکلیں یعنی بناؤ سنگھار اور میک اپ کر کے نہ نکلیں پھر خوشبو کی یہ ممانعت مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جہاں بھی گھر سے باہر نکلے ایسی کوئی خوشبو لگانے سے احتراز کرے جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ بنے، ایسی عورت کو جو خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے زانیہ کہا گیا ہے۔  
فہی کذا و کذا۔

باہر نکلنے کے دوران یہ قید بھی لگانی گئی ولینضر بن بخمرھن علی جیو بہن لمی چادریں اپنے سینوں پر ڈھانپ دیں۔ عورت اگر بچے والا زبور پہننے ہوئے ہے تو چلتے ہوئے اسے بجا بجا کر نہ چلے کہ لوگوں کو مخفی زبور کا علم ہو سکے یا اس کے بچنے کی آواز سے لوگوں کو اس طرف رغبت ہو۔ ولایضر بن بارجلہن۔ الایۃ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عورتوں کو اجنبیوں پر سلام کرنا نہیں نہ اس پر اجنبی مردوں کے سلام کا جواب دینا ہے۔ تمدن و تہذیب کے نام سے عورتوں کو کلیوں اور مخلوط مجالس میں کھینچ کر لانے والوں کو اس میں سبق ہے کہ حضور علیہ السلام نے عورتوں کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مردوزن کے اختلاط کے مقامات میں سے ہے۔ اور ایسی تمدنی معاشرت اور سہولت صاحب شریعت کو گوارا نہ تھی عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے روک دیا گیا۔

صرف علمی مہین بلکہ خیالی اور تصوراتی تحدیدات | اسی طرح عورت کی ایسے مناصب اور اسامیوں پر تقرری ممنوع کر دی گئی جن میں مردوں سے اختلاط اور روبرو ہونا یا خلوت کے مواقع کی فراہمی



ناگذیر ہے۔ حکومت و ریاست ولایت عامہ قضاہ اور عدالتوں کے کاموں سے انہیں روک دیا گیا۔ یہ تحدیدات صرف تمدنی، معاشرتی، عملی اور علمی حد تک نہ تھیں بلکہ خیالات اور تصورات تک ہیں۔ حیا و عفت کی نگہداشت کی گئی۔ مرد کا عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کو کسی نے ناجائز اور کسی نے مکروہ تنزیہی کہا کہ کہیں خیالات کا سلسلہ وضو سے گناہ تک نہ پہنچ جائے اور جو عمل تطہیر ذنوب و آثام کا ذریعہ تھا موجب آثام نہ بننے پائے۔ جنازہ میں امام عورت کے سینہ سے قدرے ہٹ کر کھڑا ہو گا گو اس پر ڈولی اور پردہ ہی کیوں نہ ہو کہ تصور محاسن مرأتہ کی طرف منتقل نہ ہونے پائے، امام جماعت مقتدیوں کے اقتدار کی نیت کرے گا۔ مگر خاص طور پر عورتوں کی نیت نہیں کرے۔ اسی طرح سلام پھیرتے وقت عورتوں کی نیت نہیں کی جائے گی۔ کہ آغاز یا انجام نماز تصورات بد کا ذریعہ اور ناجائز حفظ نفس کا موجب نہ بن جائے۔

کیا پردہ حبس بے جا ہے؟ آج کہا جا رہا ہے کہ عورتوں کا گھر میں بند رہنا گویا انہیں قفس میں قید رکھنا ہے۔ اور یہ حبس بے جا "مساواتی دور میں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس طرح گھروں میں بیٹھے رہنے سے عورتوں کی صحت خراب ہوتی رہتی ہے۔ حالانکہ عورت کا اپنی مرضی اور طبعی و فطری تقاضوں سے گھروں میں بیٹھنا، جبکہ وہ دینی و دنیوی ضروریات کے لئے شرائط اور قیود کو ملحوظ رکھتے ہوئے نامائش زینت اور ذریعہ فواہش بننے سے محترز رہتے ہوئے گھر سے باہر آ جاسکتی ہے۔ اور گھر کی چار دیواری اس کے لئے ہزار ہا خطرات اور مصائب سے تحفظ کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ ہرگز قید یا اذیت نہیں بلکہ عین راحت اور نعمت ہے۔ اگر گھر میں اپنی مرضی سے بیٹھے رہنا قید ہے تو پھر تو مردوں کا بھی زیادہ تر وقت گھروں میں رہتا ہے۔ انہیں بھی جبراً نکال دیا جائے۔ پھر بلا ضرورت آوارہ گردی کرنا تو مردوں کے لئے بھی معیوب ہے۔

مرد اور عورت کا دائرہ کار | تو اصل معاملہ خلتی اور جبلتی تقاضوں کی وجہ سے تقسیم کار ہے۔ مرد باہر نکلتا ہے تو عورت اور اس کے بچوں کی خاطر ہزاروں پریشانیوں اور مصیبتوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، ورکشاپوں میں فیکٹری اور کانوں میں پسینہ سے سرابور اپنا خون جلا رہا ہے۔ کہیں مزدوری اور کاشتکاری میں مقید و محصور ہے، کہیں دفتر کے ایک چھوٹے سے کونے میں صبح سے شام تک ساری زندگی ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح عورت کے ذمہ امور خانہ داری کی انجام دہی، بچوں کی تربیت و حفاظت، گھر کی نگہداشت کرنا ہے، وہ گھر کی اسپر نہیں، رونق خانہ اور نور منزل ہے۔ نئی تہذیب ظلم اور قید کے نام پر نپلا ہر چند بات ترحم ابھار کر اسے باہر کی ناقابل برداشت ذمہ داریوں اور صعوبتوں کی خار دار زندگی میں کھینچ کر اپنی فطری ذمہ داریوں کو اس کے سر منڈھنا چاہتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ گلیوں، کوچوں میں بازاروں اور فیکٹریوں میں اپنے لئے ذریعہ تعیش پیدا کیا جاتا ہے۔ ایک طرف تو قید کا یہ استدلال اور دوسری طرف اسی سانس میں کہہ دیا جاتا ہے کہ پاکستان کی زیادہ تر آبادی دیہات میں پر دے کی پابند نہیں اور اپنے خود ساختہ استدلال کی نفی کر دی جاتی ہے۔

گھر میں بیٹھنا قید نہیں راحت و نعمت ہے | اگر آرام و راحت اور جان و آبرو کے ایک گوشہ راحت میں زندگی بسر کرنا قید ہے تو شہروں کے ان لاکھوں کروڑوں عوام کی زندگی کیا ہے جو ہزاروں مسائل کی چکی میں پستے ہوئے ایک ہی شہر میں جیات مستعار ختم کر دیتے ہیں۔ ہر قسم کی آسائشوں سے محروم پانی کی قلت، خوراک کا فقدان، اور اب شہری فضاؤں کی آلودگی کی وجہ سے ہوا جیسی عام نعمت کو بھی ترسنے لگے ہیں۔ اگر یہ سب قید ہے اور قید سے بھی بدتر، تو پھر تو ساری شہری آبادی کو جنگلوں کی طرف دھکیل دیا جائے کہ وہ آزاد فضاؤں اور جنگلوں میں آزاد ہو کر گھومتی پھرے۔ اور اگر یہ سب کچھ قید و حبس نہیں تو عورتوں کو

اپنی اختیار اور غربت اور فطرت کی بنا پر گھروں میں رہنا بھی قید نہیں۔  
 پردہ نہیں بے پردگی خرابی صحت کی باعث ہے | پھر عورتوں کی خرابی صحت کا روزانہ رویا جاتا  
 ہے۔ حالانکہ ہمارے ملک میں خرابی صحت کی شرح میں اضافہ کے اسباب وہی ہیں جو صرف  
 عورتوں کے نہیں مردوں، بڑوں بوجڑوں اور بچوں سب کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں۔  
 ضروریات زندگی سے اکثریت استحصالی ہنڈکنڈوں کی وجہ سے محروم رہتی ہے۔ کوئی غذا  
 خالص نہیں ملتی۔ نہ سر پھپھانے کے لئے موزوں مکان، نہ سردی دگرمی سے بچنے کے لئے  
 مناسب لباس، پانی اور ہوائ تک جب خالص میسر نہ ہو سکے تو صحت کی شرح کیسے بہتر ہو  
 سکتی ہے، چاہیے یہ کہ حفظان صحت کے اصل اسباب تلاش کئے جائیں، اور لوٹ کھسوٹ  
 کے اس کاروبار میں کمی کی بجائے جس کی وجہ سے عوام مصائب اور فاقہ کشی کی دلدل میں پھنستے  
 جا رہے ہیں طبی سہولتوں بالخصوص عورتوں کے علاج معالجہ کی طرف توجہ دی جائے  
 اگر عورتوں کا گھروں میں بیٹھنا بربادی صحت کا ذریعہ ہے۔ تو ایسے ان مخلوط اور بے حیا اور  
 بے حجاب ملکوں کا حال بھی دیکھتے چلیں جہاں عورت اتنی آزاد ہے کہ ہفتوں اسے گھر کی دہلیز  
 دیکھنا نصیب نہیں، موتی۔ وہاں جب عورت باہر قدم رکھتی ہے تو ہزاروں پریشانیوں،  
 اور خطرات سے جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں اور الجھنوں میں مبتلا ہو جاتی ہے، یورپ کے  
 آٹھ دن کے ہزاروں نوع بنوع جتنی، اعصابی، نفسیاتی اور ذہنی و دماغی امراض اور  
 اموات کی شرح میں اضافہ کی رپورٹیں پڑھیے۔ تفریح گاہوں اور کلبوں کی زندگی نے  
 یورپی اقوام کی صحت کو سرطان لگا دیا ہے۔ ایسے جنسی امراض کا دور دورہ ہے جس کا  
 نام و نشان بھی اس سے پہلے نہ تھا۔ ہزاروں لاکھوں عورتیں اسقاط حمل اور متعلقات حمل  
 کی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ فیکٹری اور دفتر کی ملازمت نے اس کی صحت گرا دی ہے۔  
 وہ بچوں کی پرورش کے قابل نہیں رہی وہ والدین اور شوہر کی خدمت نہیں کر سکتی۔ اس



پرسٹیریا کے دورے پڑتے ہیں، وہ ذہنی خلفشار میں مبتلا، موتی جا رہی ہے۔  
نظر بازی، ذہنی انتشار اور فسادِ معاشرہ کا ذریعہ | پھر عورت کا گھر سے یہ بے تحاشا صرف  
 اس کی صحت کی تباہی کا موجب نہیں بنتا۔ بلکہ پورے معاشرہ کے سقم اور بیماری کا ذریعہ  
 بنتا جا رہا ہے۔ وہ بدھ سے گزرتی ہے بے شمار نگاہوں کا نشانہ بنتی ہے، ایک  
 مرد راستہ میں چلتے ہوئے ایک سے ایک جاذبِ نظر چہرہ دیکھتا ہے۔ اسے دفتر  
 میں کارخانوں میں بے حجابانہ اختلاط اور بات چیت کے مواقع ملتے ہیں، اور یہ نظر بازی  
 اس کے اپنے گھریلو نظام کو ہلا دیتی ہے، ذہنی انتشار، فاسد خیالات کا، ہیجان جنسی  
 اور جذباتی تلاطم، محبت و عشق کی آفتیں۔ الغرض یہ سب کچھ اس کے ذہنی اختلال،  
 قلبی پریشانی اور اعصاب کے کچھاؤ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پھر دل کی بیماری جلیسی اور  
 اخلاقی بیماریوں، ضعفِ بصارت، دماغی عدم توازن، بلڈ پریشر اور اعصابی امراض کی  
 شرح کا کسی پردہ دار معاشرہ سے موازنہ کر کے خود فیصلہ کر لیجئے۔

تعلیم کے لئے بے پردگی | پھر کہا جاتا ہے کہ عورت کو تعلیم کی ضرورت ہے، اور  
 اقتصادی حالات جداگانہ تعلیم کے متحمل نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سی تعلیم تھی جسے  
 عورت کے لئے بھی ضروری قرار دیا گیا تھا۔ عورت کے لئے اسلام کا تصورِ تعلیم  
 قطعی وہ نہیں جو یورپ کی پیداوار ہے۔ وہ اس سے دفتر، کارخانہ اور فیکٹریوں  
 کے فرائض نہیں وابستہ کرتا کہ اس کے لئے وہ عورت کو کلرک، انجینئر یا مزدور بنانے  
 اسلام کی تعلیم عورت کو ایک باسلیقہ، وفا شعار، مہذب اور باجبا ذات بنانے کے لئے  
 ہے۔ وہ اس تعلیم کو اہمیت دیتا ہے جو عورت کو خدا و رسول، شوہر اور خاندان کے  
 حقوق اولاد کے حسن تربیت سے باخبر کر دے اور اس کی گود بچوں کی اولین تربیت گاہ  
 ثابت ہو سکے۔ اس تعلیم کے لئے یہ ہرگز لازم نہیں کہ وہ مخلوط درس گاہوں اور بے حجابانہ

ہاسٹلوں میں گوہر حیا کی نیلامی کرتی پھرے۔

الغرض وہ تعلیم جو بے پردگی کا باعث ہو، شریعت اور اسلام اس کا حکم نہیں دیتا۔ بے پردگی اگر اخلاق و معاشرت، صحت جسمانی و روحانی اور حسن سیرت کے لئے تباہ کن ہے۔ تو جس تعلیم کے ذریعہ بے پردگی پھیلے گی شریعت ہرگز اس کی روادار نہ ہوگی، پھر تعلیم نسواں کی تاریخ دیکھئے، جب ظہور اسلام کے بعد حجاب اور عفت و عصمت کا دور دورہ ہوا اور ثورت پر وہ نشین ہو گئی تو اسلامی تاریخ میں تعلیم دین اور علوم و فنون سے آراستہ وہ خواتین نکلیں جن کے علوم سے خانہ نشینی کے باوجود ایک دنیا مستفید ہوتی رہی۔ پس اگر مفاسد اور موجبات فحشاء کے بغیر شرعی حدود پر وہ میں رہ کر مسلمان خواتین علم و فضل میں ایک نمونہ پیش کر سکتی ہیں تو مغرب کے بے حیا، عہد جاہلیت میں جو عورتیں باہر نکل بھی آئیں تو اسلامی علوم و فنون اور تعلیم اخلاق و تربیت معاشرہ میں کوئی ایک نمونہ بھی اس عہد جاہلیت نے پیش کیا، علم حیا سے حاصل ہوتا ہے۔ بے پردگی سے جب آنکھوں کا پانی اتر گیا تو علم حقیقی اور علمی و سنیت بھی فنا ہو گئی، نئے دور کے علم نے مردوں کو کیا دیا، سوائے چند انگریزی نظام کے پرزوں کے۔ ہم اس تعلیم جدید کے لئے خواتین کی عظمت و حرمت بھی قربان کر دیں۔

الغرض پردہ کا حکم نہ فرسودہ روایات (معاذ اللہ) میں سے ہے نہ کسی رسم و رواج کی پیداوار، اسلام عصمت و عفت کا محافظ ہے، وہ فحشاء اور منکرات کا ہرگز روادار نہیں۔ جہاں بھی فحشاء اور فواحش کے احتمالات زیادہ ہوں گے۔ پردہ کے احکام میں اتنی ہی شدت پیدا ہوگی۔ اور جہاں فحشاء کا احتمال نہ ہوگا۔ عصمت و عفت کے پھرے سخت ہوں گے۔ وہاں اس میں نرمی اور وسعت پیدا ہوگی۔

ماڈرن بننے کے شوقین | پس جو لوگ مصلح اور ماڈرن ریفارمر بننے کے شوق میں اسلام کے

ایک مضبوط نظام کو نشانہ بنانا چاہیں وہ ایسی "اصلاحات" کا انجام یورپی اقوام میں دیکھیں کہ وہ بے پردگی اور فحاشی کے ہاتھوں کس قدر مذلت میں پہنچ چکا ہے۔ پھر انہیں عالم اسلام کے اس قسم کے نام نہاد مصلحین سے سبق لینا چاہیے جنہوں نے ترکی وغیرہ میں تقلید یہود و نصاریٰ کی خاطر اسلام کے ایک مستحکم نظام کو متزلزل کرنا چاہا، اور ان کا یہ اقدام ایک طرف قوم کی معاشرتی، اخلاقی قدروں کی بربادی اور دوسری طرف "مصلحین" ابدی ذلت اور مسلمانوں کے قلوب کی نفرت و ملامت کے مستحق بنے۔ (مئی ۱۹۶۴ء)







۲۹۸



# باب الوضوء

## وضو کے مسائل



**سوال :-** وضو شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے کا حکم کیا ہے؟ اگر ایک شخص وضو کی ابتداء میں

قصداً یا سہواً بسم اللہ نہ پڑھے تو وضو پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** وضو شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا سنت ہے اگر کسی سے بسم اللہ عمداً یا سہواً رہ جائے تو وضو پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا تاہم بار بار جان بوجھ کر ترک کرنا موجب ملامت ہے۔

قال المحصن فی باب سنن الوضوء والبدءة بالتسمیة قرأ من سنن الوضوء  
والمختار علی صدر المختار ج ۱ ص ۱۸۰ وایضاً قال وتترك السنة لا یوجب فساداً ولا سہواً بل  
اساءة لو عامداً غیر مستتغف وقالوا الا ساءة ادون من الکراهة۔ والدم المختار ج ۱ ص ۲۴۳

**سوال :-** مسواک سے عموماً دانتوں کی صفائی مقصود ہوتی ہے  
موجودہ دور میں برش سے یہ فائدہ اچھے طریقہ سے حاصل ہوتا ہے

کیا یہ مسواک کا نعم البدل ہو سکتا ہے؟ یعنی برش کے استعمال سے سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

**الجواب :-** دانتوں کی صفائی بلا شک مسواک کے فوائد میں سے ایک اہم فائدہ ہے  
لیکن مسواک کا استعمال صرف دانتوں کی صفائی کے لیے نہیں، بنیادی عنصر اس میں سنت رسول  
کا اتباع ہے، برش میں وہ خصوصیات اور صفات نہیں پائی جاتیں جو مسواک میں موجود ہوتی  
ہیں اس لیے اس سے سنت ادا نہ ہوگی، تاہم برش کا نفس استعمال جائز ہے۔

لہ قال ابن نجیم: فی سنن الوضوء (قوله کالتسمیة) ای کما ان التسمیة سنة فی الابتداء  
مطلقاً؟ والبحر الرائق ج ۱ ص ۱۸۰، ومثله فی الہندیة ج ۱ ص ۱۸۰ الفصل الثانی فی سنن الوضوء۔

قال ابراهيم الحلبي: ثم المستحب ان يكون المسواك من شجرة مرة لزيادة  
ازالة تغير الفم قالوا وليستاك بكل عود الا الرومان والقصب و افضله الاراك ثم  
الزيتون و ان يكون طوله شبرا في غلظ الخنصر<sup>۱</sup> ركبيري - آداب الوضوء ص ۳۱  
مسواک نہ ہونے کی صورت میں | سوال :- اگر کسی شخص کے پاس مسواک نہ ہو یا مسواک  
کیا انگلی قائم مقام ہو سکتی ہے؟ کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہو تو ایسی صورت میں انگلی  
مسواک کا قائم مقام ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر مسواک میسر نہ ہو یا منہ میں دانت نہ ہوں یا اس کے استعمال سے کسی  
تکلیف اور ضرر کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں انگلی مسواک کا قائم مقام بن سکتی ہے۔

قال ابن عابدین: قال في الحلیة ثمر باي اصبع استاك لا باس به و افضل ان  
يستاك بالسبابة يبداء بالسبابة اليسرى ثم باليمنى وان شاء استاك بالبهامه  
اليمنى والسبابة اليمنى بالابهام من الجانب الايمن فوق وتحت ثمر بالسبابة اليسرى  
كذلك<sup>۲</sup> رد المحتار على الدر المختار - سنن الوضوء ج ۱ ص ۱۱۵

مسواک چبانے کا حکم | سوال :- مسواک استعمال کرتے وقت اگر مسواک نرم کرنے  
کے لیے دانتوں سے چبایا جائے تو کیا از روئے شرع یہ  
عمل جائز ہے؟

الجواب :- مسواک کو دانتوں سے باریک کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں اور سنت  
کی ادائیگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ طبی لحاظ سے مسواک کے چوسنے سے قوتِ بینائی متاثر  
ہو سکتی ہے اس لیے مسواک کا چوسنا مناسب نہیں۔

كما اخرج البخاري عن عائشة.... فاخذت السواك فقضته ونفضته  
وطبته ثم دفعته النبي - صحيح بخاري ج ۲ ص ۶۳۸ باب وفات النبي قال المحصني<sup>۳</sup>

۱ قال ابن عابدین: (قوله السواك) بالكسر يعني العود الذي يستاك به. (رد المحتار ج ۱ ص ۱۱۳ سنن الوضوء)

وفي أيضاً، وليستاك بكل عود الا الرومان والقصب و افضله الاراك ثم الزيتون -

۲ قال ابن نجيم: وتقوم الاصبع او الخرقه الخشنة مقامه عند فقد او عدم اسانه في تحصيل  
الثواب لا عند وجوده - البحر الرائق، سنن الوضوء ج ۱، ومثله في الزيلعي، سنن الوضوء ج ۱ ص

ولا يمسح فانه يورث العمى - رالدر المختار على صدر مرآة المختار - سنن الوضوء ج ۱ ص ۱۵۲  
**سوال :-** آجکل عام عورتیں ناخن پالش لگاتی ہیں  
**ناخن پالش کی موجودگی میں وضو کا حکم** کیا ناخن پالش کی موجودگی میں وضو اور غسل پر کوئی

اثر پڑتا ہے؟

**الجواب :-** ناخن پالش جدید دور کا مسئلہ ہے اس کیلئے مستقل جزیئہ کسی قدیم کتاب  
 میں نہیں ملتا ہے، موجودہ دور کے نامور علماء ناخن پالش کے عدم جواز کے قائل ہیں، کیونکہ  
 ناخن پالش سے ناخن کا جسم مستور ہو کر وضو اور غسل میں اس کو پانی پہنچنا ممکن نہیں رہتا، اس لیے  
 گوندھے ہوئے آٹے کی طرح مانع وضو اور غسل ہے۔

لیکن بعض دوسرے علماء کے نزدیک ناخن پالش اگر عورت کی زینت مان لی جائے تو پھر  
 ایسی صورت میں اگر ازالہ میں دشواری نہ ہو تو وضو اور غسل کے لیے ازالہ ضروری ہوگا اور اگر ازالہ  
 میں حرج ہو لیکن اس کی تہہ نہ بنی ہو تو پھر اس کا حکم ہندی کی طرح ہوگا اور تہہ بن جانے کی صورت  
 میں اس کے ازالہ میں حرج ہو تو موجب حرج ہونے کی وجہ سے پانی کا ایصال ضروری نہیں۔

قال المحسني: ويجب اى يفرض غسل كل ما يمكن من البدن بلا حرج مرآة وبعد  
 اسطره ولا يمنع ما على ظفر صباغ ولا طعام بين اسنانه اوفى سنه المجوف به ليفتى  
 وقيل ان صلبا منع وهو الاصح - رالدر المختار على صدر مرآة المختار، ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۲  
 تاہم موجودہ وقت میں یہ مغربی ثقافت کا ایک جزء سمجھا جاتا ہے اس لیے معزز گھرانوں  
 کی خواتین کے لیے اس سے اجتناب ضروری ہے، لہذا محققین علماء کے نزدیک ناخن پالش،  
 وضو اور غسل پر اثر انداز ہوتی ہے۔

**سوال :-** وضو میں گردن کا مسح کسی روایت سے ثابت ہے یا  
**وضو میں گردن کا مسح** نہیں؟ بصورت ثبوت فقہاء کے نزدیک اس کا کیا درجہ ہے؟

لہ اخرجہ الزیلعی عن عائشہ قالت ..... فاخذت السواك فقضمتہ ويطبتہ ثم دفعتہ الى  
 رسول اللہ - رنصب الراية ج ۱ ص ۱۸۱ - احادیث السواك قال الشيخ عبدالحی الكهنوی: لا یصح  
 السواك فانه یورث العمی - رالسعاية ج ۱ ص ۱۱۹ - باب سنن الوضوء ومثله فی مرقاة شرح  
 مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۳۹ - باب وفات النبی الفصل الاول۔



**الجواب:** گردن کے مسح کے بارے میں متعدد روایات آئی ہیں جن میں موقوف روایات کے علاوہ مرفوع روایات بھی ہیں۔

لما ذكر العلامة العيني عن ابن عمر ان النبي قال من توضأ ومسح عنقه لم يغسل  
بأغلال يوم القيامة - ر البناية شرح الهداية ج ۱ ص ۱۸۸ باب الوضوء  
البتة فقهاء کے نزدیک تعین حکم میں اختلاف ہے بعض علماء اس کی سُنیت کے قائل ہیں  
لیکن صاحب الخلاصہ نے استحباب کو ترجیح دی ہے اور صاحب کمنز نے بھی اس کو مستحب و ضو  
میں ذکر کیا ہے۔

قال ابن نجيم: وقيل سنة وهو قول الفقيه ابي جعفر وبه اخذ كثير من العلماء  
كذافي شرح مسكين وفي الخلاصة الصحيح انه ادب وهو بمعنى المستحب - ر البحر الرائق  
مستحبات الوضوء ج ۱ ص ۲۸

**سوال:** سر پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟  
**الجواب:** سر پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ  
سر کے ابتدائی حصہ پر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور انگلیاں رکھ کر گردن تک ایسے طریقے  
سے لے جائے کہ اس سے تمام سر کا احاطہ ہو۔

قال العلامة محمد امين: واكلاظهران يضع كفيه واصابعه على مقدم راسه ويمدهما الى التقاء  
على وجه يستوعب جميع الرأس - رد المحتار على الدر المختار - سنن الوضوء ج ۱ ص ۱۳۱

لہ عن وائل بن حجر: قال شهدت النبي وأبي بانه إذا كفأ على يمينه ثلاثاً ثم غس يمينه في  
الماء فغسل بها ذراعه اليمنى حتى جاوز المرفق ثلاثاً ثم غسل يساره ثلاثاً حتى جاوز المرفق  
ثلاثاً ثم مسح على راسه ثلاثاً وظاهراً أذنيه وظاهر رقبتة - ر نصب الرأية ج ۱ ص ۱۳۱  
وقال صاحب التنوير في مستحبات الوضوء ومسح الرقبة - وقال ابن عابد بن  
ر تحت قوله ومسح الرقبة) هو الصحيح وقيل انه سنة - رد المحتار على الدر المختار  
مستحبات الوضوء ج ۱ ص ۱۳۱) ومثله في السعاية ج ۱ ص ۱۳۱ باب مسح الرقبة -

لہ قال ابن نجيم: قال الزليعي تكلموا في كيفية المسح واكلاظهران يضع كفيه واصابعه... الخ  
ر البحر الرائق، سنن الوضوء ج ۱ ص ۱۳۱) ومثله في الهندية ج ۱ ص ۱۳۱ الفصل الثاني في سنن الوضوء

**وضو کرتے وقت داڑھی ترک کرنے کا حکم | سوال :-** وضو کرتے وقت چہرہ دھونے کی حالت میں داڑھی کا کیا حکم ہے؟ کیا پوری داڑھی دھونا ضروری ہے یا بعض حصہ پر اکتفاء درست ہے، نیز گھنی اور ہلکی داڑھی کے درمیان فرق ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** واضح ہو کہ داڑھی کی دو قسمیں ہیں، گھنی اور ہلکی، اگر بالوں سے چہرے کی کھال نظر آتی ہو تو ایسی داڑھی ہلکی شمار ہوتی ہے اور جس داڑھی میں چہرے کی کھال مستور ہو تو اس کو گھنی داڑھی کہا جاتا ہے۔ اول الذکر یعنی ہلکی داڑھی کا دھونا فرض ہے یہاں تک کہ جو کھال نظر آتی ہو اس کا دھونا بھی فرض ہے اور گھنی داڑھی میں چہرے کی حدود میں جو داڑھی واقع ہو اس کا دھونا فرض ہے اور جو داڑھی ٹنکی رہے اس کا دھونا نہیں بلکہ صرف مسح ضروری ہے، قال المحقق: تحوّل خلاف ان المسترسل لا یجب غسله ولا مسحه بل یسق، وان الخفیة التي تری بشرتم یجب غسل ما تحتها۔ وقال ابن عابدین: (تحت قوله المسترسل) ای الخارج عن دائرة الوجه، وفسره ابن حجر فی شرح المنہاج بما لومد من جهة نزوله، لخرج عن دائرة الوجه، قال المختار علی الدر المختار۔ فرائض الوضوء امتداداً لہ

**خضاب والی داڑھی پر وضو کا حکم | سوال :-** بالوں پر خضاب لگانے سے حقیقت میں پردہ آجاتا ہے، کیا اس سے وضو پر اثر پڑتا ہے؟

**الجواب :-** بالوں پر خضاب لگانے سے کوئی تہہ نہیں بنتی اس لیے ایسے رنگ کی موجودگی میں وضو اور غسل پر کوئی فرق نہیں پڑتا، جیسا کہ رنگ ریز کے ہاتھوں پر کپڑے کو رنگ دیتے وقت رنگ کا لگ جانا مانع وضو اور غسل نہیں۔ البتہ اگر بدن کے کسی ایسے حصہ پر جس کا دھونا ضروری

لہ قال فی الہندیۃ: وروی عن ابی حنیفۃ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ انہ یجب امر الماء علی ظاہر اللحیۃ ہوا لاصح کذا فی التبیین وهو الصحیح لکن ذی الزاہدی والشعر المسترسل من الذقن لا یجب غسلہ کذا فی المحيطین۔ والہندیۃ ج ۱ کتاب الطہارۃ۔ الباب الاول۔ ومثلہ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۰۔ فرائض الوضوء۔



ہو جیسے لکڑی والا رنگ (پینیٹ) لگ گیا ہو تو اس سے تہہ بن جانے کی وجہ سے پانی کا پہنچنا ممکن نہیں اس لیے اس کا ہٹانا ضروری ہے اور اس کی موجودگی میں وضو بھی درست نہیں۔

قال المحصن: ولا يمنع ما على ظفر صباغ ولا طعام بين اسنانه اوفى سنه  
المجوف به يفتى وهو الاصح - ( الدر المختار على مدارد المحتار ج ۱ ص ۱۵۲ اجازات الغسل لہ

**سوال :-** وضو مکمل کرنے کے بعد آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

**الجواب :-** وضو مکمل کرنے کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا مقصود بالذات نہیں بلکہ سنون دعائیں پڑھتے وقت ادب یہ ہے کہ آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی جائے۔

قال ابن عابدین: وان يقول بعد فراغه سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرک واتوب اليك واشهد ان محمداً عبدك ورسولك ناظرًا الى السماء؟ (رد المحتار على الدر المختار مندوبات الوضوء ج ۱ ص ۱۲۸) ۲

**سوال :-** ایسا وضو جس سے کوئی عبادت نہ ہوئی ہو تو عبادت کے بغیر وضو کا حکم ایسی حالت میں دوبارہ وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** وضو علی الوضو بالاتفاق جائز ہے، البتہ اگر ایک دفعہ کیے ہوئے وضو سے کوئی ایسی عبادت ادا نہ کی جائے جس کے لیے وضو شرط ہو تو ایسی صورت میں وضو کرنا بہت خالی نہیں۔

قال ابن عابدین: وفي شرح المنية فاذا لم يؤد به عمل متا هو المقصود من شرعيته كالصلاة وسجدة التلاوة ومس المصحف ينبغي ان لا يشرع تكراراً قربة لكونه غير مقصود لذاته - (رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۱۱۹ مطلب في الوضوء) ۳

لہ قال العلامة الشرنبلالی: ولا ما على ظفر الصباغ من صبغ للضرورة وعليه الفتوى  
مرآة الفلاح على صدر الطحاوی منہ فصل فی تمام اقسام الوضوء ومثله فی  
مُنِيَّة المصلي ص ۲۳ ۴ قال العلامة الكاشغري: بعد ما ذكر الادعية الماثورة  
ناظرًا الى السماء؟ (مُنِيَّة المصلي ص ۱۷ سنن الوضوء) ۳ قال ابراهيم الحلبي  
فاذا لم يؤد به عمل متا هو المقصود من شرعيته كالصلاة وسجدة التلاوة  
ومس المصحف ينبغي ان لا يشرع تكراراً قربة... الخ (كيسري، سنن الوضوء ص ۲۶) ۴



**وضو میں ایک ہاتھ سے منہ دھونے کا حکم** | سوال۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ وضو کرتے وقت چہرے کو ایک ہاتھ سے دھوتے ہیں، جس میں پانی

کافی عرصہ اور بسا اوقات استیعاب میں بھی خلل آجاتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟  
**الجواب:**۔ وضو میں منسولہ اور مسومہ اعضاء کا استیعاب مننون ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ دھویا ہے لہذا ایک ہاتھ سے چہرہ دھونا خلاف سنت ہے۔

لما قال الامام محمد اسماعیل البخاری: باب غسل الوجه باليدین من غرفة واحدة: عن ابن عباس انه توضأ وجهه اخذ غرفة من ماء فتمضمض بها واستنشق ثم اخذ غرفة من ماء فجعل بها هكذا اضا فيها الى يد الاخرى فغسل بها وجهه الخ۔ (الجامع الصحيح البخاری ج ۱ باب غسل الوجه باليدین من غرفة واحدة) ۲۶  
**گلے کے مسح کا حکم** | سوال:۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ گردن کے مسح کے ساتھ گلے کے مسح بھی کر جاتے ہیں، کیا گلے کا مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟  
**الجواب:**۔ آداب وضو میں گردن کا مسح شامل ہے، حلقوم (گلے) کا مسح اسلاف میں سے کسی سے ثابت نہیں، اس لیے گلے کا مسح کرنا بدعت ہے۔

لما قال ابن نجيم: والثاني مسح الرقبة وهو بظهور اليدین واما مسح الحلقوم فبدعة۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۱ کتاب الطهارة) ۲۷

**وضو میں ہاتھ دھونے کی ابتداء انگلیوں کی طرف سے کرنا سنت ہے** | سوال:۔ ہمارے

وضو کے دوران ہاتھوں پر انگلیوں کی طرف سے پانی بہاتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

لما قال الشيخ ظفر حمد العثماني: چہرہ ایک ہاتھ سے دھونا اور سر کا مسح ایک ہاتھ سے کرنا خلاف سنت ہے۔ (امداد الاحکام ج ۱ ص ۳۲۷ فصل فی سنن الوضوء و آدابہ و مکروہاتہ)  
 ۲۸ قال الحصكفي: ومسح الرقبة بظهور يديه لا الحلقوم لانه بدعة۔  
 الدر المختار على صمد رد المحتار ج ۱ ص ۱۲۲ مستحبات الوضوء  
 ومثله في الهندية ج ۱ ص ۸ الفصل الثالث في المستحبات۔

**الجواب :-** وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت ایک مرتبہ دھونا فرض ہے اور تین مرتبہ دھونا سنت ہے، اسی طرح دھونے کی ابتداء انگلیوں کی طرف سے کرنا بھی سنت ہے۔

لما فی الہندیۃ: ومن السنن البدایۃ من رؤس الاصابع فی الیدین والرجلین۔  
الہندیۃ ج ۱ ص ۱۰۱ الفصل الثالث فی المستحبات ص ۱۰۱

**سوال :-** وضو کھڑے ہو کر کرنا چاہیے یا بیٹھ کر؟  
**الجواب :-** وضو بیٹھ کر کرنا چاہیے، اس لیے کہ وضو کے آداب میں یہ بات ہے کہ وضو بیٹھ کر کیا جائے۔

ومن آداب ان یجلس المتوضی مستقبل القبلة عند غسل سائر الاعضاء  
ومن آداب ان یکون جلوسہ علی مکان مرتفع۔

(حلی کبیر ج ۱ ص ۳۱۰ باب الوضوء ص ۲۰)

**سوال :-** سردی کے مہینوں میں اعضاء وضو بہایا جائے تو اس سے اندام تر نہیں ہوتا بلکہ خشک رہ جاتا ہے، اس صورت میں وضو کیسے کیا جائے؟

**الجواب :-** سردی کے موسم میں خشکی بہت ہو جاتی ہے اور پانی اعضاء وضو کو گیل نہیں کرتا، اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ دھونے سے قبل مغسولہ اندام کو تر کیا جائے پھر پانی بہایا جائے تاکہ اندام اچھی طرح دھویا جاسکے۔

لما قال العلامة الکاسانی: عن خلف بن ایوب انه قال ینبغی للمتوضی فی الشتاء ان یبل اعضاء شبه الدهن ثم یسیل الماء علیها لان الماء یتجمعی

لہ لما قال ابن الہمام: ومن السنن الترتیب بین المضمضة والاشتشاق والبدأة من مقدم الرأس  
ومن رؤس الاصابع فی الیدین والرجلین۔ (فتح القدر ج ۱ ص ۳۱۰ کتاب الطہارۃ)  
لہ قال الحسکفی: والجلوس فی مکان مرتفع تحرز عن الماء المستعمل وعبارۃ الکمال: وحفظ  
تیابہ من التقاطر، وحی اشم۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۱ ص ۱۲۰ آداب الوضوء)  
ومثله فی السعیۃ ج ۱ ص ۱۸ آداب الوضوء۔

عن اعضاء في الشتاء - (بدائع الصنائع ج ۳ کتاب الطهارة) حلہ  
**سوال** :- فقہ کی عام کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ  
 وضو میں دوسرے سے مدد دینے کا حکم استعانت بالغير مکروہ ہے لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ

شاگرد اپنے استاد کے لیے اور ملازم اپنے مالک کے لیے وضو کا پانی تیار کر کے اس کو وضو  
 کراتا ہے، کیا یہ استعانت مکروہ نہیں اور اس سے وضو پر کیا اثر پڑے گا؟

**الجواب** :- اس مسئلہ کے بارے میں اگرچہ فقہی ذخائر میں مطلقاً استعانت بالغير پر  
 کراہت کا قول کیا گیا ہے مگر محققین کے ہاں یہ مطلقاً نہیں بلکہ اس کے لیے دو حالتیں ہیں،  
 (۱) استعانت تیاری آلات غسل (۲) استعانت بالغسل والمسح۔ اول الذکر استعانت بلاکراہت  
 جائز ہے، اس قسم کی استعانت حضور کے لیے صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے جس پر آپ نے کوئی  
 نکیر نہیں فرمائی، البتہ ثانی الذکر استعانت بلا عذر شرعی مکروہ ہے۔

لما قال ابن عابدین: وحاصله ان الاستعانة في الوضوء ان كانت بصب الماء  
 او استقاؤه او حضارة فلا كراهة بهما اصلاً ولو بطلبه وان كانت بالغسل والمسح  
 فتكره بلا عذر - (رد المحتار ج ۱۲ آداب الوضوء مطلب في مباحث الاستعانة  
 في الوضوء بالغير) ۲

**سوال** :- بعض لوگوں کو یہ بیماری ہوتی ہے  
 بیماری کی وجہ سے وضو میں کلی نہ کرنے کا مسئلہ کہ اگر وہ کلی کرتے ہیں تو دانتوں سے خون آنا

۱۱۱ وفي الهندية: عن خلف بن ايوب انه قال ينبغي للمتوضي في الشتاء ان يبل اعضاءه بالماء  
 شبه الدهن ثم يسيل الماء عليها لان الماء يتجافى عن اعضاء في الشتاء -  
 (الهندية ج ۱ ص ۹ الفصل الثالث في المستحبات)

۱۱۲ قال العالم بن العلاء الانصاري: ومن اكد اب ان يقوم بامر الوضوء بنفسه لحدیث  
 عمر رضي الله عنه قال انما تستعين على وضوئنا ومع هذا لو استعان بغيره جاز  
 ان لا يكون الغاسل غيره بل يغسل بنفسه وقد صح ان رسول الله صلى الله عليه  
 وسلم استعان بالمغيرة وكان المغيرة يفيض الماء ورسول الله صلى الله عليه وسلم كان  
 يغسل - (الفتاوى التاتارخانية ج ۱ ص ۱۱۲ آداب الوضوء)



شروع ہو جاتا ہے، اب اگر بیمار بوجہ عذر کیے کلی نہ کرے تو اس سے وضو پر کیا اثر پڑے گا؟  
**الجواب:** کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنن وضو میں داخل ہے، اگر کوئی شخص اس کو بدون عذر ترک کرے تو گنہگار ہوگا، تاہم عذر کی وجہ سے کلی ترک کرنے پر وضو متاثر نہ ہوگا اور نہ گناہ لازم آئے گا۔

قال المحصن: وغسل الفم الخ بمياه ثلثة والائف بمياه وهما سنتان مؤكدتان۔ فلو تركها اثم على الصحيح سراج قال في الحلية لعله محمول على ما اذا جعل الترك عادة له من غير عذر۔ (مرد المحتار ج ۱ ص ۱۱۶ سنن الوضوء لہ)  
**سوال:** آجکل کے نئے دور میں منہ ہاتھ دھونے کیلئے بیسن میں وضو کرنے کا حکم

ہے، کیا ان میں وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟  
**الجواب:** وضو کرنا جائز ہے لیکن خلاف الادب ہے۔

ومن الاداب ان يجلس المتوضي مستقبل القبلة عند غسل ساثر الاعضاء  
 ومن الاداب ان يكون جلوسه على مكان مرتفع۔ (حلبی کبیر ج ۱ ص ۳۱ آداب الوضوء لہ)  
**سوال:** آجکل عموماً دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ وضو کے دوران باتیں کرنے کا حکم

وضو کے دوران دنیاوی باتیں کرتے رہتے ہیں، کیا وضو کے دوران دنیاوی باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟  
**الجواب:** وضو کے دوران ادعیہ یا ثورہ پڑھنا مسنون عمل ہے، دنیاوی باتوں

له وفي الهندية: والسنة ان يتمضمض ثلاثاً، او لا ثم يستنشق ثلاثاً وياخذ لكل واحدٍ منهما ما وجد في كل مرة..... ان ترك المضمضة والاستنشاق اثم على الصحيح لانهما من سنن الهدى وتركها يوجب الاساءة الخ

(الهندية ج ۱ ص ۱۰۰ الفصل الثاني في سنن الوضوء)  
 له قال المحصن: والجلوس في مكان مرتفع تحزاً عن الماء المستعمل وعبارة الكمال: وحفظ ثيابه من التقاطر وهي اشمل۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۲۰ آداب الوضوء)  
 ومثله في السعاية ج ۱ ص ۱۸ آداب الوضوء۔

کی وجہ سے چونکہ اس میں خلل آتا ہے اس لیے فقہاء کرام نے اس کو مکروہ کہا ہے، البتہ کسی ضروری سوال کا جواب یا کسی کو پیغام وغیرہ دینا بلا کراہت جائز ہے۔

لما قال حسن بن عمار الشرنبلالی: ويكره التكلم بكلام الناس لانه يشتغله عن الادعية. قال الطحاوي: ما لم يكن لحاجة تفوته بتركه.

(مراقی الفلاح علی صدر الطحاوی ص ۶۲ فصل مکروہات الوضوء) لے

**بواسیر کے مریض کے وضو کا حکم | سوال:** بعض حضرات بواسیر کے مرض کا شکار ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان سے ہر وقت ریح (ہوا) یا خون

وغیرہ کا خروج رہتا ہے، ان کے وضو کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** بواسیر کے مریض کا مرض اگر اتنا شدید ہو کہ ہر وقت ریح یا خون کی آدرہتی ہو تو ایسا مریض معذورین کے حکم میں ہے، وہ ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کرے گا اور اس وضو سے وقت کے اندر جتنی چلے نمازیں پڑھے۔ اور اگر معذورین کی حد تک مرض نہ پہنچا ہو تو پھر بواسیر کی وجہ سے نکلنے والی ریح اور خون دونوں ناقض وضو ہیں۔

لما قال المحصني: وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكنه امساكه او استطلاق بطن او انقلاط ريح..... ان استوب عذراً تمام وقت صلوة مفروضة بان لا يجد في جميع وقتها زماناً يتوضا، ويصلي فيه خالياً عن الحدث ولو حكماً..... حكمه الوضوء لكل فرض اللام للوقت ثم يهتلى به فيه فرضاً ونفلاً فاذا خرج الوقت بطل. ۱۴  
والدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ باب الحيض ۲۷

له قال العلامة المحصني: ومن ادا به..... وعدم التكلم بكلام الناس الا لحاجة تفوته. والدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ آداب الوضوء مطلب في مباحث الاستعانة في الوضوء بالغير

له قال المرغيناني: ومن به سلس البول والرعاف الدائم والجرح الذي لا يقاوم يتوضون لوقت كل صلوة فيصلون بذلك الوضوء في الوقت ماشاء.

(الهلاية ج ۱ باب الحيض)

ومثله في رد المحتار ج ۱ باب الحيض مطلب في أحكام المعدود.

**وضو میں واجبات نہیں | سوال :-** کیا وضو میں واجبات ہیں یا نہیں؟  
**الجواب :-** فقہاء کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو اور غسل دونوں میں واجبات نہیں۔

لما قال الحسکفی: وسننه افاذ انه لا واجب للوضوء ولا للغسل والا لقدمه۔

الدرا المختار علی صدر رد المختار ج ۱۔ سنن الوضوء ۱۰۳، ۱۰۲

**اخبارات اور دینی رسائل کو بلا وضو مس کرنے کا حکم | سوال :-** اس دور میں اخبارات، جرائد اور رسائل میں قرآن کریم کے الفاظ

مع ترجمہ و تفسیر درج ہوتے ہیں، اسی طرح تفاسیر میں اکثر حصہ صرف تفسیر کا ہوتا ہے، کیا الفاظ قرآنی کے علاوہ تفسیری اوراق کو بلا وضو چھونا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** قرآن کریم کو بلا وضو مس کرنا جائز نہیں، البتہ تفسیر یا دیگر سفید کاغذات

کو چھونے یا پکڑنے کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ سے مختلف روایات منقول ہیں جن میں بعض سے کراہت معلوم ہوتی ہے اور بعض سے عدم کراہت۔ علامہ ابراہیم الحلبيؒ نے عدم کراہت کو ترجیح دی ہے اور اس پر عمل کرنے میں سہولت بھی ہے تاہم خلاف اولیٰ ضرور ہے۔

قال الشيخ ابراهيم الحلبي: ويكره ايضا للمحدث ونحوه من تفسير القرآن و

كتب الفقه وكذا كتب السنن ولا نهالايخلو عن آيات وهذا التعليل يمنع من

شروح النحوايضاً..... والاصح انه لا يكره عندنا بحقيقة. (كبيرى ص ۵۶ في آخر باب الغسل) ۱۰۳

**سوال :-** بعض لوگ جلدی میں وضو کرتے ہوئے کان کان اور رخسار کے درمیانی حصہ کا حکم اور رخسار کے درمیان والے حصے کو خشک چھوڑ دیتے ہیں

۱۰۳ قال ابن نجيم: ذكر في التمهية انه يجوز ان يكون الفروض في مقدار المسح بمعنى الواجب

لا لتقائهما في معنى اللزوم وتعقب بانه مخالف لما اتفق عليه الاصحاب اذ لا واجب

في الوضوء۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۰ كتاب الطهارة)

۱۰۴ قال الشيخ اشرف على تھانوی: اس سے معلوم ہوا کہ جب غیر قرآن کی عبارت غالب ہو اس کا

مس مطلقاً گناہ تھا تاہم صاحب کے نزدیک درست ہے۔ وفي الاخذ به سهولة۔

رامداد الفتاوى ج ۱ ص ۹۲ مسائل منشورہ كتاب الطهارة)



کیا اس سے وضو پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

**الجواب**۔ فقہی تصریحات کی رو سے کان اور رخسار کے درمیان والا حصہ چہرے کے حکم میں داخل ہے، وضو میں جس طرح چہرے کا دھونا فرض ہے اسی طرح اس جگہ کا دھونا بھی فرض ہے۔

قال العلامة المحصن: وما بين العذار والاذن لدخوله في الحد وبه يفتى. قال ابن عابدین: قوله وما بين العذار والاذن ای ما بينهما من البياض قوله وبه يفتى وهو

ظاهر المذهب وهو الصحيح وعليه أكثر المشائخ. (رد المحتار ج ۱ ص ۸۹ کتاب الطهارة) لہ

**سرخی، پاؤڈر، کریم کی موجودگی میں وضو کا حکم** | **سوال** :- لپ سٹک، کریم اور پاؤڈر کے ہوتے ہوئے وضو کرنا کیسا ہے؟

**الجواب** :- مروجہ سرخی، کریم وغیرہ تیل کے مانند ہے اور پاؤڈر گرد وغبار کے مانند، جسکی وجہ سے اعضاء پر تہہ نہیں بنتی، اس لیے ان کے ہونے ہوئے بھی وضو درست ہے لیکن وضو کرتے وقت اولاً ان کو گیدا کرے پھر دھوئے، البتہ اگر سرخی یا کریم ایسی ہو جس سے ناخن پالش کی طرح تہہ بنتی ہو تو پھر وضو یا غسل جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابوبکر الكاساني: عن خلف بن ايوب انه قال ينبغى للمتوضئ في الشتاء ان يبيل اعضاءه شبه الدهن ثم يسيل الماء عليها لان الماء يتجافى عن الاعضاء في الشتاء. (ردائع الصنائع ج ۱ ص ۳ کتاب الطهارة) لہ

**جماعت کے فوت ہونے کے ڈر کے باوجود کامل وضو کرنا ضروری ہے** | **سوال** :- بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے

کہ وہ بسا اوقات جلدی میں ہوتے ہیں اور جماعت کے فوت ہونے کے ڈر سے وضو میں سنن وغیرہ پورے نہیں کرتے، تو کیا وضو کی سنن کو چھوڑ کر جماعت میں شامل ہونا چاہیے یا سنن کو پورا کیا جائے

لہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: وما البياض الذي بين العذار وبين شحمة الاذن قد ذكره شمس الامنة الحلواني أنه ظاهر المذهب. (الفتاوى التاتارخانية ج ۱ ص ۸۹ کتاب الطهارة)

لہ وفي الهندية: عن خلف بن ايوب انه قال ينبغى للمتوضئ في الشتاء ان يبيل اعضاءه بالماء شبه الدهن ثم يسيل الماء عليها لان الماء يتجافى عن الاعضاء في الشتاء۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۹ باب الوضوء، الفصل الثالث في المستحبات)

اگرچہ جماعت فوت ہو جانے کا خطرہ ہو؟

**الجواب:**۔ شریعت مقدسہ میں اسبارغ وضو کا حکم ہے یعنی وضو کے جملہ فرائض، سنن اور آداب کو پورا کرنے کا حکم ہے، اس لیے جماعت کے فوت ہونے کے خوف سے سنن وضو ترک نہ کی جائیں اگرچہ جماعت فوت ہو جائے۔

قال الشيخ ملا علی القاری: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اسبغوا الوضوء رواه مسلم ای اتموه باتیان جمیع فرائضه و سننه و اکملوا واجباته۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۱)

**آپ زمزم سے وضو غسل کا حکم** | سوال کیا آپ زمزم سے وضو یا غسل کرنا جائز ہے؟

**الجواب:**۔ زمزم کا پانی ایک تبرک پانی ہے، اس کے آداب و احترام کا خیال رکھنا شرعی ذمہ داری ہے، اسلئے بے وضو شخص کا اس سے وضو کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ دوسرا متبادل پانی ہیما ہو ورنہ بلا کراہت جائز ہے لیکن غسل جنابت ہر حال میں کراہت سے خالی نہیں اور نہ اسے استنجی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ تاہم اگر با وضو آدمی اس سے تبرک کے طور پر وضو کرے یا پاک بدن والا شخص اس سے غسل کرے تو بلا کراہت جائز ہے۔

لما قال السيد احمد الطحطاوی: یجوز الاغتسال و المتوضوء بماء زمزم ان کان علی طہارة للتبرک فلا ینبغی ان یغتسل بہ جنب و لا یحدث و لا فی مکان نجس و لا ینبغی بہ و لا ینزل بہ نجاسة حقیقیة من بعض العلماء تحویم ذلك و قیل ان بعض الناس استنجی بہ فحصل له باسؤر۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح مک کتاب الطہارة۔ اقسام المیاء ص ۲)

لہ عن عبد الله بن عمر قال رجعنا مع رسول الله من مكة الى المدينة حتى اذا كنا بماء بالطريق تعجل قوم عند العصر فتوضأوا واهمهم منجبال فانتبهينا اليهم واعقابهم تلوح لهم بماء الماء فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ويل للاعقاب من النار اسبغوا الوضوء۔

(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۶ باب سنن الوضوء)

لہ قال العلامة الحصکفی: یکره الاستنجاء بماء زمزم۔ قال ابن عابدین: تحته وکذا انالة النجاسة الحقیقیة من ثوبه او بدنه حتى ذکر بعض العلماء تحريم ذلك۔

{ رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۵ کتاب الحج، مطلب فی }  
{ کراہیة الاستنجاء بماء زمزم }

نشہ آور اشیاء کے استعمال سے وضو کا حکم | سوال :- کیا شراب، ہیروئن، پرس وغیرہ پینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- پرس، افیون، شراب، ہیروئن پینا بذاتِ خود ناقضِ وضو نہیں، البتہ پینے کے بعد جب نشہ غالب آجائے تو وضو متاثر ہو کر ٹوٹ جائے گا۔

قال العلامة الحصكفي: (ينقضه اغماء) ومنه الغشي وجنون وسكر بان يدخل في مشيه تمایل ولو يأكل الحشيشة اهـ - قال ابن عابدین: (قوله سكرًا هو حالة تعرض للانسان من امتلاء دماغه من الابخرة المتصاعدة من الخمر ونحوه فيتعطل معه العقل المميز بين الامور الحسنة والقبيحة اسمعيل عن البرجندی - (رد المحتار ج ۱ باب نواقض الوضوء) <sup>۱۲۳</sup>

نشہ آور دوائیوں کے استعمال کی صورت میں وضو کا حکم | سوال :- آجکل بعض دوائیاں ایسی ہیں جن میں نشہ ہوتا ہے، کیا

ان کے استعمال سے وضو متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- دوائی اگرچہ بذاتِ خود ناقضِ وضو نہیں مگر جب اس کے نشہ کی وجہ سے انسان پر غشی طاری ہو جائے تو وضو باقی نہیں رہے گا ورنہ بغیر نشہ کے وضو متاثر نہ ہوگا۔

قال العلامة الحصكفي: وينقضه اغماء ومنه الغشي وجنون وسكر بان يدخل في مشيه تمایل ولو يأكل الحشيشة - وقال ابن عابدین: (قوله سكرًا هو حالة تعرض للانسان من امتلاء دماغه من الابخرة المتصاعدة من الخمر ونحوه فيتعطل معه العقل المميز بين الامور الحسنة والقبيحة - (رد المحتار ج ۱ باب نواقض الوضوء) <sup>۱۲۴</sup>

۱۲۳ وکذا فی الہندیۃ: والغشی والسكر) قال وحد السكر فی هذا الباب ان لا يعرف الرجل من المرأة وهو اختيار بعض المشائخ - وصدر الشهيد والصحيح ما نقل عن شمس الاثمة الحلواني انه اذا دخل في بعض مشيته تحرك كذا في الذخيرة -

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۲ الفصل الخامس في نواقض الوضوء)

۱۲۴ وفي الہندیۃ: والغشی والسكر) قال وحد السكر فی هذا الباب ان لا يعرف الرجل من المرأة وهو اختيار بعض المشائخ - والصحيح ما نقل عن شمس الاثمة الحلواني انه اذا دخل في بعض مشيته تحرك - (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۲ الفصل الخامس في نواقض الوضوء)



**انجکشن ریجیم لگانے سے وضو کا حکم | سوال :-** ڈاکٹر حضرات بیمار کو دو طرح کے انجکشن لگاتے ہیں، ایک عام کسی نرم جگہ (گوشت) میں، اور ایک رگ میں، جس کو وریڈی انجکشن کہا جاتا ہے۔ کیا ان انجکشنوں سے وضو پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** ہر نجس چیز جب بدن کے کسی بھی حصے سے نکل جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ ان دونوں قسم کے انجکشنوں میں وریڈی انجکشن تب یقینی ہوتا ہے جب پچکاری میں خون آجائے ورنہ یقینی نہیں ہوتا، چونکہ اس انجکشن سے نجس شے یعنی خون کا اخراج ہو جاتا ہے اس لیے صرف وریڈی انجکشن سے وضو متاثر ہو کر ٹوٹ جائے گا۔

قال العلامة الحسکفی: وينقضه خروج كل خارج نجس منه اى من المتوضو  
الحی معتادا وکلا من السبیلین اولا الی ما یطہرای یلحقہ حکم التطہیر۔  
والدرا المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ مطلب نواقض الوضو ۱۳۲ لہ

**فلیم بینی سے وضو متاثر نہیں ہوتا | سوال :-** ٹی وی، وی سی آر اور فلم بینی وغیرہ سے وضو پر کیا اثر پڑتا ہے؟

**الجواب :-** ٹی وی، وی سی آر یا فلم وغیرہ دیکھنا امور فسقیہ ہیں، اس عمل سے انسان گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے لیکن اس سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ مستحب یہ ہے کہ گناہ کے ان کاموں کے ارتکاب کے بعد وضو کر لیا جائے۔

لما قال حسن بن عمار الشرنبلالی: ومندوب للنوم علی طہارة واذا استیقظ منه  
..... وبعد غیبة وكذب وغمیمة وصل خطیئة الخ

رنور اکا ایضاح ۳۲۲ فصل الوضو علی ثلاثة اقسام) ۲ لہ



لہ قال العلامة ابن نجیم المصری: وينقضه خروج نجس منه اى وينقض الوضوء خروج  
نجس من المتوضی الخ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۹ کتاب الطہارة)

لہ قال قاضی خان: ومندوب..... ومنها الوضوء بعد الغیبة وبعد انشاد الشعر۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۱ ص ۳۲ باب الوضوء والغسل فیہ سبعة فصول)

ومثله فی الہندیہ ج ۱ ص ۹ الفصل الثالث فی المستحبات۔

**سوال:** گرم پانی سے وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟  
**الجواب:** ہر وہ پانی جو پاک ہو اس سے مطلقاً وضو کرنا جائز ہے چاہے پانی گرم ہو یا ٹھنڈا، تاہم دھوپ سے گرم شدہ پانی کا استعمال طبی لحاظ سے مکروہ ہے۔

ان عمر: کان یسخن له ماءً فی قمیئة ویغتسل به۔ ۳۱  
 ان عمر: قال لا تغسلوا بالماء المشمس فانه یؤثر البصر۔ (ہج (دارقطنی ج ۱، باب الماء المسخن) ۳۹، ۳۴  
**سوال:** کیا کشف عورت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟  
**الجواب:** کشف عورت ناقض وضو نہیں ہے؟

**الجواب:** کشف عورت مفسدِ صلوٰۃ ہے لیکن ناقض وضو نہیں لہذا مرد یا عورت کا ستر ظاہر ہونے سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ اگر کشف عورت کا ارتکاب بلا ضرورت ہو تو حرام ہے۔

لما قال ابراہیم الحلبي: ومن الآداب ان یستر عورتہ حین فرغ من ای من الاستنجاء والتجفیف لان الکشف کان لضرورة لقوله الله احق ان یستحی منه۔ رکبیری ص ۳۱ آداب الوضوء ۲

**سوال:** اگر ایک شخص کو وضو یا غسل کرنے کے بعد پیشاب نکلنے کا شک ہوگا لیکن غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ کوئی چیز نہیں نکلی ہے، یا بسا اوقات یرجح نکلنے کا شبہ ہوتا ہے، کیا ایسی صورت میں وضو متاثر ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:** جب تک پیشاب کے قطرے یا ریح نکلنے کا یقین نہ ہو محض شک کی بنا پر

لہ عن الاسلام بن شريك: ..... فقلت اصابتنی جنابة فخشيت البرد علی نفسي فامرته ان یرحلها وضعت اچاراً فاسنخت ماءً فاغتسلت به۔ ۱۷ وعن عائشة قالت نہی رسول الله ان یتوضأ بالماء المشمس

(نصب الراية ج ۱ ص ۱۰۲، ۱۰۳ باب الماء الذي یجوز به الطهارة)

ومثله فی السعاية ج ۱ ص ۳۳۶، ۳۳۷ باب الكراهية فی الماء المشمس الخ۔

لہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری ومن الآداب ان لا یترك عورته مكشوفة یعنی بعد الاستنجاء۔ (الفتاویٰ التاتاریخانیة ج ۱ ص ۱۱۱ آداب الوضوء)

وضو متاثر نہیں ہوتا لہذا وضو کا اعادہ ضروری نہیں۔

قال طاہر بن عبدالرشید: ومن شك في الحدث فهو على وضوئه ولو كان محدثاً  
فشك في الطهارة فهو على حدثه۔ (خلاصة الفتاوى۔ الفصل الثالث في الوضوء ج ۱) لہ  
وضو کے بعد ہاتھ پاؤں پر صابن لگانے کا حکم | سرد علاقوں میں ہاتھ پاؤں کو مچھلنے سے بچانے  
کے لیے وضو مکمل کرنے کے بعد ہاتھ پاؤں  
پر مختلف قسم کا صابن لگایا جاتا ہے، کیا اس سے وضو متاثر ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:**۔ صابن بذاتِ خود پاک چیز ہے اور نظافت کے لیے اس کا استعمال جائز  
ہے ایسے مذکورہ صورت میں صابن لگا کر باقی رکھنا اور پھر اس کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے۔  
قال القدوری: ويجوز الطهارة بماء خالطه شيء طاهر فغير احد اوصافه  
كماء المد والماء الذي اختلط به الزعفران والصابون..... الخ

(مختصر القدوری کتاب الطہارۃ ص ۹)

کیا سگریٹ اور نسوار سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ | سوال :- کیا سگریٹ اور نسوار  
کے استعمال سے وضو پر کوئی اثر  
پڑتا ہے؟

**الجواب:**۔ دیگر نواقض کے علاوہ وضو پر اس چیز سے بھی ٹوٹ جاتا ہے جس میں نشہ  
ہو، اور چونکہ نسوار اور سگریٹ میں نشہ کی وہ کیفیت نہیں جس کا اعتبار فقہاء نے کیا ہے لہذا  
ان دونوں سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ بدبو کے ازالہ کے لیے منہ ضرور دھونا چاہیے یعنی  
گلی وغیرہ کر لینی چاہیے۔

لہ قال المحصن: ولو ايقن بالطهارة وشك بالحدث او بالعكس اخذ باليقين  
والدرا المختار على صدر رد المحتار، نواقض الوضوء ج ۱، وقال في الهندية  
ومثله في الفتاوى الهندية ج ۱۱۳ نواقض الوضوء۔

لہ قال ابراہیم الحلبي: وتجوز الطهارة بماء خالطه شيء طاهر فغير احد  
اوصافه كماء المد والماء الذي يختلط به الكاشن والصابون والزعفران  
..... الخ۔ رکبیری، باب ما يجوز به الطهارة ص ۹



قال العلامة ابن عابدین: فانه لم يثبت اسكاره ولا تفتيره ولا اضرامه بل ثبت له منافع... الخ (رد المحتار على الدر المختار كتاب الاشرية ج ۶ ص ۲۵۹) لہ

جب تک اھلیل سے قطرہ خارج نہ ہو وضو نہیں ٹوٹتا | **سوال:** اگر ایک شخص سے پیشاب یا ندی کے قطرے

وقتاً فوقتاً نکلتے ہوں جس کی وجہ سے باقاعدہ ہر نماز کے لیے اس کو وضو کرنا پڑے، لیکن بعض اوقات ایک نماز سے دوسری نماز تک کوئی قطرہ نہیں نکلتا البتہ اھلیل کے اندر قطرے موجود ہوں تو کیا ایسی صورت میں دوبارہ وضو کرنا لازمی ہے یا وہ پہلا وضو ہی کافی ہوگا؟

**الجواب:** صاحب عذر ہو تو ہر نماز کے لیے وضو کرنا لازمی ہے البتہ غیر معذور کے وضو ٹوٹنے کا دار و مدار سبب نقض کی قطعی اور یقینی موجودگی پر ہے، صورت مذکور میں جب پیشاب کے قطرے نکلنے کا یقین ہو تو وضو کرے گا اور اگر یقین نہ ہو تو دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں اگرچہ پیشاب کے قطرے اھلیل میں موجود ہوں۔

قال المحصن: (وينقضه خروج كل خارج نجس منه) اي من المتوضي الحى معتاداً أو لا من التبيلين أو لا (الى ما يطهر) ثم المراد بالخروج من التبيلين مجرد الظهور وقال ابن عابدین: (تحت قوله مجرد الظهور) اي الظهور المجردة عن السيلان فلونزل البول الى قصبة الذكر لا ينقض لعدم ظهوره - (رد المحتار على الدر المختار - نواقض الوضوء ج ۱ ص ۱۳۲، ۱۳۵) لہ

**سوال:** اگر بدن کے کسی حصے سے خالص پانی نکل آئے جو خون یا پیپ سے مخلوط نہ ہو

ہو تو کیا اس سے وضو ٹوٹتا ہے؟

**الجواب:** اگر یہ نکلا ہو مواد یقیناً خالص پانی ہو جو پیپ یا خون سے مخلوط نہ ہو

لہ قال المفتی کفایت اللہ: "تمہا کو نوشی اور سواکشی سے وضو نہیں ٹوٹتا" (کفایت المفتی ج ۲ ص ۲۷۲ باب الطہارۃ فصل چہارم) لہ وقال ابن نجیم: (تحت قول النسفی) وينقضه خروج نجس منه) افاد بقوله خروج نجس ان الناقض خروج وجهه لا عينه والبعير الرائق، نواقض الوضوء ج ۱ ص ۲۹) ومثله في تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۷۱ نواقض الوضوء۔

تو اس کے نکلنے سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا (وضو درست رہے گا)۔

قال الحسن بن عمار: وعن الحسن ان ماء النقطۃ لا ینقض۔

(مراقی الفلاح<sup>ص ۲۸</sup> فصل فی نواقض الوضوء)۔

**سوال :-** اگر خون یا پیپ نکل کر بہنے کی صورت

اختیار نہ کرے اور یوں ہی بدن پر پھیل جائے تو کیا

اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

**الجواب :-** جب خون یا پیپ زخم کے منہ سے خارج ہو کر پھیل جائے تو اس سے وضو کا ٹوٹنا بہنے پر موقوف نہیں۔

قال الحصکفی: و ینقضہ خروج کل خارج نجس منہ الی ما یطہر ای  
یلحقہ حکم التطہیر۔ والدر المختار علی صدر رد المحتار۔ نواقض الوضوء ج ۱ ص ۱۳۵۔

**سوال :-** سردی کے موسم میں

ہاتھ پاؤں کے اندر شکاف پڑھاتے

ہیں ایسی حالت میں اگر شقوق دوائی سے بھر دیئے جائیں اور وضو کرتے وقت پانی اس میں  
دخل انداز نہ ہو تو اس صورت میں وضو درست ہوگا یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر زخموں کے اندر پانی پہنچنے سے نقصان کا خطرہ ہو تو ایسی صورت  
میں ہاتھ پاؤں کی جلد پر صرف پانی بہانا ہی کافی رہے گا، شقوق کے اندر پانی پہنچانا  
لازمی نہیں۔

قال ابن عابدین: تحت قول الحصکفی: رقی اعضائہ شقاق  
غسلہ ان قدمہ والامسحہ) ولو کان فی رجلہ فجعل فیہ الداء یکفیہ

۱۔ قال ابن نجیم: وعن الحسن ان ماء النقطۃ لا ینقض (البحر الرائق  
بحث الوضوء ج ۱ ص ۳۲)

۲۔ قال ابراہیم الحلبي: اذا خرج وتجاوز مکان خروجہ الی موضع یلحقہ ای  
یلحق ذلک الموضع حکم التطہیر ای یجب تطہیرہ فی الجملة۔ (کبیری۔ نواقض الوضوء)  
وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۱ ص ۱۳۱ الفصل الخامس فی نواقض الوضوء۔

امرار المأفوقہ لا یفید المسح۔ رد المحتار علی الدر المختار۔ فرائض الوضوء ج ۱ ص ۱۷۱  
**سوال** :- اگر کوئی شخص انجکشن کے ذریعہ  
 بدن سے خون نکالے تو اس سے وضو پر کیا اثر  
 پڑتا ہے؟ یہ خون سوئی کے ذریعہ نکالا جاتا ہے اور بدن کے کسی حصہ پر یہ خون نہیں لگتا،  
 جو الی موضع یلحقہ حکم التطہیر نہ ہونے کی وجہ سے بظاہر ناقض وضو نہ ہونے کا  
 شبہ ہے، کیا یہ درست ہے؟

**الجواب** :- مذکورہ صورت میں خون کا بدن کے کسی حصہ پر نہ لگنے کے باوجود ناقض  
 وضو ہے کیونکہ اگر یہ خون تھیلے میں نہ جاتا تو اس کا جسم پر بہہ جانا لازمی امر تھا۔ تھیلہ کا وجود  
 ایک خارجی مانع ہے اس سے حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا یعنی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

قال ابن عابدین: فالاحسن ما فی النہر عن بعض المتأخرین من ان المراد  
 السیلان ولو بالقوة: ای فان دم الفصد ونحوه سائل الی ما یلحقہ حکم التطہیر  
 حکماً تامل۔ رد المحتار علی الدر المختار۔ نواقض الوضوء ج ۱ ص ۱۷۱

**سوال** :- صاحب عذر کے وضو کا اعتبار  
 صاحب عذر کے وضو اور کپڑوں کا حکم  
 نہیں رہتا ہے، ایسے شخص کے لیے وضو کرنے کا  
 کیا حکم ہے؟ نیز بسا اوقات اس عذر کی موجودگی میں کپڑوں کا پاک رکھنا ناممکن رہتا ہے، تو  
 معذور کے کپڑوں کی تطہیر کا کیا حکم ہے؟

**الجواب** :- کسی شخص سے خون نکلنے یا سسل بول یا خروج ریح کی بیماری ایسی صورت

۱۔ قال ابراہیم الجلی: اذا کان برجلہ شقاق فجعل فیہ الشحم او المرهم ان کان یضربہ ایصال  
 الماء لا یجوز غسلہ ووضوہ وان کان لا یضربہ یجوز اذا مر الماء علی ظاہرہ ذلک۔  
 رکیبیری ص ۵۵، الطہارۃ الکبریٰ فرائض الغسل، ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۳۔  
 ۲۔ قال فی الہندیۃ: الفراد اذا مص عضو انسان فامتلا دمًا ان کان صغیراً لا ینقض  
 وضوہ کما لو مصت الذباب او البعوض وان کان کبیراً ینقض وکن العلقۃ اذا مصت  
 عضو انسان حتی امتلأت من دمہ انتقض وضوہ کذا فی محیط السرخسی۔  
 (الہندیۃ۔ نواقض الوضوء ج ۱) ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۷۱ الفصل الثالث نواقض الوضوء۔



اختیار کرے کہ نماز کا وقت اُس معذور شخص پر بغیر اس بیماری کے نہ گذرتا ہو تو یہ شخص معذور شرعی  
متصور ہوگا۔ اور معذور کے لیے لازمی ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرے جس سے وہ اُس  
وقت کے اندر تمام عبادات ادا کر سکتا ہے البتہ نماز کا وقت گذرنے سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا  
دوسرے وقت کی نماز کیلئے دوبارہ وضو کرنا لازمی ہوگا۔

علاوہ ازیں اگر کپڑوں کی صفائی ممکن ہو یعنی کپڑے دھونے سے نماز کے دوران یہ کپڑے  
پاک رہ سکتے ہوں تو پھر نماز کی ابتداء میں کپڑے صاف رکھنا ضروری ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر  
کپڑوں سے ملحقہ نجاست سے صفائی ضروری نہیں اور اس شخص پر کپڑے دھونا لازمی نہیں۔

قال المحصن كفى؟ وصاحب عذر من به سلسل بول او استطلاق بطن او انفلات  
ريح او استحاضة ان استوعب عذره تمام وقت صلوة مفروضة بان لا يوجد في جميع  
وقتها زماً يتوضأ ويصلى فيه خالياً عن الحدث (الى ان) وحكمه الوضوء لا غسل  
توبه ونحوه لكل فرض - رالدر المختار على صدر رد المحتار - مطلب في احكام  
المعذور ج ۱ ص ۳۰۵ لے

پاخانہ کے مقام سے کپڑا نکلنے پر وضو کا حکم | سوال :- اگر کسی شخص کو بیماری کی وجہ سے  
یا ویسے پاخانہ کی جگہ سے کپڑا نکل آئے تو

اس سے وضو پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب :- پاخانہ کی جگہ سے کپڑا نکلنا موجب نقص وضو ہے اس سے وضو باقی نہیں  
رہتا، اس میں معذور اور غیر معذور دونوں برابر ہیں۔

قال المحصن كفى؟ وخروج غير نجس مثل ريح او دودة او حصة من دبر لا  
وقال ابن عابدین: قوله من دبر وكذا من ذكر او فرج في الدودة

لے قال طاهر بن عبد الرشيد: ويتوضأ صاحب الجرح السائل لوقت كل صلوة ويصلى  
بذلك ما شاء من الفرائض والنوافل ما دام في الوقت فان خرج الوقت ينتقض طهارته  
رويعد اسطرمان فان اصاب توبه من ذلك الدم فعليه ان يغسل ان كان مفيداً اما  
اذا لم يكن مفيداً بان كان مصيبه مرة اخرى. ثانياً وثالثاً حينئذ لا يفترض عليه غسله -  
در خلاصۃ الفتاویٰ - الفصل الثالث ج ۱ ص ۱۶۱

والحصاة بالاجماع۔ رد المحتار علی الدر المختار۔ مطلب نواقض الوضوء ج ۱ ص ۱۳۷ لہ

## باب الغسل (غسل کے مسائل)

**غسل میں غرغره کا حکم** | سوال :- اگر غسل کرتے وقت غرغره رہ جائے تو کیا غسل درست رہے گا؟

**الجواب :-** جنابت کے غسل میں مضمضہ فرائض غسل میں شامل ہے، اس میں منہ دھونا رکھی کرنا کافی ہے، یہاں تک کہ پانی پینے سے بھی یہ فرض ادا ہو جاتا ہے، اگر مطلقاً منہ دھونا رہ جائے تو غسل ناقص رہے گا جبکہ دھونے میں مبالغہ نہ جانے کی صورت میں غسل کامل متصور ہوگا۔

قال المحصن؟ وفرض الغسل غسل كل فمه ويكفي الشرب عباً لان  
المج ليس بشرط في الاصح۔ رد المحتار علی صدر الدر المختار،  
ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۱ لہ

**غسل کرتے وقت ناک دھونے کا حکم** | سوال :- غسل کرتے وقت ناک میں پانی ڈالنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ کیا پانی ناک میں ڈال کر انگلی مارنا کافی ہے یا پانی کھینچ کر اقبضی ناک تک پہنچانا ضروری ہے؟ جبکہ کھینچتے وقت دماغ تک پانی پہنچنے کی صورت میں تکلیف کا اٹھانا لازم ہوتا ہے۔

**الجواب :-** دوران غسل ناک کا دھونا فرض ہے اور ناک کی مقدار ناک کی زمرہ تک ہے،

لہ قال فی الہندیۃ: منها ما ینخرج من السبیلین من البول والغائط والریح الخارجة من الدبر والودی والمذی والمنی والدودة والحصاة۔ الہندیۃ۔ الفصل الخامس فی نواقض الوضوء ج ۱ ص ۹۰ ومثله فی خلاصۃ الفتاوی۔ الفصل الثالث فی نواقض الوضوء ج ۱ ص ۱۰۰ لہ قال ابراہیم الحلبي: وشرب الماء یقوم مقام المضمضة اذا كان علی وجه السنة اذا بلغ الماء الفم كله والا فلا۔ رکبیری۔ فرائض الغسل ص ۱۵۱

ایسی صورت میں اپنی سہولت کو مد نظر رکھ کر جو مناسب نظر آئے وہی طریقہ اختیار کریں۔  
 قال المحصن فی فرض الغسل غسل کل فمہ ویکفی الشرب عباً لان المیج لیس بشرط فی الاصح وانفہ حتی ماتحت الدہن۔ رالدر المختار علی صدر  
 مراد المختار، ابحات الفصل ج ۱ ص ۱۵۱ لہ

**مصنوعی دانت کے باوجود غسل کا حکم** | سوال :- دانت گرجانے کے بعد مصنوعی  
 دانت لگانے کی صورت میں کیا غسل کے لیے

اس کا نکالنا ضروری ہے ؟

**الجواب :-** چونکہ مصنوعی دانت کا ہر وقت نکالنا موجب حرج نہیں اس لیے غسل  
 کے وقت اس کا نکالنا ضروری ہے، لہذا آسانی سے نکالنے کے باوجود اگر کوئی اس کو نہیں  
 نکالتا اور پانی کا وصول بھی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں غسل کی ادائیگی جائز نہ ہوگی تاہم اگر  
 دانت مستقل طور پر لگایا ہو اور نکالنے میں تکلیف ہوتی ہو تو نکالے بغیر غسل درست ہے۔  
 قال المحصن فی بخلاف نحو عجین۔ ولا یمتنع ما علی ظفر صباغ ولا طعام بین  
 اسنانہ او فی ستہ المیجوف بہ یفتی وقیل ان صلباً منع، وهو الاصح۔

قال ابن عابدین: قوله بخلاف نحو عجین ای کفک وشمع وقشر سمک وخبر  
 ممصوغ متلبد جوہرہ..... نعم ذکر الخلف فی شرح المنیة فی العجین واستنظہر  
 المنع لان فیہ لزوجة وصلابة تمنع نفوذ الماء بقوله وهو الاصح صرح به فی  
 شرح المنیة وقال لامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والخرج اھ۔  
 مراد المختار علی الدر المختار۔ ابحات الغسل ج ۱ ص ۱۵۲ لہ

لہ قال طاہر بن عبد الرشید: وانما یجوز اذا تمضمض واستنشق بناء علی ان المضمضة  
 والاستنشاق فرض فی الغسل عندنا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ) الفصل الثانی فی الغسل ج ۱ ص ۱۵۱  
 ومثله فی الطحطاوی حاشیة مراقی الفلاح ص ۱۸۱ فصل فی فرائض الغسل  
 لہ قال العلامة ابراہیم الحلبی: قال بعضهم هو ان کان صلباً مضموضاً متاکداً لا یجوز  
 غسلہ قل او کثر وهو الاصح لامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والخرج۔  
 رکبیری ص ۲۹۔ الطہارة الکبریٰ، فرائض الغسل، ومثله فی السعایة ج ۱ ص ۲۸۱ فرض الغسل۔



**دانتوں پر سونے کے نخول چڑھانے سے غسل کا حکم** | سوال :- بسا اوقات لوگ دانت

اس پر سونے کا نخول چڑھاتے ہیں، سونے کے نخول سے دانت مستور ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مضمضہ کرنے وقت دانت کو پانی نہیں پہنچتا، کیا ایسی صورت میں جنابت کے غسل پر کوئی اثر پڑے گا؟ علاوہ انہیں گھبی یہ نخول ویسے حسن اور زینت کیلئے چڑھایا جاتا ہے تو اس حکم میں ضرورت اور عدم ضرورت مساوی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** دانت پر ضرورت کے وقت سونے کا نخول چڑھانا از روئے شرع جائز ہے، غسل کے لیے اس نخول کا ہٹانا حرج و تکلیف سے خالی نہیں بلکہ بسا اوقات منہ کے زخمی ہونے کا خطرہ بھی رہتا ہے لہذا اس مجبوری کی وجہ سے بوقت غسل اصلی دانت تک پانی پہنچانا معاف ہے اور اس نخول کے ہوتے ہوئے نماز بھی ہو جاتی ہے۔

قال المحصن فی؟ ولا یمنع الطہارة ونیم ای خرد ذباب و برغوث لم یصل الماء تحتہ و حناء و لوجرمہ بہ یفتی۔ قال ابن عابدین: ر قوله بہ یفتی صرح بہ فی المنیة عن الذخیرة فی مسئلة الحناء والطين والدرن معللاً بالضرورة و بعد اسطر، فالأظہر التعلیل بالضرورة۔ مراد المختار علی الدر المختار۔ ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۱

بلا ضرورت سونے کا استعمال جائز نہیں، ایسے وقت میں اگر نخول کے ہٹانے سے دانت سے محسوس ہوتی ہو تو موجب حرج ہوتے ہوئے غسل جائز ہے، لیکن ہٹانے میں اگر حرج نہ ہو تو پھر یہ بلا ضرورت کے چڑھایا ہوا نخول ہٹایا جائے گا۔

**دانت بھروانے سے غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا** | سوال :- دانتوں میں سوراخ ہو جانے

کی وجہ سے مصالحو بھرنے کی ضرورت پڑتی ہے، کیا دانت بھر جانے کی وجہ سے غسل پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ کیونکہ اس وقت دانت کے سوراخ میں پانی نہیں پہنچتا؟

لہ قال ابراہیم الحلبي: ان كان بين اسنانه طعام ولم يصل الماء تحتہ في الغسل من الجنابة جازلان الماشي لطيف يصل تحتہ غالباً قال صاحب الخلاصة وبہ یفتی و بعد اسطر، والطين والدرن اذا بقيا على البدن یجزئی وضوءهم للضرورة۔ (کبیری باب الغسل ص ۲۹)

**الجواب :-** دانت میں سوراخ ہو جانے سے عموماً کھانے پینے میں تکلیف ہوتی ہے اسلئے ایسے وقت میں پاک مصالحہ سے دانت بھرتا جائز معالجہ ہے، دانت بھرنے کے بعد غسل کے لیے خالی کرنا موجب حرج ہے اس لیے اس کا خالی کرنا ضروری نہیں اور اس سے غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔  
قال المحصن: ولا يمنع الطهارة ونيم اى خرد ذباب وبرد غوث لم يصل الماء تحتہ  
وحناء ولو جرمه، به يقضى قال ابن ابي بدين: (قوله وبه يقضى) صرح به في المنية عن الذخيرة في مسألة الحناء  
والطين والدرن معللاً بالضرورة (وبعد اسطر) فالظاهر التعليل بالضرورة۔  
رد المحتار على الدر المختار۔ ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۲ لے

**سوال :-** کیا عورت کو غسل جنابت کے غسل میں عورت کو مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں کرتے وقت سر کے بال دینڈھیاں

کھولنا ضروری ہے ؟

**الجواب :-** اگر عورت کے سر کے بال گندھے ہوئے ہوں تو بالوں کے اصول و جڑ تک پانی پہنچانا ضروری ہے مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں۔  
البتہ اگر عورت کے بال کھلے ہوئے ہوں تو پورے بالوں کا دھونا ضروری ہے اگر کچھ حصہ خشک رہ جائے تو غسل درست نہیں ہوگا۔

قال المحصن: وكفى بل اصل ضفيرتها اى شعر المرأة المضموم للخرج  
اما المنقوض فيفرض غسل كله اتفاقاً ولو لم يبطل اصلها يجب نقضها مطلقاً هو الصحيح۔  
رد المحتار على صدر الدر المختار۔ ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۳ لے

لے قال ابراهيم الحلبي: والطين والدرن اذا بقيا على البدن يجزئى وضوءهم  
للضرورة۔ (كبيري۔ باب الغسل ص ۲۹) مثله في مرقا الفلاح على صد الطحاوى  
فصل في تمام احكام الوضوء۔

لے قال ابن نجيم: قوله ولا تنقض ضفيرة ان بل اصلها اى ولا يجب على المرأة ان  
تنقض ضفيرتها ان بليت في الاغتسال اصل شعرها وبعد اسطر ويجب عليها  
الا يصال الى اثناء شعرها اذا كان منقوضاً لعدم الخرج۔ (البحر الرائق كتاب الطهارة ج ۱ ص ۱۵۵)  
ومثله في الهمدية۔ الباب الثانی فی الغسل ج ۱ ص ۱۵۳۔

**جنابت کی حالت میں کھانے پینے کا حکم** | سوال :- جنابت کی حالت میں کھانے پینے اور چلنے پھرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز بسا اوقات ایسی حالت میں کسی سے باتیں کرنے اور سلام کا جواب دینے کا موقع بھی پیش آتا ہے، ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟

**الجواب :-** جنابت کی حالت میں کھانا پینا، چلنا پھرنا، سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا تمام امور جائز ہیں۔ البتہ کھانے پینے کے وقت گلی کرنا اور ہاتھوں کو دھولینا چاہیے بغیر گلی کے کھانا پینا مکروہ ہے۔

قال المحصن فی: لا قرأت قنوت رای لا تکرہ) ولا اکلہ وشر بہ بعد غسل ید و قدم  
و لا معاودة اہلہ قبل اغتسالہ۔ رالذہ المختار علی صدر رد المحتار بحوالہ الغسل ج ۱، ص ۱۲۹ لہ

**حالت جنابت میں ناخن اور بال کاٹنے کا حکم** | سوال :- جنابت کی حالت میں ناخن تراشنا اور بال کٹوانے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** جنابت کی حالت میں پورا جسم ظاہری طور پر نجاست کا شکار ہوتا ہے اسلئے پورے جسم کا دھونا فرض ہے، ایسی حالت میں ناخن اور بال کٹوانا مکروہ ہے۔ فقہاء کرام نے کراہت مطلقاً ذکر کیا ہے لیکن قرائن کے اعتبار سے کراہت تنزیہی معلوم ہوتی ہے۔

وفی الہندیۃ جلق الشعر حالۃ الجنابۃ مکروہ و کذا قص الاظفار۔ کذا  
فی المغرائب۔ رالہندیۃ۔ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء وقلم الاظفار  
وقص الشارب ج ۵ ص ۳۵۸ لہ

**دوران غسل باتیں کرنے کا حکم** | سوال :- غسل کرتے وقت باتیں کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز اس دوران ادویہ مسنونہ پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا عربانی

لہ قال سدید الدین کاشغری: واذا اراد الجنب الاکل والشرب ینبغی لہ ان یغسل یدہ  
وفیہ تقریاً کل ویشریب۔ (مینیۃ المصل۔ بحث الطہارۃ الکبریٰ ص ۲۹) ومثلہ  
فی الہندیۃ۔ الفصل الثالث فی المعانی الموجبۃ للغسل ج ۱ ص ۱۶۔

لہ قال الشیخ العلامة اشرف علی تھانوی: ”در مطالب المؤمنین می آرد سردن و تراشیدن موٹے  
و گرفتن ناخنہا در حالت جنابت کراہت است۔“ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۸ فصل فی الغسل)



کی حالت میں باتیں کرنا جائز ہے؟

**الجواب :-** دورانِ غسل خاموش رہنا بہتر ہے، عریانی کی حالت میں فقہاء نے باتیں کرنے کو مکروہ لکھا ہے، اور اوجیہ سنونہ پڑھنے کے لیے یہ وقت مناسب نہیں، کیونکہ نجس مکان میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا بے ادبی کے مترادف ہے۔

قال ابن عابدین: ويستحب ان لا يتكلم بكلام مطلقاً، أما كلام الناس فلكرهته حال الكشف وأما الدعا فلانه في مصب المستعمل ومحل الاقذار والأحوال.<sup>۱۰</sup>  
رسد المختار علی الدر المختار مطلب سنن الغسل ج ۱ ص ۱۵۶ لہ

**غسل کرتے وقت بغیر لباس وضو کا حکم | سوال :-** کپڑے اتار کر ننگے ہونے کی حالت میں وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟ عوام میں یہ بات

مشہور ہے کہ عریانی کی حالت میں وضو نہیں ہوتا۔

**الجواب :-** کشف عورت نواقض وضو میں سے نہیں ہے لہذا یہ بات عوام میں غلط مشہور ہے کہ عریانی کی حالت میں وضو جائز نہیں، غسل خانہ میں کپڑے اتار کر وضو کرنا جائز اور مشروع ہے، البتہ حیاء کا تقاضا یہ ہے کہ خلوت میں بھی ستر کی رعایت ہو۔

لما قال العلامة ملا علی القاری: حاصل حکم من اغتسل عارياً انه ان كان بمحل خال لا يراه احد يحرم عليه نظر عورة، ته حل له ذلك لكن الا فضل المتستر حیاء من الله تعالى۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۹ باب الغسل الفصل الثانی)

**سوال :-** غسل کرتے وقت کون سی کیفیت کھڑے ہو کر غسل کرنا افضل ہے یا بیٹھ کر؟ بہتر ہے؟ کیا بیٹھ کر غسل کرنا چاہیے یا

لہ قال الحسن بن عمار: ويستحب ان لا يتكلم بكلام معاً ولو دعاء لانه في مصب الاقذار ويكره مع كشف العورة ورو بعد اسطر) ويزاد فيه كراهة الدعاء۔ (مراقی الافلاح، اداب الاغتسال ص ۱۵۷) ومثله في الهندية۔ الفصل الثانی سنن الغسل ج ۱ ص ۱۲۔

لہ عن أم هانئ بنت أبي طالب: تقول ذهبت إلى رسول الله عام الفتح فوجدته يغتسل وفاطمة تسترہ۔ (الجامع الصحيح البخاری ج ۱ ص ۱۰۰) عریاناً وحدث في الخلق ومثله عن ميمونة في الصحيح المسلم ج ۱ ص ۱۵۲ باب تستر المغتسل بنوب وتحوه۔

کھڑے ہو کر بھی غسل کرنا افضل ہے؟

**الجواب:** غسل کرتے وقت کسی خاص کیفیت کی پابندی ضروری نہیں، حالت اور موقع کو مد نظر رکھ کر ایسی کیفیت اختیار کی جائے گی جو انسانی بدن کے لیے آسٹر ہو، عموماً بیٹھ کر غسل کرنے سے پر وہ قوی رہتا ہے اس لیے بیٹھ کر غسل کرنا بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بیٹھ کر غسل فرمایا ہے۔

لما اخرجہ الامام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری عن اُمّ ہانی تقول ذہبت الی رسول اللہ عام الفتح فوجدتہ یغتسل و فاطمة تسترہ فقال من ہذا فقلت انا اُمّ ہانی۔ (الصیغم البخاری ج ۱ ص ۱۲۸ باب التستر فی الغسل عند الناس) لہ

**سوال:** کیا غسل کرتے وقت عورت کے لیے دورانِ غسل سر پر مسح کرنا کافی نہیں؟ پورے بدن کا دھونا فرض ہے؟ بعض عورتیں بدن پر

پانی ڈال کر سر پر مسح کرنا کافی سمجھتی ہیں، کیا ایسی صورت میں غسل ہو جاتا ہے؟

**الجواب:** احکامِ غسل میں مرد اور عورت یکساں ہیں، جیسا مرد کے لیے پورے بدن کا دھونا فرض ہے اسی طرح عورت کے لیے بھی پورے بدن کا دھونا ضروری ہے، سر کے بالوں پر مسح کر لینا کافی نہیں، بال بھی دھونا ضروری ہیں، اگر غسل کرتے وقت بالوں پر مسح کر کے دھونا چھوڑ دیا جائے تو اس سے غسل ادا نہیں ہوگا۔

قال المحصن فی: وفرض الغسل غسل کل قمہ وائفہ حتی ماتحت الدرہن وباقی بدنہ لکن فی المغرب وغیر البدن من المنکب الی الالیۃ، وجینڈ فالرأس والعنق والید والرجل خارجة لغة داخلۃ تبعاً شرعاً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار۔ اجازات الغسل ج ۱ ص ۱۵۲) لہ

لہ واخرجه الامام مسلم فی صحیحہ عن معاذۃ قالت قالت عائشۃ: کنت اغتسل انا ورسول اللہ من انا وواحد بینی و بینہ فیبا در فی حتی اقول دع لی دع لی قالت ہما جنیان۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۲۸ باب غسل الرجل والمرأۃ من انا وواحد)۔

لہ و فی الہندیۃ: الفصل الاول فی فرائضہ وھی ثلاثۃ المضمضۃ والاستنشاق وغسل جمیع البدن علی ما فی المتون۔ (الہندیۃ۔ الباب الثانی فی الغسل ج ۱ ص ۱۵۲) ومثلہ فی البحر الرائق، کتاب الطہارۃ ج ۱ ص ۱۵۲

**سوال :-** بعض علاقوں میں لوگ بڑے بڑے تالابوں  
 غسل کے لیے کشف عورت کا حکم اور حوضوں میں اجتماعی طور پر غسل کرتے ہیں، اس میں  
 نظام ہے کہ عضو مخصوصہ کے کشف پر جس کو لوگ دیکھ سکیں (ضمیر ملامت کرتا ہے، لیکن اگر ایک  
 شخص عضو مخصوصہ پر ایک کپڑا باندھ کر ایسی حالت میں غسل کرے کہ ناف کے نیچے اور  
 گھٹنوں سے اوپر کا کچھ حصہ عام لوگوں کو نظر آئے، اس کا از روئے شرع کیا حکم ہے ؟

**الجواب :-** واضح ہو کہ اگر انسان ایسی جگہ میں غسل کرے جہاں پر اکیلا ہو تو ایسی  
 حالت میں بھی بلا ضرورت کشف عورت سے احتراز کرے گا ضرورت کی حد تک اس کے لیے  
 کشف عورت کی رخصت ہے۔ لیکن جہاں اس پاس لوگ موجود ہوں تو ایسی حالت میں گھٹنوں  
 سے لے کر ناف تک کا حصہ مرد کے لیے چھپانا فرض ہے جس کا کشف حرام ہے، ایسی حالت  
 میں یہ ضروری ہے کہ پردہ کر کے غسل کرے تاہم اگر ایک شخص نے اس طریقہ سے غسل کر لیا تو  
 ارتکاب حرام کے باوجود جب فرائض غسل ادا ہوئے ہوں تو فریضہ غسل ادا ہو جاتا ہے۔  
 قال ابراہیم الحلبي: وان يغتسل في موضع لا يراه احد (لا احتمال بدف المعورة  
 حال الاغتسال او اللبس والحديث يعلى بن أمية ان النبي صلى الله عليه وسلم قال  
 ان الله حتى ستير يحب الحياء والتستر فاذا اغتسل احدكم فليستتر۔  
 (رواه ابوداؤد)۔ (کبیری۔ فرائض الغسل ص ۱۵)۔

**سوال :-** اگر کسی شخص کو ایسی جگہ میں غسل  
 کشف عورت کی صورت میں تیمم کی رخصت کی ضرورت پڑے جہاں غسل کرنے کا باپردہ  
 انتظام نہ ہو اور اگر غسل کرتا ہے تو کشف عورت کا قوی امکان ہے، تو ایسی صورت میں  
 غسل کرنے کا کیا حکم ہے ؟

**الجواب :-** جب دیگر آدمیوں کے سامنے کشف عورت کے بغیر غسل ممکن نہ ہو تو  
 اس شخص کے لیے تیمم کرنا جائز ہے یعنی کشف عورت سے بچنے کیلئے تیمم پر اکتفاء کرے اور

قال ابن عابدین: قال في شرح المنية: وهو غير مسلم، لان ترك المنهى مقدم على فعل  
 المأمور وللغسل خلف وهو التيمم فلا يجوز كشف العورة لاجله عند من  
 لا يجوز نظره اليها۔ (مرآة المختار على الدر المختار۔ ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۶)



جب موقع ملے تو پھر غسل کرے۔

قال ابراهيم الحلبي: وللغسل خلف وهو التيمم ولا يجوز كشف العورة عند  
من لا يجوز نظره اليها لاجله - ركبيري - فرائض الغسل ص ۱۵۵ لہ

شہوت کے یا وجود منی بند کرنے سے غسل کا حکم | سوال :- اگر کسی نے رأس الذکر پر پھر

منی چھوڑ دی تو ایسی صورت میں غسل واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- طرفین کے نزدیک ایسی صورت میں غسل واجب رہے گا جبکہ امام ابو یوسفؒ

کے نزدیک خروج منی کے وقت شہوت کی موجودگی ضروری ہے صورت مذکورہ میں خروج منی

کے وقت شہوت نہ ہونے کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل واجب نہیں رہتا، لیکن

مفتی بہ قول طرفین کا ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص کہیں مہمان ہو اور احتلام کی صورت میں میزبان کی طرف سے شک پیدا

ہونے کا امکان ہو تو پھر احتلام کے وقت اسی طریقہ کو اختیار کرنے پر امام ابو یوسفؒ کے

قول پر عمل کرنا جائز ہے، البتہ فتویٰ اس پر نہیں دیا جاسکتا۔

قال المحصفي: وشرطه ابو يوسف وبقوله يفتي في ضيف خاف ريبته واستمعى

كما في المستصفى وفي القهستاني والتا تاريخانية معزيا للتوازل: وبقول ابى يوسف ناخذ

لانه ايسر على المسلمين قلت ولا سيما في الشتاء والسفر - وقال ابن عابد بن

قوله وشرطه ابو يوسف اى شرط الدفق، واثرة الخلاف يظهر فيما لو احتلم

او نظر بتمهوتة فامسك ذكره حتى سكنت تمهوتة ثم ارسله فانزل وجب

عندهما لا عند (وبعد اسطر) قوله قلت) ظاهرة الميل الى اختيار ما في النوازل، ولكن

اكثر الكتب على خلافه حتى البحر والنهر ولا سيما قد ذكروا

ان قوله قياس وقولهما استئسان وانته الا حوط فينبغي الافتاء

لہ قال ابن عابد بن: ولا يخفى ان تاخير الغسل لا يقتضى عدم التيمم

فان المبيح له وهو العجز عن الماء قد وجدنا فهم -

رہا ڈا المختار علی الدر المختار - ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۵

بقوله في مواضع الضرورة - فقط (رد المحتار على الدر المختار - ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۶) له

غسل کرتے وقت جہاں پانی پہنچانا مشکل ہو تو اس کا حکم | سوال :- ختنے کے وقت

بعض اوقات حشفہ کے ارد گرد چمڑہ رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے غسل کے وقت حشفہ تک پانی پہنچانا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ بغیر کسی تکلف اور سخت کوشش کے پانی داخل نہیں ہوتا، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب :- جس جگہ میں پانی داخل کرنا شاق ہو تو وہاں کانوں کے سوراخ کی طرح ظاہر پر پانی ڈالنے سے غسل صحیح ہوتا ہے، ایسی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت نہیں جو موجب حرج ہوں۔

قال المحصن: ولو كان خاتمه ضيقاً نزعها او حرکه وجوباً كقرط ولو لم يكن بشقب اذنه قرط قد دخل الماء فيه اى الثقب عند مروره على اذنه اجزاه كسرة واذن و خلها الماء روا الاميدخل اذخله ولو با صبعه ولا يتكلف بخشب ونحوه والمعتبر غلبة ظنه بالوصول - الدر المختار على صدر رد المحتار ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۵

سوال :- کیا غسل کرنے کے بعد دوبارہ وضو ضروری ہے یا غسل کے ضمن میں کیے گئے وضو پر اکتفاء

له قال ابن نجيم: ثم اتفق اصحاب المذهب انه لا يجب الغسل اذا انفصل عن مقربه من الصلب بشهوة الا اذا خرج على رأس الذكر وانما الخلاف في انه هل يشترط مقارنة الشهوة الخروج فعند ابى يوسف نعم وعندهما لا وقد اشار الى اختيار قولهما بقوله عند انفصاله اى فرض الغسل عند خروج منى موصوف بالدفق والشهوة عند الانفصال عن محله عندهما - البحر الرائق بمبحث الغسل ج ۱ ص ۵۵

له قال ابراهيم الحلبي: امرأة اغتسلت هل تتكلف في اصال الماء الى ثقب القرط ام لا قال اى محمد تتكلف فيه اى في اصال الماء الى ثقب القرط كما تتكلف في تحريك الخاتم ان كان ضيقاً والمعتبر فيه غلبة الظن بالوصول وبعد اسطر، ولا تتكلف لغير الامر من ادخال عود ونحوه فان المخرج مدفوع - (كبيرى - فرائض الغسل ج ۱ ص ۲۸) ومثله في الهندية الفصل الاول في فرائض الغسل ج ۱ ص ۱۲ -

کیا جاسکتا ہے؟

**الجواب:** بہتر یہ ہے کہ غسل کرنے سے قبل وضو کر لیا جائے البتہ اگر غسل سے قبل وضو نہ کیا گیا ہو تو غسل میں ضمناً وضو پورا کتفاء ہو سکتا ہے، ایسی حالت میں غسل کے بعد دوبارہ وضو ضروری نہیں، البتہ اگر غسل کرنے کے بعد کسی دوسری مجلس میں وضو کرے تو جائز ہے۔

قال ابن نجيم: واتفق العلماء على عدم وجوب الوضوء في الغسل الا اذا اود الظاهر فقال بالوجوب في غسل الجنابة واذ توضاء اولاً ولا ياتي به ثانياً بعد الغسل فقد اتفق العلماء على انه لا يستحب وضوءان للغسل اما اذا توضاء بعد الغسل واختلف المجلس على مذهبنا او فصل بينهما بصلوة كما هو مذهب المشافعي فيستحب۔  
البحر الرائق سنن الغسل ج ۱ ص ۱۵۸

**سوال:** اگر کوئی شخص صبح نیند خواب سے بیداری کے بعد محض تری کے احساس سے غسل کا حکم سے بیدار ہوتے وقت اچیل میں بغیر کسی شہوت اور ذوق کے تری محسوس کرے تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟ جبکہ احتلام بھی یاد نہ ہو اور نہ تری کے بارے میں منی ہونے کا یقین ہو؟

**الجواب:** خواب میں احتلام یاد نہ ہونے کے باوجود نفس تری کے احساس کی صورت میں غسل احتیاطاً واجب ہے، البتہ اگر مذی ہونے کا یقین ہو تو پھر غسل واجب نہیں۔  
قال ابراهيم الحلبي: واما اذا لم يتذكر الاحتلام وتيقن انه منى او شك هل هو منى او مذى فكذا لك يجب عليه الغسل في هاتين الحالتين ايضاً اجماعاً للاحتياط وان تيقن انه مذى فلا غسل عليه۔ (كبيري۔ اما الطهارة الكبرى نهي لاغتسال ماء) ص ۲

قال العلامة الحصكفي: لو توضأ اولاً لا ياتي به ثانياً لانه لا يستحب وضوءان للغسل اتفاقاً اما لو توضاء بعد الغسل واختلف المجلس على مذهبنا او فصل بينهما بصلوة كقول الشافعية فيستحب۔ (الدر المختار على صدر رد المختار ج ۱ ص ۱۵۸ سنن الغسل)  
قال طاهر بن عبد الرشيد: والثالث اذ روي البليل على قرائشه ولم يتذكر الاحتلام عندهما يجب عليه الغسل وعند ابي يوسف لا غسل عليه۔ (خلاصة الفتاوى)۔  
الفصل الثاني في الغسل ج ۱ ص ۱۳۱ ومثله في المهندية۔ الفصل الثالث في المعاقبة الموجبة للغسل ج ۱ ص ۱۵۸۔



**احتلام بھول جانے کی صورت میں پڑھی گئی نمازوں کا حکم | سوال :-** کسی شخص سے احتلام

یاد آیا کہ چند روز قبل اس کو احتلام ہوا تھا، تو اس دوران پڑھی گئی نمازوں کا کیا حکم ہے؟  
**الجواب :-** اگر کسی کو چند روز کے بعد احتلام کا علم ہوا کہ فلاں دن کو مجھے احتلام ہوا تھا تو اسی روز سے نمازوں کی قضاء کرے گا اور اگر متعین دن کا علم نہ ہو تو آخری نوم زیندہ سے جہنی شمار ہوگا، اس کے بعد جتنی نمازیں پڑھی گئی ہوں ان کی قضاء لازم ہوگی۔

لما قال الشيخ عبدالحی :- اگر دانست کہ احتلام فلاں روزت حکم جنابت ازاں روز جاری نخواهد شد و اگر تعین روز معلوم نہ شد حکم احتلام از آخر نوم کہ بعد آن نخسپید است داد نخواهد شد۔ (مجموعۃ الفتاویٰ فارسی) ج ۳ ص ۲۶۱ باب الغسل

**کنڈوم (ساتھی) کے ساتھ ایلاج موجب غسل ہے | سوال :-** کنڈوم (ساتھی) کو استعمال کرنے کی صورت میں جماع

بدون انزال کے موجب غسل ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** نفس التقاء نقتانین (دونوں شرمگاہوں کا مل جانا) جب سپاری غائب ہو جائے تو بغیر انزال کے موجب غسل ہے بشرطیکہ دونوں کو ایک دوسرے کی حرارت محسوس ہو اس لیے فقہاء نے اس ایلاج (دخول) کو موجب غسل قرار نہیں دیا جو موٹے کپڑے کے ساتھ ہو اور اس میں فرج داخل کی حرارت محسوس نہ ہو لیکن کنڈوم (ساتھی) میں اگرچہ ذکر ملفوف ہوتا ہے مگر یہ غلاف اتنا باریک ہوتا ہے کہ اس کی موجودگی میں بھی تمام تر لذت کا احساس ہوتا ہے اور طرفین ایک دوسرے سے لذت یا ب ہوتے ہیں اس لیے کنڈوم کے ساتھ داخل ہونا انزال بھی موجب غسل ہے۔

لما قال حسن بن عمار: ومنها ایلاج بخرقۃ مانعة من جود اللذۃ علی الاصح۔ قال الشيخ احمد الطحطاوی رقومانعة من وجود اللذۃ، اقتصر علی ذکر اللذۃ هنا ورا د فیما تقدم وجود الحرارة وعلیها متلا زمان۔ (الطحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص ۶۸ فصل عشر و اشیاہ لا یغتسل منها)

ایضاً ولولف ذکر بخرقۃ و اولجہ ولمینزل فالاصح انه ان وجد حرارة الفرج واللذۃ وجب الغسل و الا فلا۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۶۸ موجبات الغسل) لہ

لہ قال المحکفی: اولج حشفته او قدھا ملفوفۃ بخرقۃ ان وجد لذۃ الجماع وجب الغسل و الا لا علی الاصح۔ (الدم المحتار علی صدر المختار ج ۱ ص ۱۶۲، ۱۶۵ باب الغسل)

**سوال:** ٹیسٹ ٹیوب بی کے ذریعے جو مادہ منویہ عورت کے رحم میں رکھا جاتا ہے، کیا

اس عمل سے عورت پر غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ وجوب غسل کا سبب نفس خروج منی یا دخول منی نہیں بلکہ اصل علت اس میں لذت اور تسکین قلب ہوتی ہے جو شہوت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، ٹیسٹ ٹیوب میں لذت اور تسکین کی علت مفقود ہوتی ہے اور اس میں صرف مادہ منویہ عورت کے رحم میں بذریعہ مشین پہنچایا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس طریقہ سے وہ لذت و تسکین نہیں جو مرد کے جماع کرنے سے عورت کو حاصل ہوتی ہے۔

اس کی مثال عورت کا اپنی شرمگاہ میں انگلی داخل کرنے یا غیر آدمی کے ذکر وغیرہ کو داخل کرنے کی ہے جو موجب غسل نہیں۔ البتہ اگر ٹیسٹ ٹیوب کے عمل کے وقت عورت کو انزال ہو جائے تو تب غسل واجب ہوگا اگرچہ بدون انزال کے غسل کرنا زیادہ احوط ہے۔

لما قال المحصن فی: وفرض الغسل عند خروج منی من العضو... منفصل عن مقرة هو صلب الرجل وترائب المرأة... بشهوة ای لذتہ ولو حکماً کمتحلم ولم يذكر الدفق يشمل منی المرأة، لان الدفق فیہ غیر ظاہر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۴۰) باب الغسل

وایضاً قال: ولا عند ادخال اصبع ونحوه کذا غیر آدمی و ذکر خنثی ومیت وصبی لایشتهی ما یصنع من نحو خشب فی الدبر والقبل علی المختار۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۶) باب الغسل

**سوال:** اگر ایک آدمی کسی جانور سے وطی کرنے کی صورت میں غسل کا مسئلہ

لہ قال حسن بن عمار: اولها خروج المنی وهو ما ادالی ظاہر الجسد لانه ما لم یظہر الاحکم له اذا انفصل عن مقرة بشهوة من غیر جماع۔ (مرآة الفلاح علی صد الخطاوی فصل موجبات الغسل) وایضاً ومتھا ادخال اصبع ونحوه کشبہ ذکر مصنوع من نحو الجلد فی احد السبلین علی المختار مقصوراً لشهوة۔ (مرآة الفلاح علی صد الخطاوی فصل عشرة اشياء لا یغتسل منها)

انزال نہ ہو تو غسل واجب ہے یا نہیں؟

**الجواب:** نفس ایلاج موجب غسل نہیں بلکہ ایلاج (التقاء خاتنین) کے لیے محل مشتہا کا ہونا ضروری ہے۔ چونکہ بہیمہ (جانور) یا میتہ (مردہ) محل مشتہات نہیں اس لیے نفس وطی بدون انزال کے غسل واجب نہیں۔

لما قال الحسکفی: ولا عند بہیمہ او میتہ او صغیرۃ غیر مشتہاۃ بان تصیر مفضاۃ بالوطء وان غابت الحشفہ ..... بلا انزال لقصور الشہوۃ۔

الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۱ اجازات الغسل سنن الغسل ۱۷

**التقاء خاتنین کی صورت میں غسل کا حکم** | سوال :- مرد و عورت کی شرمگاہیں جب آپس میں مل جائیں تو کیا دونوں پر غسل ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ احادیث مقدسہ کے صریح اور واضح الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس اتقاء خاتنین موجب غسل ہے بشرطیکہ حشفہ (سپاری) فرج میں غائب ہو جائے۔

لما اخرج الامام ابو عیسیٰ الترمذی: عن عائشۃ قالت اقبلوا الختان الختان وجب الغسل فعلتہ انا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاغتسلنا۔

الجامع الترمذی ج ۱ ص ۳۱۰ باب ما جاء اذا التقی الختان وجب الغسل ۱۷

**غسل کے بعد منی نکلنے پر غسل کا حکم** | سوال :- کبھی کبھی جلدی کی وجہ سے جماع یا احتلام کے بعد غسل کیا جاتا ہے اور غسل کے بعد منی کے قطرے خارج ہو جاتے ہیں تو کیا دوبارہ غسل کرنا واجب ہے یا پہلا غسل ہی کافی ہوگا؟

لہو فی الہندیۃ، والایلاج فی البہیمۃ والمیتۃ والصغیرۃ التی لا یجامع مثلہا لا یوجب الغسل بدوہا الا نزال۔ (الہندیۃ ج ۱ ص ۱۵۱ الفصل الثالث فی المعانی الموجبۃ الغسل) ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۱۳۱ الفصل الثانی فی الغسل۔

لما قال الحسکفی: وعند ایلاج حشفہ ہی مافوق الختان آدمی احتراز عن الجنی یعنی اذا لم ینزل ..... او ایلاج قدرہا من مقطوعہا ولولم یبق منہ قدرہا ..... فی احد سبیلی آدمی حی یجامع مثلہ علیہما۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۱، ۱۶۲ سنن الغسل)

ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۵۱ الفصل الثالث فی المعانی الموجبۃ۔



**الجواب:** - غسل کرنے کے بعد منی کے جو قطرات خارج ہوتے ہیں اس میں قدمے تفصیل ہے، اگر منی کے قطرات کثرت مشی زیادہ چلنے (سونے یا پیشاب کے بعد نکلے ہوں تو چونکہ بسا اوقات ان حالات میں بغیر شہوت و دفتق کے منی خارج ہو جاتی ہے اسلئے عدم شہوت کی وجہ سے پہلا غسل ہی کافی ہے دوبارہ غسل واجب نہیں اور اگر ان عوارض سے قبل منی کے قطرات خارج ہو جائیں تو دوبارہ غسل واجب ہوگا۔

لما فی الہندیۃ: لو اغتسل من الجنابة قبل ان یبول او ینام و صلی ثم خرج بقیۃ المنی فعلیہ ان یغتسل عندہما خلا فالابی یوسف و لکن لا یعیذ تلک الصلوۃ فی قولہم جمیعاً کذا فی الذخیرۃ ولو خرج بعد ما بال او نام او مشی لا یجب علیہ الغسل اتفاقاً کذا فی التبیین۔

دالہندیۃ ج ۱ ص ۱۱۱ الفصل الثالث فی المعافی الموجبۃ الغسل لہ  
**سوال:** - آب کل غسل کے لیے بعض مقامات پر سوئمنگ پول بنا دیئے گئے ہیں جو درہ درہ حوض (ایک صدراع) سے

کہیں زیادہ ہوتے ہیں، ان میں غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟  
**الجواب:** - جو حوض درہ درہ ہو تو مفتی بہ قول کے اعتبار سے اس کا پانی ماء جاری کے حکم میں ہے۔ لہذا صورت مسئلہ میں سوئمنگ پول اگر درہ درہ زراع یا اس سے زیادہ ہو تو وہ ماء جاری کے حکم میں ہے اس لیے اس میں غسل کرنا جائز ہے۔ البتہ چونکہ سوئمنگ پول میں غسل کرنا کفار اور فساق کا وطیرہ ہے اس لیے ایسی جگہوں میں غسل کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

لما قال طاہر بن عبد الرشید: الحوض الکبیر مقدار بعشرۃ ازرع فی عشرۃ ازرع۔  
 وعلیہ الفتاوی۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۱۱۱ کتاب الطہارۃ) لہ

لہ قال ابن عابدین: وکذا لو خرج منه بقیۃ المنی بعد لغسل قبل النوم والبول او المشی اکثر نہرای کا بعدہ لان النوم والبول والمشی یقطع مادۃ الزائل عن مکانہ بشہوۃ فیکون الثانی زائلاً عن مکانہ بلا شہوۃ فلا یجب الغسل اتفاقاً۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۱۱ مواجبات الغسل)

لہ التقدير بعشر فی عشر هو المفتی بہ قال السید احمد الطحطاوی (قولہ هو المفتی بہ) هو قول عامۃ المشائخ خانیۃ وهو قول اکثر وہ ناخذ نوازل وعلیہ الفتاوی کما فی شرح الطحاوی۔ (طحطاوی حاشیۃ مرقی الفلاح ص ۲۱ کتاب الطہارۃ بحث اقسام المیاء)

وَمِثْلُهُ فِي الرَّهْنَدِيَّةِ ج ۱ ص ۱۱۱ الباب الثالث في الميائہ۔

**جنابت کا غسل فوراً کرنا ضروری نہیں** | سوال :- عوام میں یہ بات بہت زیادہ مشہور ہے کہ بیوی سے جماع کے فوراً بعد غسل کرنا ضروری

ہے ورنہ گناہ ہوتا ہے، کیا واقعی یہ بات درست ہے؟

**الجواب :-** جماع کرنے کے بعد اگرچہ غسل کرنا واجب ہو جاتا ہے مگر یہ وجوب علی الفور نہیں بلکہ جب موقع ملے تو غسل جنابت کر لیا جائے، اگرچہ اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ فوراً غسل کر لیا جائے۔

عن ابن عمر قال ذکر عمر بن الخطاب لرسول الله صلى الله عليه وسلم: انہ تصيبه الجنابة من الليل فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم توضحوا غسل ذكرك ثم نم - متفق عليه - (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۹۹ باب مخالطة الجنب) لہ

**مصنوعی بالوں کا وضو و غسل میں حکم** | سوال :- موجودہ دور میں خواتین اپنے بالوں کو لمبا اور گھنا ظاہر کرنے کے لیے مصنوعی بال لگاتی ہیں، غسل یا وضو میں ان کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** اگرچہ یہ عمل شرعاً ممنوع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے عمل کو موجب لعنت قرار دیا ہے لیکن اگر یہ عمل کر بھی لیا جائے تو غسل میں چونکہ عورتوں پر صرف بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا ضروری ہوتا ہے اس لیے وضو اور غسل میں ان خارجی بالوں کا ہٹانا ضروری نہیں بشرطیکہ وضو میں چوتھائی سر کا مسح اصلی بالوں پر ہو، ہاں اگر مصنوعی بالوں پر مسح کیا جائے تو وضو جائز نہ ہوگا۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ليس على المرأة ان تنقض ضفا ثرها في الغسل اذا بلغ الما راصول الشعر - (الهداية ج ۱ ص ۲۱۱ فصل في الغسل) لہ

لہ عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان جنباً فارد ان يأكل او ينام توضحاً وضوءاً للصلوة - (متفق عليه)

(مشکوٰۃ المصابيح ج ۱ ص ۲۹۹ باب مخالطة الجنب وما يباح له)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَقْهِ الْأَسْلَامِيِّ وَادَّلَتْهُ ج ۱ ص ۳۸۲ الْمَطْلَبُ الْخَامِسُ مَكْرُوهُاتُ الْغَسْلِ -

لہ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: لا يفترض نقض المضموم من شعر المرأة إن سوي الما في اصوله اتفاقاً الخ - (مراقي الفلاح على مدار الطعطاوى ص ۸۲ فصل

فرائض الغسل)

وَمِثْلُهُ فِي كَبِيرِي ص ۲۷۰ فَرَائِضُ الْغَسْلِ -

**سوال :-** اگر ایک شخص بیداری کی حالت میں صرف نرمی محسوس کرنا موجب غسل نہیں | بلاشہوت ودفق اچیل میں منی یا ندی کی کچھ تری محسوس کرے اور وہ قلیل المقدار ہونے کی وجہ سے اس کے اندر ہی رک جائے اور باہر خارج نہ ہو تو اس صورت میں غسل کرنے کا کیا حکم ہے ؟

**الجواب :-** صورت مذکورہ میں غسل واجب نہیں کیونکہ وجوب غسل کے لیے خروج منی علی وجہ الدفق و الشہوت ضروری ہے جو کہ صورت مسئلہ میں منفقود ہے، البتہ اس تری کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر قطرات صرف اچیل کے اندر ہوں خارج نہ ہوئے ہوں تو وضو پر بھی کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

وفي الهندية : منها الجنابة وهي تثبت بسبب احدهما خروج المنى على وجه الدفق والشهوة - (الهندية - الفصل الثالث في المعاني الموجبة للغسل ج ۱ ص ۱۰۵)

**سوال :-** اگر ایک شخص اپنی منکوحہ سے متعدد بار یا دو تین بیویوں سے جماع کر کے آخر میں ایک دفعہ

غسل کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں یا ہر بار جماع کے لیے مستقل غسل کرنا ہوگا ؟

**الجواب :-** ایک بیوی سے یا متعدد بیویوں سے کئی بار جماع کرنے کیلئے ایک غسل کرنا کافی ہے، ہر دفعہ جماع کے لیے الگ غسل کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے : ان رسول الله صلى الله عليه وسلم طاف ذات يوم على نساءه في غسل واحد - (ترمذی ج ۳۶ باب ما جاء في الرجل يطوف على نساءه بغسل واحد)

وقال المحصفي : وكامعاودة اهله قبل اغتساله الا اذا احتلم لمريات اهله - قال الحلبي ظاهرا لاحاديث انما يقيد الندب لانفي الجواز

۱۰ قال برهان الدين : المعاني الموجبة للغسل انزال المنى على وجه الدفق والشهوة من الرجل والمرأة حالته النوم واليقظة (الهداية - فصل في الغسل ج ۱ ص ۳) ومثله في خلاصة الفتاوى الفصل الثاني في الغسل ج ۱ ص ۱۰۵ -



المفاد من كلامه - (الدر المختار على صمدرد المختار - اجازات الغسل ج ۱) ۱۷۶/۱۷۵  
**سوال :-** اگر مسجد کے باہر گرم پانی  
 جنابت کی حالت میں بوقت ضرورت مسجد میں جانا  
 بیٹھنے ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل  
 میں تکلیف ہوتی ہو تو گرم پانی کے لیے مسجد میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی سا وقتاً  
 پانی کے پھپھکاؤں مسجد کے اندر ہوتا ہے، تو کیا جناب شخص پانی کی مشین چلانے کے لیے  
 مسجد میں داخل ہو سکتا ہے؟

**الجواب :-** اگر مسجد سے باہر غسل کا انتظام نہ ہو اور ضرورت کے تحت مسجد میں داخل ہونا  
 ضروری ہو تو تیمم کر کے مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔

قال ابن عابدین: لكن لقائل ان يقول ان مراد المبتغى ان الجنب اذا وجد  
 ماء في المسجد و اراد دخوله للاغتسال تیمم ویدخل - ۲۲۳  
 (در المختار على الدر المختار - باب التيمم ج ۱) ۱۷۶

**سوال :-** جنابت کی حالت میں  
 جنابت کی صورت میں پورے بدن کے غسل کا فلسفہ  
 پورے جسم کا غسل کیوں ضروری  
 قرار دیا گیا ہے، حالانکہ نجاست تو عضو مخصوص سے نکلتی ہے۔ مناسب تو یہ ہے کہ صرف  
 عضو مخصوص ہی دھویا جائے۔ آخر کار جنابت کا پورے جسم پر کیا اثر پڑتا ہے جس کی وجہ سے  
 غسل میں ہریال تک پانی پہنچانا ضروری قرار دیا گیا ہے؟

**الجواب :-** احکامات شرعیہ میں حکمتیں تلاش کرنا ضعف ایمان کی دلیل ہے،  
 مسلمان کے لیے بغیر کسی چون و چرا کے احکام شرعیہ پر عمل ضروری ہے، احکام شرعیہ میں حکمتیں  
 تلاش کرنا ایمان کا تقاضا نہیں، کیونکہ ایمان اور اسلام فرمانبرداری اور اطاعت کا نام ہے اس کا

۱۷۶ قال طاہر بن عبد الرشید: ولا بأس للجنب ان ينام وبعاء وداہلہ قبل  
 ان يغتسل او يتوضأ - (خلاصۃ الفتاویٰ الفصل الثانی فی الغسل ج ۱ ص ۱۷۶)  
 ومثله فی مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۶ باب مخالطة الجنب وبیاح له الفصل الاول -  
 ۱۷۶ قال ابراہیم الحلبي: جنب وجد الماء فی المسجد ولم یجدہ فی غیرہ ولیس معه  
 احد یا تیہ بہ تیمم لاجل الدخول - رکبیری باب التيمم ص ۱۷۶

یہ مطلب نہیں کہ احکام شرعیہ عقل سے متصادم ہیں بلکہ ہماری عقل ناقص ہے جس کی وجہ سے اوقات ان حکمتوں اور فلسفوں کے ادراک سے ہم قاصر رہ جاتے ہیں۔

تاہم جنابت کی حالت میں پورے بدن کے دھونے کے بارے میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ جنابت سے جسم میں گرانی و کابلی اور کمزوری و غفلت پیدا ہو جاتی ہے اور غسل سے دل میں قوت و نشاط و سرور اور بدن میں سبکساری پیدا ہوتی ہے۔ جنابت سے انسان کو ارواحِ طیبہ یعنی فرشتوں سے بُعد و دوری پیدا ہوتی ہے اور جب غسل کرتا ہے تو وہ بُعد اور دوری ختم ہو جاتی ہے۔ جب انسان مجامعت سے فارغ ہو جاتا ہے تو حالتِ جنابت میں ہونے کی وجہ سے اس کا دل انقباض اور تنگی کی حالت میں ہوتا ہے اور اس پر بوجھ سا طاری ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو نہایت تنگی اور گھٹن میں پاتا ہے، اور جب دونوں قسم کی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں اور انسان اپنے بدن کو ملتا اور غسل کرتا ہے تب اس کی گھٹن اور سستی دور ہو جاتی ہے۔

حاذق طبیبوں نے لکھا ہے کہ جماع کے بعد غسل کرنا بدن کی تحلیل شدہ قوتوں اور کمزوریوں کو لوٹا دیتا ہے اور بدن اور روح کے لیے نہایت نافع اور مفید ہے، اور جنابت میں رہنا اور غسل نہ کرنا بدن و روح کے لیے سخت مضر ہے۔ اس امر کی خوبی پر عقل و فطرتِ سلیمہ کافی گواہ ہے۔

والیہ اشار الشیخ ابن القیم الجوزیہ: حیث قال فان الاغتسال من خروج المنی من انفع شیء للبدن والقلب والروح بل جمیع اکواراح القائمۃ بالبدن فانہا تقوی بالاغتسال۔ والغسل یخلف علیہ ما تحلل منه بخروج المنی وایضاً فان الحنایۃ توجب ثقلاً وکسلًا والغسل یجد ثلہ نشاطاً وحقۃً رو بعد اسطر، وقد صرح افاضل الاطباء بان الاغتسال بعد الجماع یعید الی البدن ویخلف علیہ ما تحلل منه وانه انفع شیء للبدن والروح وترکہ مضر۔ را اعلام الموقعین۔ جواب ابن القیم المفصل عن الباب الغسل من المنی ج ۲ ص ۲۱۷



# باب البئر

## (کنوئیں کے مسائل و احکام)

**سوال :-** اگر کنوئیں میں یا تھوس کے پانی میں مینڈک

**الجواب :-** مینڈک کی دو قسمیں ہیں، ایک بحری دوسری بری۔ اگر بحری مینڈک جس کا رہن سہن پانی میں ہو تو مائی المولد کے حکم میں ہو کر اس کے مرنے سے پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور بری مینڈک کے بدن میں اگر خون نہ ہو تو اس سے بھی پانی نجس نہیں ہوتا البتہ اگر اسکے بدن میں خون ہو تو پھر اس کے مرنے سے پانی نجس ہوگا۔

قال المحقق: وما في مولد كسك وسرطان وضفدع الا برياله دم سائل وهو ما كاسترة له بين اصابعه فيفسد في الاصح كحياة بريته ان لها دم والا لا۔

قال ابن عابدین: (قوله فيفسد في الاصح) وعليه فما جزم به في الهداية من عدم الافساد بالضفدع البري وصرحه في السراج محمول على ما كادم له سائل كما في البحر۔ (محدثار على الدر المختار۔ باب المياہ ج ۱ ص ۱۸۵) لہ

**سوال :-** اگر کنوئیں میں انسان گر کر مر جائے تو اس

**الجواب :-** غیر نجس انسان کا بدن پاک ہے، اگر انسان کنوئیں میں گر جائے اور اسے زندہ

نکال لیا جائے تو پانی پاک ہے، البتہ اگر مر گیا ہو تو پانی نجس ہوگا اور اس صورت میں کنوئیں سے

لہ قال قاضی خان: موت ما كادم له كالسماك والسرطان والحیة وكل ما يعیش فی الماء لا یفسد ما دلا وانى وكذا الضفدع بريته كانت او بحرية فان كانت الحیة او الضفدع عظيمة لسها دم سائل یفسد الماء وكذا الوزعة الكبيرة۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش المندیتہ فصل فیما یقع فی البئر ج ۱ ص ۱)



تمام پانی نکالا جائے گا۔ اور اگر تمام پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو پھر دوسو سے لے کر تین سو ڈول تک نکالنے سے کنواں پاک ہوگا۔ تاہم اگر گرا ہوا آدمی محدث یا جنب ہو تو چالیس ڈول پانی نکالا جائے گا۔  
 قال ابراہیم الحلبي: وان ماتت فيها شاة او كلب او ادمي ينزح جميع الماء..... وكذا ينزح جميع الماء اذا استخرج الكلب او المختزير حياً۔ ركبيري فصل في البيوض ۱۷  
 قال العلامة عالم بن العلاء الانصاري: ان كان محدثاً ينزح اربعون دلواً۔  
 (تاتارخانيہ ج ۱ ص ۱۸۲ مسائل البيڑ)

**سوال :- گھروں میں بیت الخلاء کیلئے پانی کے کنوئیں اور بیت الخلاء کے درمیان فاصلہ گسٹر کھودا جاتا ہے جس میں بول و براز بیت الخلاء سے نکل کر جمع ہوتے ہیں، چھوٹے گھروں میں اس کے قرب و جوار میں پانی کا کنواں بھی بنایا جاتا ہے، کیا اس سے پانی کے کنوئیں پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں اور ان کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟**

**الجواب :-** پانی کی طہارت و نجاست کا حکم گسٹر اور کنوئیں کے درمیان گندگی کے وصول پر مبنی ہے اور یہ وصول زمین کی نرمی اور سختی کی وجہ سے متفاوت ہے، کوئی خاص فاصلہ اسکے بارے میں متعین نہیں۔ تاہم یہ خیال رکھنا چاہیے کہ جہاں تک لون طعم ترخ (بو) متاثر ہونے کا خطر نہ ہو تو اتنا فاصلہ رکھ کر بیت الخلاء کا گسٹر بنایا جائے جس سے کنوئیں کا پانی متاثر نہ ہو۔

قال في الهندية: بئر الماء اذا كانت بقرب البئر النجسة فهي طاهرة ما لم يتغير طعمه أو كونه أو ريحه كذا في الظهيرية ولا يقدر هذا بالذم ان حتى اذا كان بينهما عشرة اذرع وكان يوجد في البئر أثر البالوعة فماء البئر نجس وان كان بينهما ذراع واحد ولا يوجد أثر البالوعة فماء البئر

له قال الحصكفي: فان اخرج الحيوان غير منتفخ ولا متفسخ ولا متعيط فان كان كادمي وكذا سقط وسخلة وجدى واوزكبير ينزح كله۔ (الدم المختار على صدر رد المختار۔ فصل البيوض ۱) ومثله في الهندية ج ۱ ص ۱۹۱ الباب الثالث في المياه۔

قال العلامة ابن عابدین: تحت قوله كادمي محدث، اي انه ينزح فيه اربعون۔ (رد المختار ج ۱ ص ۲۱۳ باب البيڑ)

طاهر۔ کذا فی المحيط وهو الصحيح۔ (الہندیۃ۔ الباب الثالث فی المیاہ ج ۱ ص ۲۱۲) لہ  
 کنوئیں میں گندی چیز مثلاً چیل یا لکڑی گر جانے کا حکم | سوال :- کنوئیں میں گندی چیز  
 مثلاً چیل، لکڑی یا نجس کپڑا گر جائے تو اس کا کیا حکم ہے ؟

**الجواب :-** اگر اس گری ہوئی گندی چیز کا نکالنا ممکن ہو تو نکالنا لازمی ہے اور اگر  
 نکالنا ممکن نہ ہو تو پھر اگر کنوئیں سے سارا پانی نکالنا مشکل نہ ہو تو سارا پانی نکالا جائے ورنہ  
 تین سو ڈول نکالنے سے کنواں پاک متصور ہوگا۔

قال المحصن فی: ینزح کل ما ٹھا بعد اخرجہ الا اذا تعدر کخشبة او خرقة  
 مُتَنَجِّسَةً فینزح الماء الی حد لا یملأ نصف الدلو یطہر الکل تبعاً۔  
 رد المحتار علی صدر رد المحتار۔ فصل فی البیروج ص ۲۱۲) لہ

اس کنوئیں کا حکم جس سے مرا ہو یا حیوان نکالنا مشکل ہو | سوال :- اگر کنوئیں میں مرغی  
 کا بچہ گر کر مر جائے اور کنوئیں سے اس کا نکالنا ممکن نہ ہو اور نہ تمام پانی کا نکالنا ممکن ہو تو تین سو ڈول نکالنے کے باوجود بھی کنوئیں میں  
 نجاست کی موجودگی میں پانی کا کیا حکم ہے ؟

**الجواب :-** ایسی حالت میں جبکہ تمام پانی کا نکالنا ممکن نہ رہے اور نجاست کا نکالنا  
 بھی آسان کے بس میں نہ ہو تو کنوئیں سے اتنی مدت تک پانی استعمال نہیں کیا جائے گا جب تک  
 وہ بچہ مٹی نہ ہو جائے، بعض نے چھ مہینہ تک تحدید کی ہے۔

قال ابن عابدین: قلت فلو تعدر ایضاً ففی القہستانی عن الجواہر: لو وقع

لہ قال طاہر بن عبدالرشید: وادنی ما ینبغی ان یکون بین یتر الماء والبالوعة سبعة  
 اذرع والتعویل علی نقوذ الرائحة ان تغیر لونه او طعمه او رائحته نجسة والا فلا۔  
 خلاصة الفتاویٰ الجنس الثالث فی الایار کبار ص ۱۱۱۔ ومثله فی رد المحتار علی الدر المختار فصل فی البیروج ص ۲۱۲  
 لہ قال فی الہندیۃ۔ ولو وقعت فی البئر خشبة نجسة او قطعة ثوب نجس وتعدر  
 اخرجها وتغیبت فیها طہرت الخشبۃ والثوب تبعاً بطہارة البئر کذا فی الظہیرۃ  
 (الہندیۃ۔ الباب الثالث فی المیاہ ج ۱ ص ۲۱۲) ومثله فی السعایۃ ج ۱ ص ۲۱۲)

عصفور، فیہا فعجز واعن اخراجه فما دام فیہا فنجسة فتترك مدة يعلم انه استحال وصار حماة وقيل مدة ستة اشهر۔

رد المحتار علی الدر المختار، فصل فی البترج ام ۲۱۳، لہ

**سوال :-** اگر ایک کنوئیں میں کتا گر کر مر جائے تو اس سے پانی کتا گرنے سے پانی کا حکم پر کیا اثر پڑے گا؟ ناپاکی کی صورت میں کنوئیں کے کیچڑ، ڈول اور رسی کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** کتا گرنے سے پانی نجس ہو جاتا ہے، کتے کا جسم نکالنے کے بعد سارا پانی نکالنا اگر ممکن ہو تو ضروری ہے ورنہ دوسو سے لے کر تین سو ڈول تک پانی نکالا جائے گا۔ کیچڑ نکالنا، ڈول اور رسی دھونا ضروری نہیں۔ ایسا ہی کنوئیں کی دیواروں میں تری رہ جانے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال فی الہندیۃ: اذا وقعت فی البئر نجاسة نزلت وکان نزح ما فیہا من الماء طہارة لہا باجماع السلف کذا فی الہدایۃ۔ (الہندیۃ۔ الباء الثالث فی المیاہ ج ۱ ص ۱۹۱)

**سوال :-** کنوئیں سے مردہ جانور خواہ کھڑا ہو یا نہ ہو یا نہ نکالا جائے تو گرنے کے وقت سے اس کی صورت میں اس سے ادا شدہ نماز کا حکم کیا ہے اور اس سے جو کپڑے اور برتن وغیرہ دھوئے گئے ہوں یا اٹا گوند آگیا ہو، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

لہ قال محمد عبد الحی۔ و ذکر القمہستانی فی جامع الرموز نقلاً عن الجواہر لو وقع فیہا عصفور فعجز واعن اخراجه فما دام فیہا فنجسة فیتترك مدة يعلم انه استحال وصار حماة وقيل مدة ستة اشهر انتھی و هذا ایضاً یفید انه لا بد من اخراج عین النجس فاذا تعذر فیتترك الی ان یتجیل۔ (السعیۃ ج ۱ ص ۲۲۶ فصل فی البئر) لہ قال ابن عابدین: (قوله ینزح کل ماؤها) ای دون الطین لورود الآثار ینزح الماء (و بعد اسطر) (یظہر لکل) ای من الدلو والرشاش والبکیۃ۔ (رد المحتار علی الدر المختار، فصل فی البترج ام ۲۱۲ ومثلہ فی مراقب الفلاح فصل فی مسائل البئر ص ۲۲۔)



**الجواب:**۔ کنوئیں میں نجاست مل جائے اور اس کا وقت وقوع معلوم نہ ہو تو علم وقوع سے قبل اگر اس کنوئیں کے پانی سے وضو کیا گیا ہو یا پاک کپڑے دھوئے گئے ہوں تو بالاجماع کسی چیز کا اعادہ نہیں، اور اگر حالت حدت میں وضو یا غسل کیا گیا ہو یا نجس کپڑے دھوئے گئے ہوں تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اگر حیوان نجاست (گلا سڑا ہو تو تین دن و رات کی جملہ نمازوں کا اعادہ ضروری ہے، اسی طرح ان دنوں کے دوران جو کپڑے یا برتن دھوئے گئے ہوں تو ان کا دوبارہ دھونا لازمی ہے اور جو آٹا گوندھا گیا ہو اگر وہ موجود ہو تو کسی حیوان کو کھلا دیں۔ اور صاحبین کے ہاں کسی چیز کا اعادہ نہیں بلکہ جس وقت اس کا علم ہوا اسی وقت سے اس کی نجاست کا اعتبار ہوگا۔ بعض علماء نے صاحبین کے قول کو راجح کر کے اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے لیکن اکثریت نے امام صاحبؒ کی رائے کو مفتی بہ قرار دیا ہے، تاہم اگر صحراء وغیرہ ہو اور اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ ہو تو پھر صاحبین کی رائے کو اپنانا بھی درست ہے۔

لما قال شيخ الاسلام ابو بكر بن علي الحدار: اذا وجد في البيئر ناسرة ميتة او غيرها.... ولا يدرون متى وقعت ولم تنتفخ ولم تنفسخ اعادوا صلوة يوم و ليلة وان كانت قد انتفخت او تقسخت اعادوا صلوة ثلاثة ايام وليا ليها في قول ابي حنيفةؒ اذا كانوا توضوا منها اي وهو محدثون وغسلوا كل شي يرا صابه ماؤها اي غسلوا ثيابهم من نجاسة اما ان توضوا منها وهو متوضون او غسلوا ثيابهم من غير نجاسة فانهم لا يعيدون اجماعا.... وقال ابو يوسفؒ ومحمد ليس عليهم شيء حتى يتحققوا امتي وقعت۔  
را الجوهرۃ النيرة ج ۱ ص ۲۱۹ فصل في البيئر

قال ابن عابدین: (قوله قيل وبه يفتي) قائله صاحب الجوهرۃ وقال العلامة قاسم في تصحيح القدرى: قال في فتاوى العتباتي قولها هو المختار قلت: لم يوافق على ذلك، فقد اعتمد قول الامام البيهقي والنسفي والموصلي وصدر الشريعة، وراجع دليله في جميع المصنفات۔

رد المختار ج ۱ ص ۲۱۹ مطلب مهم في تعريف الاستحسان) لے

لے قال ابن نجيمؒ واعلم ان البيئر تنجس من وقت وقوع الحيوان الذي وجد ميتا فيها (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

## باب الحوض

(حوض کے مسائل و احکام)

**سوال :-** بعض علاقوں میں چھوٹے چھوٹے حوض بنائے جاتے ہیں، پانی کی روانگی کے وقت تو کوئی مسئلہ نہیں رہتا لیکن جب پانی جاری نہ ہو تو ایسے حوض (تالاب) سے وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟ خاص کر اس وقت جبکہ حوض کے ایک جانب کتوں یا دوسرے حیوانات کی نجاست پڑی ہو۔

**الجواب :-** جو حوض وہ در وہ سے کم مقدار کا ہو تو صرف نجاست گرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے، اور جو حوض وہ در وہ یا اس سے زیادہ مقدار کا ہو تو جب تک پانی کے اوصاف تبدیل نہ ہوئے ہوں نفس نجاست گرنانا پانی کی کاسبب نہیں بنتا۔ لہذا مسئلہ حوض اگر وہ در وہ سے کم ہو اور اس میں نجاست پڑی ہوئی ہو تو پانی کے نجس ہونے کی بناء پر اس سے وضو کرنا جائز

رہیقہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

ان علم ذلك الوقت وان لم يعلم فقد صار الماء مشكوكا في طهارته ونجاسته فاذا توضوا منها وهم متوضون او غسلوا ثيابهم من غير نجاسة فانهم لا يعيدون اجماعا لان الطهارة لا تبطل بالشك وان توضوا منها وهم محدثون او اغتسلوا من جنابة او غسلوا ثيابهم عن نجاسة في اول والثاني خلاف فعند ابي حنيفة التفصيل المذكور في الكتاب وقال يعكفم بنجاسة وقت العلم بها ولا يلزمهم اعادة شيء من الصلوة ولا غسل ما اصابه ماؤها قبل العلم وهو القياس لان اليقين لا يزول بالشك - ر البحر الرائق - كتاب الطهارة ج ۱ ص ۱۲۳

وقال ر بعد اسطر في تصحيح الشيخ القاسم وفي فتاوى العتابة المختار قوله ما قلت هو المخالف لعامة الكتب فقد رجح دليله في كثير من الكتب وقالوا انه الاحتياط فكان العمل عليه وذكر الاسبيجاني ان ما عجز به قال بعضهم يلقى الى الكلاب وقال بعضهم يعلف المواشي - ر البحر الرائق ج ۱ ص ۱۲۵ كتاب الطهارة ومثله في السعاية ج ۱ ص ۲۳۸، ۲۳۹ كتاب الطهارة في احكام الاسار -

نہیں البتہ جاری ہونے کی صورت میں وہ درود سے کم حوض بھی نجس نہیں ہوتا۔

لما قال العلامة عبد الله بن محمود المودود والماء الراكد اذا وقعت فيه نجاسة لا يجوز به الوضوء الا ان يكون عشرة اذرع في عشرة۔

الاختیار لتعلیل المختار ج اصلا حکم الماء الداکن ان وقعت فيه نجاسة له

**سوال :-** طول و عرض کی مقدار بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے گول حوض کا حکم کہ حوض کا مستطیل یا مربع ہونا ضروری ہے، لیکن بسا اوقات حوض گول ہوتا ہے تو کیا چالیس گز گولائی والے حوض کو حوض کبیر کہا جاسکتا ہے؟

**الجواب :-** حوض کا مستطیل یا مربع ہونا ضروری نہیں، طہارت کا دار و مدار پانی کی کثرت پر ہے لہذا گول حوض ہونے کے باوجود جب وہ درود جتنا رقبہ بنتا ہو تو یہ ماہ جاری کے حکم میں ہوگا۔

قال ابن عابدین: قوله ای فی المربع، اشار الى ان المراد من اعتبار العشر في العشر ما يحون وجهه مائة ذراع سواء كان مربعاً، وهو ما يكون كل جانب من جوانبه عشرة وحول الماء اربعون ووجهه مائة او كان مدوراً او مثلثاً۔

رہد المختار علی الدر المختار۔ باب المیاہ ج ۱ ص ۱۴۲

**سوال :-** اگر حوض کی لمبائی اور چوڑائی متفاوت ہو، پھر بھی اوسط رقبہ وہ درود سے زیادہ ہو تو

له قال العلامة ابراهيم الحلبي: والماء الراكد الاصل عندنا ان الماء القليل ما لم يكن عشرًا في عشر يتنجس بوقوع النجاسة فيه وان لعريظهر فيه اثرها من لون ونحوه۔ ركبيري ص ۹۲، فصل في احكام الحياض) ومثله في خلاصة الفتاوى ج اصلا احكام الحياض۔

له قال ابن نجيم: فان كان الحوض مدوراً ففي الظهيرية يعتبر ستة وثلاثون وهو الصحيح وهو مبهرهن عند الحنابلة۔ وفي الخلاصة وصورة الحوض الكبير المقدس بعشرة في عشرة ان يكون من كل جانب من جوانب الحوض عشرة وحول الماء اربعون ذراعاً۔ (البحر الرائق۔ كتاب الطهارة ج ۱ ص ۱۴۲)



کیا اس کو حوضِ کبیر کے حکم میں شمار کیا جاسکتا ہے؟

**الجواب :-** حوضِ کبیر کے ماہِ جاری کے حکم میں ہونے کا دار و مدار تناسبِ اطراف پر نہیں بلکہ پانی کی کثرت پر ہے، اگر اوسط رقبہ وہ درجہ سے زیادہ بنتا ہو اور مبتلی بہ کی رائے میں پانی زیادہ ہو تو پھر طول اور عرض متفاوت ہونے کے باوجود یہ حوض وہ درجہ کے حکم میں ہو کر ماہِ جاری کے حکم میں رہ جائے گا۔

قال المحصفي: ولوله طول لا عرض لكنه يبلغ عشرًا في عشرًا جاز تيسرًا۔  
قال ابن عابدین: (قوله تيسرًا) ای جازاً لوضوء منه بناءً على نجاسة الماء المستعمل  
أو المراد جاز وان وقعت فيه نجاسة، وهذا احد قولين، وهو المختار۔  
رد المحتار على الدر المختار۔ باب المياه ج ۱ ص ۱۹۳۔

**سوال :-** ایک بڑا حوض ہونے کی صورت میں اگر وضو بڑے حوض سے وضو کا حکم کرتے وقت ماہِ مستعمل کے کچھ قطرے گرتے رہیں اور پانی

نکلنے کا کوئی راستہ بھی نہ ہو تو کیا اس حوض سے وضو کرنا درست ہے؟

**الجواب :-** بڑے حوض میں جب تک پانی کے اوصاف یعنی رنگ، ذائقہ اور بو متغیر نہ ہو تو ماہِ مستعمل کے قطرے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، از روئے شرع ایسا پانی پاک ہے اس سے وضو اور غسل دونوں جائز ہیں۔

قال المحصفي: وكذا يجوز براكذ كشير كذلك ای وقع فيه نجس لم يراثره  
ولو في موضع وقوع المرئية، به يفتي بحر الرالد المختار على هامش رد المختار  
باب المياه ج ۱ ص ۱۹۱۔

له قال ابن نجيم: فان كان الحوض مدوراً ففي الظهيرية يعتبر ستة وثلاثون وهو الصحيح  
وهو مبرهن عند الحساب وفي الخلاصة وصورة الحوض الكبير المقدم بعشرة في عشرة ان  
يكون من كل جانب من جوانب الحوض عشرة وحول الماء اربعون ذراعاً۔ (البحر الرائق كتاب الطهارة ج ۱ ص ۱۹۱)  
له قال ابن نجيم: (قوله) والا فهو كما لجاری ای وان يكن عشرًا في عشر فهو  
كالجاری فلا يتنجس الا اذا تغير احد اوصافه ثم في قوله كالجاری إشارة  
الى انه لا يتنجس موضع الوقوع۔ (البحر الرائق كتاب الطهارة ج ۱ ص ۱۹۱)  
ومثله في الهندية۔ الباب الثالث في المياه ج ۱ ص ۱۸۱۔

**سوال :-** اگر بڑا حوض جس کی مقدار عشرانی زیادہ پانی تغیر اوصاف کے بغیر پاک ہے عشر سے زیادہ ہو، گو بریا بول و براز واقع

ہونے سے اس کے پانی پر کیا اثر پڑتا ہے؟

**الجواب :-** واضح ہو کہ پانی خواہ حقیقتاً جاری ہو یا حکماً، اس میں نجاست واقع ہونے کی صورت میں تغیر اوصاف کے بغیر پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن یہی واضح ہو کہ وہ درودہ گز حوض ماہ جاری کے حکم میں ہونا احناف کے مذہب میں ایک روایت ہے جو امام ابوحنیفہ سے منقول نہیں، لیکن زمانہ حال میں جہل کی بنا پر فقہاء کرام وہ درودہ پر فتویٰ دیتے ہیں۔

قال طاہر بن عبد الرشید: النجاسة اذا وقعت في حوض ان كان كبيراً فهو بمنزلة البحر لا يتنجس الا ان يتغير طعمه اولونه او ريحه... قال (بعد اسطر) الحوض الكبير مقد ربعشرة اذرع في عشرة اذرع وعليه الفتوى۔

ر خلاصة الفتاوى - كتاب الطهارة ج ۱ ص ۱۷۷

**سوال :-** بڑی بڑی نہریں آبادیوں کے نہریں گندگی ڈالنے کی صورت میں پانی کا حکم قریب سے گذرتی ہیں تو لوگ عموماً اس میں

نجاست اور گندگی پھینکتے رہتے ہیں یہاں تک کہ گاؤں سے بیت الخلاء کا پانی بھی انہی نہروں میں شامل ہوتا ہے، بسا اوقات نجاست کے ڈھیر تک پانی میں نظر آتے ہیں تو ایسی نہروں کے پانی سے وضو اور غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** نہروں کا پانی جاری ہے اور جاری پانی میں جب تک اوصاف متغیر نہ ہوں یعنی رنگ، ذائقہ اور بو میں فرق نہ آیا ہو تو نجاست کے وقوع سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، ایسی بڑی نہروں میں عموماً نجاست مغلوب ہو جاتی ہے اور پانی میں اس کا کوئی خاص اثر ظاہر نہیں ہوتا، اس لیے نہروں کا پانی پاک ہے اس سے وضو اور غسل جائز ہے۔

قال الحصكفي: ويجوز بجار وقعت فيه نجاسة والجارى هو ما يعد جارياً عرفاً۔

لہ والتقدير بغير في عشر هو المفتى به وذكر السيد احمد الطحطاوى في تحت قوله هو المفتى به هو قول عامة المشائخ خانية وهو قول الاكثر وبه نلخذ نوازل وعليه الفتوى۔

الطحطاوى حاشیہ مراقی الفلاح ص ۲۱ بحث اقسام البیاء ومثله في الهندية۔ البتة الثالث في المياہ ج ۱ ص ۱۸

ان لم یرای یعلم اثره فلو فیہ جیفۃ او بال فیہ رجال فتوضاً اخر من اسفله جاز ما لم یرقی الجریۃ اثره وهو ما طعم اولون اوریح۔ رالدر المختار علی صدر رد المحتار باب المیاہ ج ۱ ص ۱۷۷

## باب التیمم

### (تیمم کے احکام و مسائل)

**سوال:** تیمم کی نیت کیسے کرنی چاہیے؟ اگر عربی کی نیت انسان کو یاد نہ ہو  
تیمم کی نیت | مادری زبان میں نیت کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز عربی میں نیت کے الفاظ  
کیا ہیں؟

**الجواب:** تیمم کی نیت دل کے ارادہ سے عبارت ہے، اگر دل میں ارادہ ہو تو یہ نیت  
صحیح تیمم کے لیے کافی ہے، تاہم بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی نیت کی جائے، اگر عربی میں نیت  
یاد نہ ہو تو اپنی زبان میں اس کا ترجمہ کرے، البتہ عربی میں نیت یوں ہے: نیت ان  
أتیمم لرفع الحدث ولا ستباحۃ الصلوۃ، لیکن نیت پر تلفظ کرتے وقت متعلقہ  
فعل کا دل سے ارادہ کرنا ہوگا تاکہ زبان اور دل کے ارادہ میں یکسانیت رہے۔

قال الحسن بن عمار: وهو لغة القصد وشرعاً مسح الوجه واليدين عن صعيد مطهر  
والقصد شرط له. رول بعد اسطر (يشترط لصحة نية التيمم <sup>للسلوة</sup> احدثاثة اشيا امانية لطهارة  
من الحدث القائم به اونية استباحة الصلوۃ اونية عبادۃ مقصودة لا تصح بدن طهارة - مراق الفلاح باب التيمم ص ۲۷

۱۔ قال في الهندية: وفي النصاب والفتوى في الماء الجاري انه لا يتنجس ما لم يتغير  
طعمه اولونه اوسميحه من النجاسة كن في المضمرات - (الهندية - البالث  
في المياہ ج ۱ ص ۱۷۷) ومثله في البحر الرائق - كتاب الطهارة ج ۱ ص ۸۲ -

۲۔ وفي الهندية: منها النية وكيفيتها ان ينوي عبادۃ مقصودة لا تصح الا بالطهارة  
اونية الطهارة واستباحة الصلوۃ تقوم مقام ارادة الصلوۃ۔۔ الخ (الهندية ج ۱ ص ۲۶۱۲۵  
باب التيمم) ومثله في تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۹، ۴۰، باب التيمم -



**مسجد کی مٹی پر تیمم کا حکم | سوال :-** تیمم کی ضرورت پڑنے پر مسجد کی دیواروں سے تیمم کرنے کا کیا حکم ہے ؟

**الجواب :-** مسجد کی دیوار یا فرش پر تیمم کرنا مکروہ ہے کیونکہ تیمم کی صورت میں یہ مٹی حدت کے لیے مزیل ہے، جو مٹی یا پتھر مسجد میں نصب اور قائم ہو وہ واجب التعمیم ہونے کی وجہ سے اس کی طرف ازالہ حدت کی نسبت بے ادبی کے مترادف ہے، البتہ اگر دیوار یا فرش کی مٹی کسی نے جمع کر کے مسجد کے ایک کونے میں رکھی ہو تو پھر اس پر تیمم جائز ہے کیونکہ مٹی کو اکٹھا کر کے کسی کونے میں رکھنا مسجد سے خارج ہونے کے معنی میں ہے اور مسجد کی مٹی جب مسجد سے باہر نکالی جائے تو اس کا تقدس اور حرمت باقی نہیں رہتی۔

قال قاضی خان : ويكره مسح الرجل من طين والردغة بأستوانة المسجد وبجائطه وان مسح بتراب في المسجد ان كان ذلك المتراب مجموعاً في ناحية غير منبسطة لا بأس به وان كان منبسطة مفروشا يكره لانه بمنزلة ارض المسجد - (فتاویٰ قاضیخان علی ہامش اھندیۃ - فصل فی المسجد ج ۱ ص ۶۵) لہ

**تیمم میں تخلیل لِحیہ کا حکم | سوال :-** ونسو کے وقت داڑھی کا خلال تو ہوتا رہتا ہے لیکن تیمم کے وقت داڑھی کے خلال کا کیا حکم ہے ؟

**الجواب :-** تیمم میں داڑھی کا خلال مسنون ہے تاہم اس کے لیے مستقل ضربت کی ضرورت نہیں ہے۔

قال العلامة ابن عابدین في الفيض: ويخلل لحيته واصابعه ويحرك الخاتم والقرط كالوضوء والغسل اه قلت: لكن في الخانية ان تخليل الاصابع لا بد منه ليشتم الاستيعاب وقال في البحر وكذا نزع الخاتم او تحريكه ام فبقئى تخليل اللحية من السنن - (مرآة المختار علی الدر المختار - باب التيمم ج ۱ ص ۲۳۲)

لے قال العلامة اشرفی علی تھانوی : "اس وقت روایت نہیں ملی مگر کہیں دیکھا ہے کہ مکروہ ہے۔" (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۹ فصل فی التیمم)

ومثله في امداد الاحكام ج ۱ ص ۲۳۲ - آداب المساجد -

**سوال** :- پانی کی موجودگی میں اگر جنازہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو نماز جنازہ کے لیے تیمم جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب** :- ہر وہ نماز جس کے فوت ہوجانے کے بعد اس کی تلافی بصورتِ قضاء ممکن ہو اور اس کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے اس کی ادائیگی کے لیے تیمم کرنا مخص ہے، لہذا نماز جنازہ فوت ہونے کے خدشہ کی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے، تاہم ولی میت اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور اس کے لیے وضو کرنا ضروری ہے۔

قال الحصکفی: وجاز لحوف فوت صلوة جنازة ای کل تکبیراتها ووجنباً۔  
او فوت عید بفراغ إمام او زوال شمس۔

قال ابن عابدین: قوله وجاز لحوف فوت صلوة جنازة ای لو کان الما قریباً  
رقوله کل تکبیراتها فان کان یرجوان یدرک البعض لا یتیمم لانه یمکنه اداء  
الباقی وحده۔ بحر عن البدائع والتقنية۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ باب التیمم ج ۱) لہ  
**سوال** :- کیا تلاوتِ قرآن مجید کے لیے بلاغدر تیمم  
جائز ہے؟

**الجواب** :- تلاوت کے لیے طہارت شرط نہیں، ہر وہ عبادت جس کے لیے طہارت شرط نہ ہو تو اس کی ادائیگی بلا وضو بھی جائز ہے، تاہم اس کے لیے تیمم کرنا مستحب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صرف سلام کے جواب کے لیے تیمم فرمایا تھا۔

قال محمد عبدالحی: ویتیمم لذكر الله ولكل خير ولو السلام قال ابن عمر مر  
رجل من المهاجرين على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يبول فسلم عليه ولم  
يرد عليه حتى كاد الرجل يتواري عنه ثم تيمم فرد السلام وقال لم يمنعني ان ارد  
عليك السلام الا اني لراكن على طهر ففى هذا الحديث دلالة على كراهة الكلام  
وعدم استعباب السلام واردة فى هذا المقام وعلى انه يستحب ان يكون

لہ قال فی الہندیۃ: ویجوز التیمم اذا حضرتہ جنازۃ الولی غیرہ فخاف ان اشتغل با طہارۃ  
ان تفوتہ الصلوۃ ولا یجوز للولی وهو الصحیح هكذا فی الہدایۃ۔ (الہندیۃ الفصل الثالث  
فی المتفرقات ج ۱ ص ۳) ومثله فی مختصر القندوری ص ۱۵۱ باب التیمم۔

ذکر اللہ علی الموضوء والتیمم لان السلام اسم من اسماء اللہ تعالیٰ کذا فی المصابیح  
ونحوہ ای یتیمم ایضاً مثل ذلک المذكور کس المصحف وقرآۃ القرآن عنہ او  
عن ظہر القلب۔ وریاۃ القبور ودفن المیت والاذان والاقامۃ والدخول  
فی المسجد اوخروجہ ولو عند وجود الماء صرح بہ فی شرح النقایۃ نقلاً من  
المیسوط۔ (السعیۃ باب التیمم ج ۱ ص ۵۳۲) لہ

**صاحب عذر کیلئے خادم نہ ہونے کی صورت میں تہیم کا حکم** | **سوال:** اگر کسی شخص کے ہاتھ پاؤں  
پر ایسی بیماری ہو جس کی وجہ سے  
شخص خود وضو کرنے پر قادر نہ ہو تو کیا یہ شخص خدمت کے لئے خادم رکھے گا یا تہیم کرے گا؟  
**الجواب:** اس پر خادم رکھنا ضروری نہیں، جب خادم یا معاون کی کوئی ممکن صورت  
بیسر ہو تو وضو کرے ورنہ تہیم کر کے نماز پڑھے۔

قال ابن نجیم: اوکان لا یجد من یوضئہ ولا یقدر بنفسہ اتفاقاً وان وجد  
خادماً کعبداً وولداً واجیراً لا یجزیہ التیمم اتفاقاً۔ (المحرر لائق باب التیمم ج ۱ ص ۵۳۲)  
**جنابت کے تہیم پر وضو ٹوٹ جانے کا کوئی اثر نہیں پڑتا** | **سوال:** جناب اگر کسی عذر کی وجہ  
سے تہیم کرے اور اسکے بعد وضو ٹوٹ  
جائے لیکن تاہنوز غسل پر قادر نہیں تو کیا وضو کے ساتھ ساتھ جنابت کے لیے دوبارہ تہیم کی  
ضرورت ہوگی یا وہ ایک تہیم کافی ہے؟

**الجواب:** جب تک عذر باقی ہو تو جنابت کے لیے یہ ایک تہیم کافی ہے، موجب غسل  
اگر دوبارہ متحقق نہ ہو تو قدرت علی الماء تک جنابت کے لیے دوبارہ تہیم کی ضرورت نہیں، البتہ  
نواقض وضو کی موجودگی میں وضو باقاعدہ کرنا پڑے گا، تاہم اگر دوبارہ احتلام ہو جائے یا جماع

لہ قال العلامة محمد یوسف البنوری: ویجوز التیمم مع وجود الماء لما لیس الطہور شرطاً فی فعلہ  
وحلہ کدخول المسجد للمحدث وکذا التوم او قرآۃ القرآن علی ظہر القلب۔ الخ  
رمعارف السنن ج ۱ ص ۲۹۰ بیان مسئلۃ جواز التیمم مع وجود الماء لما لیس الطہور شرطاً۔  
لہ قال المحصنی: اولہ یجد ضئہ فان وجد ولو بأجرۃ مثل ولہ ذلک لا یتیمم فی ظاہر  
المذہب۔ (الدر المختار علی ہدایہ شریعتہ المختار باب التیمم ج ۱ ص ۲۳۳) ومثلہ فی المفیدیۃ باب التیمم  
ج ۲ ص ۲۸۔



کرے تو پھر دوبارہ تیمم ضروری ہوگا۔

قال ابراهيم الحلبي: وان كان الماء يكفي للوضوء ولا يكفي للمعة يتوضأ به ولا ينتقض تیمم الجنابة لان الماء في حق المعة كالمعدوم لعدم كفايته لها۔  
(كبرى۔ باب التيمم ص ۱۶)۔

## باب المسح على الخفين

(موزوں پر مسح کے مسائل)

ٹخنوں تک موزوں پر مسح کرنے کا حکم | سوال :- اگر موزے مضبوط قسم کے چمڑے سے اس طرح بنائے جائیں کہ ان میں ٹخنے چھپ جائیں تو کیا ایسے

موزوں پر مسح جائز ہے ؟

الجواب :- موزوں پر مسح کے جواز کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان میں ٹخنے چھپے ہوں بلکہ اگر پنڈلی کا کچھ حصہ بھی چھپ جائے تو بھی مسح کرنے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

قال في الهندية: منها ان يكون الخف مما يمكن قطع السفر به وتتابع المشي عليه ويسترا الكعبين ويسترا فوقهما ليس بشرط هكذا في المحيط حتى لو لبس خفاً لا ساق له يجوز المسح ان كان الكعب مستوراً۔

(الفتاوى الهندية الباب الخامس في المسح على الخفين ج ۳ ص ۲)

جرابوں کے ہوتے ہوئے موزوں پر مسح کا حکم | سوال :- اگر ایک شخص پہلے سوتی جراب پہن کر اس کے اوپر موزے پہن لے تو کیا ایسی

قال في الهندية: لو كان مع الخف ما يكفي للوضوء يتيمم ولا يجب التوضوء به الا اذا كان مع الجنابة حدث يوجب الوضوء۔ (الهندية الفصل الثالث في المتفرقات ج ۳ ص ۲)  
قال المحصفي: شرط مسحه ثلاثة امور الاول كونه ساتراً محل فرض غسل القدم مع الكعب۔ (الدر المختار على صدر ما المختار باب المسح على الخفين ج ۱ ص ۲۶۱)

صورت میں ان موزوں پر مسح کرنا جائز ہے؟

**الجواب:**۔ صورتِ مسٹولہ میں مسح حقیقتاً موزوں پر ہی رہتا ہے، موزوں کے نیچے جراب پہننا کوئی مانع مسح عمل نہیں لہذا جرابوں کے ہوتے ہوئے بھی موزوں پر مسح شرعاً مقبول ہے۔

قال ابن عابدین: قوله او جرموقیہ ولو فوق خُفِّ او لفاقة ای سوار کانت ملفوفة علی الرجل تحت الخف او کان مخبطة ملبوسة تحتہ كما افاده فی شرح المنیة - (رد المحتار علی الدر المختار - باب المسح علی الخفین ص ۲۶۸، ۲۶۹) لہ

**سوال:**۔ جرابوں پر مسح کرنے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نیلون کی بنی ہوئی جرابوں پر مسح کرتے ہیں، از روئے شرع ایسی صورت میں وضو ہو جاتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ احادیث متواترہ سے موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے، موزے عموماً چمڑے کے بنے ہوتے ہیں اس لیے مطلق جراب پر مسح جائز نہیں، البتہ علماء نے جرابوں پر مسح کرنے کیلئے چار شرائط ذکر کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) ایسی گاڑھی اور موٹی ہوں جن میں تین میل (بارہ ہزار قدم) بغیر جوتے کے چلنا ممکن ہو۔  
(۲) پھٹنے کے بعد پنڈلیوں پر خود چپکی نہیں اور نیچے نہ گریں۔  
(۳) پانی نیچے سے جذب نہ کریں۔

(۴) جرابوں میں دیکھنے سے اندر پاؤں کا کوئی حصہ نظر نہ آئے۔  
چونکہ موجودہ نایلون کی جرابوں میں یہ شرائط نہیں پائی جاتیں اس لیے ان پر مسح کرنا جائز نہیں، ایسی صورت میں وضو ناقص رہے گا۔

قال المحصنی: او جورا بیہ ولو من عزل او شعر الثخینین بعیت یشی فرسخاً

لہ قال ابراہیم الحلبي: يعلم منه جواز المسح علی خف لبس فوق خف فخط من کس باس او جوخ او نحوهما مما لا یجوز علیہ المسح لان الجر موق اذا کان بدلاً عن الرجل وجعل الخف مع جواز المسح علیہ فی حکم العدم فلان یکون الخف بدلاً عن الرجل ویجعل ما لا یجوز المسح علیہ فی حکم العدم اولیٰ کما فی اللفاقة - (کبیری - فصل فی المسح علی الخفین ص ۱۱۲) ومثله فی البحر الرائق باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۱۸۱

وینتبت علی الساق بنفسه ولا یرى ماتحته ولا یشف الا ان ینفذ الی الخف ودر  
 الفرض۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار۔ باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۲۶۹) لہ  
**بوٹ پر مسح کرنے کا حکم** | **سوال** :- اگر ایسے بوٹ پہنے ہو کہ جن میں ٹخنے چھپ جائیں اور  
 مضبوطی بھی اس درجہ کی ہو کہ ان میں بھٹن نہ ہو تو کیا ان پر مسح کرنا  
 جائز ہے۔ واضح ہے کہ ان میں پیدل چلنا بھی تین میل سے زائد ہو سکتا ہو؟  
**الجواب** :- ایسے بوٹوں میں جو از مسح کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں لہذا ان پر مسح  
 کرنا جائز ہے۔

قال المحکمی: شرط مسحه ثلاثة امور الاول كونه سائراً للقدم مع الكعب  
 او يكون نقصانه اقل من الخرق المانع فيجوز على الزر بلول لو مشدوداً۔ والثانی  
 كونه مشغولاً بالرجل لیمنع سراية الحدت۔ الثالث كونه مما یمكن متابعة  
 المشی المعتاد فیہ فرسغاً فاكثر۔ قال ابن عابدین: (قوله لو مشدوداً) لان  
 شدة بمنزلة الخياطة وهو مستمسك بنفسه بعد المشد كالخف الخيط بعضه  
 ببعض قافم۔ وفي البحر عن المعراج: ويجوز على الجاروق المشقوق على ظهر  
 القدم وله ازرار يشدها عليه تسده لانه كغير المشقوق۔ الخ  
 رد المحتار علی الدر المختار۔ باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۲۶۳ تا ۲۶۴ لہ

**سوال** :- سردی کے موسم میں بسا اوقات  
**انگلیوں میں ورم پیدا ہونے سے پاؤں پر مسح** | پاؤں میں سوہن پیدا ہو کر انگلیاں متورم  
 ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے پانی کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہے، کیا ایسے پاؤں پر مسح

لہ قال ابن نجیم: قوله والجورب المجلد والمنعل والتخين اي يجوز المسح على الجورب اذا كان مجلداً او منعلًا  
 او تخيناً (وبعد اسطر) والتخين ان يقوم على اساق من غير شد ولا يسقط ولا يشق وفي التبیین ولا یرى  
 ماتحته۔ (البحر الرائق بالاسم علی الخفین ج ۱ ص ۱۸۲) ومثله في خلاصة الفتاوى باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۲۸۔  
 لہ قال ابن نجیم: ويجوز على الجاروق المشقوق على ظهر القدم وله ازرار يشده عليه لانه لا يغير  
 المشقوق وان ظهر من ظهر القدم شيء فهو كخروق الخف۔ (البحر الرائق باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۱۸۳)  
 ومثله في خلاصة الفتاوى۔ باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۲۸



کرنا جائز ہے؟

**الجواب :-** صورت مذکورہ میں اگر ٹھنڈے پانی کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہے تو گرم پانی استعمال کرے اور اگر گرم پانی دستیاب نہ ہو یا گرم پانی کا استعمال بھی باعث تکلیف ہو تو پھر اس پر مسح کافی ہے گا۔ تاہم اگر جبیرہ کے نیچے مسح کرنے سے تکلیف نہ ہو تو جلد پر مسح کرے گا، اور اگر جلد پر مسح کرنے سے تکلیف ہوتی ہو یا بیماری بڑھ جائے کا خطرہ ہو تو جبیرہ کے مسح پر اکتفاء ہو سکتا ہے۔  
قال ابن نجيم: وفي شرح الجامع الصغير لقاضي خمان والمسح على الجبيرة على وجوه ان كان لا يضتره غسل ماتحته يلزمه الغسل وان كان يضتره الغسل بالماء البارد ولا يضتره الغسل بالماء الحار يلزمه الغسل بالماء الحار وان كان يضتره الغسل ولا يضتره المسح يمسه ماتحت الجبيرة ولا يمسه فوقها۔ (البحر الرائق باب المسح على الخفين ج ۱) ۱۸۴

## باب الحيض

(حيض کے مسائل و احکام)

**سوال :-** دورانِ حیض و نفاس عورت قرآنِ کریم کی تلاوت حالتِ حیض میں تسبیح پڑھنے کا حکم | تو نہیں کر سکتی، لیکن کیا تسبیحات اور قرآنی دعائیں پڑھ سکتی ہے؟

**الجواب :-** حالتِ حیض و نفاس میں عورت کے لیے تسبیحات یا دعائیں پڑھنا جائز ہے، البتہ قرآنی ادعیہ بہ نیتِ تلاوت پڑھنا حرام ہے جبکہ دعا کی نیت سے جائز ہے۔  
قال المحمدي: ولا يكره النظر اليه اى القران لجنب وحائض ونفساء لان الجنب لا تحل العين كما لا تکره ادعية اى تحريمًا، والا فالوضوء مطلق الذكر مندوب

۱۔ قال ابراهيم الحلبي رحمته الله: والمسح على الجبيرة على وجوه ان كان لا يضتره غسل ماتحته يلزم الغسل باكلامه وان كان يضتره الغسل ماتحته بالماء البارد ولا يضتره بالماء الحار يلزمه الغسل بالماء الحار وان كان يضتره الغسل ولا يضتره المسح يمسه ماتحت الجبيرة ولا يمسه فوق الجبيرة۔ (صغیری۔ باب المسح ص ۶۵) ومثله في الهندية باب المسح ج ۱ ص ۳۵۔

وترکہ خلاف الاوتی وهو مرجع کراہۃ التنزیۃ - (الدر المختار علی صدہ رد المحتار  
مطلب یطلق الدعاء علی ما یشمل الثناء ج امکا) ۱۷

**سوال :-** آیام حیض میں بیوی کے ساتھ جماع کرنے کا  
کیا حکم ہے؟ جماع کے علاوہ لمس و تقبیل جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** مائضہ عورت کے ساتھ بھی قرآنی جماع حرام اور ناجائز ہے ایسی حالت  
میں جماع سے احتراز اور اجتناب لازمی ہے۔

لقولہ تعالیٰ: وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ اَذًا فَاَعْتَرِزُوا لِلنِّسَاءِ فِي الْمَحِيضِ  
وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ۔

البتہ جماع کے علاوہ لمس و تقبیل یا بوقت ضرورت مافوق الازارہ استفادہ جائز اور مرضی ہے۔  
قال المحصن: وقربان ما تحت ازار یعنی ما بین سرۃ و رکتہ ولو بلا شہوۃ  
وحل ما عداہ۔

وقال ابن عابدین: تحت قوله (یعنی ما بین سرۃ و رکتہ) فیجوز الاستمتاع  
بالسرۃ وما فوقها والركبة وتحتها ولو بلا حائل وكذا بما بينهما بمعاثل  
بغير الوطئ۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ باب الحيض ج ۲۹۲) ۱۷

**سوال :-** اگر کسی عورت کا بچہ نام الخلق  
نہ ہو، بعض اعضاء بنے ہوں یا اعضاء

بالکل نہ ہوں بلکہ گوشت کا ایک ٹھکڑا ہو تو اس ناقص الخلق یا علقہ کے خروج کے بعد عورت  
سے جو خون نکلتا ہے اس پر نفاس کا حکم جاری ہو سکتا ہے یا نہیں؟

۱۷ وفي الهندية: ولا يكره قرأت القنوت في ظاهرا الرواية كذا في التبيين وعليه الفتوى كذا في التجنيس  
والظهيرية ويجوز للجنب والمخاض الدعوات وجواب الاذان ونحو ذلك كذا في السراجية۔  
الهندية۔ الفصل الرابع في احكام الحيض والنفاس ج ۳۸

۱۷ قال العلامة ابوبكر بن علي الحداد: حرمة الجماع وله ان يقبلها ويضاجعها وليتمتع بجميع  
بدنها ما خلا ما بين السرۃ والركبة۔ (المجوهرة النيرة ج ۳۵ باب النفاس)  
ومثله في الفتاوى الهندية ج ۳۹ الفصل الرابع في احكام الحيض۔

**الجواب:**۔ اگر حمل گوشت کا ایک ٹکڑا ہو یعنی اعضاء بالکل نہ بنے ہوں اور وہ کسی وجہ سے ضائع ہو جائے تو اس کے بعد نکلنے والا خون حیض کے حکم میں شمار ہوگا بشرطیکہ مدت حیض تک خون جاری رہا ہو اس سے زائد وقت میں خون استحاض میں سے شمار ہوگا البتہ اگر اعضاء بنے ہوں تو اس کی پیدائش کے بعد نکلنے والے خون کا حکم نفاس کا ہوگا۔

قال فی الہندیۃ: والسقطان ظہر بعض خلقہ من اصبع او ظفر او شعر ولد فتصیر بہ نساء، ہکذا فی التبیین وان لم یظہر شیء من خلقہ فلا نفاس لہا فان امکن جعل المرئی حیضاً یجعل حیضاً والافہواستحاضۃ۔ (الہندیۃ الفصل الثانی فی النفاس ج ۱ ص ۳۷۱) لہ

**ایام حیض میں استعمال ہونے والے کپڑوں کا حکم** | سوال:۔ بعض خواتین ایام حیض میں استعمال شدہ کرسف (کپڑا) باہر نکلی کوچوں میں پھینک دیتی ہیں جس سے انسانی ذہن میں عجیب و غریب قسم کے گندے خیالات پیدا ہوتے ہیں؟ سوال یہ ہے کہ ایسے کپڑے کے بارے میں شریعت اسلامی کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:**۔ غیرت اور حیاء کا یہ تقاضا ہے کہ ایام حیض میں استعمال ہونے والا کرسف (کپڑا) دوبارہ استعمال نہ ہو سکتا ہو تو اسے جلا دیا جائے، ایسے کپڑے کو نکلی کوچوں میں بیچنا مناسب نہیں۔

قال العلامة الحسینی: کل عضو لا یجوز النظر الیہ قبل الانفصال لا یجوز بعدہ کشرعانتہ وشعر رأسہا وعظم ذراع جڑۃ میتتہ وساقہا وقلامتہ زفرہا جلہا دون یدہا وان النظر الی ملاءۃ الاجنبیۃ بشہوۃ حرام۔ (رد المحتار ج ۶ کتاب النکاح ص ۳۷۱) فصل فی النظر لہ

لہ قال الحسینی: وسقط ظہر بعض خلقہ کید اورجل او اصبع او ظفر او شعر ولد حکماً فتصیر المرأۃ بہ نساء والامۃ ام ولد فان لم یظہر لہ شیء فلیس بشیء والمرئی حیض ان دام ثلاثاً وتقدمہ ظہر تام والاستحاضۃ۔

(رد المحتار علی صدر رد المحتار مطلب حوال السقط ج ۱) ومثلہ فی البحر الرق ب باب الحيض ج ۱ ص ۲۱۸

لہ فی خیر الفتاوی: اگر دھونے کے بعد دوبارہ استعمال نہ ہو سکیں تو جلا دیا جائے۔

(خیر الفتاوی ج ۲ ص ۱۳۹ باب الحيض)



**سوال :-** حضرت مفتی صاحب! ایک مسئلہ درپیش ہے کہ حیض کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی ساری ہے، ازراہ کرم اس مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر تفصیلاً روشنی ڈالیں۔

**الجواب :-** حیض ایک مرض ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بناتِ آدم کو مبتلا کیا ہوا ہے، حضرت حواءؑ نے گندم یا کسی اور شے کو جو ان کے لیے ممنوع تھی کھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حواءؑ کو اسی وجہ سے اس مرض میں مبتلا فرمایا اور آج تک ان کی اولاد میں یہ بیماری چلی آرہی ہے۔

لما قال المحصن: وسببه ابتداء ابتلاء الله لحواء كما كل الشجرة وفي الشامي اي وبقی فی بناتھا الی یوم القیامة وما قیل انه اول ما ارسل الحیض علی بنی اسرائیل فقد رده البخاری بقوله وحديث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکبر وهو ما رواه عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحیض هذا شیء کتبہ اللہ علی بنات ادم قال النووی ای انه عام فی جمیع بنات ادم۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۳ باب الحیض) لہ

**سوال :-** ایام حیض میں عورت کو مختلف رنگ کا پانی آتا ہے، کیا یہ سب رنگ حیض ہے یا صرف سرخ رنگ والا خون؟

**الجواب :-** ایام حیض میں ہر قسم کا رنگ حیض شمار ہوگا علاوہ سفیدی کے، کیونکہ یہ حیض نہیں بلکہ طہر کی علامت ہے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں مسلمان خواتین اپنے کرسیں پر جو خون کو روکنے کے لیے عورتیں استعمال کرتی ہیں، بھیجا کرتی تھیں، آپ فرماتی تھیں کہ ابھی انتظار کرو حتیٰ کہ سفیدی آجائے۔

لما قال المرغینانی: وما تراه المرأة من الحمرة والصفرة والكدرة حیض حتی تری البیاض حائضاً۔ (الهدایة ج ۱ ص ۲۶۱ باب الحیض) لہ

لہ قال الشیخ السید احمد الطحطاوی: قول وسببه ابتداء ای السبب فی حصوله اولاً (قوله ابتداء اللہ لحواء) فیہ رد علی من قال انه اول ما ارسل علی بنی اسرائیل فان الحدیث دال علی عمومہ لجمیع بنات ادم والحدیث اقوی وهو ما روی عن عائشة قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحیض هذا شیء کتبہ اللہ تعالیٰ علی بنات ادم۔ (مخطوط ماشیہ الدر المختار ج ۱ ص ۲۸۶ باب الحیض)

لہ قال المحصن: وما تراه من لون كدرة وتربية فی مدته المعتادة سوی بیاض خالص۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۹ باب الحیض)

**حائضہ عورتیں اوقات نماز میں ذکر و اذکار کو معمول بنائیں** | سوال :- حالت حیض میں عورت کو نماز پڑھنا تو جائز نہیں کیا ایسی عورت اپنے معمول پر دوام کے لیے اوقات نماز میں مصلیٰ پر بیٹھ کر تسبیح و تہلیل، ذکر و اذکار کر سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** حائضہ عورت کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ نماز کے اوقات میں وضو کر کے اپنے مصلیٰ پر آکر بیٹھ جائے اور اتنی دیر تک تسبیح و تحمید، ذکر و اذکار میں مشغول رہے جتنے وقت میں یہ عورت نماز پڑھتی تھی تاکہ معمول میں کوئی فرق نہ آئے۔

قال ابن عابدین: ويستحب لها ان تتوضأ لوقت كل صلوة وتقع على مصلأها وتسبح وتهلل وتكبر بقدر اداؤها كي لا تنسى عاداتها وفي رواية يكتب لها احسن صلوة كانت تصلي - (رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۰ باب الحيض) لہ

**حیض کی حالت میں جماع کرنا** | سوال :- بعض لوگ شرعی احکام سے ناواقف ہوتے ہیں، ان کو حیض و نفاس کے مسائل معلوم نہیں ہوتے، اس لیے وہ دوران حیض اپنی بیویوں سے ہمبستری کر جاتے ہیں، کیا از روئے شرع ان کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو شریعت میں اس کی کیا سزا ہے؟

**الجواب :-** حیض کے دوران بیوی سے جماع کرنا بنص قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتات کی روشنی میں حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے، اس دوران اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کرنی چاہیے۔ البتہ اگر کوئی شخص غلطی یا عدم علم کی وجہ ابتدائی ایام میں ہمبستری کرے تو ایک دینا اور اگر آخری ایام میں ہو تو نصف دینا صدقہ کرنا افضل ہے اور توبہ و استغفار واجب ہے۔  
لما قال العلامة حسن بن عمار: ويحرم بالحیض والنفس الجماع والاستمتاع بما

لہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: ويستحب للمرأة الحائض اذا دخل عليها وقت الصلوة ان توضأ وتجلس عند مسجد بيتها - وفي السراجية مقدار ما يمكن اداء الصلوة لو كانت طاهرة وتسبح وتهلل كيلا تزول عنها عادة العبادة -

(الفتاویٰ التاتاریخانیة ج ۱ ص ۳۳۲ باب الحيض، نوع فی الاحکام التي تعلق بالحیض)  
وَمِثْلُهُ فِي الْمَهْدِيَةِ ج ۱ ص ۳۸۰ الباب السادس في الذم المختص بالنساء - الفصل الرابع في احکام الحيض -

تحت السرة الى تحت الركبة لقوله تعالى: وَلَا تَقْرُبُوهَا حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ ..... وقوله صلى الله عليه وسلم: "لك ما فوق الازار" فان وطئها غير مستحل له يستحب ان يتصدق بدينار ونصف ويتوب ولا يعود وجزا في المبسوط وغيرها بکفر مستحله -

(مراقی الفلاح علی صدر الطحاوی ص ۱۱۶ باب الحيض) له

**حالت حیض میں تعلیم قرآن کا حکم** | سوال :- آجکل بنات (لڑکیوں) کے مدارس میں مستورات استاذ ہوتی ہیں، تو کیا ان کے لیے حالت حیض میں بچیوں کو

قرآن مجید کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ تعلیم ناگزیر ہے!

**الجواب :-** شریعت مقدسہ میں عائشہ کو قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز نہیں لیکن جہاں تلاوت ناگزیر ہو تو وہاں مفتی بہ قول کے اعتبار سے بہ نیت تعلیم بھی سے پڑھنا جائز ہے، اگرچہ امام طحاویؒ کی تحقیق کے مطابق نصف آیت بھی پڑھ سکتی ہے۔

قال ابن عابدین: (قوله وقرآءة القرآن) ای ولودون اية من المركبات لا المفردات لانه جوز للمأئذ المعلمة تعلمه كلمة كلمة كما قدمنا انتهي (رد المحتار جلد ۱ ص ۲۹۳) له

**حائضہ عورت کیلئے دینی کتابوں کا مطالعہ جائز ہے** | سوال :- حالت حیض میں خواتین دینی کتابوں کا مطالعہ کر سکتی ہیں یا نہیں؟

**الجواب :-** حالت حیض میں قرآن کریم کے علاوہ دیگر دینی کتابوں کا مطالعہ شرعاً ممنوع نہیں البتہ

له وفي الهندية: فان جامعها وهو عالم بالتحريم فليس عليه الا التوبة والاستغفار ويستحب ان يتصدق بدينارا ونصف دينار. (الهندية ج ۱ الفصل الرابع في احكام الحيض والنفس الخ)

وَمَثَلُهُ فِي الدَّرِّ الْمُخْتَارِ عَلَى صَدْرِ الدَّرِّ الْمُخْتَارِ ج ۱ ص ۲۹۴ باب الحيض

۲۔ قال الشيخ السيد احمد الطحاوی: قوله وقرآءة القرآن) ای یمنع الحيض ومثله الجنازة قراءه قرآن و شمل اطلاقه الاية وما دونها وهو قول الكرخي وصححه صاحب الهداية في التجنيس وقاضيان في شرح الجامع الصغير والولواحي في فتاوه ومثني عليه المصنف في المستصفي وقواه في الكافي ونسبه صاحب البدائع الى عامة المشائخ -

(طحاوی حاشیہ الدر المختار ج ۱ ص ۱۵۰ باب الحيض)

وَمَثَلُهُ فِي التَّاتَارِخَانِيَةِ ج ۱ ص ۳۳۳ باب الحيض نوع في الاحكام التي تتعلق بالحيض



مطالعہ کے لیے بغیر غلاف کے اٹھانا اور اس کی ورق گردانی کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال ابن الہمام: قالوا یکرہ مس کتب التفسیر والفقہ والسنن لانہا لا تخلوا عن

ایات القرآن وھذا التعلیل یمنع شروح النحویضاً۔ (فتح القدیر ج ۱۵ باب الحيض) لہ

**حالت حیض میں آیتہ الکرسی پڑھنا** | سوال: میں رات کو اکثر خواب میں ڈرجاتی ہوں، ایک صاحب نے مجھے آیتہ الکرسی پڑھنے کو کہا ہے، کیا حالت حیض

میں مجھے آیتہ الکرسی پڑھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ ویسے تو شرعاً حائضہ اور جنب کو قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز نہیں لیکن اگر

کوئی آیات قرآنی دعا کی نیت سے پڑھے تو بلا کراہت جائز ہے البتہ تلاوت کی نیت سے نہ پڑھے۔

لما قال ابن عابدین: (وقرأة القرآن بقصدہ) ای فلو قرأت الفاتحة علی وجه الدعاء

او شيئاً من الايات التي فيها معنى الدعاء ولو ترددت القراءة لا بأس به الخ

(رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۳ باب الحيض) لہ

**حائضہ عورت کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کا حکم** | سوال:۔ حائضہ عورت ایام مخصوص میں کھانا وغیرہ پکاتی ہے اور بچے کو دودھ بھی پلاتی ہے،

تو اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کیسا ہے؟ نیز حالت حیض میں بچے کو دودھ پلا سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ اسلام دین فطرت ہے، اس میں نہ تو یہودیوں کی طرح اس حالت میں عورتوں

کو ایک گندی شے سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا ہے نہ نصاریٰ کی طرح پاک اور سابقہ حالت کے مطابق جان

استعمال کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ جہاں جہاں پر سہیز ممکن ہو وہاں منع فرمایا اور جہاں سے لابدی ہو

لما قال ابن نجيم: قالوا يكره مس التفسير والفقہ والسنن لانها لا تخلوا عن ايات القرآن وهكذا

التعليل یمنع مس شروح النحویضاً۔ (البحر الرائق ج ۲ باب الحيض)

وَمِثْلُهُ فِي التَّاتَارِخَانِيَةِ ج ۳ ص ۳۳۳ باب الحيض نوم في الاحكام التي تتعلق بالحيض۔

لہ قال الشيخ السيد احمد الطحاوي: (قوله بقصدہ) اما اذا قرأ على قصد الشفاء او افتتاح امر لا يمتنع

في اصح الروايات والشبهة لا تمتنع اتفاقاً اذا كانت على قصد الشفاء او افتتاح امر خلاصته: وفي العيون

لابي الليث ولو قرأ الفاتحة على سبيل الدعاء او شيئاً من الايات التي فيها معنى الدعاء ولو تردد به

القراءة فلا بأس به۔ (مطحاوي حاشية الدر المختار ج ۱ ص ۱۵۱ باب الحيض)

وہاں کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایسے حائفہ کے ہاتھ کی پکی ہوئی اشیاء کے کھانے یا بچے کو دودھ پلانے سے کوئی اور چارہ نہیں، ایسے حائفہ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا یا اس کو اسی حالت میں بچے کو دودھ پلانا جائز ہے البتہ مستحب یہ ہے کہ وضو کرنے کے بعد یہ کام کاج کرے۔

لما قال الشيخ السيد احمد الطحاوی: وله ان يقبلها ويضا جعها ولا يكره طبخها ولا استعمال ما مسته من عجین او ماء او غیرها۔ (طحاوی حاشیہ مراقی الفلاح ۱۱۶ باب الحيض) **سوال :-** آبكل بسا اوقات بچے کی آپریشن سے ولادت کے بعد نکلنے والے خون کا حکم | ولادت آپریشن کے ذریعے ہوتی ہے، اس

کے بعد جو خون آتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ خون نقاس میں شامل ہے یا نہیں؟ **الجواب :-** نقاس ہر اس خون کو کہا جاتا ہے جو بچے کی ولادت کے بعد رحم سے آئے چاہے بچہ معناد ذریعہ (فطری طریق) سے پیدا ہو یا آپریشن کے ذریعے سے۔ اب اگر آنے والا خون رحم سے ہو تو نقاس میں شمار ہوگا اور اگر آپریشن کی جگہ سے خون آتا ہو تو وہ نقاس نہیں، اس میں عورت پر روزہ نماز لازم ہوں گے۔

لما قال المحقق: والنفس لغة وكلادة المرأة وشرعاً دم ويخرج من رحم فلو ولدته من سرتها ان سال الدم من الرحم فنفساء والافذات جرح وان ثبت له احكام الولد عقب ولدا واكثر ولو منقطعاً عضواً عضواً الاقله۔  
(الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۱ ص ۲۹۹ باب الحيض) ۲

لہ قال الشيخ السيد احمد الطحاوی: ولا يكره طبخها ولا استعمال ما مسته من عجین او ماء او غیرها الا اذا توضأت بقصد القرية كما هو المستحب الخ۔ (طحاوی حاشیہ الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۹ باب الحيض) **۲** لہ قال الشيخ السيد احمد الطحاوی: قوله فلو ولدته من سرتها بان كان بها جرح فان شقت وخرج الولد منها (قوله فنفساء) لانه وجد خروج الدم من الرحم عقب الولادة (قوله الافذات جرح) یعنی لا تعطى حكم النفساء (قوله وان ثبت له احكام الولد) من انقضاء العدة وصيرورة الامة به ام الولد ولو علق الطلاق بولادتها وقع لوجود الشرط۔ (طحاوی حاشیہ الدر المختار ج ۱ ص ۱۵۳ باب الحيض)

وَمِثْلُهُ فِي الرَّهْنِيَّةِ ج ۱ ص ۳۱۰ الْبَابُ السَّادِسُ فِي الدَّمِ الْمُخْتَصِةِ بِالنِّسَاءِ، الْفَصْلُ الثَّانِي فِي النَّفَاسِ۔

**ولادت سے قبل آنے والے خون کا حکم** | سوال :- کبھی کبھی کسی عورت کو ولادت سے پہلے خون آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس خون کا کیا حکم ہے؟

اور اس دوران اس عورت کو نماز وغیرہ احکامات کا بجالانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** نفاس ہر اس خون کو کہا جاتا ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہو اور حیض اس خون کو کہا جاتا ہے جو بغیر کسی سبب کے رحم سے آئے، صورتِ مسلولہ میں اس خون پر نہ نفاس کی تعریف صادق آتی ہے اس لیے کہ بچے کی ولادت سے قبل ہے، اور نہ حیض کی، اس لیے کہ رحم کا منہ بچے کی وجہ سے بند ہے، اس لیے یہ خون استحاض کا خون ہے، اس دوران ہر قسم کی عبادت جائز ہے۔

قال برهان الدین المرغینانی: والدم الذي تراه الحامل ابتداء او حال ولادتها قبل الولد استمارة الهداية ج ۱ ص ۵۲ کتاب الحيض، لہ

**سوال :-** حائضہ عورت کے ساتھ جماع کرنا تو حائضہ عورت سے انتفاع جائز ہے، بنص قرآن حرام ہے لیکن کیا اس سے مطلقاً انتفاع جائز ہے یا کچھ گنجائش ہے؟

**الجواب :-** اسلام نے حائضہ سے صرف جماع کرنے کو حرام قرار دیا ہے اس کے علاوہ دیگر استمتاع میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ اس لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ آدمی کے لیے حائضہ سے استمتاع مافوق السرة اور ماتحت الركبة بلا حائل جائز ہے اور اس کے علاوہ سے مع حائل کے جائز ہے۔

لما قال ابن العابدین: تحت قوله یعنی ما بین سرة و رکبة) فيجنوا الاستمتاع بالسرة وما فوقها والركبة وما تحتها ولو بلا حائل وكذا بهما بينهما محائل بغير لوط ولو تلطم دماً. (رد المحتار جلد ۱ ص ۲۹۲ باب الحيض) لہ

لہ وفي الہندیۃ: وكذا ما تراه الحامل ابتداء او حال ولادتها قبل خروج الولد۔

والہندیۃ ج ۱ ص ۳۸ الباب السادس في الدماء المختصة الخ الفصل الثالث في الاستحاضة۔

وَمِثْلُهُ فِي الْفَقْهِ الْإِسْلَامِيِّ وَادَّلَتْهُ ج ۱ ص ۲۶۵ البحت الثاني تعريف الناس ومدمتہ۔

۲ وفي الہندیۃ: وله ان يقبلها ويضاجعها ويستمتع بجميع بدنهما ما خلا بين السرة والركبة عند

ابن حنيفة و ابى يوسف (الہندیۃ ج ۱ ص ۳۹ الباب السادس - الفصل الرابع في احكام الحيض والنفاس)



**انجکشن سے حیض بند کرنے کا حکم | سوال :-** آجکل ایسے انجکشن ملتے ہیں جن کے لگانے سے وہ انجکشن لگواتی ہیں، اگر ایک عورت کو حیض آنے کی میعاد مقرر ہو کہ ہر ماہ اس کو حیض آتا ہو اور اس انجکشن کے ذریعے اُس ماہ اُسے خون نہ آئے تو کیا یہ عورت اپنی میعاد حیض میں جبکہ انجکشن کی وجہ سے خون بند ہے نماز روزہ وغیرہ عبادات کر سکتی ہے نہیں؟

**الجواب :-** حیض کا تعلق اُس خون کو دیکھنے سے ہے جو بلا کسی سبب کے رحم سے آئے، گویا کہ حیض نام ہے خون آنے کا، صورتِ مستولہ میں چونکہ خون بذریعہ انجکشن بند ہے اس لیے صرف ایام کو حیض نہیں کہا جائے گا اور نہ اس پر حیض کے احکام جاری ہوں گے، بلکہ اس قسم کی خاتون کو نماز، روزہ، طواف وغیرہ سب کچھ جائز اور لازمی ہے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: يجب ان يعلم بان حکم الحيض والنفاس الاستحاضة  
لا يثبت الا بخروج الدم وظهوره وهذا هو ظاهر مذهب اصحابنا وعليه عامة  
المشائخ - (الفتاوى التاتارخانية ج ۳۲ کتاب الحيض، نوع في بيانته متى يثبت حكم الحيض) لہ  
**سوال :-** اگر کسی عورت کو ایک حیض گزر جانے کے  
پندرہ دن طہر گزرنے سے قبل خون آنے کا حکم | دس بارہ دن بعد دوبارہ خون آئے تو کیا یہ خون

حیض شمار ہوگا یا نہیں؟ نیز اقل مدت طہر کتنے دن ہیں؟

**الجواب :-** فقہ حنفی کی تصریحات کے مطابق اقل مدت طہر پندرہ دن ہے، اگر خون پندرہ دن گزر جانے سے قبل شروع ہو جائے اور اس عورت کی کوئی عادت مقرر نہیں تو یہ خون جو پندرہ دن سے قبل آیا ہے پندرہ دن تک استحاضہ شمار ہوگا اور باقی حیض شمار ہوگا۔

لما قال الحصكفي: واقل الطهر بين الحيضتين او النفاس والحيض خمسة عشر يوماً  
وليا ليها اجماعاً - (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۱۵ باب الحيض) لہ

لصوفي الهندية: اذا رأت المرأة الدم تتوك الصلاة من اول مادأت قال الفقيه وبه  
نلخذ - (الهندية ج ۳۸ الباب السادس، الفصل الرابع في احكام الحيض والنفاس)  
لہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاري: ومن جملة ذلك الدم المتخلل في اقل مدة الطهر ولا يمكن  
معرفة الا بعد معرفة اقل الطهر واقله خمسة عشر يوماً عندنا - (الفتاوى التاتارخانية ج ۳۲ کتاب الحيض)

**حالت جنابت میں کمپیوٹر سے قرآن لکھنے کا حکم | سوال :-** جنابت کی حالت میں قرآنی آیات کی کتابت بذریعہ ٹائپ رائٹر یا کمپیوٹر کرنا کیسا ہے؟

**الجواب :-** شریعت مقدسہ میں قرآن کریم کا احترام اصلاً مقصود ہے، یہی وجہ ہے کہ جناب آدمی کے لیے قرأت قرآن (تلاوت کرنا) درست نہیں، اسی طرح فقہاء کرام نے جناب کے لیے قرآن کریم کا لکھنا بھی منع فرمایا ہے۔ چونکہ ٹائپ رائٹر اور کمپیوٹر کے ذریعے حالت جنابت میں قرآن لکھنا ہوتا ہے اسلئے درست نہیں، البتہ بے وضوان جدید ذرائع سے کتابت قرآن کی جاسکتی ہے بشرطیکہ قرآنی آیات کو ہاتھ نہ لگے۔

لما فی الہندیۃ، والجنب لا یکتب القرآن وان کانت الصغیفۃ علی الارض ولا یضع یدہ علیہا وان

کان مادون الایۃ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳۹ الفصل الرابع فی احکام الحيض الخ ۱۰)

**حائضہ عورت پر دم کرنے کا حکم | سوال :-** حائضہ، نفاس والی عورت یا جناب آدمی بیمار ہو جائے تو قرآنی آیات پڑھ کر اس کو دم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** وظائف یا اوراد کے لیے طہارت شرط نہیں بغیر طہارت کے بھی دم کیا جاسکتا ہے جب دم کرنے والے کا ظاہر ہونا ضروری نہیں تو جس پر دم کیا جانا ہو اس کا ظاہر ہونا بدرجہ اولیٰ ضروری نہ ہوگا، لہذا حیض و نفاس والی عورت اگرچہ خود پاک نہیں مگر اس پر دم کرنا جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصکفی :- ولا بأس لحائض و جنب بقراءة ادعیۃ و مسحها و حملها و ذکر

الله تعالیٰ و تسبیح و زیارۃ قبور و دخول مصلى عید۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار

جلد ۱ ص ۲۹۳ باب الحيض) ۲

۱۔ قال السيد احمد الطحطاوی: واما کتابت القرآن فلا بأس بہا اذا کانت الصغیفۃ علی الارض عند ابی یوسف لانه لیس بعامل للصغیفۃ و کذا ذلک عمداً و بہ اخذ امشاش بخاری۔

رالطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۱۵ باب الحيض)

۲۔ قال السيد احمد الطحطاوی: (تحت قوله و یحرق قراءة اية من القرآن الا بقصد الذکر) ای او الثناء او الدعاء ان اشتملت علیہ فلا بأس بہ فی اصح الروایات قال فی العیون ولو انه قراً الفاتحة علی سبیل الدعاء او شیئاً من الایات التي فیہا معنی الدعاء و لیرد بہ القرآن فلا

بأس بہ۔ (الطحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۱۲ باب الحيض)

و مثله فی البحار الرائق ج ۱ ص ۱۹۹ باب الحيض۔

**مستحاضہ کا حکم** | سوال :- بسا اوقات ایک عورت کو مدت حیض و نفاس میں زیادہ یا کم خون آتا ہے، اس دوران اس عورت کو کیا کرنا

چاہیے ؟

**الجواب :-** حیض و نفاس کی مدت شرعی سے زیادہ یا کم خون آنے کو استحاض کہا جاتا ہے۔ اس قسم کی عورت پر یہ لازمی ہے کہ مدت حیض و نفاس کو پورا کرنے کے بعد غسل کرے اور پھر ہر نماز کے وقت تازہ وضو کر کے نماز پڑھے، بلکہ اس قسم کے عورت کو ہر وہ کام (مثلاً نماز روزہ وغیرہ) جو حالت حیض میں ہونے کی وجہ سے ممنوع ہو چکے تھے کرنے کی اجازت ہے۔

لما قال الحصیفی : ودم الاستحاضة حکمہ کرعاف دائم وقتاً كاملاً  
لا یمنع صوماً و صلوة و لو نفلًا و جماعاً لحدیث توضحی و صلی ان قطر  
الدم علی الحصیر - (الدر المختار علی صمدرد المختار ج ۱ ص ۲۹۱ باب الحيض)  
وفیه : حکمہ الوضوء لا غسل ثوبہ و نحوه لکل فرضٍ للآل للوقت....  
ثم یصلی بہ فرضاً و نفلًا - (الدر المختار علی صمدرد المختار ج ۱ ص ۳۰۶ باب الحيض) لہ

**معذور کی شرعی تعریف** | سوال :- شریعت میں معذور کی تعریف کیا ہے ؟

**الجواب :-** جب کسی مریض کو تمام وقت نماز میں کوئی ایسا وقت نہ ملے جس میں وہ مرض لاحق نہ ہو، ایسا شخص معذور کہلائے گا۔  
قال الحصیفی : بان لا یجد فی جمیع وقتہا مناً یتوضا و  
یصلی فیہ خالیاً عن الحدت - الخ و هذا شرط العذر فی حق  
الابتداء و فی حق البقاء کفی وجودہ فی جزء من الوقت

لہ قال المرغینانی : والمستحاضة و من یدہ سلس البول و الرعاف الدائم  
والجرح الذی لا یرقا یتوضئون لوقت کل صلوة فیصلون بذک الوضوء فی  
الوقت ما شاء و من الفرائض و التوافل - (الهدایة علی صدک البناية ج ۱ ص ۲۴۹ باب الحيض)  
و مثله فی الھندیة ج ۱ ص ۳۹۱ الباب السادس فی الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع فی

احکام الحيض -



ولومرة الخ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۵۳ مطلب فی احکام المعذور) لہ  
 ایسے معذور شخص کا حکم جس کا روئی رکھنے سے پیشاب رک جائے **سوال** :- اگر ضعف ثناتہ  
 کی وجہ سے انسان کو قطرے  
 آتے ہوں اور اس کی روک تھام کے لیے روئی رکھی جائے تو کیا اس حالت میں بھی وقت گزر جانے  
 سے وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

**الجواب** :- وضو ٹوٹنے کا دار و مدار پیشاب کے احوال تک نکلنے پر ہے، لہذا اگر کسی  
 وجہ سے پیشاب کے قطرات کو روکا جائے تو جب تک قطرات احوال تک نہ پہنچیں تو وضو برقرار  
 رہے گا البتہ جب روئی نکالی جائے اور کرسف تر ہو تو اسی وقت وضو ٹوٹ جائے گا۔

لما قال الشيخ السيد احمد الطحاوی: وفي المصنعات عن النصاب به سلس البول  
 فجعل القطن في ذكره ومنعه من الخروج وهو يعلم انه لو لم يتخش ظهرا البول  
 فاخرج القطنه وعليها بلة فهو محدث ساعة اخراج القطنه فقط وعليه الفتوى -  
 (طحاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۱۹ باب الحيض) ۲



لہ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: ولا یصیر من ابتلی بناقض معذورا حتی  
 ۱ استوعبه العذر وقتاً كاملاً لیس فیہ انقطاع لعذرة بقدر الوضوء والصلوة اذ لو وجد  
 لا یكون معذوراً۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحاوی ص ۱۱۹ باب الحيض)  
 ومثله في الهندية ج ۱ ص ۲۱۰ الباب السادس، الفصل الرابع في احكام الحيض والنفاس)  
 ۲ قال الشيخ عبد المحي الكهنوي: اذا خاف الرجل خروج البول فحشى احواله بقطنه ولولا  
 يخرج البول فلا بأس به ولا ينقض وضوءه حتى يظهر البول على القطنه وان ابتل  
 الطرف الداخل كذلك ما لم يبتل الظاهر منه۔ (السعاية ج ۱ ص ۲۰۱ باب الحيض)

## باب الانجاس

(پبلیڈیوں اور ناپاکیوں کے بیان میں)

**سوال**:- میرے منہ سے حالت نیند میں بہت پانی نکلتا ہے اور لبا اوقات وہ پانی میرے کپڑوں پر بھی لگ جاتا ہے، کیا اس سے کپڑے پلید (ناپاک) ہو جائیں گے یا نہیں؟

**الجواب**:- زندہ آدمی کے منہ سے نکلنے والا پانی پاک ہے اگرچہ حالت نیند میں پیٹ سے ہی کیوں نہ نکلے، البتہ مردہ شخص کے منہ کا پانی نجس ہے۔ اس لیے خواب میں یا بیداری میں اگر لعاب دین یا منہ سے نکلنے والا پانی کپڑوں پر لگ جائے تو کپڑے ناپاک نہ ہوں گے۔

لما فی الہندیۃ: لعاب النائم طاهر سواء کان من الفم او متبعنا من الجوف عند ابی حنیفۃؒ وعحمد وعلیہ الفتاویٰ واما لعاب المیت فقد قیل انه نجس۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۲۶۱ باب الانجاس) لہ

**سوال**:- غسل کرتے وقت اگر جگہ میں چھینٹے پڑنے سے پانی کام بے احتیاطی سے یا احتیاط کے باوجود ماہ مستعمل کے کچھ قطرے پانی کے برتن میں پڑ جائیں تو اس سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟

**الجواب**:- اگر پانی کے ان قطرات میں ظاہری نجاست نہ ہو یعنی اس سے نجاست ظاہری کا ازالہ نہ ہوا ہو تو محفوظ رہے قطرے پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ اس سے بچنا انسان کے بس میں نہیں تاہم ممکن حد تک احتیاط برتنا چاہیے۔

قال المحصنؒ۔ وانتضاح غسالة لا تنظہر مواقع طرہا فی الاناء عفو۔  
وقال ابن عابدینؒ وفي الفتح وما ترشش علی الغاسل من غسالة المیت۔

لہ قال الشیخ الدكتور وہبۃ الزجلی: عرفنا فی انواع المطہرات فی الاکادمی المیت قولین قول الحنفیۃ انه نجس عملاً بفتویٰ بعض الصحابة (ابن عباسؓ وابن الزبیرؓ) کسائر المیتات.....  
واما الماء السائل من فم النائم وقت النوم فهو طاهر کما صرح الشافعیۃ والحنابلة۔  
والفقہ الاسلامی وأدلثہ ج ۱ ص ۱۶۶ الاکادمی میت وما یسپل من فم النائم

مما لا يمكنه الامتناع عنه مادام في علاجه لا ينجسه لعموم البلوى -  
رد المحتار على الدر المختار - باب الانجاس ج ۱ ص ۳۳۵

**پلاٹک کے برتن پاک کرنے کا طریقہ** | سوال :- پلاٹک کے برتن پر اگر گندگی لگ جائے تو اسے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

**الجواب :-** از روئے شرع جو برتن جازب نہ ہو یعنی نجاست جذب نہ کرتا ہو تو اس قسم کے برتن کے ساتھ اگر نجاست لگ جائے تو تین دفعہ پانی ڈال کر دھونے سے برتن پاک ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں تثلیث غسل کے لیے برتن کا خشک ہونا ضروری نہیں۔

قال ابن عابدین: ای ما لا یتشرب النجاسة ما لا ینعصر یطهر بالغسل  
ثلاثاً ولو دفعة بلا تجفیف كالخزف والاجر المستعملین كما مر وكالسیف  
والمرأة ومثله ما یتشرب فیہ شیء قلیل كالبدن والنعل -

رد المحتار على الدر المختار - مطلب فی حکم الوشم ج ۱ ص ۳۳۲

**جُنب کے پسینے کا حکم** | سوال :- اگر جنابت کی حالت میں کچھ وقت گزر جائے اور گرمی کی وجہ سے بدن سے پسینہ نکلے تو اس پسینہ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس پسینہ

سے کپڑے ناپاک ہوتے ہیں؟

**الجواب :-** انسان کا پسینہ ہر حالت میں پاک ہے، خواہ جُنب ہو یا پاک، اور اس کی تخصیص اسلام کے ساتھ ہے، فقہاء نے چھوٹے (سورم) اور پسینے کا حکم ایک قرار دیا ہے۔

۱۔ قال ابن نجيم: ما ترشش على الغاسل من غسالة الميت مما لا يمكنه الامتناع  
عنه مادام في علاجه لا ينجسه لعموم البلوى - (البحر الرائق - باب الانجاس ج ۱ ص ۲۳۶)  
ومثله في مراقى الفلاح - باب الانجاس ص ۱۵۰

۲۔ قال في الهندية - وما لا ینعصر یطهر بالغسل ثلاث مراتٍ والتجفیف  
فی کل مرة لان للتجفیف اثر فی استخراج النجاسة وحد التجفیف ان یخلیه  
حتى ینقطع التقاطر ولا یشرط فیہ الیس هذ اذ اشربت النجاسة کثیراً وان  
یتشرب فیہ او تشربت قلیلاً یطهر بالغسل ثلاثاً هکذا فی المعیط -

(الهندية - الباب السابع فی النجاسة ج ۱ ص ۲۲)



البتہ اگر کسی عضو پر ظاہری نجاست ہو اور پسینہ نکلنے سے وہ نجاست کپڑے پر لگ جائے تو اس سے کپڑا ناپاک ہوگا۔

قال المحصن فی فستودادی مطلقاً ولو جنباً او کافراً او امرأة و ما کول اللحم طاهر الفم (طاهر) طهور بلا کراهة (و بعد اسطرم و حکم عرق کسٹور۔  
الدر المختار علی صدر رد المحتار مطلب فی السطور ج ۱ ص ۲۲۲، ص ۲۲۸) لہ

**سوال :-** اگر منی کپڑے کے ساتھ لگ جائے تو کیا کپڑے کو منی سے پاک کرنے کا طریقہ صرف رگڑنے سے پاک ہوگا یا دھونا بھی ضروری ہے؟

بیزریق اور سخت قسم کی منی کے حکم میں کچھ فرق ہے یا دونوں کا حکم یکساں ہے؟  
**الجواب :-** منی سے طہارت کے دو طریقے ہیں، اگر نرم ہو تو دھونے کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں، البتہ اگر سخت اور خشک ہو تو پھر سوکھ جانے کے بعد رگڑ کر اثرات زائل ہونے سے کپڑا پاک ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں علامہ ابن عابدین کی تحقیق کے مطابق یہ حکم غلیظ منی سے خاص ہے اور اگر منی کسی بیماری کی وجہ سے رقیق (پتلی) ہو گئی ہو تو دھونا ضروری ہے۔

قال المحصن فی: ویطهر منی ای محله یا یس بفرك ولا یضر بقا اثره ان طهر رأس حشفة کان کان مستنجیا بماء و فی المجتبی اولج فنزع فانزل لم یطهر الا بغسله لتلوثه بالتجس انتھی ای برطوبة الفرج فیکون مفرعاً علی قولهما بنجاستها، اما عنده فھی طاهرة کسائر طوبات البدن جوهره۔ واکا یکن یا یساً اولاً رأسها طاهر فیغسل کسائر النجاسات ولو دماً عجیباً علی المشهور بلا فرق بین منیه و لورقیماً لمرض به و منیها۔ قال ابن عابدین (قوله و منیها) ای منی المرأة کما صححه فی الخاتمة وهو ظاهر الروایة عندنا کما فی مختارات التوازل و جزم فی السراج و غیره بخلافه و رجحه فی الحلیة بما حاصله ان کلاهم منتظا فر علی ان الاکتفاد بالفرك فی المنی استحسن بالاثر علی خلاف القیاس، فلا یلحق به الا ما

لہ قال العلامة ابن نجیم: وعرق کل شیء معتبر بسئوره طهارة و  
ونجاسة وکراهية۔ ر البحر الرائق ج ۱ ص ۱۲۶ باب الانجاس  
و مثله تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۱۱ باب الانجاس۔

فی معناه من کل وجه والنص وورد فی منی الرجل ومنی المرأة یس مثله لرقته وغلظ منی الرجل والفرك انما یؤثر ذوال المفروک او تقلیلہ وذلک فیماله جرم والرقيق المائع لا یحصل من فركه هذ الغرض فیدخل منی المرأة اذا کان غلیظاً ویخرج منی الرجل اذا کان رقیقاً لعارض۔ رد المحتار علی الدر المختار۔ باب الانجاس ج ۱ ص ۳۱۲، ۳۱۳

**سوال** : کیا منی، مذی اور ودی سے کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ ایک ہی ہے کہ اس کو پانی سے

دھویا جائے یا اس میں کوئی فرق بھی ہے؟

**الجواب** :- ودی اور مذی سے طہارت صرف پانی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے البتہ منی کے طریقہ طہارت میں یہ بھی ہے کہ خشک ہونے پر رگڑنے سے بھی کپڑا پاک ہو سکتا ہے بشرطیکہ منی رقیق نہ ہو ورنہ پانی سے دھونا ضروری ہے۔

قال طاہر بن عبد الرشید۔ اذا احت النجاسة لم یجز الا فی المنی الیابس فان کان رطباً لا یطهر الا بالغسل وهو نجس عندنا وبعده اسطرم ولكن هذا اذا لم یخرج المذی قبل خروج المنی اما اذا خرج المذی ثم خرج المنی لا یطهر الثوب بالفرك۔

ر خلاصۃ الفتاوی۔ الفصل السادس فی غسل الثوب والدهن ج ۱ ص ۲۷

**سوال** :- گلیوں اور غلاظتوں میں گھونٹے پھرنے والی مرغی اگر پانی سے بھرے ہوئے برتن میں چوچ ڈال دے تو اس پانی کا کیا حکم ہے؟ کیا پالتو مرغی جو کہ پنجرہ اور ڈربہ میں بند ہو اور باہر پھرنے والی مرغی کا حکم ایک ہے یا دونوں میں فرق ہے؟

۱۔ وفی الہندیۃ: (ومنها) الفرك فی المنی اذا اصاب الثوب فان کان رطباً یجب غسله وان جف علی الثوب اجزائیہ الفرك استحصاناً۔ (الہندیۃ۔ الباب السابع فی النجاسة ج ۱ ص ۴۴)

۲۔ قال ابراہیم الحلبي۔ واما الفرك فی ذیل النجاسة فی المنی فیطهر الثوب من المنی به ای بالفرك اذا یبس المنی علی الثوب۔ (کبیری۔ فصل فی الاسار ص ۱۸۰)

**الجواب :-** سُور یعنی جھوٹا، ہمیشہ کے لیے گوشت کا تابع رہتا ہے، جس حیوان کا گوشت حلال ہو تو اس کے لعاب کا پانی سے ملنے کی صورت میں پانی پر اس کا اثر نہیں پڑتا۔ لہذا اگر پالتو مرغی کی چونچ غلاظت سے پاک ہو اور جس برتن میں مرغی منہ ڈال دے یہ پانی پاک ہے البتہ گلی میں پھرنے والی مرغی کا منہ عموماً نجاست سے خالی نہیں ہوتا اس لیے ایسی مرغی کا جھوٹا مشکوک ہے لیکن نجاست پر حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

قال حسن بن عمار: وسُور الذجاجة المخلّاة التي تجول في القاذورات ولم يعلم طهارة منقارها من نجاسته فكرة سُورها للشك فان لم يكن كذلك فلا كراهة فيه. (مراقی الفلاح علی صدر الطحاوی ص ۲۲ فصل فی احکام السُور لہ

**سوال :-** کیا کتے کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جائے گا یا نہیں؟ جبکہ فقہ کی عام کتابوں میں

چمڑوں کی طہارت کا طریقہ دباغت لکھا ہے؟

**الجواب :-** احناف کے نزدیک کتا نجس العین نہ ہونے کی وجہ سے اس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے، البتہ حشرات الارض سانپ، بچھو، خنزیر کا چمڑا قابل دباغت نہیں ہے۔

قال المحصن: وكل اهاب دبع ولو بشمس وهو يحتملها طهر فيصلى به ويتوضأ منه وما لا يحتملها (فلا وعليه) فلا يطهر جلد حية وقارة خلا جلد خنزير فلا يطهر رو بعد اسطرم وانا دكلامة طهارة جلد كلب وقيل وهو المعتمد -  
الدرا المختار علی صدر رد المختار - مطلب فی احکام الدباغة ج ۱ ص ۲۲ لہ

لہ قال ابن عابدین: واما المخلّاة فلُعابها طاهر فسُورها كذلك، انك لمّا كانت تأكل العذرة كره سُورها ولم يحكم بنجاسته للشك حتى لو علمت النجاسة في فمها تنجس ولو علمت الطهارة انتفت الكراهة -

رد المختار علی الدر المختار - باب المياہ ج ۱ ص ۲۲ ومثله فی البحر الرائق - مسئلة السُور ج ۱ ص ۱۳۲ لہ قال حسن بن عمار: ويطهر جلد الكلب لانه ليس نجس العین فی الصحيح بالدباغة -  
مراقی الفلاح - فصل يطهر جلد الميتة ص ۹ ومثله فی کبیری - فصل فی النجاسة الحقيقية ص ۱۷۱



کتے کے جھوٹے (سور) برتن میں کھانے اور اسکے پاک کرنے کا طریقہ | سوال: بعض لوگ

کتے پالتے ہیں، کبھی کتے اچانک کھانے پینے کے کسی برتن میں منہ ڈال دیتے ہیں ایسے برتن میں کھانے پینے کا کیا حکم ہے اور اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

**الجواب:** کتے کا جھوٹا نجاست غلیظ کے حکم میں ہے لہذا جس برتن میں کتا منہ ڈالے تو یہ برتن اگر جاذب نہ ہو تو دفعہ دھونے سے پاک ہوگا اور اگر جاذب ہو تو پھر ہر دفعہ کے لیے خشک کرنا یعنی اتنا انتظار کرنا کہ پانی ٹپکتا بند ہو جائے، ضروری ہے۔

قال حسن بن عمار: والقسم الثاني سور نجاسة غليظة وقيل خفيفة لا يجوز استعماله اى لا يصح التطهير به بحال ولا يشربه الا مغمطرا كالميتة وهو اى السور نجس ما شرب منه الكلب سواء فيه كلب صيد او ماشية وغيره لما روى الدارقطني عن ابى هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم فى الكلب ولغ فى الاناء انه يغسل ثلاثا او خمسا او سبعا -

قال الشيخ احمد: انه يغسل ثلاثا... الخ وما ذاك الا لنجاسته ويندب عندنا التسبيح وكون احدهن بالتراب - (مطاردى حاشية مرقى الفلاح ص ۲۳ فصل فى بيان احكام السور) له  
**سوال:** نجس کپڑا دھونے کے بعد چوڑنے کا حکم | ضروری ہے؟ کیا طہارت کا دار و مدار پچوڑنے

پر ہے؟  
**الجواب:** کپڑے کے ساتھ اگر نجاست مریہ لگ جائے تو عین نجاست زائل ہونے سے کپڑا پاک ہوگا اس کو پچوڑنا ضروری نہیں، البتہ اگر نجاست غیر مریہ ہو تو طہارت کا دار و مدار غلبہ ظن پر ہے، تین بار پچوڑنے سے عموماً طہارت کا یقین ہو جاتا ہے اس لیے تین دفعہ پچوڑنے کے بعد کپڑا پاک منصور ہوگا، تاہم واضح ہو کہ آخری بار پچوڑنا مضبوط طریقہ سے ہو۔

له قال محمد عبدالحی: وقول خامس ذهب اليه اصحابنا الحنفية من عدم وجوب التسبيح  
والثمان مع نجاسة السور وكفاية الثلاث كسائر النجاسات - (السعاية - سور الكلب ج ۱ ص ۲۲)  
ومثله فى الهندية الفصل الثانى فيما لا يجوز به التوضوء ج ۱ ص ۲۲ -

قال ابراهيم الحلبي: اما اذا اصاب الثوب نجاسة هذا شروع في كيفية تطهير النجاسة بالغسل فان النجاسة اما ان تكون مرئية او غير مرئية فان كانت مرئية فطهارته زوال عينها الا ما يشق و بعد اسطر وان لو تكن النجاسة مرئية يغسلها حتى يقلب على ظته انه قد طهر وهذا اذا لو يكن لهارتح فان كان يجب الغسل الى زواله الا ما يشق وقيل اذا غسل الثوب من غيره مرة وعصر بالمبالغة يظهر وقيل انه لا يطهر ما لو يغسل ثلاث مرات يعصر في كل مرة والفتوى على الاول - (كبيري - فصل في الاسرار ۲۱۱، ۲۱۲) له

غير ملکی کپڑوں سے (بغیر دھوئے) نماز پڑھنا | سوال :- آجکل بازاروں میں غیر ملکی استعمال کپڑے مثلاً سویٹر، کوٹ وغیرہ فروخت ہوتے ہیں، بظاہر ان پر کوئی نجاست نظر نہیں آتی لیکن یہ بھی معلوم نہیں کہ پاک ہوں گے یا نہیں؟ کیا ایسے کپڑوں کا بغیر دھوئے نماز کے لیے استعمال جائز ہے؟

الجواب :- اگر بظاہر نجاست نہ ہو اور غلبہ ظن یہ ہو کہ اس میں نجاست نہیں تو یہ کپڑے پاک ہیں اور انہیں پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ دھونا بہتر ہے۔

قال ابن عابدین: ومن هنا قالوا لا بأس بلبس ثياب اهل الذمة والصلوة فيها الا انما ارادوا السراويل فإنه تكره الصلوة فيها لقربها من موضع الحد وتنجوسه لان الاصل التطهارة، وللتوارث بين المسلمين في الصلوة بثياب الغنائم قبل الغسل، وتمامه في الحلية - (رد المحتار على الدر المختار - احكام الدباغة ج ۲۰۵، ۲۰۶) ۲

له قال المحصفي: وكذا يطهر محل نجاسة مرئية بقلعها اي بزوال عينها واثرها ولو بمرة او بما فوق ثلاث في الاصح ولا يضر بقاء اثره - ويطهر محل غيرها اي غير المرئية بغلبة ظن غاسل طهارة محلها بلا عذر وبه يفتي وقد مر ذلك لموسوسن بغسل وعصر ثلاثا - (الدر المختار على صدر رد المحتار - مطلب في حكم التشميم ج ۳۲۸، ۳۳۱) ومثله في خلاصة الفتاوى - الفصل السادس في غسل الثوب والدهن ج ۱ ص ۳ - له قال المحصفي: ثياب الفسقة واهل الذمة طاهرة - (الدر المختار على صدر رد المحتار - فصل في الاستنجاء ج ۳۵۰)



**سوال :-** موٹے کپڑے کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ خاص کر جیب نچوڑنا ممکن نہ ہو؟

**الجواب :-** ایسے کپڑے پر اگر نجاست دکھائی دے تو نجاست کے ازالہ سے کپڑا پاک ہوگا اور اگر نجاست غیر مرنی ہو تو کپڑے کی طہارت دھونے والے کے غلبہ ظن پر معنی ہے، اور اگر کوئی شخص غلبہ ظن کا ادراک نہیں کر سکتا تو تین بار دھوئے اور ہر دفعہ دھونے میں اتنی تاخیر کرے کہ پانی کے قطرات بند ہو جائیں تب کپڑا پاک ہوگا۔ علاوہ ازیں کسی بڑے حوض یا جاری میں پانی میں ڈبو کر کچھ وقت گزرنے کے بعد پانی سے نکالنے پر بھی پاک متصور ہوگا۔

قال المحضکی: ویطهر عمل غیرها ای غیر مرئیة بغلبۃ ظن غاسل لو مکلفاً والا فمستعمل طہارة محلها بلاعد دہ یفتی وقد ذلک لموسوس بغسل وعصر ثلاثاً اوسبعاً فیما ینعصر مبالغاً بحیث لا یقطر ولو کان لوعصره غیره قطر طہر یا لنسبته الیہ دون ذلک الغیر، ولو لم یبالغ لوقتہ هل یطہر الا ظہر نعم للضرورة وقد بتثلیث جفاف ای انقطاع تقاطر فی غیره ای غیر منعصر مما یتشرب النجاسة ولا یتقلعها کما مر وهذا کله اذا غسل فی اجانۃ، اما لو غسل فی غدیرا وصب علیہ ماء کثیرا وجر علیہ الماء طہر مطلقاً بلا شرط عصر وتجفیف وتکرار غمس هو المختار۔

والدر المختار علی صدرہ ذالمختار باب الانجاس ج ۱ ص ۳۳۱ تا ۳۳۳

**سوال :-** ڈرائی کلیئزر کے ذریعے کپڑے پٹرول ڈرائی کلیئزر سے کپڑے پاک ہونے کا حکم سے پاک کیے جاتے ہیں لیکن اس میں کپڑا نچوڑنا نہیں

ہوتا بلکہ حرارت سے کپڑا سوکھ جاتا ہے، کیا اس طریقہ سے دھوئے ہوئے کپڑے سے نماز جائز ہے؟

**الجواب :-** اگر کپڑا پاک ہو صرف میل کچیل ڈرائی کلیئزر کے ذریعہ دور کی گئی ہو تو اس سے کپڑے کی طہارت متاثر نہیں ہوتی تاہم یہ ضروری ہے کہ مائع چیز میں اس کے ساتھ ناپاک کپڑا

۱۔ قال ابراہیم الحلبي: وفي فتاوى ابي الليث خف بطانة ساقه من الكرياس فدخل في جوفه ماء نجس فغسل الخف ذلك باليد ثم ملاء الماء الخف ثلاثاً واهرقه الا انه لم يتهيأ له عصر الكرياس فقد طهر الخف اي بمجرد جريان الماء ظاهراً وباطناً ولعیشترط فيه عصر الخف ولا الكرياس لتعسره قياساً على مسألة البساط۔ (کبیر۔ فصل فی الاسرار ص ۱۸۲)



نہ ملایا گیا ہو، اور اگر کپڑا ناپاک ہو تو پھر اگر اس پر اتنا پٹرول ڈالا جائے کہ اس سے کپڑے کو چوڑا جاسکے تو ایسی صورت میں بھی کپڑا پاک ہوگا، کیونکہ کپڑے کی نجاست ہر مائع مزیل سے پاک ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر میل کچیل حرارت کے ذریعہ سوکھ جاتا ہو اور کپڑا ناپاک ہو تو پھر میل کے چلے جانے کے بعد بھی کپڑا ناپاک ہی رہے گا، دوبارہ پانی سے دھونا ضروری ہے۔

قال المحصن: يجوز رفع نجاسة حقيقية عن محلها ولو اتاء او ما كولا علم محلها او لا بما ولو مستعملاً به يفتى وبكل مائع طاهر قالع للنجاسة۔  
الده المختار على مدارها المختار۔ باب الانجاس ج ۱ ص ۳۰۹

دودھ میں سینگنی یا گوبر گر جانے پر دودھ کا حکم | سوال :- بکری، گائے یا بھینس سے دودھ لیتے وقت دودھ میں سینگنی یا گوبر

گر جائے تو اس سے دودھ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

**الجواب :-** اگر یہ نجاست دودھ میں حل نہیں ہوئی بلکہ گرنے کے ساتھ ہی نکال لی جائے تو اس سے دودھ کی طہارت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ حل ہونے کی صورت میں دودھ ناپاک ہو کر قابل استفادہ نہیں، تاہم واضح ہو کہ یہ حکم دودھ نکلنے کے وقت سے خاص ہے اگر ایسے وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں گوبر یا سینگنی دودھ میں گر جائے تو دودھ علی الفور ناپاک ہو جائے گا۔

قال المحصن: وبعرتي ابل وغتم كما يعفى لو وقعتا في محلب وقت الحلب فرميتا فوراً قبل تفتت وتلون۔

قال ابن عابدین: قال في الفيض: فلا ينجس الا اذا كان كثيراً سواء كان مرطباً او يابساً صحیحاً او منكسراً ولا فرق بين ان يكون للبر حازراً ولا هو الصحیح وفي التاتارخانية ولهميد کر محمد في الاصل روث الحمار والخشي واختلفوا فيه فقيل ينجس ولو قليلاً او يابساً وقيل لو يابساً فلا واكثرهم على انه لو فيه ضرورة وبلوی لا ينجس والا نجس قوله وقت الحلب فلو وقعت في غير زمان الحلب فهو

لہ لما قال العلامة ابوالبركات النسفی: يطهر البدن والثوب بالماء وبمائع مزیل كالجل وما۔  
الورد۔ (کنز الدقائق۔ باب الانجاس ج ۱ ص ۳۵) ومثله في الاختيار ج ۱ ص ۳۵۔ باب الانجاس

کو قوعھا فی سائر الاوانی فتنجس فی الاصحح قوله والتعبیر بالبعرتین ای فی مسئلتی  
البئر والمعلب۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ فصل فی البئر ج ۱ ص ۲۲۱) لہ  
ناپاک شربت کو پاک کرنے کا طریقہ | سوال :- اگر کسی برتن میں گنے کا رس پڑا ہو، گنے  
نے اس برتن میں منہ ڈال کر اس سے کچھ چاٹا، تو کیا باقی ماند  
شربت کو بہا دیا جائے یا گڑ بنانے میں استعمال کیا جائے؟ از روئے شرع اس کی طہارت کا کوئی  
امکان ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** ایسی مائع چیز گنے کے منہ ڈالنے سے ناپاک ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں  
اس سے گڑ بنانا یا پینا ناجائز ہے، البتہ فقہاء کے کلام سے اس کی طہارت کا ایک طریقہ معلوم  
ہوتا ہے، وہ یہ کہ شربت کی مقدار سے تین گنا پانی اس میں ڈالا جائے اور پھر آگ سے اس کو  
اتنا جوش دیا یعنی ابالا جائے کہ یہ زائد مقدار پانی آگ کے ذریعے ختم ہو جائے تو باقی ماندہ حصہ پھر پاک  
ہوتا ہے۔

قال ابن عابدین: قوله ويطهر دهن وعسل قال في الدرر وتنجس العسل  
فتطهيره ان يصب فيه ماء بقدره فيغلي حتى يعود الى مكانه والدهن يصب  
عليه الماء فيغلي فيعلو الدهن الماء فيرفع بشئ هكذا ثلاث مرات۔ ام  
رد المحتار علی الدر المختار۔ مطلب فی تطهیر الدھن والغسل ج ۱ ص ۳۲۲) لہ  
لہ قال ابراہیم الحلبي: وان وقعت اى البعرة والبعرتان في اللبن وقت الحلب فاخرجت  
حين وقعت ولم يبق لها لون لم يتنجس اللبن (وبعد اسطر) وفي الكافي قال لا فرق بين  
الرطب واليابس والصيمم والمنكسر والروت والخثي والبعرة لان الضرورة تشمل الكل  
والروت اذا كان صلباً فهو بمنزلة البعرة في الحكم۔ ركبيري فصل في البئر ص ۱۶۲، ۱۶۱  
ومثله في الهندية۔ الباب الثالث في المياه ج ۱ ص ۱۹  
لہ قال ابراہیم الحلبي: الا يري ما روى عن ابى يوسف في تطهير الدهن النجس  
انه اذا جعل الدهن في اناء فصب عليه الماء فيعلو الدهن على وجه الماء  
فيرفع بشئ ويراق الماء ثم يفعل هكذا حتى اذا فعل كذلك ثلاث مرات  
يحكم بطهارة الدهن۔ ركبيري۔ فصل في الاسار ص ۱۷۳  
ومثله في الهندية۔ الباب السابع في النجاسة ج ۱ ص ۳۲۲



**انقلاب حقیقت سے حکم بدل جاتا ہے** | سوال :- اگر نمک کی کان میں ناپاک پانی جمع ہو کر

نمک بن جائے تو کیا یہ نمک کھانا جائز ہے ؟  
**الجواب :-** از روئے شرع حقیقتِ اشیاء کی تبدیلی سے اس کا سابقہ حکم باقی نہیں  
 رہتا، لہذا صورتِ مذکورہ میں جب ناپاک پانی یا دوسری نجس چیزیں نمک کی کان میں نمک بن جانے  
 کی وجہ سے پاک ہو کر اس نمک کا کھانا حلال ہے۔

قال المحصن<sup>۱</sup>: ولا ملح كان حماراً أو خنزيراً ولا قدر وقع في بئر  
 فصار حمأة لا انقلاب العين، به يفتى

قال ابن عابدین<sup>۲</sup>: مقتضى ما مرثبوت انقلاب الشئ عن حقيقة كالنحاس  
 الى الذهب وقيل انه غير ثابت لان قلب الحقائق محال والقدره لا تتعلق بالمحال  
 والحق الا قول - (رد المحتار على الدر المختار - باب الانجاس ج ۱ ص ۲۲۶) -

**نجس چیز سے بنے ہوئے صابن کا حکم** | سوال :- اگر نجس چیز سے صابن بنایا جائے تو  
 اس صابن کا استعمال جائز ہے یا نہیں ؟

**الجواب :-** یہ صابن پاک ہے اور اس کا استعمال جائز ہے، کیونکہ صابن بنانے سے  
 نجس چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے اور انقلاب حقیقت کی صورت میں سابقہ حکم بحال نہیں  
 رہتا لہذا یہ چیز نجاست سے بدل کر طہارت کے حکم میں داخل ہوئی۔

قال المحصن<sup>۱</sup>: ويطهر نريت تنجس يجعله صابوناً به يفتى للبلوى كتنوير ش بماء  
 نجس لا بأس بالخبز فيه كطين تنجس فجعل منه كونا بعد جعله على لنا يطهر ان لم يظهر  
 فيه اثر النجس بعد الطبخ ذكره الحلبي - (الدر المختار على صدر رد المختار - باب الانجاس ج ۱ ص ۳۱۵) -

له قال ابراهيم الحلبي: ولو احترقت الغدق والروث فصار كل منهما رما داً او ما الحار في العجوة فصار ملماً او  
 وقع ولو ونحوه في بئر فصار حمأة زالت نجاسته وطهر عند محمد حتى لو كمل الملح واصل على ذلك لو ما جاء ركب في البئر  
 له قال ابراهيم الحلبي: واكثر المشائخ اختلفوا قول محمد وعليه الفتوى لان الشرح رتب وصف  
 النجاسة على تلك الحقيقة وقد زالت بالكلية فان الملح غير العظم واللحم فاذا صارت الحقيقة  
 ملماً ترتب عليه حكم الملح (وبعد اسطر) وعلى قول محمد فرعوا طهارة صابون صنع من دهن نجس  
 وعليه يتفرع ما لو وقع انسان او كلب في قدة الصابون فصار صابوناً يكون طاهراً لتبدل الحقيقة -  
 ركب في فصل في الاسرار<sup>۱۸۹</sup>) ومثله في خلاصة الفتاوى! الفصل السادس في غسل الثوب والرجل ج ۱ -



**سوال :-** حلال جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہو ان کا پیشاب اور بول و براز نجاستِ خفیفہ ہے یا نجاستِ غلیظہ؟

اور اگر یہ نجاست کپڑے کے ساتھ لگ جائے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** جن جانوروں کا گوشت حلال ہے تو ان کا پیشاب نجاستِ خفیفہ کے حکم میں ہے، البتہ گوبر نجاستِ غلیظہ ہے، نجاستِ خفیفہ کا حکم یہ ہے کہ کپڑے (مثلاً آستین) کے ریع کے مقدار سے کم میں لگا ہو تو یہ مانعِ صلوٰۃ نہیں اس سے زیادہ مانعِ صلوٰۃ ہے جبکہ نجاستِ غلیظہ ایک درم سے زائد مانعِ صلوٰۃ ہے۔

قال المحصن: وعفا الشارع عن قدرهم وهو مثقال في نجس كثيف له جرم وعرض مقعر الكف في رقيق من مغلظة كعذرة ودم وخمر وخرأكل طيركا يذرق في الهواء كبط أهلي ودجاج وروث وحتي افاد بهما نجاسة خراكل حيوان غير الطيور، وعنى دون ربع جميع بدن وثوب ولو كبراً من نجاسة كبول ماكول قال ابن عابدین: قوله ولو كبراً الخ اعلم انهم اختلفوا في كيفية اعتبار الربع على ثلاثة اقوال فربع ظفرت اصابته النجاسة، كالذيل والكم والذخريص ان كان المصاب ثوباً وربع العفو المصاب كاليد والرجل ان كان بدنأ وصحعه في التحفة والمحيط والمجتيبي والسراج وفي الحقائق وعليه الفتوى. (مرآة المختار على الدر المختار - باب الانجاس ج ۱ ص ۳۱۶ تا ۳۲۲)

**سوال :-** اگر کتا کسی برتن یا کنوئیں میں پیشاب کر دے تو گتے کے پیشاب کا حکم اس برتن اور کنوئیں کے پانی کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** گتے کا پیشاب چونکہ نجاستِ غلیظہ ہے لہذا اگر پیشاب کا ایک قطرہ

لہ وفي الهندية: وكذا لك الخمر والدم المسفوح ولحم الميتة وبول ما لا يؤكل والروث واختار البقر والعذرة ونجوا لکلب وخرأ الدجاج والبط والاوذ نجس نجاسة غليظة هكذا في فتاوى قاضيخان -  
 رالهندية - الفصل الثاني في الاعيان النجسة ج ۱ ص ۱۶۱ ومثله في فتاوى قاضيخان  
 على هامش الهندية فصل في النجاسة التي نصيب الثوب ج ۱ ص ۱۸۱ -

بھی کتوں میں یا برتن میں گر جائے تو شرعاً کتوں میں اور برتن دونوں کا پاک کرنا ضروری ہے۔  
 قال ابن نجيم: وانما ينجس ماء البئر كله بقليل النجاسة لان البئر عندنا بمنزلة المحوض الصغير الا ان يكون عشرين في عشرة كذا في فتاوى قاضی خان۔  
 رالبحر الرائق۔ کتاب الطهارة ج ۱ ص ۱۷۰

**سوال:**۔ ناپاک پانی پاک مٹی میں ڈالنے سے جو  
 گارا بنتا ہے تو اس گارے کا کیا حکم ہے؟ کیا پانی کی  
 ناپاکی کی وجہ سے یہ گارا ناپاک متصور ہوگا یا پاک مٹی کی وجہ سے پاک جانا جائے گا؟  
**الجواب:**۔ جب پانی اور مٹی دونوں ملائے جائیں خواہ پانی پاک ہو اور مٹی ناپاک یا اس  
 کا عکس ہو تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، بعض نے طہارت اور بعض نے نجاست کو ترجیح  
 دی ہے، قاضی خان اور ابراہیم حلیمی نے نجاست کا قول مفتی بہ قرار دیا ہے، لہذا ایسا گارا  
 ناپاک متصور ہوگا۔

قال طاہر بن عبد الرشید: الماء الطاهر اذا اختلط به التراب النجس و صار  
 طينًا او كان الماء نجسًا و التراب طاهرًا فالعبرة بالنجس ايهما كان نجسًا فالطين نجس و به اخذ  
 الفقيه ابوالليث و هكذا روى عن ابى يوسف - (خلاصة الفتاوى - الفصل الثامن  
 في النجاسة ج ۱ ص ۲۶) ۲

۱۔ قال المحصني: اذا وقعت نجاسة ليست بحيوان ولو مخففة او قطرة بول  
 او دم او ذنب فارة و بعد اسطر ينزح كل ماؤها الذي كان فيها وقت  
 الوقوع۔ (الدم المختار على صدر مراد المختار - فصل في البئر ج ۱ ص ۲۱۲) ۲  
 ومثله في خلاصة الفتاوى - مسائل البئر ج ۱ ص ۱۷۰۔

۲۔ قال ابراهيم الحلبي: الماء والتراب اذا اختلطا وكان احدهما نجسًا فالطين الحاصل منهما نجس  
 لان اختلاط النجس بالطاهر ينجسه لهذا هو الصحيح كما ذكره قاضی خان وهو اختيار الفقيه ابى الليث  
 و بعد اسطر في الفقيه ابى الليث والله در قاضی خان حيث جعل قوله هو الصحيح مشيرًا  
 الى ان سائر الاقوال لا صحة لها بل هي فاسدة لان النتيجة تابعة لاجس المقدمتين دائماً۔  
 ركبيوى - فصل الاسرار ص ۱۸۸ ومثله في الهدية - الفصل الثاني في الاعيان النجسة ج ۱ ص ۱۷۰۔

**واشنگ مشین سے دھلے ہوئے کپڑوں کا حکم** | سوال :- واشنگ مشین میں کپڑے کچھ اس انداز

سے دھوئے جاتے ہیں کہ ایک ہی بار صابن یا سرف ڈال کر اس میں نجس اور پاک کپڑے ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے دھوئے جاتے ہیں، ان کپڑوں کی پاکیزگی کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** اگرچہ پہلے نجس پانی سے جملہ کپڑے نجس ہو جاتے ہیں مگر اس دھلائی کے بعد اس نجس صابن کو نکالتے کے لیے مشین میں ہی یا باہر پانی میں کٹی بار دھو کر ان سے یہ نجس صابن نکال دیا جاتا ہے جس کے بعد کپڑوں میں نجس پانی باقی نہیں رہتا اس لیے ازالہ نجس کے بعد کپڑے پاک ہو جاتے ہیں، لہذا واشنگ مشین سے دھلے ہوئے کپڑے پاک ہیں۔

قال العلامة فخرالدين الزيلعي، والتجسس المرئي يطهر بزوال عينه لان كنجس المحل باعتبار العين فيزول بزوالها ولو مرة.... وغيره بالغسل ثلاثا والعصر كل مرة  
اي غير المرئي من النجاسة يطهر بثلاث غسلات وبالعصر في كل مرة والمعتبر فيه غلبة الظن - (تبيين الحقائق ج ۱ ص ۵۷ فصل في الانجاس) لہ

**شراب کی خالی بوتل کا استعمال** | سوال :- شراب کی خالی بوتل کا تیل وغیرہ کے لیے استعمال کرنا کیسا ہے؟

**الجواب :-** شراب بذات خود نجس ہے، جس برتن میں شراب موجود ہو اس کا استعمال بھی جائز نہیں مگر خوب صاف کرنے کے بعد جب یہ یقین ہو جائے کہ شراب کے آثار

لہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: ويجب ان يعلم ان ازالة النجاسة واجبة وازالتها ان كانت مرئية بازالة عينها واثرها ان كانت شيئاً يزول اثرها ولا يعتبر فيه العذم وان كان شيئاً لا يزول اثرها فازالتها عينها ويكون ما بقى من الاثر عفواً وان كان كثيراً..... هذا اذا كانت النجاسة مرئية وان كانت غير مرئية كالبول والخمر ذكر في الاصل قال يغسلها ثلاث مرات ويعصر في كل مرة فقد شرط الغسل ثلاث مرات وشرط العصر في كل مرة - (الفتاوى التاتارخانية ج ۱ ص ۳۰۶، كتاب الطهارة، الفصل الثامن في تطهير النجاسات)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَقْهِ الْإِسْلَامِيِّ وَادْلَتُهُ ج ۱ ص ۱۶ التَّقْسِيمُ الثَّلَاثُ - تَقْسِيمُ النِّجَاسَةِ إِلَى مَرْتَبَةِ الْحَرِّ.



باقی نہیں رہے تو اس بوتل یا برتن وغیرہ کو استعمال کرنا جائز ہے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم: نهيتكم عن البئد الكافي سقاء فاشربوا في  
الاسقية كلها ولا تشربوا سكرًا۔ (شرح طیبی ج ۱ ص ۱۳۸ کتاب الایمان، الفصل الاول)  
شیر خوارنچے کے پیشاب کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! اگر شیر خوار بچہ کپڑوں  
پر پیشاب کر دے تو کپڑوں کا دھونا ضروری ہے یا کہ

شیر خوار بچے کا پیشاب پاک ہے؟

الجواب :- شیر خوار بچے کا پیشاب بھی بڑوں کی طرح نجس ہے، اس کی وجہ سے کپڑوں  
کو دھونا چاہیے، البتہ فرق اتنا ہے کہ شیر خوار بچے کے پیشاب سے بچنا مشکل ہوتا ہے  
اسلئے اس صورت میں پورے کپڑے کا دھونا ضروری نہیں صرف پیشاب کی جگہ پر اتنا پانی  
بھاوے کہ اس پانی سے یہ کپڑے اتنی مرتبہ بھیگ سکے، تو کافی ہے۔

قال العلامة حسن بن عماد الشرنبلالی: وبول ما لا يؤكل لحمه كالآدمي ولورضيعة۔  
قال الشيخ السيد احمد الطحطاوى: (قوله ولورضيعة) لوريطعم سواد كان ذكرًا أو  
أنثى۔ (طحطاوى حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۲۳ باب الانجاس) ۲

سوال :- یہاں ہمارے علاقہ میں چمگاڑ بہت ہیں، کبھی کبھی وہ  
پیشاب ہمارے کپڑوں پر کر جاتے ہیں لیکن ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا اور  
اسی حالت میں نماز پڑھ لیتے ہیں، تو ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اگرچہ قاعدہ کی رو سے غیر ماکول اللحم کا پیشاب وغیرہ نجاست غلیظہ ہے  
مگر چمگاڑ بوجہ مجبوری کے اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس لیے کہ ان سے احتراز دینا ممکن نہیں  
لہذا چمگاڑ کا پیشاب و بیٹ پاک ہے اور ان کپڑوں کے ساتھ جن پر چمگاڑ کا پیشاب وغیرہ لگا ہوں

له قال العلامة ملا علی قاری: فلما مضت مدة اباح النبي صلى الله عليه وسلم استعمال هذه النظروفان  
اثر الخمر زال عنها۔ (مرقاة شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۹۱ کتاب الایمان، الفصل الاول)  
ومثله في حاشية مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۳۸ کتاب الایمان، الفصل الاول)

۲ قال العلامة الحصكفي: وبول غير مأكول ولو من صغير لوريطعم۔ قال ابن عابدین: (تحت  
قوله لوريطعم) ای لم يأكل فلا بد من غسله۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۱۸ باب الانجاس مطلب في طهارة بولہ)

پر بھی کئی نماز بھی درست ہے۔

قال العلامة الحصکفی: وبول غیر ماکول ولو من صغیر لم یطعم الا بول الخفاش وخرأه۔  
قال ابن عابدین: تحته.... فی البدائع وغیره! بول الخفافیش وخرأها لیس بنجس لتعدم صیانة الثوب والادانی عنها لأنها تبول من الهوا ووحی فارة طیارة فلهذا تبول امر۔ ومقتضاہ ان سقوط النجاسة للضرورة۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۱۹ باب الانجاس) لہ

**سوال:** گرامی قدر مفتی صاحب اہم کے گھر کے کنوئیں میں رہنے والے سینڈک کے پیشاب کا حکم

کنوئیں میں سینڈک بہت ہیں، اگر وہ پانی میں پیشاب کر دیں تو اس کنوئیں کے پانی کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** فقہی اصول اور قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ سینڈک کا پیشاب ناپاک ہے اسلئے کہ بول غیر ماکول اللحم نجاست غلیظہ ہے، صورتِ مسئلہ میں سینڈک چونکہ پانی ہی میں رہتا ہے تو عدم احترازی کی وجہ سے بوجہ ضرورت نجس نہیں یعنی کنوئیں کا پانی ناپاک نہ ہوگا۔

قال العلامة الحصکفی: وبول غیر ماکول ولو من صغیر لم یطعم الا بول الخفاش وخرأه فطاهر وكذا بول الفأرة لتعدم التعرض عنه وعليه الفتوى۔

(الدم المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۱۸ باب الانجاس) لہ

**سوال:** اگر کھار برتن بنانے کے لیے مٹی کو نجس پانی سے گوندھے تو کیا پلید

مٹی سے بنے ہوئے پختہ برتن کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** کسی نجس ریلید شے کی تطہیر کے مختلف طریقے ہیں، ان طریقوں میں آگ بھی ہے، صورتِ مسئلہ میں چونکہ نجس مٹی آگ میں پک چکی ہے اس لیے آگ کے ذریعے نجاست کا

قال العلامة ابوبکر الکاسانی: وبول الخفافیش وخرأها لیس بنجس لتعدم صیانة الثياب والادانی عنه، لأنها تبول فی الهوا ووحی فارة طیارة فلهذا تبول۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۶۲ فصل واما الطهارة الحقیقیة)

قال الشيخ السيد احمد الطحطاوی: بول الفأرة طاهر لتعدم التعرض عنه وعليه الفتوى  
یحمل علی العفو۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۲۳ فصل فی الانجاس)

ازالہ ہو چکا ہے اور برتن پاک ہو چکا ہے، اس لیے ایسے برتن کا استعمال جائز ہے۔

قال العلامة ابن نجيم، في الفتاوى اذا احتوت الكاخرض بالنار فتيمم بذلك التراب قيل  
يجوز التيمم وقيل لا يجوز واكلاصح الجواهر - (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۲۶، ۲۲۸ باب الانجاس) لمے  
مردار جانور کی کھال کا حکم | سوال :- اگر کسی کا جانور مردار ہو جائے تو اس کی کھال اتارنے کے بعد  
اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب :- حدیث شریف کی رو سے مطلقاً کسی بھی جانور کی کھال اتار کر سکھائی جائے یا کسی  
اور ذریعے سے اس کو رنگا جائے یا دباغت دی جائے تو وہ کھال پاک ہو جاتی ہے، اس لیے  
مردار جانور کی کھال کو دباغت دینے کے بعد استعمال کرنا جائز ہے۔

لما اخرجہ الامام ابو عیسیٰ الترمذی: عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله  
عليه وسلم ايما اهاب دبع فقد طهر - (الجامع الترمذی ج ۳ ص ۳۰۳ باب ما جاء في جلود الميتة اذا دلفت<sup>طه</sup>)

خنزیر کے بالوں سے بنائے گئے برش کے استعمال کا حکم | سوال :- آجکل دانتوں کی  
صفائی کے لیے جو برش استعمال

کیا جاتا ہے بعض میں خنزیر کے بال استعمال ہوتے ہیں، کیا ایسے برش سے دانتوں کی صفائی  
کرنا جائز ہے؟

الجواب :- دانتوں کی صفائی کے لیے جو برش استعمال کیا جاتا ہے اگر اس میں خنزیر کے  
بال استعمال ہوتے ہوں تو اس کا استعمال جائز نہیں۔

لما قال الحصكفي: وشعر الميتة غير الخنزير على المذهب - قال ابن عابدین اتحت  
(قوله على المذهب) اي على قول ابى يوسف الذي هو ظاهر الرواية أن شعرة نجس وصححه

لہ وفي الهندية: ومنها الاجراق.... الطين النجس اذا جعل منه الكور او القدر فطبخ يكو طاهر  
كذا في المحيط - (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۱۱ الباب السابع في الانجاس الفصل الاول في تطهير الانجاس)  
لہ عن ابن عباس قال تصدق على مولاة لميمونة بشاة فماتت فمر بها رسول الله  
صلى الله عليه وسلم فقال هلا اخذتم اهابها فديعتموها انتفعتم به فقالوا انها ميتة  
قال انما حرام اكلها - (الصحيح البخاری ج ۱ ص ۸۳ باب جلود الميتة)  
ومثله في كبرى ص ۱۵۳ فصل في الانجاس



فی البدائع ورجحه فی الاختیار..... وعن محمد طاهر: لضرورة استعماله ای للحرازین۔  
قال العلامة المقدسی: وفي زماننا استغنوا عنه ای فلا یجوز استعماله لزوال الضرورة الباعثة  
للحکم بالطهارة۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۱۱ باب الانجاس) له

**لعاب دہن سے قرآن مجید کی ورق گردانی کرنا** | **سوال:** قرآن کریم کی ورق گردانی کے  
وقت انگلیوں پر منہ کا لعاب لگا کر ورق لٹایا

جاتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

**الجواب:** قرآن کریم کی ورق گردانی کے لیے لعاب دہن لگانے کی صورت مسئلہ طہارة  
سور و عدم طہارة پر مبنی ہے، چونکہ انسان کا سورا (جھوٹا) پاک ہے اس لیے ورق گردانی کیلئے  
انگلیوں کے ساتھ لعاب دہن لگانے میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔

قال المحصفي: فسور آدمي مطلقاً ولو جنباً أو كافراً أو امرأة..... (طاهر)  
طهور بلا كراهة۔ قال ابن عابدین (قوله طاهر) ای فی ذاته طهور: ای مطهر بغیر  
من الاحداث والاخبار۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۲ مطلب فی السور)

**جانور کو ناپاک چیز کھلانے کا حکم** | **سوال:** عموماً لوگ ناپاک چیز جانوروں کو کھلا دیتے ہیں، کیا ناپاک  
چیز جانوروں کو کھلانا یا پلانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر ناپاک چیز کا وصف نجاست کی وجہ سے تبدیل ہو چکا ہو تو اس کا ارتفاع  
ہر حال میں ناجائز ہے اور اگر صفت تبدیل نہ ہوئی ہو تو جانوروں وغیرہ کو کھلانا یا پلانا جائز ہے  
البتہ متغیر الوصف ناپاک چیز کو جانور خود کھالے تو کوئی حرج نہیں۔

له قال ابوبکر الكاساني: وأما الخنزير فقد روي عن ابى حنيفة انه نجس العين لان الله تعالى  
وصفه بكونه رجساً فيحل استعمال شعرة وسائر أجزائه إلا أنه رخص في شعرة الخرازین  
للضرورة۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۶۳ فصل فی الطهارة الحقيقية)  
ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۱۱۱ باب الانجاس۔

۲۔ قال مولانا شرف علی تھانوی: مسئلہ فقہیہ سور آدمی طاهر سے لعاب دہن کی طہارت ظاہر ہے اور  
تقبیل حجر اسود کی منونیت سے اس لعاب کے لگنے کا خلاف ادب نہ ہونا بھی ظاہر ہے جو کہ تقبیل میں محتمل ہے اس سے  
اس طرح ورق گردانی صحیح کا جواز یقینی ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۹ فصل فی الآسار)

قال ابن عابدین، الماء اذا وقعت فيه نجاسة فان تغير وصفه لم يجز الا انتفاع به بحال ولا جاز  
كبد الطين وسقى الدواب۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۲۸)

**سوال** :- بعض لوگ کتوں کو شوقیہ طور پر پالتے ہیں اور ان  
کتے کا مزہ اگر کپڑے کو لگ جائے تو۔۔۔ سے کھلتے ہیں، اسی دوران کتا قیض، شلوار یا چادر کو مزہ میں  
پکڑ لیتا ہے، تو اب اس قیض، شلوار اور چادر وغیرہ کی طہارت کا کیا حکم ہے؟  
**الجواب** :- کتے کا لعاب ناپاک ہے، اگر قیض وغیرہ پر لعاب کی تری ظاہر محسوس ہوتی ہو تو  
کپڑا ناپاک ہے ورنہ نہیں۔

لما فی الہندیۃ، الکلب اذا اخذ عضو انسان او ثوبہ لاینجس ما لم یظہر فیہ اثر البسل  
راضیا کان ادغصیان۔ (التقاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۸۱ الباب السابع فی الانجاس، الفصل الثانی)

**سوال** :- کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
کے فضلات پاک ہیں یا نہیں؟

**الجواب** :- علماء کرام کی تحقیقات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رطوبات ظہر  
ہیں اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شاربین پر نکیر نہیں فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
کا نکیر نہ فرماتا حدیث تقریری ہے جو بالاجماع حجت شرعی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین، صحیح بعض ائمة الشافعیۃ طہارۃ بولہ صلی اللہ علیہ وسلم  
وساؤ فضلاتہ۔ وبہ قال ابو حنیفۃؒ کما نقلہ فی المواہب اللدنیۃ عن شرح البخاری للعینی  
وصرح بہ البیری فی شرح الاشباہ م قال الحافظ ابن حجر تظافت الأدلۃ علی ذلک  
وعدا لائمة ذلک من خصائصہ صلی اللہ علیہ وسلم ونقل بعضهم عن شرح مشکوٰۃ لملا علی  
القاری أنه قال اختارہ کثیر من اصحابنا۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۱۱ باب الانجاس مطلب  
فی طہارۃ بولہ صلی اللہ علیہ وسلم) لہ

لہ قال الملا علی القاری فی جمع الوسائل؛ قال ابن حجر؛ وبہذا استدل جمع من  
ائمنا المتقدمین وغيرہم علی طہارۃ فضلاتہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو المختار  
وناقا لجمع من المتأخرین فقد کثرت الأدلۃ علیہ وعدہ الائمة من خصائصہ۔  
(جمع الوسائل شرح الشمائل ج ۲ ص ۳۱۱ باب ما جاء فی تعطیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

**گوبر کے اُپلے استعمال کرنے اور بیچنے کا حکم** | سوال :- اکثر دیہاتوں میں گوبر کے اُپلے جلا کر کھانا وغیرہ تیار کیا جاتا ہے اور بعض لوگ ان کو فروخت بھی کرتے ہیں، تو کیا گوبر کے اُپلوں کو جلانا اور فروخت کرنا جائز ہے؟

**الجواب :-** فقہاء کرام کی وضاحت اور صریح عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ گوبر کے اُپلوں کو کھانا وغیرہ پکانے کے لیے جلاتے اور فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

مقال العلامة ابن عابدین: تحت قوله كسرقين وبعرو والمداد انه يجوز بيعهما ولو خالصين - وفي البحر عن السراج ويجوز بيع السرقين والبعرو والانتفاع به والوقود به - رد المحتار ج ۵ ص ۵۸ باب في البيع الفاسد - قبل مطلب الآدمي مكرم) لہ

**زندہ سانپ کے جانے کا حکم** | سوال :- بعض حکیم لوگ زخمی شخص کو سانپ کا جامہ کراتے ہیں، شرعاً اس کا استعمال کیسا ہے؟ اور کیا اس کے ساتھ نماز ہو جائے گی؟

**الجواب :-** مسلمان طبیب حاذق مریض کے لیے جو بھی دوا تجویز کرے اُس کا استعمال جائز ہے، جہاں تک صورتِ مسئلہ میں سانپ کے جانے کے استعمال کا مسئلہ تو فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق سانپ جب اپنا جامہ حالتِ حیات میں خود اتارے، پاک ہے۔ لہذا اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما في الہندیۃ: فیص الحیۃ الصحیح انہ طاہر، کذا فی الخلاصۃ۔  
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۰۱ باب الانجاس) لہ



لہ قال العلامة ابن نجیم: يجوز بيع السرقين والبعرو والانتفاع به والوقود كذا في السراج الوهاج - (البحر الرائق ج ۶ ص ۱۰۱ کتاب البيوع - باب البيع الفاسد)  
لہ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: وفي نسخة القاضي الامام وقیص الحیۃ الصحیح انہ طاہر۔  
(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۰۱ الفصل السابع فیما یكون نجسا الخ)



## باب الاستنجاء

(استنجاء کے احکام و مسائل)

**کشف عورت کی صورت میں استنجاء کا حکم** | سوال :- جب استنجاء کے لیے باپردہ جگہ نہ ہو تو کیا ایسی جگہ پر بیٹھ کر استنجاء کرنا جائز ہے

جہاں کشف عورت کا امکان ہو؟

**الجواب :-** استنجاء کرنے میں جب کشف عورت کا خطرہ ہو تو استنجاء چھوڑ کر وضو کرنا جائز ہے۔

قال المحصن: بلا كشف عورة عند احد مامعه فيتركه كما مر فلو كشف له صار فاسقا قال ابن عابد بن قولہ فلو كشف له صار فاسقا اي للاستنجاء بالماء قال نوح أفندي لان كشف العورة حرام، ومرتكب الحرام فاسق سواء تجاوز النجس المخرج او لا وسواء كان المجاوز اكثر من الدرهم او اقل -  
رد المحتار على الدر المختار فصل في الاستنجاء ج ۱ ص ۳۳۸ له

**قدر درہم سے زیادہ نجاست معاف نہیں** | سوال :- پیشاب کرنے کے بعد جب ڈھیلے استعمال کر لیے جائیں تو کیا پھر پانی

سے استنجاء کرنا ضروری ہے؟ اگر کسی جگہ پانی سے استنجاء کرنے کی فرصت نہ ہو تو کیا صرف ڈھیلوں سے استنجاء پر اکتفا کیا جاسکتا ہے؟

**الجواب :-** اگر نجاست درہم کے اندازہ سے تجاوز کرگئی ہو تو دوبارہ پانی سے استنجاء کرنا ضروری ہے، البتہ اگر درہم کے اندازہ سے نجاست کم ہو یا بالکل نہ ہو تو پھر ڈھیلوں کے استعمال پر اکتفا جائز ہے، تاہم ایسی صورت میں بھی پانی سے استنجاء کرنا بہتر اور افضل ہے۔

کہ فی الہندیۃ: والاستنجاء بالماء افضل ان امکانہ ذلک من غیر کشف العورة وان احتاج الی کشف العورة یستنجی بالمحرو ولا یستنجی بالماء -

الہندیۃ الفصل الثالث فی الاستنجاء ج ۱ ص ۳۳۸ ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ الاستنجاء ج ۱ ص ۳۵

قال ابراهيم الحلبي: اما ان زادت النجاسة المتجاوزة عن المخرج على قدر الدرهم  
فغسله اى النجس او المخرج فرض اجماعاً - ركبيرى - آداب الوضوء ص ۲۹  
وقال ابن عابدین: ثم اعلم ان الجمع بين الماء والحجر افضل ويليه في الفضل  
الاقتصار على الماء ويليه الاقتصار على الحجر وتحصل السنة باكل وان تفاوت  
الفضل كما افاده في اامداد - (مراد المختار على الدر المختار - فصل الاستنجاء ج ۱ ص ۳۳۸)  
طائٹ پيپر سے استنجاء کرنے کا حکم | سوال :- آجکل خاص قسم کا کاغذ ملتا ہے جو کھینے  
کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا، صرف استنجاء کیلئے

بنا یا گیا ہے، کیا اس پر کاغذ کے نام کی وجہ سے استنجاء جائز ہے؟  
الجواب :- کاغذ سے استنجاء کے عدم جواز کی علت، عظمت اور تقدس ہے کیونکہ  
کاغذ عموماً کھینے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ٹائٹ پيپر چونکہ خصوصی طور پر استنجاء کیلئے  
تیار کیا گیا ہے اس لیے مروجہ ٹائٹ پيپر میں کاغذ کی خصوصیات نہ ہونے کی وجہ سے  
اس سے استنجاء جائز اور مشروع ہے۔

قال ابن عابدین: واذا كانت العلة في الابيض كونه آلة للكتابة كما ذكرناه  
يوخذ منها عدم الكراهة فيما لا يصلح لها اذا كان قاعاً للنجاسة غير متقوم كما  
قدمناه من جوارحه بالخرق البوالى وهل اذا كان متقوماً ثم قطع منه قطعة لا  
قيمة لها بعد القطع بكرة الاستنجاء بها ام لا الظاهر الثاني -  
مراد المختار على الدر المختار فصل الاستنجاء ج ۱ ص ۳۳۸  
استنجاء کے وقت سلام کا حکم | سوال :- استنجاء کرتے وقت سلام کرنے یا سلام کا جواب  
دینے کا کیا حکم ہے؟

له وفي الهنديه: والثاني اذا تجاوزت مخرجها يجب عند محمد رحمه الله قل اوكثر وهو الاحوط -  
(الهنديه - الفصل الثالث في الاستنجاء ج ۱) ومثله في الهداية فصل في الاستنجاء ج ۱ ص ۴۶  
له قال العلامة محمد يوسف البنوري: له المراد من الحجر في الحديث كل شئ  
طاهر غير محترم قاع للنجاسة سواد كان حجراً او مدرّاً او غيرهما -  
رمعارف السنن ج ۱ ص ۱۱۱ باب الاستنجاء بالحجارة -

**الجواب:** فقہاء نے پیشاب کرتے وقت سلام کرنے کو مکروہ لکھا ہے، استنجاء کرتے وقت اگر تقاطر بول یعنی پیشاب کے قطرے گرتے ہوں تو اس حکم کی رو سے اس وقت بھی سلام مکروہ ہے اور اگر تقاطر بول نہ ہو تو پھر بھی بے ادبی سے خالی نہیں، اس لیے ایسے مواقع پر سلام کرنے سے اجتناب کیا جائے اور اگر کوئی شخص سلام کرے تو استنجاء کے بعد جواب دے دے، کیونکہ سلام کے جواب میں تاخیر جائز ہے۔

قال ابن عابدین: عبارة الغزوية ولا يتكلم فيه: اي في الخلاء وفي الضياء عن  
بستان ابى الليث يكره الكلام في الخلاء وظاهره انه لا يختص بحال قضاء الحاجة -  
رد المحتار على الدر المختار - فصل في الاستنجاء ج ۱ ص ۳۲۲

**پانی سے استنجاء کا حکم | سوال:** اگر پیشاب کرنے کے بعد ایک شخص صرف پانی کے استعمال پر اکتفاء کرے یعنی ڈھیلہ استعمال نہ کرے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

**الجواب:** ڈھیلے سے صفائی کے بعد پانی سے استنجاء کرنا مستحب ہے اور صفائی نہ ہونے کی صورت میں جب نجاست قدر الدرہم سے زیادہ ہو تو پانی سے استنجاء واجب ہے البتہ صرف پانی سے اکتفاء بھی جائز ہے، لیکن اس میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ پانی کے استعمال سے قبل تقاطر بول بند ہو ورنہ اس کے بغیر کپڑوں کے ناپاک ہونے کا اندیشہ ہے۔

قال المحصن: ويعتبر القدر المانع لصلوة فيما وراء موضع الاستنجاء لان ما  
على المخرج ساقط شرعاً - قال ابن عابدین ر قوله ويعتبر... الخ ای خلافاً لمحمد  
والحاصل ان ما جاوز المخرج ان زاد على الدرهم في نفسه يفترض غسله اتفاً  
وان زاد بضم ما على المخرج اليه لا يفترض عندها وعند محمد يفرض غسله بناء  
على ان ما على المخرج في حكم الظاهر عنده فلا يسقط اعتباره وبضم ر وبعد اسطر  
وقد مناعن الاختيار انه الاحوط - رد المحتار على الدر المختار - فصل في الاستنجاء ج ۱ ص ۳۲۹

له وفي الهنديّة: ولا يتكلم ولا يذكر الله تعالى ولا يشمت عاطساً ولا يرد السلام ولا يجيب المؤذن -  
الهنديّة - الفصل الثالث في الاستنجاء ج ۱ ص ۳۲۹ ومثله في البحار الرائق باب الانجاس ج ۱ ص ۲۱۳ -  
له قال ابراهيم الحلبي: ومن الآداب ان يغسل مخرج النجاسة بعد لا جارا اذا لم يتجاوز النجاسة  
مخرجها اما اذا تجاوزت مخرجها والحال انهما لم تكن قدر الدرهم فعليه سنة وان كان قدر الدرهم  
فغسله واجب - (كبيري - آداب الوضوء ج ۱ ص ۲۹، ۲۸) ومثله في الهنديّة: الفصل الثالث في الاستنجاء ج ۱ ص ۳۲۹



**سوال :-** دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے؟  
**الجواب :-** دائیں ہاتھ کی شرافت کی وجہ سے استنجاء یا پاکی جیسے امور میں اس کا استعمال مکروہ ہے، البتہ بوجہ غدر مجبوری کی حالت میں کوئی حرج نہیں۔

لہذا قال العلامة شرنبلالی: يكره الاستنجاء باليد اليمنى الا من عذر — قال احمد الطحاوي تخنه: فإنه يقيد عدم الكراهة باليمن حال العذر وهو كذلك۔  
 والطحطاوي حاشية مراقي الفلاح ص ۳۹ فصل فيما يجوز به الاستنجاء وما يكره له

**سوال :-** استنجاء کے لیے پانی کی کوئی خاص مقدار مقرر ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص زیادہ پانی استعمال کرے تو اسراف کے حکم میں داخل ہو کر وہ شخص گنہگار ہو گا یا نہیں؟

**الجواب :-** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے استعمال میں اعتدال اور میانہ روی کی ترغیب دی ہے، لیکن استنجاء کی حالت میں خاص مقدار کی تعیین نہیں، یہ نجاست کی کمی اور زیادتی یا اشخاص کے اعتبار سے متفاوت ہے، جب تک ازالہ نجاست کے بارے میں غالب ظن نہ ہو تو پانی کا استعمال جائز ہے۔

قال الحصكفي: والغسل بالماء الى ان يقع في قلبه انه طهر ما لم يكن موسوساً فيقدم بثلاث۔

قال ابن عابدین: (قوله فيقدم بثلاث) وقيل بسبع للحدیث السوار فی ولوغ الكلب معراج عن المبسوط۔

درمہ المختار علی الدر المختار فصل فی الاستنجاء ج ۱ ص ۳۳۸، ۳۳۹

لہ وفي الہندیۃ، ویکرہ الاستنجاء بالعظم والروت والرجیع والطعام واللحم والزجاج وکذا باليمن کھن فی التبيين۔ واذا کان بالیسری عذر یمنع الاستنجاء بہا جازان یتنبی بہینہ من غیر کراہۃ۔ الہندیۃ۔ الفصل الثالث فی الاستنجاء ج ۱ ص ۳۵  
 لہ قال برهان الدین ویستعمل الماء الى ان يقع في غالب ظنه انه قد طهر ولا يقدر بالمرات الا اذا كان موسوساً فيقدم بثلاث في حقه وقيل السبع۔  
 الہدیۃ فصل فی الاستنجاء ج ۱ ص ۳۳۸، ۳۳۹ وقيل في مراقي الفلاح فصل فی الاستنجاء ص ۳۹۔

مغربی طرز کے بیت الخلاء میں پیشاب کرنا | سوال :- آجکل بعض مقامات پر مغربی طرز کے بیت الخلاء بنائے جاتے ہیں جن میں کھڑے ہو کر

پیشاب کرنا پڑتا ہے، کیا اس قسم کے بیت الخلاء میں پیشاب کرنا جائز ہے یا نہیں؟  
الجواب :- کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اگرچہ بوقت ضرورت جائز ہے لیکن بلا ضرورت کھڑے ہو کر پیشاب کرنا خلاف سنت ہے۔ البتہ آجکل مغربی تہذیب کے مطابق بنائے گئے بیت الخلاء کے استعمال میں ایک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے اور دوسرے کفار کے ساتھ تشبہ کا لزوم، اس لیے مغربی طرز کے مطابق بنائے گئے بیت الخلاء میں اسی تہذیب کے مطابق کھڑے ہو کر پیشاب وغیرہ کرنا مناسب نہیں۔

لما قال الحصکفی: وکرہ تحریماً استقبال قبلة واستدبارها... وان یبول قائماً  
او مضطجعاً او مجرداً من ثوبه بلا عذر۔ (الدر المختار علی صدارة المحتار ج ۱ ص ۳۳۲، ۳۳۱ فصل فی الاستنجاء) لہ  
سوال :- جہاد افغانستان میں بعض اشخاص کے پاؤں کٹ چکے ہیں اور بعض کو کمر میں شدید درد کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا پڑتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام نے نجاست سے بچنے کا حکم دیا ہے اور اس کی بہت تاکید کی ہے کہ پیشاب کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں کہ اکثر عذاب قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے، اس لیے فقہاء کرام نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے تاہم اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پیشاب کرنا ممکن نہ ہو تو کھڑے ہو کر کرنا بھی جائز ہے۔

لما قال حسن بن عمار: ویکرہ البول قائماً لتنجسه غالباً الا من عذر کوجع بصلبه الخ  
(مراقی الفلاح علی صدر حاشیة لطحاوی ص ۲۱۶ فصل فیما یجوز بہ الاستنجاء وما یکرہ بہ الخ) لہ

لہ وفقی الہندیة: یکرہ ان یبول قائماً او مضطجعاً۔ (الہندیة ج ۱ ص ۵۱/۵۰ باب الاستنجاء)  
لہ قال السید یوسف البنوری: ان البول قائماً وان کانت فیہ رخصة والمنع للتأدیة لا للتحريم كما قاله الترمذی ولكن ایوا الفتوی علی تحريمه اولی حیث اصبح شعارا لغير المسلمین من الکفار واهل الادیان الباطلة۔  
(معارف السنن ج ۱ ص ۱۶۱ باب النهی عن البول قائماً)

**استنجاء کرتے وقت شمال کی طرف منہ کرنے کا حکم** | سوال :- ہمارے علاقہ میں یہ مشہور ہے کہ بڑا قبلہ، تو کیا جس طرح پیشاب و پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنا جائز نہیں شمال کی طرف بھی ایسا ہی حکم ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** احادیث مبارکہ میں قبلہ رکعبہ کی طرف استنجاء کے وقت منہ یا پشت کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اور اس کے متبادل بقیہ دونوں طرف منہ یا پشت کرنے کا حکم ہوا ہے، اب یہ دونوں اطراف کے علاقے جغرافیائی نظام کے مطابق ہوں گے، یعنی جہاں کعبہ مغرب یا مشرق کے جانب ہو تو اس کے دونوں اطراف شمال و جنوب ہے اور جہاں کعبہ شمال یا جنوب کی طرف ہو تو وہاں کے رہنے والوں کو مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔

عن ابی ایوب الانصاری: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتیتما بغائط لا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها لکن شرفوا او غرّبوا۔ (الجامع الترمذی ج ۱ باب فی الہی عن استقبال القبلة بغائط الخ)

**گھاس وغیرہ سے استنجاء کرنے کا حکم** | سوال :- گھاس اور درخت کے پتوں یا ہڈی سے استنجاء کرنا کیسا ہے؟

**الجواب :-** ہر ذی شرف یا حیوان یا جن یا انسان کے ماکولات سے شریعت مقدسہ نے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چونکہ گھاس اور درختوں کے پتے مولیشیوں کی خوراک ہے اور ہڈی میں جنات کے لیے خوراک ہے، اس لیے ان کے ساتھ استنجاء کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

لما قال الحسکفی: وکرة تحریماً بعظم و طعام و روث یا بس کعدرة یا بسة..... و فحم و علف حیوان۔ (الدر المختار علی صدرد المختار ج ۱ ص ۳۳۹، ۳۴۰ باب الانجاس، فصل فی الاستنجاء) ۲

۱۔ قال الحسکفی: کما کرة تحریماً استقبال قبلة و استدبارها لاجل بول او عائط..... و لوفی بنسیان لا طلاق النہی۔ (الدر المختار علی صدرد المختار ج ۱ ص ۳۴۱ فصل فی الاستنجاء)

و مثله فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۱۱۱ فصل فی الاستنجاء۔

۲۔ وقی الہندیة: وکرة الاستنجاء بالعظم و الروث و الرجیم و الطعام و اللحم و الزجاج و الخرف و ورق الشجر و الشعر۔ (الہندیة ج ۱ ص ۳۱۵ الفصل الثالث فی الاستنجاء)

و مثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۲۲، ۲۲۳ فصل فی الاستنجاء۔



استنجا کر کے ہاتھ دھونے کے باوجود بدبو محسوس ہونے کا حکم | سوال :- پانی سے استنجا کرنے کے بعد ہاتھوں پر کبھی کبھی بدبو محسوس ہوتی ہے جبکہ ہاتھوں پر نجاست کا کوئی وجود بھی نہیں ہوتا، کیا اس طرح بدبو کی موجودگی میں ہاتھ پاک ہیں یا نہیں؟

الجواب :- پانی سے استنجا کرنے کے بعد ہاتھوں پر بدبو رہ جائے تو بدبو کی موجودگی میں ہاتھ پاک ہیں جیسا کہ ہندیہ میں ہے: وتطهر الید مع طهارة موضع الاستنجاء۔ (الہندیہ ج ۱ ص ۲۹) لیکن بہتر یہ ہے کہ استنجا کے بعد دوبارہ بھی ہاتھوں کو دھویا جائے تاکہ خوب تنقیہ و نظافت حاصل ہو جائے، جیسا کہ ہندیہ میں ہے: ویغسل یدہ کما یکون یغسلہا قبلہ لیکون اتقی وانظف وقد روی ان النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) غسل یدہ بعد الاستنجاء وودک یدہ علی الحائط، کذا فی التجنیس۔ (الہندیہ ج ۱۔ الفصل الثالث فی الاستنجاء) سوال :- مرد کے لیے تو پیشاب و عورتوں کے لیے بھی ڈھیلے کا استعمال ضروری ہے وپاخانہ کے بعد ڈھیلے سے استنجا

ضروری ہے تو کیا عورتوں کے لیے بھی یہی حکم ہے؟  
الجواب :- ڈھیلے کے ساتھ استنجا کرنا جس طرح مردوں کے لیے مستحب ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی مستحب ہے، ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے مزید پاکی حاصل کرنا زیادہ اولیٰ ہے البتہ مردوں پر استبراء ضروری ہے عورتوں پر نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین: قلت بل صرح فی الغزنویۃ بانہا تفعل کما یفعل الرجل الا فی الاستبراء فانہا لا استبراء علیہا بل کما فرغت من البول والغائط تصبر ساعة لطيفة ثم تمسح قبلها وذبورها بالاحجار ثم تستنجی بالماء سردا المختار ج ۱ ص ۳۳۴ فصل فی الاستنجاء) لہ قال الشیخ عبدالحی الکنہوی: بزوال عین نجاست وجرش طہارت بدن میشود واما اثر نجاست یعنی رنگ و بوئی، پس باید کہ باپشتہ این راز اکل نماید و از ہمین جاست کہ بغیر خداصلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک خود را بعد استنجا میشود بر دیوار سے مالید تا اثر باقی نماند و اگر از آل دشوار بود یعنی محتاج صابون وغیرہ باشد بقا آل لا باس بہ است الخ۔ (مجموعۃ الفتاویٰ رسی ج ۳ ص ۳۳۳، ۳۳۴ فصل فی الاستنجاء)

لہ و فی الہندیہ: والمرأة تفعل فی جمیع الاوقات مثل ما یفعل الرجل فی الشتاء۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۲۸۱ الفصل الثالث فی الاستنجاء)

**سوال :-** اگر کوئی شخص ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرنا بھول جائے اور فوراً وضو کر کے نماز شروع کرے تو کیا اس شخص کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

**الجواب :-** اگرچہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ پانی اور ڈھیلے دونوں سے استنجا کیا جائے ورنہ ایک پر اکتفاء بھی جائز ہے، اس لیے اگر کوئی شخص کسی وجہ سے ڈھیلے سے کیے ہوئے استنجا پر اکتفاء کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز درست ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: اعلم ان الجمع بين الماء والحجر افضل ويليه في الفضل لاقتصاصا على الماء ويليه الاقتصار على الحجر وتحصل السنة بالكل وان تفاوت الفضل كما افاد في الكافي والمداه وغيره. (رد المحتار ج ۳۳۸ فصل في الاستنجا)

**سوال :-** کیا چاند و سورج کی طرف پیشاب کرتے وقت سورج یا چاند کی طرف منہ کرنا

اور اگر جائز نہیں تو سورج یا چاند بادلوں میں مستور ہوں تو بھی یہی حکم ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** فقہی ذخائر سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب یا خانہ کرتے وقت سورج یا چاند یا تیز ہوا کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر سورج یا چاند بادلوں میں چھپے ہوئے ہوں تو اس صورت میں پیشاب کرتے وقت ان چیزوں کی طرف منہ کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: والذي يظهر ان المراد استقبال عينهما مطلقاً لاجهتهما ولا ضؤهما وان كان سا تراً يمنع عن العين ولو سحاباً فلا كراهة وان الكراهة اذا لم يكن في كبد السماء. (رد المحتار ج ۳۲۲ باب الاستنجاء ص ۲)

لہ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: والافضل في كل زمان الجمع بين استعمال الماء والحجر مرتباً فيمسح الخارج ثم يغسل الخارج.... ويجوز اي يصح ان يقتصر على الماء فقط وهو يلي الجمع بين الماء والحجر في الفضل او الحجر وهو دونهما في الفضل. (مراقی الفلاح علی صد الطحاوی ص ۳۶ فصل في الاستنجاء ومثله في الهندية ج ۱ ص ۲۸ الفصل الثالث في الاستنجاء۔)

لہ قال لعلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: ويكره استقبال عين الشمس والقمر لأنها آيتان عظيمتان اھ قال السيد احمد الطحاوی تحت قوله يكره استقبال الخ اطلاق الكراهة يقتضي التحريم وقيد بالعين اشارة الى أنه لو كان في مكان مستور ولم تكن عينها بمراى منه لا يكره بخلاف القبلة الخ (طحاوی حاشية مراقی الفلاح ص ۱۱ فصل في الاستنجاء)



**استنجاء سے عاجز شخص کیلئے استنجاء کا حکم** | سوال: میرے ایک رشتہ دار کے دونوں ہاتھ روس کے ساتھ جہاد میں کٹ گئے ہیں اور وہ غیر شادی شدہ ہے

تو کیا اس کو استنجاء کروانا ضروری ہے؟

**الجواب:** جو شخص بذات خود استنجاء سے عاجز ہو چکا ہے بیماری کی وجہ سے ہو یا ہاتھ کٹ گئے ہوں اور اس کی بیوی یا باندی بھی نہ ہو اور خود کسی بھی صورت میں استنجاء کرنے پر قادر نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے استنجاء کرنا معاف ہے، البتہ اگر صرف ایک ہاتھ سے عاجز ہو تو جہاں تک ہو سکے استنجاء کرے ورنہ بصورتِ مجبوری معاف ہے۔

قال العلامة عالم بن علاء الانصاری: الرجل المريض اذا لم يكن له امرأة ولا امته وله ابن واخ وهو لا يقدر على الوضوء قال يتوضئه ابنه او اخوه غير الاستنجاء فانه لا يمسه فوجهه ويسقط عنه والمرأة المرضية اذا لم يكن لها زوج وهي لا تقدر على الوضوء ولها بنت او اخت توضئها ويسقط عنها الاستنجاء اهرو  
يعنى ان هذا التفصيل يجري فيمن شلت يده لانه في حكم المريض - (الفتاوى التاتارخانية ج ۱ ص ۱۰۸)

**سوال:** مرد اور عورت کے استنجائیں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مرد اور عورت کے استنجائیں کوئی فرق نہیں، یعنی جس طرح پانی اور ڈھیلے دونوں مرد استعمال کر سکتے ہیں عورت کیلئے بھی جائز ہے، البتہ مرد کیلئے استبراء یعنی پیشاب کے بعد اتنی دیر تک انتظار کرنا کہ پیشاب کے قطر آ بند ہو جائیں، ضروری ہے عورت پر اس قسم کا استبراء لازم نہیں۔

قال ابن عابدین: قلت بل صرح في الغزوة بانها تفعل كما يفعل الرجال الا في الاستبراء فانها لا تستبرأ عليها بل كما فرغت من البول والغائط تصبر ساعة لطيفة ثم تمسح قبلها وديبرها بالاجار ثم تستنجي بالماء - (رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۸ فصل في الاستنجاء) ۷

لم قال العلامة ابن عابدین: (تحت قوله يسقط اصلا للمريض) والتاتارخانية والرجل المريض اذا لم يكن له امرأة ولا امته وله ابن واخ وهو لا يقدر على الوضوء قال يتوضئه ابنه او اخوه غير الاستنجاء فانه لا يمسه فوجهه ويسقط عنه والمرأة المرضية اذا لم يكن لها زوج وهي لا تقدر على الوضوء ولها بنت او اخت توضئها ويسقط عنها الاستنجاء ولا يخفى ان هذا التفصيل يجري فيمن شلت يده لانه في حكم المريض - (رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۸ فصل في الاستنجاء)

وَمَثَلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۱ ص ۵۰، ۵۱ - فصل في الاستنجاء -  
۷ قال حسن بن عمار: يلزم الرجل الاستبراء والمراد طلب براءة المخرج عن اثر الرشح حتى ينزل اثر البول ولا يحتاج المرأة الى ذلك بل تصبر قليلا ثم تستنجي - (مرق الفلاح ص ۱۰۸ فصل في الاستنجاء) ومثله في البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۸ باب الانجاس -



**سوال :-** ایک شخص اتنا بیمار ہے کہ خود استنجاء کر سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر کوئی شخص بیماری یا بیماری کے بعد کمزوری کی وجہ سے خود استنجاء کرنے پر قادر نہیں تو اس کے لیے کسی دوسرے سے استنجاء کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کی بیوی یا باندی اسے استنجاء کرائے، ان کے علاوہ کسی اور سے استنجاء کرنا درست نہیں، ایسی صورت میں اس کے لیے استنجاء معاف ہے۔

لما فی الہندیۃ :- الرجل المریض اذا لم یکن لہ امرأۃ ولا ائمة وله ابن او اخ وهو لا یقدم علی الوضوء فانه یوضیہ ابنہ او اخوہ غیرا کلا استنجاء فانه لا یمس فرجہ و سقط عنہ الاستنجاء۔ کذا فی المخیط :- والمرأۃ المریضۃ اذا لم یکن لہا زوج وعجزت عن الوضوء ولہا بنتہ او اخت توضیہا وسقط عنہا الاستنجاء۔

رافتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۳۳۳ الفصل الثالث فی الاستنجاء

**سوال :-** پتلون پہننے کی صورت میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا پڑتا ہے، کیا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے؟

**الجواب :-** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ مجبوری عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے ورنہ عمومی حالات میں آپ نے بیٹھ کر پیشاب فرمایا ہے، اس لیے فقہاء کرام نے بیٹھ کر پیشاب کرنے کا حکم دیا ہے اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص پتلون پہنتے ہو اور بیٹھ کر پیشاب کر سکتا ہو تو اس کے لیے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے ورنہ با مجبوری کھڑے ہو کر کرنا جائز ہے لیکن پیشاب کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو بچائے۔

لما قال الحسکفی :- وکذا یکرہ۔۔۔۔۔ ان ینزل قائماً او مضطجعا او مجرداً من ثوبہ

لہ قال العلامة فخر الدین قاضی خان :- وکذا قالوا فی المریض اذا لم یکن لہ امرأۃ وعجز عن الوضوء وله ابن او اخ فانه یوضیہ الا انہ لا یمس فرجہ الا من یجمل لہ وطوہا والمرأۃ المریضۃ ان لم یکن لہا زوج وعجزت عن الوضوء ولہا بنتہ او اخت توضیہا ویسقط عنہا الاستنجاء۔ رافتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۳۳۳ فصل فی صفة الوضوء

بلا عذر اہ۔ قال العلامة ابن عابدین: (تحت قول ان يبول قائماً) لما ورد من النهي عنه لقوله عائشة رضي الله عنها من حدثك عن النبي صلى الله عليه وسلم كان يبول قائماً فلا تصدقوه ما كان يبول الا قاعداً..... فلذا قال العلماء بكرة الا لعذر وهي كراهة تنزيهية لا تحريم۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۳۳ باب الاستنجاء) لہ

**سوال:** خواتین میں یہ عادت ہوتی ہے کہ کبھی کبھی وہ بچے کو پیشاب یا پاخانہ

کے لیے قبلہ رخ کر کے پکڑتی ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

**الجواب:** قبلہ کی طرف استدبار و استقبال دونوں مکروہ ہے، فقہی ذخائر میں عورتوں کے اس عمل کو مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ بچوں کو پیشاب یا پاخانہ کے لیے قبلہ رخ کر کے پکڑیں، اس لیے ایسے عمل سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

كما قال المحقق:۔ وكذا يكره هذه تعم التحريمية والتنزيهية للمرأة امساك صغير لبول او غائط نحو القبلة۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۳۳ باب الاستنجاء) لہ

**سوال:** جناب مفتی صاحب! میں نے ایک بیت الخلاء میں داخل ہونے کا طریقہ

وقت پہلے بائیں پاؤں کو داخل کرنا چاہیے اور نکلنے وقت پہلے دایاں پاؤں باہر کرنا چاہیے، کیا یہ درست ہے؟

**الجواب:** معاشرہ میں دو قسم کے اعمال ہوتے ہیں، ایک وہ اعمال جو عظمت اور کرامت

لہ قال العلامة يوسف بنوری: ان البول قائماً وان كانت فيه رخصة والمنع للتأديب لا للتحريم كما قال الترمذی ولكن اليوم الفتوى على تحريمه اولى حيث اصبح شعاراً لغير المسلمين من الكفار۔ (معارف السنن ج ۱ ص ۱۰۶ باب ما جاء من الرخصة في ذلك)

لہ قال العلامة حسن بن عماد الشرنبلالی: ويكره امساك الصبي نحو القبلة للبول۔ قال السيد احمد الطحطاوی: (تحت قول يكره امساك الصبي)۔۔۔۔۔ ويكره امساكه حال قضاء حاجته نحو القبلة وعين القمرين ونحو ذلك۔ (الطحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۲۳ باب الاستنجاء) ومثله في البحر الرائق ج ۱ ص ۲۲۳ فصل في الاستنجاء۔

والے ہوتے ہیں اور دوسرے خیس اور بے عظمت و حرمت والے اعمال، شریعت مقدسہ میں ہر عظمت والے عمل کو دائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم ہے اور ہر خیس عمل کو بائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم ہے۔ چونکہ بیت الخلاء خیس اور غیر ذی شان والے اعمال سے تعلق رکھتا ہے اس لیے بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت بائیں پاؤں سے داخل ہونا چاہیے اور نکلنے وقت دائیں پاؤں کو پہلے نکالنا چاہیے اور یہی آداب بیت الخلاء سے ہے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي :- يدخل الخلاء برجله اليسرى ويخرج برجله اليمنى لاكل ما كان من التكريم يبداء فيه باليمين وخلافه باليسار لمناسبة اليمين للمكرم واليسار للمستقذر - (الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۳ ص ۲۳ خامساً آداب قضاء الحاجة) ۱۷

**سوال :-** اگر قضاء حاجت کے دوران کسی کو چھینک آجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

تو کیا وہ الحمد للہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟  
**الجواب :-** قضاء حاجت کے دوران باتیں کرنا یا ذکر کرنا وغیرہ مکروہ ہے، البتہ اگر کسی کو دوران قضاء حاجت چھینک آجائے تو اس کو دل میں الحمد للہ پڑھ لینا چاہیے، زبان سے اس کا ورد نہ کرے۔

لسان الہندیۃ : فان عطس حمد الله بقلبه ولا يحرك لسانه الخ -

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۲۵ فصل فی الاستنجاء) ۱۷

**سوال :-** جناب مفتی صاحب! جب کوئی شخص قضاء حاجت کیلئے

۱۷ وفي الہندیۃ : ويستحب له عند الدخول في الخلاء ان يقول اللهم اني اعوذ بك من الخبيث والخبائث ويقدم رجله اليسرى وعند الخروج يقدم اليمنى -

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۲۵ فصل فی الاستنجاء)

ومثله في معارف السنن ج ۱ ص ۱۷ باب ما يقول اذا دخل الخلاء -

۱۷ لما قال الشيخ وهبة الزحيلي : واذا عطس حمد الله بقلبه ويقول بعد الاستنجاء اللهم طهر قلبي من النفاق الخ (الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۳ ص ۲۴ خامساً آداب قضاء الحاجة)



بیت الخلاء جائے تو وہ کس وقت اپنے کپڑے کو اٹھائے؟  
**الجواب:** - قضاء حاجت کے لیے بیٹھتے وقت اپنے کپڑے کو تباہ اٹھائے جب وہ زمین  
 کے قریب ہو جائے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي :- يستحب الا يرفع ثوبه حتى يدنو من الارض لان  
 ذلك استرله ولما روى ابوداؤد عن النبي صلى الله عليه وسلم انه كان اذا اراد الحاجة  
 لا يرفع ثوبه حتى يدنو من الارض - (الفقه الاسلامي وادلته ج ۱ ص ۲۰۲) خامساً آداب قضاء الحاجة (۱) لہ  
**بیت الخلاء میں قرآنی آیات یا احادیث کے اوراق سمیت جانا** | **سوال:** - کیا قضاء حاجت  
 جاتے وقت جیب میں آیات قرآنی یا احادیث کے اوراق ہوں تو ایسی حالت میں بیت الخلاء میں  
 جانا اور قضاء حاجت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** - شریعت اسلامی میں ہر معظّم شے کی تعظیم و احترام کا حکم ہے، چونکہ آیات قرآنی  
 اور احادیث وغیرہ کے اوراق انتہائی معظّم و مکرم ہیں اور بیت الخلاء میں ساتھ لے جانے سے  
 ان کی تھیر ہوتی ہے اس لیے قصداً ایسا کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 بذات خود بیت الخلاء جاتے وقت اپنی انگوٹھی اتار لیتے تھے جس میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا  
 البتہ اگر ایسے کاغذات جیب یا ہر کھنے پر ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو پھر ساتھ لے جانے میں  
 کوئی قباحت نہیں۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: لا يحمل مكتوباً ذكر اسم الله عليه  
 او كَلَّ اسم معظم كالملكّة والعزیز والكریم ومحمد واحمد۔ لما روى انس  
 ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا دخل الخلاء وضع خاتمه وكان فيه

لہ عن ابن عمر ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا اراد حاجة لا يرفع ثوبه حتى يدنو  
 من الارض - قال الشيخ خليل احمد السهارنفوري تحت هذا الحديث وهذا  
 لان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن التعري في الخلوت - ايضاً وقال فالله احق ان يستحي منه  
 من الناس وهذا يدل على ان جواز التعري في الخلوت للضرورة فلا ينبغي ان يرفع ثوبه قبل  
 الضرورة - (بذل المجهود ج ۱ ص ۱۰۰) باب كيف التكشف عند الحاجة

محمد رسول الله فان احتفظ به واحترز عليه من السقوط فلا بأس -

(الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۲۲ آداب قضاء الحاجة) ۱۷

**قضاء حاجت کے دوران برش یا مسواک کرنا** | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک شخص قضاء حاجت کیلئے بیت الخلاء

میں بیٹھا ہوا ہے مگر اسی دوران وہ مسواک بھی کر رہا ہے، تو کیا ایسا کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** قضاء حاجت کے مستحبات میں یہ بھی ہے کہ وہ شخص قضاء حاجت کے دوران

قضاء حاجت کے علاوہ اور کوئی عمل نہ کرے، نہ آسمان کو دیکھے اور نہ اپنی شرمگاہ پر نظر رکھے اور نہ دائیں بائیں طرف دیکھے، اسی طرح اس دوران مسواک یا برش کرنے سے بھی اجتناب کرے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي :- يستحب الا ينظر الى السماء ولا الى فرجه ولا الى

ما يخرج منه ولا يعيث بيده ولا يلتفت يمينا ولا شمالا ولا يستاك لان ذلك

كله كايلىق بحاله - (الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۲۲ آداب قضاء الحاجة) ۱۷

**بیت الخلاء میں بغیر جوتوں کے جانے کا حکم** | سوال :- بعض مساجد کے استنجا خانے مسجد

صحیح نہیں، اس لیے کہ مسجد کے صحن سے گزرنا پڑتا ہے، تو کیا ایسے استنجا خانوں یا بیت الخلاء میں

بغیر جوتوں کے جانا درست ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** ویسے تو جوتے پہن کر بیت الخلاء وغیرہ میں جانا آداب قضاء حاجت سے

ہے اور مستحب ہے، لیکن صورت مشولہ میں مسجد کی عظمت اور حرمت کے پیش نظر جوتوں کے بغیر

۱۷ قال الشيخ خليل احمد السهاري نفوساً: (تحت قول النبي) عن انس ان النبي صلى الله عليه وسلم

كان اذا دخل الخلاء وضع خاتمه يعني ينزع خاتمه من الاصبع ثم يضعه خارج

الخلاء ولا يدخل الخلاء مع الخاتم وهذا العظيم اسم الله عز وجل ويدخل فيه كلما كان فيه

اسم الله من القرطاس والدرهم الخ (بذل المعجم هوود ج ۱۳ باب الخاتم يكون فيه ذكر الله تعالى يدخل به الخلاء)

۱۷ لما في الهندية: ولا ينظر لعورته الا للحاجة ولا ينظر الى ما يخرج منه ولا يبزق ولا يمتخط

ولا يتنحج ولا يكثر الكلتفات ولا يعيث ببدنه ولا يرفع بصره الى السماء الخ

الفتاوى الهندية ج ۵ فصل في الاستنجاء

جانے میں کوئی قباحت نہیں، تاہم مناسب یہ ہے کہ مساجد کے استنجائے نے کسی ایسی جگہ بنائے جائیں جہاں سبوتوں سمیت جانا ممکن ہو۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: ان يلبس نعليه ويسترد رأسه وياخذ حجرا لاستنجاء او يهيئ ويعد المزيل للنجاسة من ماء ونحوه -  
(الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۱ باب فامسا آداب قضاء الحاجة)

**استعمال شدہ ڈھیلوں کے دوبارہ استعمال کا حکم | سوال :-** بعض لوگ استعمال شدہ ڈھیلے سے دوبارہ استنجاء کرتے ہیں، از روئے شرع ڈھیلوں کے سوکھ جانے کے بعد ان سے دوبارہ استنجاء کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** استنجاء بالاجار کے لیے ضروری ہے کہ ڈھیلے وغیرہ پاک ہوں۔ اسی بنا پر فقہاء نے مستعمل ڈھیلے سے استنجاء کو ناجائز قرار دیا ہے۔ تاہم اگر ڈھیلہ بڑا ہونے کے ساتھ اس کے کئی کونے بھی ہوں تو متعدد ڈھیلوں کے حکم میں ہو کر ہر ایک کونے سے مستقل طور پر استنجاء کرنا باکرا درست ہے۔

قال العلامة ابن ہمام: ولا يجوز استنجاء بحجر استنجى به مرة الا ان يكون له حرف اخر لم يستنج به - (فتح القدير ج ۱۹ فصل في الاستنجاء) لہ



لہ قال في الہندیة: وكذا لا يستنجى بحجر استنجى به مرة هو او غيرہ الا اذا كان حجرا له احرف له ان يستنجى كل مرة بطرف لم يستنج به فيجوز من غير كراهة كذا في المحيط - (الہندیة الفصل الثالث في الاستنجاء ج ۱۹) ومثله في خلاصة الفتاوى - باب الاستنجاء ج ۱۹ -



## مسائل شتی

### (غسل اور وضو کے متفرق مسائل)

غسل اور وضو کے لیے پانی کی مقدار | سوال :- وضو یا غسل کے لیے کتنا پانی ہونا چاہیے، شرعاً اس کے لیے پانی کی کوئی مقدار مقرر ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت میں وضو یا غسل کے لیے پانی کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں کہ اس سے کم و بیش پانی کے ساتھ وضو یا غسل کرنا جائز نہ ہو۔ البتہ احادیث مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو اور غسل کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع پانی سے غسل اور ایک مد پانی سے وضو فرمایا کرتے تھے۔ صاع کی مقدار موجودہ حساب سے ۲۷۰ تولہ اور مد ۶۸ تولہ اور چند ماشے بنتا ہے۔

لما قال العلامة السيد احمد الطحطاوی : واعلم انه نقل غیر واحد لاجماع علی عدم التقدير فی ماء الوضوء والغسل بل هو بقدر الكفاية لاختلاف طباع الناس - وعن عائشة رضي الله عنها بحدت السنة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الغسل من الجتابة صاع ثمانية ارطال وفي الوضوء رطلان هما مد فالمد ربع صاع - رططاوی ص ۶۳ کتاب الطہارۃ، فصل في المکرہات (۱) لہ

گنجه سروالے آدمی کے چہرے کی حدود کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! فقہ کی بعض کتابوں میں چہرے کی حد سر کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے اور ایک کان سے دوسرے کان تک

لہ قال العلامة الكلساني: مقدار الماء الذي يغتسل به فقد ذكر في ظاهر الرواية وقال ادنى ما يكفي في الغسل من الماء صاع وفي الوضوء مد..... ثم هذا التقدير الذي ذكره محمد بن الحسن في الغسل والوضوء ليس بتقديري بل لا يجوز النقص عنه او الزيادة عليه بل هو بيان مقدار ادنى الكفاية عادة حتى من اسبغ الوضوء والغسل بدون ذلك اجزأه وان لم يكفه زاد عليه لان طباع الناس ولحوالهم تختلف - (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۵ مطلب ادا ب الوضوء)

مذکور ہے ، اب اگر کسی شخص کے سر کے نصف سے بال شروع ہوئے ہوں تو اس بالے میں اس کو کیا کرنا چاہیے ؟

الجواب :- فقہاء کرام کی عبارات میں جو یہ مذکور ہے کہ چہرے کی حد سر کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ عام طور پر جہاں سے سر کے بال اُگنے شروع ہوتے ہیں یعنی عرف میں بال اُگنے کی جو حد ہو اس کا اعتبار ہے ، اس لیے جو آدمی بالکل گنجا ہو یا اس کے بال سر کے نصف سے شروع ہوتے ہوں تو اسے عرف کے مطابق عمل کرنا چاہیے ۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی : وَحَدَّ هَا اى جملة الوجه طولاً من مبداء سطح الجبهة سواد كان به شعراً لا - قال السيد احمد الطحاوى ، (قوله سواد كان به شعراً لا) اشار به الى ان الاغصم والاصلح والاقرع والانزع فرض غسل الوجه منهم ما ذكر - (طحاوى و مراقى الفلاح من احكام الوضوء) له

نیند سے بیدار ہونے کے بعد مسواک کرنے کا حکم | سوال :- کبیارات کی نیند سے بیدار ہونے کے بعد مسواک کرنا

منون ہے یا ہر نیند چاہے دوپہر کا قیلولہ ہو یا رات کی نیند سے اٹھنے کے بعد مسواک کرنا منون ہے ؟

الجواب :- فقہاء کرام نے مطلقاً نیند سے جاگنے کے بعد مسواک کرنے کو مستحب لکھا ہے چاہے رات کی نیند ہو یا دوپہر کا قیلولہ ، اس لیے ہر نیند سے جاگنے کے بعد مسواک کرنا مستحب ہے ۔

قال العلامة حسن بن عمار الشونبلالی رحمه الله : وليستحب لتغير الفم

له قال العلامة الحصكفي : من مبداء سطح جبهته اى المتوضئ بقزنية المقام الى اسفل ذقنه اى منبت اسنانه السفلى طولاً كان عليه شعراً ولا عدل من قولهم من قصاص شعرة البخارى على الغالب الى المطرد ليعم الاغصم والاصلح والانزع -

والدر المختار على صدر رد المختار ج ۱ كتاب الطهارة

ومثله في الهندية ج ۱ كتاب الطهارة -

والقیام من النوم - (مراقی الفلاح علی صدر الطحاوی من فصل سنن الوضوء<sup>۳۷</sup>)

**مریض کو تیمم کرانے کے لیے نیت کا حکم** | سوال :- جناب مفتی صاحب! میری

دادی بیمار اور بہت کمزور ہے، ڈاکٹر نے ان پر وضو وغیرہ کے لیے پانی استعمال کرنا منع کر دیا ہے، اس وجہ سے میں ان کو تیمم کراتی ہوں، تو کیا تیمم کی نیت کرنا میرے لیے لازم ہے یا میری دادی کے لیے؟

**الجواب :-** تیمم میں نیت کا وجوب ہر اس شخص پر لازم ہے جو پاکی (طہارت) حاصل کرنا چاہتا ہو، چونکہ صورتِ مسئلہ میں پاکی آپ کی دادی حاصل کرتی ہیں اس لیے تیمم کی نیت کرنا ان کے لیے لازمی ہے آپ کے لیے نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : مریض تیممہ غیورہ فالنیۃ علی المریض دون المتیمم - انتہی - (الاشیاء والنظائر ج ۱<sup>۱۸</sup> القاعدة الثانية ۳۳۲) ۲

**غسل کے چھینٹوں سے پانی نجس نہیں ہوتا** | سوال :- جنابت کے غسل

پانی کے چھینٹے پانی کے برتن میں گر جائیں تو کیا اس باقی پانی ناپاک ہو جائے گا یا نہیں؟

**الجواب :-** فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر جنب آدمی کے بدن سے غسل کے دوران گرنے والے پانی کے چھینٹے صاف پانی میں گر جائیں تو اس سے صاف پانی ناپاک نہیں ہوتا، اس سے غسل کرنا جائز ہے۔

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : ویستحب فی خمسة مواضع اصفرار السن

وتغیور الراتحة والقیام من النوم والقیام الی الصلوۃ وعند الوضوء -

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۱۱ سنن الوضوء، مطلب فی دلالة المفہوم)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۱ ص ۱۱۱ سنن الوضوء -

۲۷ قال الشيخ المقتی عبدالرحیم لاجپوری : مذکورہ لاچارگی اور مجبوری کی صورتوں میں دوسرا شخص تیمم کرادے تو تیمم ہو جائے گا مگر نیت معذور کو ہی کرنا ہوگی، تیمم کرانے والے کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔

(فتاویٰ رحیمیۃ ج ۸ ص ۹۱ کتاب الطہارۃ)



لما في الهندية : جنب اغتسل فانتضح من غسله شيء في انائه لم يفسد عليه الماء - (الفتاوى الهندية ج ۲۳ الفصل الثاني فيما لا يجوز به المتوضوء له  
**نجس الشبائر کے دھوئیں کا حکم** | سوال :- بسا اوقات کوڑا کرکٹ کی جگہ دھواں سا اٹھتا ہے اگر وہ انسان کے کپڑوں پر یا اس کے

بدن پر لگ جائے تو کیا اس سے بدن اور کپڑے ناپاک ہو جائیں گے یا نہیں؟  
**الجواب :-** نجاست سے اٹھنے والا بھاپ نما دھواں اگر کپڑوں یا بدن پر لگ جائے تو اس سے کپڑے اور بدن نجس (نا پاک) نہیں ہوتے، اگرچہ بعض اقوال ناپاک ہونے کے بھی مروی ہیں مگر راجح قول یہ ہے کہ اس سے کپڑے یا بدن ناپاک نہیں ہوتے۔

لما في الهندية : دخان النجاسة اذا اصاب الثوب او البدن الصحيح انه لا ينجسه۔

(الفتاوى الهندية ج ۲۳ الفصل الثاني في الاعيان النجسة ۲۷)

**شیر خوار بچے کی قے کا حکم** | سوال :- اگر چھوٹا شیر خوار بچہ کسی پر قے کر دے تو کیا اس کی قے پاک ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** قے جو ب منہ بھر کے آئے تو مطلقاً نجس ہے چاہے بڑے آدمی کے معدے سے آئے یا شیر خوار بچے کے منہ سے، تاہم اگر قے منہ بھر کے نہ آئے تو ناپاک نہیں۔

قال العلامة الحصكفي : ينقضه قمي ملافاه من مراء وعلق او اطع او ماء اذا وصل الى معدته وان لم يستقر وهو نجس مغلظ ولو من صبي ساعة ارتضاعه وهو الصحيح۔  
 لمخالطة النجاسة ذكره الحلبي - ( الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱۳۴  
 مطلب نواقض الوضوء )

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري : جنب اغتسل فانتضح من غسله شيء في انائه لم يفسد عليه الماء - (خلاصة الفتاوى ج ۱۱ كتابا تطهارة ، الفصل الاول)  
 قال العلامة حسن بن عمار الشربلاني رحمه الله : ويعد الكنيف والاصطبل والحمام اذا قطر لا يكون نجسا استمسائا - (مراقى الفلاح على صدر المطاوى  
 ۱۳۲ قبل الفصل يطهر جلد الميتة)

**چھوٹے بچے کا پانی میں ہاتھ ڈالنا** | سوال :- اگر کوئی چھوٹا بچہ پانی کے ٹکے سے ہاتھ ڈال دے تو اس پانی کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** صورت مشولہ میں پانی کی طہارت اور ناپاکی بچے کے ہاتھوں کی طہارت اور ناپاکی پر منحصر ہے، اگر بچے کے ہاتھ یقینی طور پر پاک و صاف ہوں تو بلاشبہ پانی بھی پاک ہے اور اگر بچے کے ہاتھ نجس ہوں تو پانی بھی ناپاک نہ تاہم اگر شک کی سی صورت پیدا ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ اس پانی کو استعمال نہ کیا جائے اور اگر استعمال کر بھی لیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

قال العلامة فخرالدين قاضي خان: وكذا الصبي اذا دخل يده في البئر أو في  
الاناء لا يتوضأ منه استحساناً ما لم ينزح وان لم ينزح وتوضأ جازماً.  
رفاوی قاضی خان علی ہا مشابہت الہندیۃ ج ۱ ص ۹ فصل فی البئر۔

**وضو کرتے وقت اذان کا جواب دینے کا حکم** | سوال :- اگر کوئی شخص وضو کر رہا ہو اور اسی اذان شروع ہو جائے تو کیا شخص وضو کی

دعائیں پڑھے یا اذان کا جواب دے، شرعاً کون سا عمل افضل ہے؟  
**الجواب :-** وضو کرتے وقت مسنون دعائیں پڑھنا اور اذان کا جواب دینا دونوں سنت ہیں، لہذا دونوں میں سے جو بھی چاہے پڑھ سکتا ہے، تاہم اذان کا جواب دینا زیادہ بہتر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان سننے والے کو سلام کا جواب دینا بھی مناسب نہیں، حالانکہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

قال العلامة الكاساني: ولا ينبغي ان يتكلم السامع في حال الاذان والاقامة ولا يشتغل  
بقراءة القرآن ولا بشئ من الاعمال سوى الاجابة ولو كان في القراءة ينبغي ان يقطع ويستغل<sup>بالا</sup> سماع  
والاجابة۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۵۵ فصل ما يجب على السامعين عند الاذان) لہ

لہ قال العلامة ابن عابدین: وينبغي للسامع ان لا يتكلم ولا يشتغل بشئ في حالة  
الاذان والاقامة ولا يرد السلام ايضاً لان الكل يخل بالنظم،  
رد المحتار ج ۱ ص ۳۹۹ باب الاذان۔ مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد (

**تیمم کے جواز کے لیے مسافت کی تحدید** | سوال :- پانی کتنی مسافت کی دوری پر ہو تو تیمم کرنا جائز ہوتا ہے ؟

**الجواب :-** جب آدمی سے پانی ایک میل کے فاصلے پر ہو تو تیمم جائز ہے اور میل سے مراد چار ہزار ذراع ہے یعنی جب آدمی سے چاروں طرف ایک ایک میل کا فاصلہ ہو تو تیمم کرنا جائز ہے۔

قال لعلّا الحسکفی، ومن عجز عن استعمال الماء الخ لم یعدہ ولو مقيماً فی المصر میلاً اربعة الاف ذراع وهو اربع عشرون اصبعاً وهي ست شعيرات ظهرا لبطن وست شعيرات بطن۔  
رد المحتار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۳ باب تیمم لہ

**سوال :-** کوئلہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ (۱) جبلی (پہاڑی) کوئلہ جو کہ کان سے نکالا جاتا ہے، اور ایک وہ جو لکڑی کو جلا کر اس سے کوئلہ بنایا جاتا ہے کیا جبلی (پہاڑی) کوئلہ اور اس کی بنی ہوئی راکھ پر تیمم کرنا جائز ہے ؟

**الجواب :-** جبلی کوئلہ چونکہ حکماً پتھر ہے اس لیے یہ جنس الارض سے شمار ہوگا جس پر تیمم صحیح اور درست ہے، اسی طرح اس کی راکھ پر بھی تیمم صحیح ہے۔

قال الحسکفی، ومتمد باکا حذوق اکر ماد الحجر فی جونا کحجر صدقوق او مفسول۔ رد المحتار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۲ باب تیمم لہ

**سوال :-** راکھ پر تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں ؟  
**الجواب :-** تیمم کے لیے جنس الارض ہونا ضروری ہے، فقہاء کرام نے جنس الارض کی پہچان کے بارے میں فرمایا ہے کہ جنس الارض ہر وہ شے ہے جو جلانے سے

لہ وفي الهندية : یجوز التیمم لمن كان بعيداً من الماء میلاً هو المختار فی المقدر سواء كان خارج المصر اوفیه وهو الصحیح وسواء كان مسافراً او مقيماً..... ان الميل هو ثلث الفرسخ اربعة الاف ذراع طول كل ذراع اربع وعشرون اصبعاً وعرض كل اصبع ست حبات شعیر ملحقة ظهرا لبطن۔ (الهندية ج ۱ ص ۲۴۰ الباب الرابع فی تیمم لہ قال الشيخ تحلیل احمد : بندہ کے نزدیک جبلی کوئلہ اور اس کی راکھ پر تیمم کرنا جائز ہے کیونکہ ان کا حکم حجر کا ہوگا۔ رفاوی خلیلہ جلد ۱ ص ۵۷ کتاب الطہارة، باب تیمم



نہ راکھینے اور پگھل جائے۔ چونکہ راکھ اُس شے سے بنتی ہے جو جل کر راکھ بن جاتی ہے جس کی جنس الارض کی تعریف صادق نہیں آتی، اس لیے طہارت کے باوجود اس سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔

قال العلامة ابو بکر الكاساني: جنس الارض فكل ما يخرق بالنار فيصير رمادا كالخطب والحشيش ونحوهما او ما ينطبع ويلين كالحديد والصفرة والنحاس والزجاج وعين الذهب والفضة ونحوها فليس من الارض وما كان بخلاف ذلك فهو من جنسها۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۵۳ فصل في بيان ما يتيمم به) گدایا تکبیر پر تیمم کا حکم | سوال :- ایک شخص صاحب فراش ہے اور ڈاکٹروں نے اس کو پانی کے استعمال سے منع کیا ہوا ہے، کیا وہ گدایا تکبیر پر تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- ایسا صاحب فراش جس کو ڈاکٹروں نے پانی کے استعمال سے منع کیا ہو اس کیلئے گدایا اور تکبیر پر تیمم کرنا جائز ہے جبکہ اس پر غبار ہو جیسا کہ فتاویٰ تاتاریخانیہ میں ہے۔ والصحيح قول ابي حنيفة رحمه الله تعالى: وصورة التيمم بالغبار ان يضرب بيداً ثوباً اوليداً او وسادةً او ما أشبهها من الاعيان الطاهرة التي عليها غبار فاذا وقع الغبار على يديه تيمم۔ (تاتاریخانیہ ج ۱ ص ۲۲۷ باب التيمم) ۱۰

له وفي الهندية: ما يخرق بالنار فيصير رمادا كالخطب والحشيش ونحوهما او ما ينطبع ويلين كالحديد والصفرة والذهب والفضة ونحوها فليس من جنس الارض وما كان بخلاف ذلك فهو من جنسها۔

(الهندية ج ۱ ص ۲۱۶ الباب الرابع في التيمم، الفصل الاول)

۲۰ قال ابراهيم الحلي: ولا يجوز عندنا بما ليس من جنس الارض وهو ما يلين بالنار او يترمد كالذهب والفضة والحديد والرصاص والصفرة والنحاس ونحوها مما ينطبع ويلين بالنار او كالحنطة وسائر الحبوب والاطعمة من الفواكة وغيرها وانواع النباتات مما يترمد بالنار اذا لم يكن عليها غبار وان كان على هذه الاشياء المذكورة غبار يجوز التيمم بغبارها عند ابي حنيفة۔ الخ (كبيرى ص ۱۰۸ باب التيمم) ۱۱ ومثله في مجموعة الفتاوى ج ۱ ص ۱۰۸ كتاب الطهارة۔

ایک ہی جگہ پر متعدد بار تیمم کرنا | سوال :- ایک ہی جگہ پر بار بار تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- ایک ہی ڈھیلے یا جگہ پر بار بار تیمم کرنا فقہاء کرام کی تصریح سے جواز معلوم ہوتا ہے، اس لیے ایک جگہ پر بار بار تیمم کرنا جائز ہے۔

لما قال العالم بن العلاء الا نصارى : واذا تیمم مرارا من موضع واحد جائز۔

(التا تاریخانیة ج ۱ ص ۲۲۲ قبل نوع من عجولہ التیمم ولا یجوز له)

تلاوت قرآن کیلئے کئے گئے تیمم نماز پڑھنے کا حکم | سوال :- جو تیمم تلاوت یا دیگر اذکار کیلئے کیا جائے اس سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- عبادت کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ جس کیلئے طہارت شرط ہے، مثلاً نماز، سجدہ تلاوت

وغیرہ۔ (۲) وہ جس کے لیے طہارت شرط نہیں، مثلاً تلاوت قرآن، دخول مسجد، تعلیم دین وغیرہ۔

اب اگر تیمم ان عبادت کے لیے کیا جائے جن کے لیے طہارت شرط ہے تو اس تیمم سے جملہ عبادت ادا کرنا جائز ہے اور اگر تیمم اس عبادت کے لیے کیا گیا ہو جن کے لیے طہارت شرط نہیں تو اس سے وہ عبادت جن کے لیے طہارت شرط ہے، ادا کرنا صحیح نہیں۔ لہذا تلاوت قرآن یا دیگر اذکار کے لیے چونکہ طہارت شرط نہیں اس لیے اس تیمم سے نماز پڑھنا بھی درست نہیں۔

لما قال المحصنی: لو تیمم لدخول مسجد او لقرأة ولو من مصحف... لمر تجز

الصلوة به عند العامة۔ قال ابن عابدین: (قوله لمر تجز الصلوة به) أي لفقد

الشرط، وهو امران! كون العبادة مقصودة وكونها كالتحلل الا بالطهارة۔

درہم المختار ج ۱ ص ۲۲۵ باب التیمم ۲

۱۔ وفي الهندية: واذا تیمم مرارا من موضع واحد جاز كذا في التا تاریخانیة۔

(الهندية ج ۱ ص ۳۱۱ الباب الرابع التیمم، الفصل الثالث في المتفرقات)

۲۔ قال ابن نجيم: وصرحوا بانه لو تیمم لدخول المسجد او لقرأة ولو من المصحف او مسه او زيارة

القبور... لا تجوز الصلوة بذلك التیمم عند عامة المشائخ لان بعضها ليست بعبادة مقصودة

وان كان عبادة مقصودة لكن يصح بدون الطهارة۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۵۱ باب التیمم)

ومثله في الهندية ج ۱ ص ۲۱۱ الباب الرابع في التیمم، الفصل الاول۔

**تنگی وقت کی وجہ سے تیمم کرنا درست نہیں | سوال :-** اگر کسی کو ایسا واقعہ پیش آئے کہ غسل کی بھی ضرورت ہے اور نماز کا وقت بھی کم ہے، کیا

تنگی وقت کی وجہ سے تیمم کیا جاسکتا ہے؟

**الجواب :-** وقت کی تنگی کوئی ایسا عذر شرعی نہیں کہ جس کی وجہ سے غسل کو چھوڑ کر تیمم پر اکتفاء کیا جائے بلکہ ہر حال میں غسل کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: لا يتم لفوت جمعة ووقت ولو توافقتها الى بدل.

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۶ باب التيمم) ۱۰

**سوال :-** افغانستان اور کشمیر کے جہاد میں جو لوگ کفار کی جیلوں میں محبوس ہیں اگر دشمن باوجود پانی کی موجودگی کے ان کو وضو یا

غسل کے لیے نہ چھوڑیں تو کیا یہ لوگ تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب :-** تیمم کے جواز کے لیے پانی پر عدم قدرت ضروری ہے اور یہ عدم قدرت چاہے مسافت کی وجہ سے ہو یا مرض کی وجہ سے یا دشمن کی وجہ سے ہو تو ان تمام صورتوں میں تیمم کر کے نماز پڑھی جاسکتی ہے، لہذا اگر قیدی تیمم کر کے نماز ادا کریں تو جائز ہے۔

قال العلامة الحصكفي: من عجز عن استعمال الماء..... بعدة ولو مقيماً في المصر ميلاً..... او لمرض يشتد او يمتد بغلبة ظن او قول حاذق مسلم..... او يودي بهلك الجنب او يمرضه..... او خوف عدو كحياة او نار على نفسه ولو من فاسق او جس غريم او ماله..... او عطش ولو لكلبه او رفيق القافلة حالاً او مآلاً.

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۲ تا ۲۳۵ باب التيمم) ۲

۱۰ قال العلامة ابراهيم الحلبي: ولو خاف خروج الوقت لو اشتغل بالوضوء في سائر الصلوة

ما عد صلوة الجنائز والعيد لا يتم عندنا. (كبيري ص ۸۳ فصل في التيمم)

۲ قال الشيخ السيد احمد الطحطاوي: (ومنه خوف عدو) آدمي او غيره سواء خافه على نفسه او ماله او امانته او خافت فاسقاً عند الماء او خاف المديون المقلس الجبس ولا اعادة عليهم ولا على من جس في السفر بخلاف المكرة على ترك الوضوء فتيتم فانه يعيد الصلوة -

(مراقى الفلاح على صدر الطحطاوي ص ۹۲ باب التيمم)



**زخمی تیمم کر سکتا ہے** | سوال :- اگر کوئی شخص اتنا زخمی ہو کہ اس کے لیے غسل کرنا ممکن نہ ہو تو اس کے غسل کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** اگر کسی شخص کے نصف بدن یا اس سے زیادہ پر زخم ہوں تو وہ شخص تیمم کر سکتا ہے البتہ اگر بدن کے زخم کم ہوں اور غسل کرنا ممکن ہو تو وہ شخص غسل کرے گا اور زخم کی جگہوں پر مسح کرے گا، اور اگر زخم کم ہوں لیکن پانی کے اثر سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہو تو پھر بھی تیمم جائز ہے۔

ویجوز التیمم اذا خاف الجنب اذا اغتسل بالماء ان یقله البرد او یسر صفة :-  
وان كان به جراحات یعتبر الاكثر محدثا كان او جنبا فقی الجنابة یعتبر اكثر البدن  
وفی الحدیث یعتبر اكثر اعضاء الوضوء فان كان الاكثر صحیحا والاقل جریحا  
یغسل الصحیح ومیسح علی الجریح ان امکنه وان لم یکنه المسح یمسح علی الجیائر  
اوفوق الخرقۃ ولا یجمع بین الغسل والتیمم۔ (الہندیۃ ج ۱ ص ۳۸) لہ

**سرد علاقوں میں تیمم کا حکم** | سوال :- کیا جنب آدمی سخت سرد علاقوں مثلاً سوات، سیاحین وغیرہ میں سردی کی وجہ سے نماز اور دوسری عبادات

کے لیے تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** تیمم کی مشروعیت پانی نہ ملنے یا قدرت نہ رکھنے کی صورت میں ہے بلا عذر شرعی تیمم سے طہارت حاصل نہیں ہوتی، سخت سردی بھی تیمم کے لیے عذر شرعی ہے لیکن تب جب پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کی صورت میں بیمار پڑھنے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو، البتہ صرف وضو ٹھنڈے پانی سے کیا جائے گا اس لیے کہ وضو میں نقصان کا خوف زیادہ نہیں ہوتا۔

لما قال الحسکفی: اوبردیہلک الجنب او یمرضہ ولو فی المصر اذا لم تکن له اجدۃ الحمام ولا ما یدفئہ۔ قال العلامة ابن عابدین: قید بالجنب لان المحدث لا یجوز له التیمم للبرد فی الصحیح۔  
(رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۲ باب التیمم)

لما قال العلامة الحسکفی: والمرض یشدد او یمتد بغلیۃ ظن او قول حاذق مسلم ولو بتحرک۔  
(رد المحتار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۳ باب التیمم)

ومثله فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص ۱۸۱ باب التیمم، المرض اوبطء البرد۔

**سوال :-** جناب محترم مفتی صاحب! ایک آدمی نمک کی کان  
نمک پر تیمم کرنے کا حکم میں کام کرتا ہے، اگر وہاں اس کو تیمم کی ضرورت پڑ جائے اور  
گرد و نواح میں مٹی بھی موجود نہ ہو تو کیا یہ شخص نمک پر تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** پہاڑی نمک چونکہ زمین ہی کے اجزاء میں سے ہے اس لیے اس پر  
تیمم کرنا شرعاً جائز ہے، تاہم جو نمک سمندر کے پانی سے بنا ہوا ہو اس پر تیمم کرنا جائز  
نہیں ہے۔

كما قال العلامة ابراهيم الجبلی رحمہ اللہ : ولو تیمم بالملح نظر ان کان مائیا ای  
کان ماء فجمد لا یجوز لانه لیس من اجزاء الارض وان کان جبلها ای معدنیا  
وهو ما استحال ملحاً من اجزاء الارض یجوز به التیمم لانه جئس الارض۔

دکیوی ص ۷۶ باب التیمم لہ

**سوال :-** جناب مفتی صاحب! ایک شخص اتنا بیمار ہے  
کہ وہ چار پائی سے نیچے نہیں اتر سکتا، اس نے تیمم کرنے

کے لیے اپنے پاس مٹی کا ایک ڈھیلا رکھا ہوا ہے اور وہ اس پر بار بار رہ نماز کے لیے تیمم کرتا  
ہے، تو کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟ یا یہ کہ ہر تیمم کے لیے مٹی کا نیا ڈھیلا لیتا  
پڑے گا؟

**الجواب :-** جو شخص بیمار ہو اور طبیب کے نزدیک پانی کا استعمال اس کے لیے مضر ہو  
تو شرعاً اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے۔ اب چاہے تو بیمار مٹی کے ایک ہی ڈھیلے یا جگہ پر بار بار  
تیمم کرے یا ہر بار تیمم کے لیے نئی جگہ یا ڈھیلا استعمال کر سکتا ہے، شرعاً اس بارے میں  
گنجائش ہے۔

لما فی الہندیۃ : اذا تیمم مراداً من موضع واحد جاز کذا فی التاتارخانیۃ۔  
الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۶۱ باب التیمم

لہ قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ : اختلفوا فی الجبلی والصیحیح هو الجواز۔  
(فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۶۱ فصل فیما یجوز بہ التیمم)  
وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۱ ص ۱۲۱ باب التیمم۔

## نائلون کی جرابوں پر مسح کرنے کا حکم

نائلون کے موٹے جرابوں پر مسح کے بارہ میں حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ اور مولانا محمد فرید صاحب مفتی دارالعلوم حقانیہ کا یہ تحقیقی فتویٰ دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان ماہنامہ الحق نے شائع کیا تھا، فتویٰ کے اہمیت کے پیش نظر اب اسے فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مترجم)

فی الدال المختار او جوریدہ ولومن غزل او شعرا لتخینین بیث یمشی فرسجاً  
ویثبت علی الساق بنفسہ ولا یرى ماتحتہ ولا یشف الخ۔ (جلی کبیر ص ۱۲۱)  
وحد الجورب التخینین ان یرتمسک ای یتبیت ولا ینسدل علی الساق من غیر  
ان یشد بشئ ھکذا افسر وہ کلمہ وینبغی ان یقید بما ادالہ لکن ضیقاً فاننا شاہد  
ما یكون فیہ ضیق یرتمسک علی الساق من غیر شد ولو کان من الکر باس۔  
عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ جرابوں پر مسح کرنا مشروط ہے چند شرائط کے ساتھ۔ اول یہ کہ  
گاڑھی اور اتنی موٹی ہوں کہ اگر صرف جرابیں پہن کر کم از کم تین میل ان میں چلا جائے، اسے باز نہ  
بھی نہ ہو اور وہ پنڈلی پر سے نہ اتریں۔ دوسرے یہ کہ ان میں سے فوری طور پر پانی نہ پھینے۔  
مکا صرح بہذا القید فی الشرح الکبیر ص ۱۸۹۔ تیسرے یہ کہ ان کے اندر سے کوئی چیز نظر  
نہ آئے، یعنی اگر آنکھ لگا کر اس میں سے دیکھیں تو کچھ دکھائی نہ دے۔ چوتھے یہ کہ پنڈلی  
سے نہ گرتا تنگی کی وجہ سے نہ ہو۔

پس نائلون کی جرابیں جتنی ہمارے مشاہدہ میں آئی ہیں ان میں یہ شرائط موجود نہیں ہیں،  
کیونکہ نائلون میں ربڑ کی طرح پھیلنے اور سکڑنے کی خاصیت موجود ہے تو پہننے کے بعد ان کا  
نہ گرتا انقباض اور تنگی کی وجہ سے ہے، پھر بسا اوقات تھوڑی سی مسافت طے کرنے کے بعد وہ  
وہ پنڈلی سے گرتی ہیں لہذا محقق علی من جذب۔ اور جب ان جرابوں میں سے اتنا کھینچ کر



دیکھا جائے جتنا ان کے پہننے کے وقت کھینچا جاتا ہے تو ان سے ہر چیز دکھائی دیتی ہے، پھر فوری طور پر ان میں سے پانی بھی پھنتا ہے بخلاف ٹاٹ کی جرابوں کے۔ تو اس بنا پر ان پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر نائلوں کی ایسی جرابیں موجود ہوں جن میں یہ تمام شرائط موجود ہوں تو پھر منشی بہ قول کے مطابق ان پر مسح کرنا جائز ہوگا۔ ہذا ما اعتدی و لعل عند غیر احسن من ہذا۔ (مولانا منشی محمد فرید صاحب مدظلہ)

اس مسئلہ کے متعلق مزید وضاحت کیلئے حضرت علامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمہ اللہ سے بھی استفسار کیا گیا تھا، حضرت افغانی کی تحقیق حسب ذیل ہے:-  
ثینین کے بارہ میں کتب فقہ میں سے رد المحتار جلد ۱ ص ۱۸۸ کی عبارت ذیل ثینین کے تحت ملاحظہ ہو:-

بعیت یمشی فرسغاً و یثبت علی الساق بنفسہ ولا یری ما تحتہ و کالینشف الدر) و فی الدر و فی بعض الکتب ینشف و فسر فی الخانیۃ الا قول بان کالینشف الجورب الماء الی نفسہ کاللدیم والصرام و فسر الثانی بان کالیمجا و ذالماء الی القدم و قال تحت بنفسہ ای من غیر شد اھ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جو از مسح علی الثینین کے لیے نختانہ کا وجود ضروری ہے جو کہ امور ثلاثہ سے متحقق ہوتا ہے۔ (۱) شرعی تین میل یا اس سے زیادہ بغیر جو نٹے کے آدمی اس میں چل سکے (۲) باندھنے کے بغیر پٹلی سے پیوست رہے (۳) پانی اگر اس پر ڈالا جائے تو اندر نہ جاسکے۔ ان تین امور کا مجموعہ بالخصوص امر سوئم نائلوں کی جراب میں متحقق نہیں لہذا مسح درست نہیں۔ اس میں احتیاط اس لیے بھی ضروری ہے کہ قرآن پاک میں غسل الرجلین مذکور ہے جو قطعی ہے اور احادیث مسح علی الخفین متواتر یا مشہور ہیں، اس لیے تخصیص کے لیے کافی ہیں۔ مسح علی الجوربین فقط میں میرے نزدیک ایسی صحیح السند صحیح الدلالة احادیث شہرت کے درجہ میں موجود نہیں اور قیاس علی الخفین کے لیے ان سے مشاکلہ اور مشابہت قویہ کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔

(احقر شمس الحق افغانی بہاولپور)

**سوال :-** فقہی ذخائر میں پڑھا ہے کہ جرابوں پر مسح مجلین و منعلین جرابوں کا کیا حکم ہے | کرنا جائز نہیں مگر مجلین یا منعلین جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے تو مجلین منعلین کا کیا مطلب ہے ؟

**الجواب :-** مجل یا منعل جراب کا مطلب یہ ہے کہ منعل اس جراب کو کہا جاتا ہے جس کے نیچے چمڑا لگا ہوا ہو اور مجل وہ ہے کہ تمام جراب پر چمڑا چڑھا ہوا ہو۔

قال الحصکفی: بسکون النون ما جعل علی اسفله جلدۃ۔ وقال ابن عابدین (قوله ما جعل علی اسفله جلدۃ) ای کانتعل للقدم وهذا ظاهر الروایة وفي رواية الحسن ما یکن الی الکعب ابن کمال (قوله والمجلین ما جعل الجلد علی اعلاہ واسفله ۱۴)

رد المحتار ج ۱ ص ۲۱۰ باب المسح علی الخفین ۱۴

**سوال :-** سوتی جراب پر مسح جائز نہیں

**الجواب :-** سوتی موزوں پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ البتہ اگر سردی کی وجہ سے اس جراب کے اوپر ایسے بوٹ پہن لیے جائیں جو ٹخنوں کو ڈھانپ کر رکھے کیا ایسے بوٹوں پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** سوتی موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں اس لیے کہ ان پر موزے کی تعریف صادق نہیں آتی، چونکہ یہاں صورت سولہ میں بڑے بوٹ موزے کے حکم میں ہیں اس لیے ایسی صورت میں بوٹوں پر مسح کرنا درست ہے بشرطیکہ بوٹ کے نیچے کا حصہ پاک ہو۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی: والخف الساتر لکعبین ما خومن الخفة کان الحکم به تخف من الغسل الی المسح..... صم ای جاز المسح علی الخفین فی الطہارة من الحدث

الاصغر الخ (مواقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۱۰۲، ۱۰۱ باب المسح علی الخفین) ۱۴

۱۴ قال حسن بن عمار الشرنبلالی: جوب منعل بوضم الجلد اسفله کانتعل للقدم واذ جعل اعلاہ

واسفله یقال له مجلد۔ (مواقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۱۰۳، ۱۰۲ باب المسح علی الخفین)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَقْهِ الْاِسْلَامِي وَادْلَتُهُ ج ۳ ص ۳۲۳ سابقاً المسح علی الجوارب۔

۱۴ قال الحصکفی: والخف شرعاً: الساتر لکعبین فاكثر من جلد ونحوه مسح ثلاثه امور

الاول کونه ساتر محل فرض الغسل للقدم مع الکعب والثانی کونه مشغوباً بالرجل بمنع سرية الحد

والثالث کونه مما یکن متابعه المشی..... وهو جائز..... بسنة مشهورة۔ (رد المحتار علی صدر المختار، باب المسح علی الخفین)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَقْهِ الْاِسْلَامِي وَادْلَتُهُ ج ۳ ص ۳۳۲ خلاصة الشروط فی المذهب۔

**سوال** :- کیا متوضی عمامہ یا ٹوپی وغیرہ پر مسح عمامہ یا ٹوپی وغیرہ پر مسح کر سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب** :- مسح کا ثبوت خلاف القیاس ثابت ہے اس لیے صرف موزوں پر مسح کرنا جائز ہے اس کے علاوہ عمامہ، ٹوپی اور برقع پر مسح کرنا جائز نہیں۔

لما قال الشيخ الدكتور هبه الزهيلي: قال الحنفية لا يصح المسح على عمامة وقلنسوة و برقع وقفازين لان المسح ثبت بخلاف القياس فلا يلحق به غيره -

(الفقه الاسلامي وادلتة ج ۳۱۱ باب المسح، سادسا المسح على العمامة له

**سوال** :- پٹی پر مسح کب تک باقی رہتا ہے، کن کن حالات میں مسح ختم ہو جاتا ہے؟

**الجواب** :- پٹی پر مسح دو حالتوں میں ٹوٹ جاتا ہے: (۱) اتارنے یا اترنے کی حالت میں جب زخم مندمل ہو جائے، اس لیے کہ جس علت کی وجہ سے مسح شروع ہوا تھا وہ ختم ہو گیا۔ (۲) حدث کی وجہ سے یعنی وضو ٹوٹنے کی حالت میں جبیرہ کا مسح بھی ختم ہو جاتا ہے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: يبطل المسح على الجبيرة في حالتين هما (۱) نزعمها وسقوطها قال الحنفية يبطل المسح على الجبيرة ان سقطت عن برد لزال العذر.... (۲) الحدث: يبطل المسح على الجبيرة بالاتفاق بالحدث -

(الفقه الاسلامي وادلتة ج ۳۵۶ نواقض المسح على الجبيرة) ۲

**سوال** :- اگر زخم پر مسح کرنے سے تکلیف ہوتی ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

**الجواب** :- اگر ظاہر زخم پر مسح کرنے سے تکلیف ہو تو پٹی وغیرہ کے اوپر مسح کرے اور اگر اس سے بھی شدید تکلیف کا احساس ہو تو پھر بوجہ مجبوری اس کا ترک کرنا

له قال العلامة حسن بن عماد الشرنبلالي: ولا يجوز اي لا يصح المسح على عمامة وقلنسوة و برقع وقفازين لان المسح ثبت بخلاف القياس فلا يلحق به غيره -

(مراقى الفلاح على صدر الطحطاوى كتاب فصل المسح على الخفين)

ومثله في الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲۴۲ باب المسح على الخفين -

له قال العلامة ابوبكر الكاساني: فسقوط الجبائر عن برد ينقض المسح -

(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۱۱ مطلب نواقض المسح على الجبيرة)



جائز ہے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي، واذا رمد وامره طيب مسلم حاذق الا يغسل عينه او انكسر ظفره او حصل به داء وجعل عليه دواء، جازله المسح للضرورة وان ضره المسح تركه لان الضرورة تقدم بقدرها - (الفقه الاسلامي وادلته ج ۱ تواقض المسح على الجبيرة) ۳۵۵ لہ

**سوال :-** ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضاء کے ٹوٹ جانے کی صورت میں پلستر پر مسح کرنے کا حکم

**ڈاکٹر حضرات اس عضو کو جوڑنے کے لیے پلستر لگاتے ہیں، کیا اس پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟**

**الجواب :-** پلستر کا استعمال ٹوٹے ہوئے اعضاء کو جوڑنے کے لیے ہوتا ہے اور ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر اس کا کھونا عموماً مضر ثابت ہوتا ہے اور اگر مضر نہ بھی ہو لیکن بار بار اس کو کھول کر باندھنا مالی اعتبار سے بھی نقصان کا باعث ہوتا ہے، اس لیے جبیرہ کی طرح پلستر کے اندر ملفوف اعضاء کا دھونا ضروری نہیں بلکہ مسح کافی ہے۔

لما قال الحصكفي: ويمسح نحو (مفتصد وجرح على كل عصابة مع فرجتها في الاصح - قال ابن عابدین: (قوله على كل عصابة) ای علی کل فرد من افرادها سواء كانت عصابة تحتها جراحة وهي بقدرها او زائدة عليها كعصابة المفتصد، او لم يكن تحتها جرحاً اصلاً بل كسرا وكى وهذا معنى قول الكنز: كما تحتها جراحة او لا، لكن اذا كانت زائدة على قدر الجراحة فان ضره الحل والغسل مسح لكل تبعاً والا فلا - (رد المحتار ج ۱ باب التيمم مطلب في لفظ كل اذا غلت على منكر او معروف) ۲ لہ

لہ قال الحصكفي: انكسر ظفره فجعل عليه دواء ووضع على شقوق رجله اُجرى الماء عليه وان قدره والامسحه والا تركه - (الدم المحتار على صدر رد المحتار ج ۱ م ۲۸۱ باب المسح على الخفين) ومثله مراقى الفلاح على صدر الطحطاوى م ۱۰۹ فصل في مسح الجبيرة -

لہ قال ابراهيم الحلبي الجبيرة ما تحتها جراحة وما ليس تحتها تبعاً لوضع الجراحة لان الجبيرة والعصابة لا توضع على وجه تأتي على موضع الجراحة فحسب بل تكون على ما حول الجراحة ايضاً فتحقققت الضرورة الى جواز المسح على الزائد على الجراحة الخ - (كبيري م ۱۱۱ باب المسح على الخفين)

ومثله في مراقى الفلاح على صدر الطحطاوى م ۱۰۱ فصل في الجبيرة ونحوها -

**سوال :-** سانپ کنوئیں یا حوض میں گر کر مر جائے تو اس کا حکم کیا ہے؟

**الجواب :-** سانپ عموماً دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ سانپ جو صحرا میں ہوتے ہیں، اگر ان میں خون شامل ہو اور ایسے سانپ کنوئیں یا حوض میں گر کر مر جائیں تو اس سے کنواں ناپاک ہو جائے گا اور اگر اس میں خون نہ ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ دوسری قسم کے سانپ وہ ہیں جو پانی میں ہی رہتے ہیں اگر وہ پانی میں مر جائیں تو پانی مطلقاً ناپاک نہیں ہوتا۔

لما قال المحسني: ومائى مولد ولو كلب الماء وخنزيرة (كسك و سرطان) وصدع  
الابريآ له دم سائل فيفسد في الاصح كحبة بريية ان له ادم والا لا۔ قال ابن عابدین:  
(قوله كحبة بريية) أما المائية فلا تفسد مطلقاً كما علم مما مر وكالحبة البرية والوزغة  
لوكبيرة له ادم سائل منية (قوله والا لا) أى ان لم يكن للصدع البرية والحبة البرية  
دم سائل فلا يفسد ۱۵۔ (رد المحتار ج ۱۵) باب المياه مطلب في مسائله لوضو من الفساق له

**سوال :-** کسی حیوان کا اندام (کوئی عضو) اگر کنوئیں میں گر جائے تو کیا حکم ہے؟

نکل آیا ہے، اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا اس میں ۲۰ سے ۳۰ ڈول پانی نکالنا کافی ہے؟

**الجواب :-** اگر چہ چڑیا کے مقدار جانور کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے اور وہ ۲۰ سے ۳۰ ڈول تک پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے مگر حیوان کے اندام میں یہ حکم نہیں بلکہ اس میں چھوٹے اور بڑے جانور سب برابر ہیں، اور یہ عضو ایک بڑے حیوان کے مساوی ہے، لہذا اس صورت میں کنوئیں یا حوض کا پورا پانی نکالنا چاہئے گا یا ۲۰۰ سے ۳۰۰ ڈول تک پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدین: (تحت قوله حيوان دموى واشفع) لو وقع ذنب قارة ينزح الماء

لہ قال الشيخ اشرف علی القفانوی: اگر خشکی کا سانپ ہو پس اندازہ کر کے دکھا جاوے کہ اس میں کتنے سو ڈول پانی ہے اتنا نکال دیا جاوے اگر چہ ٹوٹے نہیں پاک ہو جاوے گا، البتہ اگر تجربہ سے یہ تحقیق ہو جاوے کہ ایسے سانپ میں بہنے والا خون نہیں ہوتا تو اس سے کنواں ناپاک نہ ہوگا۔۔۔۔۔ اسی طرح اگر وہ سانپ پانی کا ہو تب بھی کنواں ناپاک نہ ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ جلد ۳۲ فصل فی البیئر)

كله يجزويه ظهرانہ لوجرح الحيوان بلا تفسخ ونحوہ ينزح الجميع كفاي الفتح وان قطعة منه كتفسحه وللهذا قال في الخانية قطعة من لحم الميتة تفسده -

(رد المحتار ج ۲۱۳ فصل في البيئر) له

**چھپکلی کرنے سے پانی کا حکم** | سوال :- ہمارے گھر میں چھپکلیاں بہت ہیں اور کبھی کبھی وہ پانی میں گر کر مر جاتی ہیں، کیا اس سے پانی ناپاک ہو جائے گا یا نہیں؟

**الجواب :-** عام چھپکلیوں میں بہنے والا خون نہیں ہوتا اس لیے اگر چھپکلی پانی میں گر کر مر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا اور اس سے وضو و غسل وغیرہ جائز ہے۔

قال العلامة ابوبکر الكاساني: أما الذي ليس له دم سائل فالذباب والعقرب والزنبور والسرطان ونحوها وانہ ليس بنجس عندنا۔ (بدائع الصنائع ج ۴ فصل اما الطهارة الحقيقية) له

**پرندوں کی بیٹ گرنے سے پانی نجس نہیں ہوتا** | سوال :- ہمارے گھر کے کنوئیں کے پاس ایک درخت ہے جس پر کافی تعداد میں پرندے ہوتے ہیں، کبھی کبھی ان پرندوں کی بیٹ اُس کنوئیں میں گر جاتی ہے، شریعت مطہرہ میں اس کنوئیں کے پانی کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** صورت مسئلہ میں پرندوں کی بیٹ سے بچنا انتہائی مشکل اور متعذر ہے، اسلئے شریعت مقدسہ میں اس کے گرنے سے پانی پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور نہ پانی کا استعمال ممنوع ہے بلکہ یہ پانی پاک اور قابل استعمال ہے۔

له قال الشيخ المفتي عزيز الرحمن الديوبندي: در صورت مسئلہ کشیدن مقدار جمله آن چاه لازم است و تا وقتیکه مقدار مذکورہ کشیده نشود نوشیدن ازاں آب و طعام با آن پنختہ خوردن ناجائز و حرام است۔ قال مولانا السيد ابوالسعود في حاشية المسكين معزيا الى الحموي وقطعة الحيوان في الحكم كالحكم كالحكم المتفسخ۔

رقاوی دارالعلوم دیوبند ج ۱۵۲ فصل في البيئر، مرتبه: مولانا ظفر الدین

وَمَثَلُهُ فِي السُّنَّةِ ج ۱ ص ۲ الباب الثالث في المياہ۔

له قال العلامة حسن بن عماد الشرنبلالی: ولا ينجس الماء ولا المائعات على الاصح بموجب ما معنی حیوان کلام له سواد البيئر والبحري فيه اي الملو والمائع۔ درمراقی الفلاح علی صد الطحطاوی ص ۳۱ فصل في الابار



قال العلامة الحصكفي: ولا نزح في بول فاردة في الاصح ولا بخره حمام و  
عصفور وكذا اسباع طير في الاصح لتعذر صونها عنه -

(المدرا المختار على صدر المختار ج ۲۱ فصل في البيئر) ۱

**چشمہ دارکنوئیں کی پاکیزگی میں امام محمد کا قول مفتی بہ ہے** | سوال :- چشمہ دارکنوئیں کی تطہیر  
میں علماء احناف کے مختلف اقوال

ہیں، مثلاً امام ابوحنیفہ کے ہاں رائے مبتلی بہ یا دو عادلین اشخاص کی رائے کا اعتبار ہے۔ امام ابو یوسف کے  
کے نزدیک کنوئیں میں جس قدر پانی ہے اتنی ہی مقدار میں نکالنا چاہیے جبکہ امام محمد سے ۲۰۰ سے  
۳۰۰ ڈول تک کا قول مروی ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ ان اقوال میں کون سا قول مفتی بہ ہے۔

**الجواب :-** علماء احناف کے ہاں اگرچہ اس مسئلہ میں مختلف آراء ہیں مگر متاخرین فقہاء کرام  
نے آسانی کے لیے امام محمد کے قول (۲۰۰ سے ۳۰۰ تک ڈول پانی نکالنا) کو مفتی بہ قرار دیا ہے،  
اگرچہ بعض نے امام صاحب کی رائے کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔

قال العلامة الحصكفي: وقيل يفتى بمائتين الى ثلاثمائة وهذا اليسر - قال ابن عابد  
وجزم به في الكنز والملتقى وهو مروى عن محمد وعليه الفتوى خلاصة وتا نارخانية  
عن النصاب وهو المختار معراج عن العتابة وجعله في العناية رواية عن الامام وهو المختار  
والايسر كما في الاختيار - (مدرا المختار ج ۲۱ فصل في البيئر) ۲



۱ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي: ولا يفسد اي لا ينجس الماء بخره حمام.... ولا  
ينجس بخره عصفور ونحوها مما يوكل من الطيور غير الدجاج والا ونر والحكم بطهارته  
استحسان الخ (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوى ص ۳ فصل في مسائل الابار)  
۲ قال العلامة ابن نجيم المصري: ان الفتوى على انه ينزح ثلثمائة وكذا في معراج  
الدراية معنى يا الى فتاوى العتابة ان المختار ما عن محمد.... والا فتاوى بما عن محمد اسهل  
على الناس - (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۲۳ كتاب الطهارة)

**فرج سے نکلی ہوئی ہو یا ناقض الوضو نہیں** | سوال :- نماز کے دوران اگر کسی عورت کی

اگلی نثر مگاہ سے ہوا خارج ہو جائے تو کیا وہ عورت نماز توڑ کر دوبارہ وضو کرے گی یا وہی وضو کافی ہوگا؟

**الجواب:** جو ہوا ڈبر سے نکلے وہ ناقض الوضو ہوتی ہے اور جو ہوا عورت کی فرج یا مرد کے ذکر سے خارج ہو وہ ناقض الوضو نہیں۔ لہذا صورتِ مسئلہ میں مبتلی بہ عورت کا وضو نہیں ٹوٹا اور وہ اسی وضو سے ہی نماز کو پورا کرے گی۔

لما قال العلامة ابوبکر بن علی بن الحداد: والريح الخارجة من الذکر و فرج المرأة لا تنقض الوضوء علی الصحيح الا ان تكون المرأة مفضاة فانه يستحب لها الوضوء۔ (البحر الہدیٰ ج ۱ ص ۱۰۸ کتاب الطہارة۔ نواقض الوضوء) لہ

**عادت پہلے دم نفاس بند ہو جانے کی صورت میں جماع کا حکم** | سوال :- اگر کسی عورت کا

پانچ چھ دن قبل بند ہو جائے تو کیا اس کا شوہر اس سے قربان (مبستری) کر سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جس عورت کا خون نفاس عادت سے قبل بند ہو جائے تو جب تک اس کی عادت پوری نہ ہو جائے اس وقت تک شوہر کے لیے بیوی سے قربان (مبستری) ممنوع ہے، البتہ اگر خون بند ہونے کے بعد ایک نماز کا وقت گزر جائے تو وہ نماز اور روزہ ادا کر سکتی ہے۔

لما قال العلامة الزیلعی: ولو انقطع دمها دون عادتھا یکرہ قربانھا حتی یمضی عادتھا وعلیھا ان تصلی وتصوم۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۹ کتاب الحيض) لہ

لہ لما قال العلامة الحسکفی: ولا خروج ریح من قبل غیر مفضاة اماھی فیندب لها الوضوء

وتجمل یجب وقیل لومنتنة الخ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المختار ج ۱ ص ۱۲۶ باب نواقض الوضوء)

ومثله فی الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۹۰ باب نواقض الوضوء۔

لہ لما قال العلامة ابن نجیم المصری: اذا انقطع اما دون العشرة دون عادتھا

لا یقربھا وان اغتسلت ما لم تمض عادتھا۔

(البحر الرائق ج ۱ ص ۲۰۳ کتاب الحيض)

پکی اینٹ پر تیمم کرنا | سوال :- ایک شخص جو کہ بیمار ہے اور پانی سے وضو کرنے پر قادر نہیں، اس لیے وہ پکی اینٹ پر تیمم کر کے نماز پڑھ لیتا ہے، تو اس شخص کے تیمم اور اس سے پڑھی گئی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جو چیز زمین کے اجزاء سے ہو اس پر تیمم کرنا جائز ہے، پکی اینٹ کا تعلق بھی چونکہ جنس الارض ہی سے ہے، اس لیے پکی اینٹ پر تیمم کرنا جائز ہے چاہے سالم ہو یا مدقوق۔

لما قال العلامة ابراہیم الحلبي: واما التيمم بالأجر فعدا إلى حقيقته يجوز مطلقاً  
دق اولاً لانه من اجزاء الارض وان شوى وتصلب بمنزلة النورة۔

(کبیری ص ۵۷ باب التيمم) ۱۷

استنجاء کرنے کے بعد ہوا خارج ہو جانے پر استنجاء کا حکم | سوال :- اگر کسی شخص سے

خارج ہو جائے تو کیا طہارت کے لیے اسے دوبارہ استنجاء کرنا پڑے گا یا نہیں؟ جبکہ اس کی مقعد ابھی تک گیلی ہے؟

الجواب :- ہوا خارج ہونے سے اگرچہ وضو ٹوٹ جاتا ہے اور دوبارہ کرنا پڑتا ہے لیکن استنجاء کرنا لازمی نہیں ہوتا چاہے مقعد گیلی ہو یا خشک۔ لہذا صورت مسئلہ میں بھی اس شخص پر دوبارہ استنجاء کرنا لازمی نہیں صرف وضو کرنے سے طہارت حاصل ہو جائے گی۔

لما قال العلامة ابن عابدین: فلا یسن من ریح کان عینھا طاهرة وانما نقضت  
لانبعاتها عن مواضع النجاسة ام لان بخروج الريح لا یكون علی السبیل شیء  
فلا یسن منه بل هو بدعة۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۶ فصل فی الاستنجاء) ۱۸

۱۷ لما قال العلامة ابن نجيم: ويجوز بالاجدى وهو الصحيح لانه طين مستحجر۔

(البحر الرائق ج ۱ ص ۱۴۸ باب التيمم) — ومثله في الهندية ج ۱ ص ۲۴۰ باب التيمم، الفصل الاول۔  
۱۸ لما قال العلامة ابن نجيم: وقد علم من تعريفه ان الاستنجاء لا یسن الا من حدث  
خارج من احد السبيلين غير الريح لان بخروج الريح لا یكون علی السبيل  
شیء فلا یسن منه بل هو بدعة۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۲۶ باب الانجاس)



ہوا خارج ہونے کا شک ہونے پر وضو کا حکم | سوال :- اگر کسی شخص کو وضو کرنے کے بعد

اس بات کا وہم ہو جائے کہ اس کی ہوا خارج ہو گئی ہے مگر حقیقت میں اس سے کوئی ہوا وغیرہ خارج نہیں ہوئی ہوتی، تو کیا صرف شک کی بناء پر وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- جب تک ہوا خارج ہونے کا کامل یقین نہ ہو تو صرف شک کی بناء پر وضو نہیں ٹوٹتا۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصرى: اليقين لا يزول بالشك۔

(الاشباه والنظائر ج ۱ ص ۱۸۳) لہ

جگالی کے دوران جانور کے منہ سے نکلنے والا مواد ناپاک ہے | سوال :- جناب مفتی صاحب!

کوئی چیز جانور کے منہ سے نکل کر پانی میں گر جائے تو اس سے پانی ناپاک ہو جائے گا یا نہیں؟ جبکہ یہ مواد معدہ سے واپس منہ میں آتا ہے اور جانور اس پر جگالی کرتے ہیں؟

الجواب :- جگالی کے دوران جو چیز جانور کے منہ سے نکل کر منہ میں واپس آتی ہے وہ حکماً پاخانہ کی طرح ہوتی ہے، اس لیے اگر وہ کسی پاکیزہ پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

لما قال مولانا محمد رشيد، مسئلہ: ہر جانور کا پتہ اس کے پیشاب کے برابر ناپاک ہے اور جگالی میں جو کچھ نکلتا ہے وہ اس کے پاخانہ کے برابر ناپاک ہے۔ (مہشتی زیور ص ۸۲)

پنج سورہ وغیرہ کے ساتھ بیت الخلا جانا | سوال :- اگر کسی شخص کی بیب میں پنج سورہ

یا سورۃ یسین وغیرہ ہو اور اسے بیت الخلا جانے کی حاجت ہو اور یہ چیزیں وہاں رکھنے کی جگہ بھی نہ ہو تو کیا شرعاً آدمی ان کے ساتھ بیت الخلا جا سکتا ہے یا نہیں؟

لہ لما قال العلامة مفتی عبد الرحيم لاجپوری: جب ہوا نکلنے کا یقین نہیں ہے تو صرف وہم ہوتے رہتے سے وضو نہیں ٹوٹے گا اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

(فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱۰ ص ۱۱۱ کتاب الطہارۃ)

**الجواب :-** متبرک اشیاء اور قرآنی آیات کا بیت الخلا میں یا کسی ایسی جگہ جہاں گندگی پڑی ہو۔ لے جانا صحیح نہیں البتہ اگر جیب میں رکھ لی جائیں تو جائز ہے مگر پھر بھی خلاف اولیٰ ہے، گوش کر کے ایسی چیزیں بیت الخلا سے باہر کسی محفوظ اور پاکیزہ جگہ پر رکھ دی جائیں ورنہ بصورت مجبوری بلا کراہت منحص ہے۔

لما قال العلامة كاشغری: ویکره دخول المخرج لمن فی اصبعه خاتم فیہ شیء من القرآن او من اسماء الله تعالیٰ لما فیہ من ترک التعظیم۔

وقال العلامة ابراهیم الحلبي فی شرح المنیة: وقیل لا یکره ان یجعل فمه الح باطن اذکف ولو كان ما فیہ شیء من القرآن او من اسماء الله تعالیٰ فی جیبه لا یأس به وکذا ولو كان ملفوفاً وشیء والتحریر اوی۔ (کبیری ص ۵۸)

**نفاس والی عورت کے ہاتھوں کھانے پینے کا حکم** | سوال :- بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بچے کی ولادت کے بعد عورت جب تک ناپاکی کی حالت میں ہو تو اتنے دنوں (چالیس دن) تک اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانا جائز نہیں، اس کا شرعی حل مطلوب ہے؟

**الجواب :-** اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، اس میں افراط و تفریط اور یہود و ہنود کے مفروضہ نظریات و خیالات کی کوئی گنجائش نہیں، جہاں تک مذکورہ بالا سوال کا تعلق ہے تو یہ یہودیوں کا عمل و نظریہ ہے، یہ لوگ ان مخصوص ایام میں عورتوں کو بالکل الگ تھلگ رکھتے ہیں، نہ تو ان کے ہاتھوں کا کھانا کھاتے ہیں اور نہ ان کے ساتھ دیگر سماجی و معاشرتی تعلقات رکھتے ہیں۔ اسلام نے حیض و نفاس کی حالت میں صرف جماع کرنے سے منع فرمایا ہے اور باقی سب امور کو جائز قرار دیا ہے، لہذا نفاس والی عورت کے ہاتھوں کھانا پینا شرعاً جائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: ولا یکره طبخها ولا استعمال ما منه من عجین او ماء او نحوهما۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۲ باب الحيض)

لما قال الشیخ اشرف القانوی: ایسی چیز جس پر خدا یا کسی نبی یا کسی فرشتے یا کسی معظّم کا نام یا کوئی آیت یا حدیث یاد رکھی ہوئی ہو اپنے ساتھ رکھنا البتہ اگر ایسی چیز جیب میں ہو یا تعویذ کپڑے وغیرہ میں پٹا ہوا ہو تو کراہت نہیں۔ (بہشتی زیور ص ۸۳۹ کتاب الطہارة)

پیشاب اور پاخانہ کے وقت کن امور سے بچنا چاہیے؟ سوال: جناب مفتی صاحب! دینے پر معذرت خواہ ہوں، مسئلہ یہ ہے کہ قصائے حاجت و پیشاب اور پاخانہ کے وقت کن امور سے بچنا ضروری ہے؟

الجواب:- اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس لئے ہر عمل کے لئے کچھ آداب اور کچھ امور سے بچنے کو بیان کیا ہے، یہاں تک کہ پیشاب اور پاخانہ کرتے وقت بعض امور سے بچنے کی تعلیم دی ہے، مثلاً بلا ضرورت باتیں کرنا، کھانا، قرآن کریم کی کوئی آیت، حدیث یا کوئی دوسرے متبرک کلمات پڑھنا، کوئی ایسی چیز جس پر خدا، رسول یا فرشتے کا نام ہو، کوئی آیت یا حدیث لکھی ہوئی ہو یا کوئی دعا تحریر ہو ساتھ لے جانا، بلا عذر شرعی کھڑے ہو کر یا لیٹ کر پیشاب اور پاخانہ کرتا، تمام کپڑے اتار کر بالکل برہنہ ہو کر قضاء حاجت کرنا، قبلہ رخ بیٹھنا، دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا، کھانے پینے کی اشیاء سے استنجاء کرتا، جاتوروں کے چارے سے استنجاء کرنا وغیرہ، ان امور سے دوران قضاء حاجت بچنا چاہیے۔

لھکنافی کبیری ص ۳۹ و بہشتی زیور حصہ ۱۱ ص ۱۱

سوال:- ایک شخص بواسیر کا مریض ہے، اٹھتے بیٹھتے بواسیر کی رطوبت سے وضو کا حکم۔ بواسیر کی رطوبت اس کے کپڑوں پر لگ جاتی ہے۔ تو کیا اس رطوبت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ جبکہ یہ رطوبت عام پانی کی طرح بہنے والا نہیں، نیز یہ بھی بتائیں کہ اس رطوبت سے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ وضو ہر اس نجس چیز کے نکلنے سے ٹوٹ جاتا ہے جو انسان کے بدن سے نکل کر پانی کی طرح بہہ جائے، اگر بہے نہیں تو پھر وہ چیز ناقض وضو نہیں۔ لہذا صورت مسئلہ میں اگر رطوبت بواسیر کے زخم سے نکل کر بہتی نہ ہو تو اس سے وضو ختم نہیں ہوتا اور نہ کپڑے ناپاک ہونگے، کیونکہ فقہاء کرام کا قاعدہ کلیہ ہے: مالیس بحدث لیس بنجس، کہ جو چیز محدث نہ ہو وہ نجس نہیں۔

لما قال العلامة المفتی عزیز الرحمن: (الجواب) جو رطوبت زخم سے باہر نہ بہے اور اور سائل نہ ہو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ کذا فی کتب الفقہ۔ اور کپڑا بھی ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ فقہاء قاعدہ کلیہ لکھتے ہیں: مالیس بحدث لیس بنجس۔ پس جو صورت اب نے تحریر



فرمائی ہے اس میں نہ وضو ٹوٹتا ہے نہ کپڑا ناپاک ہوتا ہے۔

وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۲۱ ترتیب مفتی ظفر الدین صاحب، کتاب الطہارۃ

سوال :- ایک شخص معذور ہے یعنی معذور کا قبل از وقت وضو کر کے اس سے نماز پڑھنا

اس کو سسل البول کی بیماری ہے، وہ ہر نماز کے لیے الگ وضو کرتا ہے، اگر کسی نماز کا وقت داخل ہونے سے قبل اس نے وضو کیا ہو تو کیا وہ اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- معذور شخص کے لیے ضروری ہے کہ نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد وضو کرے، اگر اس نے وقت داخل ہونے سے قبل وضو کر لیا تو وہ وضو درست نہیں اور وہ اس قبل از وقت کئے گئے وضو سے کوئی نماز نہیں پڑھ سکتا۔

لما قال العلامة الحسینی: حکمہ الوضو لکل فرض اللام للوقت ثم یصلی بہ فیہ فرضاً ونقلاً فاذا خرج الوقت بطل۔ والد المختار علی ہاشم المختار ج ۱ احکام المعذور

سوال :- ایک عورت کے رحم سے نکلنے والی سفید رطوبت سے وضو کا حکم

سے ہر وقت سفید رطوبت نکلتی رہتی ہے، تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اگر ٹوٹ جاتا ہے تو کیا یہ عورت معذور سمجھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب :- اگر کسی عورت کے رحم سے سفید رطوبت ہر وقت بہتی رہتی ہو تو وہ ناقض الوضو ہے یعنی وضو ختم ہو جاتا ہے، البتہ جو رطوبت فرج خارج سے آتی ہو تو وہ پسینہ ہے اس سے وضو ختم نہیں ہوتا، صورت مذکورہ میں چونکہ ہر وقت اس عورت کے رحم سے رطوبت نکلتی ہے، اس لیے وہ معذور سمجھی جائے گی۔ لہذا فی امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۶۶

لہذا قال العلامة المفتی عزیز الرحمن: (الجواب) جبکہ وہ شخص معذور ہے تو اس کو قبل از وقت وضو کرنا درست نہیں ہے، بس وقت کے بعد ہی وضو کرے اگرچہ جماعت فوت ہو جائے۔

[ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱ ص ۲۶۶ ترتیب مفتی ظفر الدین صاحب ]  
[ کتاب الطہارۃ، فصل رابع، معذور سے متعلق احکام ]